

بیادگار

تاج العلماء سراج العرفا حضرت سید شاہ اولادِ رسول محمد میاں قدس سرہ
سید العلماء سراج الاولیا حضرت سید شاہ آلِ مصطفیٰ سید میاں قدس سرہ
احسن العلماء سراج الاصفیا حضرت سید شاہ مصطفیٰ حیدر حسن میاں قدس سرہ
شفیق ملت حضرت سید حسین میاں زیدی قادری برکاتی قدس سرہ

مجلس مشاورت

امین ملت حضرت پروفیسر سید شاہ محمد امین میاں قادری برکاتی
شرف ملت حضرت سید محمد اشرف میاں قادری برکاتی
شہزادہ احسن العلماء سید محمد افضل قادری برکاتی

مجلس ادارت

سید محمد امان قادری برکاتی
ڈاکٹر احمد مجتبیٰ صدیقی قادری برکاتی
سید محمد عثمان قادری برکاتی

مدیر اعلیٰ

سید نجیب حیدر قادری برکاتی نوری



دین و دنیا کی ہمیں برکات دے برکات سے
عشقِ حق دے عشقِ عیشِ ایتما کے واسطے

اہل سنت کی آواز

جلد ۲۳

صفر المظفر ۱۴۳۸ھ / نومبر ۲۰۱۶ء

خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کاترجمان

خصوصی شمارہ

تعلیم

طابع و ناشر : سید نجیب حیدر قادری برکاتی نوری، سجادہ نشین، خانقاہ برکاتیہ، مارہرہ شریف
منتظم : محمد اکبر قادری برکاتی، قادری مسجد، فلیٹ نمبر ۱، کبیر کالونی، علی گڑھ، 09359146877
مطبع : مکتبہ جام نور، میاں محل، جامع مسجد، دہلی

خانقاہ برکاتیہ، بڑی سرکار، مارہرہ شریف
ضلع ایٹہ، اتر پردیش

انتساب

عم محترم
شفیق ملت

حضرت سید مرتضیٰ حیدر حسین میاں قادری

کے نام

جو ہمارے گھر کے بزرگوں کی

آخری نشانی تھے

(مدیر)

فہرست مضامین

۱	اداریہ	سید نجیب حیدر نوری	۷
---	--------	--------------------	---

گوشہ مضامین

۲	تعلیم کی اہمیت قرآن وحدیث کی روشنی میں	مولانا ساجد علی مصباحی	۲۶
۳	قرآن کریم اور سائنسی تفسیر	مولانا مفتی دلشاد احمد قادری	۶۰
۴	قرآن کریم اور ہمارا زندگی ہمسایہ سورج	پروفیسر ظفر احسن	۶۸
۵	مذہبی تعلیمات اور شخصیت سازی	ڈاکٹر محمد سجاد عالم رضوی	۸۲
۶	مذہبی تعلیم اور عصری تعلیم میں ہم آہنگی - ایک جائزہ	پروفیسر غلام یحییٰ انجم	۱۲۲
۷	دینی مدارس کا نظام تعلیم اور عصر حاضر کے تقاضے	مولانا کمال احمد علی	۱۵۳
۸	مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی - حقائق، اسباب اور سدباب	پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین	۱۷۴
۹	شخصیت سازی میں اقامتی زندگی کا کردار	سید محمد افضل قادری	۱۸۰
۱۰	شخصیت سازی کے عنصر	پروفیسر پرویز طالب	۱۸۹
۱۱	عصری تعلیم کے فوائد - دور حاضر میں	ڈاکٹر حسین مشاہد رضوی	۱۹۶
۱۲	ووبکشنل کورسز (ہنرمندی) اور ان کی افادیت	پروفیسر عبدالوحید	۲۱۵

گوشہ کوائف

۲۷	کوائف جامعہ البرکات، علی گڑھ	ڈاکٹر احمد مجتبیٰ صدیقی	۲۰۱
۲۸	کوائف جامعہ احسن البرکات، مارہرہ	مولانا فضیل احمد مصباحی	۲۰۹
۲۹	عرس صاحب البرکات کی آنکھوں دیکھی	مولانا محمد اکبر علی برکاتی	۲۱۵
۳۰	عرس قاسمی برکاتی ۲۰۱۵ء	محمد اکبر قادری	۲۲۱
۳۱	سالانہ فاتحہ حضور احسن العلماء علیہ الرحمہ	محمد اکبر قادری	۲۳۰

۱۳	ہندوستان میں مسلمانوں کے عصری علوم و فنون کے ادارے	ڈاکٹر فصیح راغب گوہر	۲۲۵
۱۴	ہندوستان میں عصری علوم کے اداروں کے قیام کا تاریخی پس منظر	مولانا توفیق احسن برکاتی	۲۳۷
۱۵	قومی پالیسی ۲۰۱۶ء کا مسودہ - خلاصہ اور تجزیہ	ڈاکٹر فہیم عثمان صدیقی ڈاکٹر ثمنیہ فاضلی	۲۳۸
۱۶	تعلیم - سماج اور معاشی برتری کا واحد حل	ڈاکٹر خوشتر نورانی	۲۸۹
۱۷	تعلیم نسواں کی معنویت: مسائل اور امکانات	احمد رضا صابری	۲۹۸
۱۸	تعلیم نسواں - امت مسلم کے لیے قابل غور پہلو	مولانا محمد نور نبی یوسفی	۳۰۷
۱۹	خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کا تعلیمی مشن	ڈاکٹر احمد مجتبیٰ صدیقی	۳۱۳
۲۰	قدیم عرس قاسمی برکاتی شریف کی مختصر روداد	تاج العلماء حضرت سید شاہ محمد میاں صاحب قدس سرہ	۳۲۲
۲۱	کر بلا کا مسافر	سید العلماء حضرت سید شاہ آل مصطفیٰ سید میاں قدس سرہ	۳۳۷
۲۲	ذکر سید الشہد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ	احسن العلماء حضرت سید شاہ مصطفیٰ حیدر حسن میاں قدس سرہ	۳۵۰
۲۳	میرے عم محترم - میاں (حضرت شفیق ملت سید شاہ مرتضیٰ حیدر حسین میاں کو خراج عقیدت)	سید محمد اشرف قادری	۳۷۸
۲۴	میرے شفیق شفیق ملت	محمد اکبر قادری	۳۸۶
۲۵	اہل سنت کی آواز (جلد: ۲۲/۲۰۱۵ء)	مفتی قطب الدین رضا مصباحی	۳۸۹
۲۶	خانقاہ مارہرہ کی علمی و ادبی خدمات (اہل سنت کی آواز کے حوالے سے)	ڈاکٹر رضوان الرضا رضوان	۳۹۳

اداریہ

سید نجیب حیدر نوری

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

محترم قارئین!

اہل سنت کی آواز کا تازہ شمارہ آپ کی خدمت میں حاضر ہے۔ گذشتہ سال منفرد مضامین پر مشتمل اہل سنت کی آواز پیش کیا گیا جس کو لوگوں نے بہت سراہا اور عناوین کی معنویت کو بہت پسند کیا گیا۔ آپ سے ہماری ہمیشہ یہ گزارش رہی ہے کہ اس رسالہ کو از سر نو پڑھ کر ہمیں اپنے قیمتی مشوروں سے نوازا کریں۔

امسال بھی ارادہ تھا کہ منفرد مضامین پر مشتمل رسالے کی اشاعت کی جائے لیکن برادر معظم حضرت شرف ملت مدظلہ نے ایک بہت قیمتی تجویز مرحمت فرمائی کہ اس سال تعلیم کے حوالے سے رسالے کو مرتب کیا جائے تاکہ تعلیم کے فیضان سے مرتب ہونے والے فوائد سامنے آسکیں۔

خانقاہ برکاتیہ کا تعلق قیام خانقاہ سے لے کر دور حاضر تک تعلیم سے بہت عمیق رہا ہے، خواہ وہ دینی تعلیم ہو یا عصری تعلیم۔ مذہب اسلام نے تعلیم کی نہج کو کبھی مخصوص نہیں کیا کیوں کہ تعلیم تو تعلیم ہوتی ہے اس کا کام شخصیت کو جامع کرنا ہوتا ہے۔ ہمارے مشائخ کرام تعلیم کے پھیلاؤ کے ہمیشہ سے حامی رہے۔ تعلیمی اداروں کا قیام، علم و اہل علم کی توقیر اور ترویج علم کی ترغیب اپنے اہل سلسلہ کو یہاں سے دی جاتی رہی اور یہ سلسلہ الحمد للہ جاری ہے۔ آج اکیسویں صدی میں امت مسلمہ کو اگر سب سے زیادہ کسی چیز کی ضرورت ہے تو وہ تعلیم کے زیور سے آراستہ ہونے کی۔ ہمارے سماجی، معاشرتی، سیاسی، اقتصادی معاملات سب تعلیم ہی سے وابستہ ہیں۔ عوامی سطح ہو یا بین الاقوامی ہم ان میں سے کسی بھی منظر نامے

پر مضبوط حالات میں نہیں دکھائی دیتے۔ حالاں کہ تعلیم کا سب سے گہرا تعلق مذہب اسلام ہی سے ہے۔ اس حوالے سے قرآن وحدیث کے واضح احکامات ہمارے سامنے موجود ہیں۔

ہمارے مذہب نے تعلیم کو جنسیات کی حدود میں بھی قید نہیں کیا۔ مردوں اور عورتوں دونوں پر تعلیم واجب کی گئی ہے تاکہ معاشرے کی تکمیل و تزئین میں دونوں کا برابر ہاتھ ہو۔

بڑے غور کرنے کی بات ہے کہ آج تعلیم کا معیار اور اسلوب ماضی کے مقابلے بالکل بدل چکا ہے۔ کیا ایسی چیز کم ہیں جس کے سبب پڑھے لکھے لوگوں میں اخلاقی اقدار نظر نہیں آتی الا ماشاء اللہ، ایک شخص میں تعلیم یافتہ ہونے کے جو فوائد خاطر خواہ نظر آنے چاہیے نظر نہیں آتے۔ تہذیب و تمدن کا فقدان، ادب و آداب میں بے راہ روی اس پر غور و فکر کرنا ہے کہ کیا ایسی کمی ہے کہ جس نے سب کچھ تبدیل کر کے رکھ دیا اور سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ ہماری قوم کے افراد کو مادری زبان سے واقفیت کم ہوئی اور بلکہ یوں کہئے کہ ہماری نئی نسل زبان اردو سے نابلد ہے تو بھی مبالغہ نہیں ہوگا۔ سب سے اول فریضہ تو یہ ہے کہ ترویج علم کے اس مشن کو آگے بڑھانے کے لئے تعلیم کی افادیت کو لوگوں تک پہنچائیں اور ان کو وہ ذرائع اور راستے بتائیں جہاں سے علم نافع کا حصول ہو سکتا ہے۔ فقیر برکاتی کو برادر محترم سید محمد افضل کی ایک اہم بات اس موقع پر یاد آئی کہ ”نافع شخص کو لوگ زمین میں سے کھود کر نکال لیتے ہیں چاہے وہ کسی بھی مذہب اور مسلک کا ہو“ تو ہم کو اپنی قوم کو اب نافع بنانا ہے اور نافع شخص صرف اور صرف تعلیم اور تربیت کے ذریعے ہی بن سکتا ہے اور اس کے لئے ایک چھوٹی سی کوشش بھی آگے جا کر بہت مؤثر ہو سکتی ہے۔ ہمیں اپنے طور سے مستعد رہنا ہے اور کوشش کرتے رہنا ہے۔ خانقاہ برکاتیہ سے نکلنے والا اہل سنت کی آواز کا یہ شمارہ جو تعلیم سے منسوب ہے، وہ بھی اسی کوشش کا ہی ایک حصہ ہے۔ موجودہ شمارے میں تعلیم و تربیت کے حوالے سے بہت مفید مضامین شامل اشاعت ہیں جن سے نہ صرف اہم جانکاریاں ملیں گی بلکہ شخصیت سازی میں بھی بہت معاون ہوں گے۔

شمارے میں شامل بیشتر مضامین ان صاحب قلم افراد کے ہیں جن کا تعلیم، تربیت اور شخصیت سازی سے نہ صرف گہرا تعلق ہے بلکہ وہ صاحبان میدان علم میں خود دوسروں کے

لئے نمونہ عمل ہیں۔

کوشش کی گئی ہے کہ اس حوالے سے اتنا تنوع مضامین میں ہو کہ کم از کم قاری کو یہ تسلی ہو جائے کہ ایک ہی جگہ علم کے حصول اور اس کے فوائد کا سراغ مل گیا۔

”تعلیم کی اہمیت قرآن و سنت کی روشنی میں“ ہمارے پیش نظر ہے۔ عوام و خواص کو تعلیم کی اہمیت مذہبی حوالے سے بتانا بے حد ضروری ہے تاکہ لوگ یہ سمجھ سکیں کہ تعلیم دنیاوی لوگوں کی ترغیب سے اہم نہیں ہے بلکہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم بھی اس میں صاف صاف موجود ہیں۔ اس حوالے سے ہماری جماعت کے ایک بے حد ذہین اور سنجیدہ عالم دین مولانا ساجد مصباحی کا مضمون عوام الناس کے لیے بے حد مفید اور معاون ثابت ہوگا۔ مولانا ساجد علی صاحب الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور میں استاذ ہیں اور ان چند افراد میں ہیں جن سے سواد اعظم اہل سنت کی علمی نمائندگی خوب خوب ہو رہی ہے۔

عالم ربانی شیخ اسید الحق صاحب قادری عثمانی علیہ الرحمہ کی کتاب جو قرآن اور سائنس کے حوالے سے ہے اس کی تلخیص مولانا دلشاد صاحب نے بہت تحقیقی اور علمی انداز میں فرمائی ہے۔ مولانا دلشاد صاحب مدرسہ قادریہ کے لائق استاد اور شیخ صاحب کے تربیت یافتہ ہیں۔

عصری تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ قرآن اور سائنس کے باہمی تعلق کے حوالے سے پروفیسر ظفر احسن صاحب کے مضمون سے انشاء اللہ ضرور مستفید ہوں گے انہوں نے اپنے مقالے میں تحقیق فرما کر جو علمی انکشافات کیے ہیں وہ ان کی محنت کا ثمرہ ہے۔ انھوں نے ہمارے قارئین کے لیے جو مفید اور معلوماتی سامان مہیا کر لیا ہے ہم اس کے لیے ممنون ہیں۔ موصوف علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ ریاضی کے سابق صدر ہیں قرآن اور سائنس کے حوالے سے تحقیق و تخلیق کے کاموں میں دل چسپی لیتے ہیں۔

مذہبی علوم حاصل کرنے والے صاحبان علم کے لئے ضروری ہے کہ ان کی شخصیت ایسی جاذب نظر ہو کہ ملنے اور برتنے والے ان کو نمونہ عمل بنا سکیں اور ان سے ترغیب لے کر خود بھی تعلیم یافتہ ہونے کا عزم کر سکیں۔ اس حوالے سے ڈاکٹر سجاد عالم مصباحی صاحب کا مضمون ”مذہبی تعلیم اور شخصیت سازی“ مشعل راہ ہے۔ ڈاکٹر سجاد جو خود عالم فاضل ہونے

کے ساتھ ہند اور بیرون ہند کی عصری درس گاہوں سے تعلیم یافتہ ہیں اور اپنی شخصیت کو اسی علم کے سہارے سنوارے ہوئے ہیں۔

عصری تعلیم اور مذہبی تعلیم کے افراد کے مابین نرم نرم نظریاتی اختلافات ہمیشہ سے رہے ہیں اور ہر دور میں ان غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوششیں کی جاتی رہی ہیں۔ پروفیسر غلام یحییٰ انجم صاحب کا مضمون انشاء اللہ بڑی حد تک سنجیدہ ذہنوں کو سوچنے پر مجبور کرے گا اور جو بھی غلط فہمیاں ہیں ان کو رفع کرے گا۔

نوجوان قلم کار مولانا کمال احمد علی کا مضمون ”مدارس کا تعلیمی نظام اور دور حاضر کے تقاضے“ بے حد معلومات افزا اور ترغیب دینے والا ہے۔

پروفیسر خواجہ اکرام صاحب کی شخصیت ہم سب کے لئے لائق صد ہزار احترام ہے اور اس کی وجہ ان کی انکساری اور دین و مذہب کے لئے صاحب منصب ہونے کے باوجود ان کا مخلص ہونا ہے۔ خواجہ صاحب نے اس رسالے میں ایک بہت وسیع موضوع کا احاطہ اختصار میں بہت جامع طریقے سے کیا ہے یعنی ”مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی - حقائق، اسباب اور سد باب“۔ اس عنوان کے حوالے سے قلم اٹھانا بڑے حوصلے کا کام ہے جسے خواجہ صاحب نے بڑی خوبی کے ساتھ نبھایا۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

برادر محترم سید محمد افضل کا مضمون ”شخصیت سازی میں اقامت گاہوں کی حصہ داری“ نہایت ہی مفید اور دل چسپ ہے۔ برادر محترم سید محمد افضل پولس کے بڑے منصب پر فائز ہیں۔ منصبی ذمہ داریوں کے باوجود پڑھنے اور لکھنے کا ان کا مشغلہ جاری ہے۔ برادر محترم نے ایک لمبا عرصہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی اقامت گاہ میں گزارا۔ وہاں کے تجربات سے اپنی شخصیت میں چار چاند لگائے۔ ہم نے ان سے گزارش کی کہ ایک مضمون شخصیت سازی کے حوالے سے رقم فرمائیں تاکہ قارئین ان کے تجربات کی روشنی میں شخصیت سازی کے عمل کو جاننے کی کوشش کریں۔ یہ مضمون بے حد دل چسپ اور مقصد پورا کرنے والا ہے۔

برادر محترم پروفیسر پرویز طالب صاحب کا مضمون شخصیت سازی کے حوالے سے انشاء اللہ اس راہ کے مسافروں کے لیے بے حد سودمند ثابت ہوگا۔ پرویز بھائی مینجمنٹ کے

پروفیسر ہیں اور قوم و ملت کا بہت درد رکھتے ہیں۔ یہ مضمون ان کے وسیع تجربے کا ثمرہ ہے۔ عصری علوم کے فوائد کے نہیں معلوم لیکن تجدید ذہن ضروری ہے لہذا ایک مربوط مضمون ہمارے بہت ہی باصلاحیت، فعال، لائق اور ہمارے عزیز اسکالر مولانا حسین مشاہد رضوی صاحب نے اس حوالے سے قلم بند کیا ہے۔ انشاء اللہ قارئین اس سے استفادہ فرمائیں گے۔

دور حاضر میں Vocational Courses کی وقعت سے ہر شخص واقف ہے اور حقیقتاً یہ کورسز بے حد مفید اور روزگار کی فوراً فراہمی میں مؤثر ہیں۔ پروفیسر عبدالوحید صاحب کا مضمون اس سلسلے میں رہنمائی کے لئے کلیدی کردار ادا کرے گا۔ پروفیسر موصوف علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ سماجیات میں استاذ اور دین و سنیت کا عمیق درد رکھنے والے مخلص افراد میں سے ہیں۔ خانقاہ برکاتیہ اور البرکات کے اداروں کے لئے ہمیشہ تیار رہنے والوں میں سے بھی۔ خدا ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ (آمین)

ہم سب کو یہ جاننا بے حد ضروری ہے کہ آج عصری علوم کے لیے کون سے ایسے ادارے ہیں جو ہمارے بچوں کے مستقبل کے لئے سازگار ثابت ہوں گے۔ ایسی معلومات کی فراہمی کے لیے ڈاکٹر راغب گوہر صاحب کا مضمون قارئین کے لیے معاون و مددگار ثابت ہوگا۔ ڈاکٹر راغب گوہر صاحب شعبہ قانون، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں سیاسیات کے سینئر استاذ ہیں۔ مولانا توفیق احسن برکاتی صاحب کا مضمون ”ہندوستان میں عصری علوم کے اداروں کے قیام کا پس منظر“ ان کے عمیق مطالعے کی نشاندہی کرتا ہے۔ ان کے اس مضمون سے بہت اہم انکشافات ہوں گے۔

موجودہ حکومت کی Educational Policies کیا ہیں اور ان کے نفاذ کی صورت حال موجودہ زمانے میں کیا ہے، ہم میں سے بہت سے لوگ ان تمام باتوں سے تقریباً نا بلد ہیں اور یہی سبب ہے کہ بہت سی مراعات اور سرکاری امداد ملنا تو دور کی بات، اس کی خبر تک نہیں ہو پاتی۔ ڈاکٹر نعیم عثمان صدیقی البرکات کے کوآرڈینیٹر ہیں اس سے قبل وہ حکومت ہندوستان میں اقلیتوں کو مالی امداد کرنے والے مختلف اداروں سے وابستہ رہے

ہیں اور ملت کے حساس معاملات میں بہت سنجیدہ اور فہیم ذہن رکھتے ہیں۔ انہوں نے ڈاکٹر ثمنینہ فاضلی صاحبہ کے اشتراک سے ۲۰۱۶ء کی تعلیمی پالیسی پر ایک سیر حاصل اور سودمند مقالہ رقم کیا۔ انشاء اللہ اس سے قارئین کی معلومات میں خاطر خواہ اضافہ ہوگا۔

برادر مر ڈاکٹر خوشتر نورانی صاحب دنیائے سنیت میں اپنی قابلیت اور علمی صلاحیت کے حوالے سے خوب خوب متعارف ہیں۔ ان کی اپنی ذاتی شناخت کے ساتھ بحیثیت مدیر جام نوران کو بہت شہرت اور مقبولیت حاصل ہے۔ ان کا مضمون ”تعلیم۔ سماجی اور معاشی برتری کا واحد حل“ بے حد معلوماتی اور نثری خوبیوں سے لبریز ہے۔

عزیزی امان سلمہ رسالہ ”روشنی“ کا مطالعہ کر رہے تھے ان کو دو مضامین ”تعلیم نسواں کی معنویت۔ مسائل اور امکانات (احمد رضا صابری صاحب)“ اور دوسرا ”تعلیم نسواں۔ امت مسلمہ کے لیے قابل غور پہلو (مولانا محمد نور نبی یوسفی صاحب)“ بہت پسند آئے کہ یہ قارئین کے لئے معلوماتی اور فائدے مند ہیں۔ انہوں نے مدیر رسالہ سے اجازت لی اور ان کو اہل سنت کی آواز میں شامل کر لیا۔ لہذا دلی شکریہ کے ساتھ ان مضامین کو شامل اشاعت کر رہے ہیں۔

ہم تعلیم پر شمارہ نکال رہے ہیں تو یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے چاہنے والوں کو اپنی ٹوٹی پھوٹی کوششوں سے آشنائی کرائیں۔ عزیز مر ڈاکٹر احمد مجتبیٰ صدیقی کا مضمون ”خانقاہ برکاتیہ کا تعلیمی مشن“ آپ کو خاطر خواہ معلومات فراہم کرائے گا اور آپ حضرات دعاؤں سے نوازیں گے۔ انشاء اللہ۔

گزشتہ سال سے گوشہ کوائف میں ایک خوشگوار اضافہ یہ ہوا ہے کہ اپنے بزرگوں کے ذریعے عرس قاسمی شریف کا آنکھوں دیکھا حال آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ لہذا اس سال بھی حضرت تاج العلماء علیہ الرحمۃ کے قلم مبارک سے نکلی ہوئی روداد آپ کی خدمت میں پیش ہے۔ چونکہ محرم شریف کا مہینہ ہے اس مناسبت سے حضور سید العلماء اور حضور احسن العلماء کی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شان میں تقاریب بھی نذر قارئین ہیں۔ اس کے علاوہ اس شمارے میں پچھلے شماروں پر تبصرہ، کوائف خانقاہ برکاتیہ اور جامعہ البرکات آپ کی خدمت میں پیش ہے۔



حسین تم کو زمانہ سلام کہتا ہے

اداریہ لکھ رہا ہوں اور ماہ محرم تشریف لے آیا، ہم سب یاد حسین منار ہے ہیں۔ کل کے یزید وقت سے امام عالی مقام نے تحفظ دین کے لیے مقابلہ کیا تھا اور حق کی آواز کو بلند کرتے ہوئے اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے واسطے اپنا کل خاندان پیش کیا تھا۔ آج ہمارے سامنے ہمارے یزیدان وقت ہیں، وہ بھی آج ہمارے مذہب کی حقانیت کو مجروح کرنے کے لیے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈہ کر رہے ہیں آج ہمیں حسنینیت سے صبر و استقامت، ایثار و قربانی کا درس لے کر باطل طاقتوں کے مقابلے ثابت قدم ہو کر کھڑا ہونا چاہئے۔ المیہ یہ ہے کہ بے حسی کے اس دور میں آج لوگ امام حسین کے مقابلہ یزید کو کھڑا کر رہے ہیں۔ اس کو ”امیر المؤمنین“ اور ”رحمۃ اللہ علیہ“ کہہ رہے ہیں (معاذ اللہ)۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں اس کا براہ راست تعلق اہل بیت سے تعصب اور عقیدے کی بدینتی سے ہے۔ رب کریم ہمیں اپنے دین کا سچا سپاہی بنائے رکھے اور مذہب پر استقامت عطا فرمائے۔ (آمین)

ادارہ جگر گوشہ رسول، نور دیدہ بتول سید امام عرش مقام کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کرتا ہے۔



عوامی اور بین الاقوامی حالات حاضرہ

۲۰۱۶ء کے اسمبلی الیکشن میں ہمارا لائحہ عمل:

رواں سال جو فرقہ وارانہ فسادات برپا ہوئے وہ صورت حال بہت تشویشناک ہے۔ اب ہمیں اپنے حفاظتی اقدامات کے لیے خود سنجیدہ ہونا ہوگا۔ ہمارے مشائخ کا پیغام عوام اہل سنت کو اس حوالے سے جو تھا، اس کی ہی تجدید کرتے ہوئے فقیر راقم عرض کرتا ہے

کہ اس ملک کی سلامتی میں ہمارا کلیدی کردار ہونا چاہئے اور از خود یہ کوشش کرنی چاہئے کہ ہماری طرف سے کوئی منفی قدم ایسا نہ اٹھے جو ملک کی خیر سگالی اور امن میں آڑے آئے۔ لیکن ساتھ ہی اپنے واجب حقوق اور تشخص کی سلامتی کے مطالبے میں کسی قسم کا سمجھوتہ نہیں کرنا ہے۔ ہر قوم اور ہر مذہب کے لوگوں کے جذبات کا احترام کرتے ہوئے اپنے دین اور مذہب پر تعصب کے ساتھ قائم رہتے ہوئے اس سرزمین ہند کی فلاح و بقا کے لیے کام کرنا ہے۔

صوبہ اتر پردیش کے اسمبلی الیکشن سامنے ہیں آپ سب اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ خانقاہ برکات تہ مارہہ شریف کے اکابر اور اصاغر پارٹی سیاست سے ہمیشہ دور رہے ہیں لیکن ملی مفاد میں اپنے موقف کے اظہار سے کبھی پیچھے بھی نہیں رہے۔ ماضی اور حال کے سیاسی ایوان خانقاہ برکات تہ کے خدام کی حقانیت اور حق کو بلند کرنے کے حوصلے سے بخوبی واقف تھے اور اب بھی ہیں۔ یہ ہمارا فرض بھی ہے اور حق بھی ہے کہ ہم اپنے چاہنے والوں کو صحیح راستہ بتائیں خواہ وہ دین کا ہو یا دنیا کا۔

یہ کوئی پوشیدہ بات نہیں ہے کہ ہندوستانی سیاست میں مسلمانوں کے ووٹوں کی حصہ داری ایک اہم کردار ادا کرتی ہے۔ اکثر حکومتوں کی تشکیل میں مسلمانوں کا ووٹ کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔ لہذا اسمبلی الیکشن میں اپنے ووٹ کا استعمال فہم و تدبر کے ساتھ کریں جذبات میں آ کر یا بکاؤ خطیبوں کی لچھے دار تقاریر سے مرعوب ہو کر اگلے پانچ سالوں کے لیے اپنے تشخص کو پامال نہ ہونے دیں۔ ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ موجودہ وقت میں کون سی ایسی پارٹی ہے جو ہمارے ووٹوں کو حاصل کر کے حکومت بنا کر سکون و اطمینان سے ہمارے ملی تحفظ کو سنجیدگی سے بحال رکھ سکتی ہے۔ ہمارے تعلیمی اور مذہبی اداروں کی حفاظت فسطائی طاقتوں کی بدینتی سے بچا سکتی ہے۔ ہمارے اوقاف کے معاملات میں کون ایمان دار رہا ہے۔ مسلم پرسنل لا کے تحفظ اور نفاذ پر کس سیاسی پارٹی کے افراد متعصب نہیں ہیں۔ مسلمانوں کے اقتصادی اور روزگار کی فراہمی کے معاملات میں کس سیاسی جماعت کا نظریہ مثبت ہے۔ فرقہ واریت اور فسطائیت سے کس پارٹی کی وابستگی نہیں ہے۔ انہیں تمام پہلوؤں پر غور کر کے ملت اسلامیہ کے مفاد میں اپنے ووٹ کا استعمال کرنا ہی عقل مندی اور

دانشوری کا بین ثبوت ہوگا اور شاید ترقی کی راہیں بھی اسی سے ہموار ہوں گی۔

تین طلاق کے معاملے میں ہمارا موقف:

آج تین طلاق والے معاملے پر پوری امت مسلمہ اشتراک عمل کا مظاہرہ کر رہی ہے۔ تمام علماء و عوام ایک پلیٹ فارم پر کھڑے ہیں اور یہ بات ملی مفاد میں مشعل راہ ہے۔ حکومت کو شریعت مطہرہ کے معاملات میں دخل اندازی کرنے سے پہلے سوچنا چاہئے کہ یہ بہت نازک اور حساس معاملات ہیں۔ ملک کے قانون کی بالادستی کو ہر قوم و مذہب کے لوگ احترام کے ساتھ قبول کرتے ہیں اور مسلمانوں کی جانب سے قانون کی خلاف ورزی کبھی نہیں کی گئی۔ ہم دستور ہند کے نفاذ کو ہر حالت میں سر آنکھوں پر رکھتے ہیں لیکن شریعت کے معاملات میں دخل اندازی کو اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی مخالفت تصور کرتے ہیں۔ لہذا حکومت کو یہ تجویز دیتے ہیں کہ اگر قانونی معاملات میں احکام شریعت کے حوالے سے کوئی بات ہو تو اس میں علمائے ملت اسلامیہ کی رائے ضرور لی جائے اور اس کے بعد عدالت عالیہ اور عظمیٰ کوئی حتمی فیصلہ دے۔

مسلمانوں کی بین الاقوامی صورت حال:

آج پوری امت مسلمہ کو جو سب سے بڑا خطرہ ہے وہ خود ساختہ سلفی اسلام سے ہے۔ داعش کے جارحانہ اقدامات سے کون واقف نہیں۔ حمیت دینی کے نام پر ان کے تشدد و جبر و استبداد سے کون واقف نہیں ہے۔ آج بین الاقوامی منظر نامے پر مسلمانان عالم کے لئے یہود و نصاریٰ کے یہ علماء تمام Agent مذہب کے نام پر جو جنگ و جدال کا کاروبار گرم کیے ہوئے ہیں اس کے لیے مناسب تدبیر کرنے کا وقت آچکا ہے۔ خانقاہوں، مدرسوں، مزارات مبارکہ کو ہمسار کرنے کا جو گھناؤنا منصوبہ جاری ہے اس پر غور و فکر کرنا ضروری ہے۔

مغربی استعماریت کے نازیبا منصوبوں نے مسلم ممالک کو جس ابتلاء میں آج ڈالا ہوا ہے اس پر دانشوران ملت کو غور کرنا لازمی ہے۔ اقوام متحدہ کی مصلحت پسندی امریکہ کی اجارہ داری اور اسرائیل کی ہٹ دھرمی نے مسلم ممالک کی خوشحالی اور خود اعتمادی پر جس طرح شب

خون مارا ہے اس پر مذاکرہ اور مطالبہ درکار ہے۔ سلامتی کا و نسل میں مسلم ممالک کی نمائندگی نہ ہونا ایک تشویش ناک امر ہے۔ آج فلسطین، عراق، لیبیا، یمن، ناخبیر یا، الجیریا وغیرہ کے ساتھ جو نا انصافیاں ہو رہی ہیں اس پر ہم سب کو متحد ہو کر آواز اٹھانے کی ضرورت ہے۔

ملکی اور بین الاقوامی سطح پر خوش عقیدہ مسلمانوں کو متحد ہونے کی ضرورت پیش نظر رہے۔ ہمارے نوجوان علماء، قلم کار، خطبا سب کو اپنے اپنے طور سے صلاحیتوں کا استعمال کرتے ہوئے Social Media کے ذریعہ بڑے پیمانے پر اس کی تردید کرنا چاہئے۔ ہماری دسترس ان تمام علاقوں تک ہونی چاہئے جہاں معصوم مسلمان نوجوان دین کی محبت کے نام پر خود کو ہلاکت کے راستے پر لے جا رہے ہیں اگر فی الوقت بین الاقوامی سطح پر سردست یہ کام عمل میں لانے میں دشواری لاحق ہے تو کم سے کم ملکی سطح پر مختلف علاقوں میں نوجوان مسلمانان ہند کے لئے سیمینار، کانفرنس اور پبلک میٹنگ کی جائے اور ان کو صحیح صورت حال سے واقف کرایا جائے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کے حکم اور اس کے پیارے رسول کی صحیح پیروی کرنے کی طرف راغب کیا جائے۔ بے گناہوں کو مارنے اور جبراً اپنی بات منوانے کے بارے میں دین اسلام کا صحیح پیغام پہنچایا جائے۔ زندگی کو احسن طریقے سے گزارنے اور مذہب اسلام کی تبلیغ کے جائز طریقے سے لوگوں کو روشناس کرایا جائے۔ اور یہ بتایا جائے کہ اسلام جبر و تشدد کا نہیں انکساری اور حلم کے راستے پر چلنے کا مذہب ہے۔ رسول کریم، صحابہ کرام، صوفیائے عظام نے جس طرح دین کی طرف لوگوں کو راغب کیا وہ راستہ اپنایا جائے۔



خانقاہ برکاتیہ میں نئی تعمیرات

اداریہ کا یہ گوشہ لکھتے وقت ہمیشہ بہت خوشی محسوس ہوتی ہے اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ خانقاہ برکاتیہ میں ہر سال تعمیر کے نئے باب کھل رہے ہیں۔ الحمد للہ

ان تمام تعمیراتی کاموں میں برادر معظم حضرت شرف ملت مدظلہ العالی کا کلیدی کردار ہے۔ ان کے تعمیری ذوق، وسیع تجربے اور خانقاہ کی ترقی کے لیے ان کے مثبت ذہن نے خانقاہ و درگاہ کے حسن میں چار چاند لگا رکھے ہیں۔ اس موقع پر برادر طریقت اسلم برکاتی کا تذکرہ ضرور کروں گا جن کو اللہ تعالیٰ نے خانقاہ کے لیے فعال اور مخلص بنایا۔ ان تمام تعمیراتی کاموں میں ان کی بڑی محنتیں شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

حضور صاحب البرکات کے چلے کی تعمیر کی تکمیل:

الحمد للہ ثم الحمد للہ۔ امام سلسلہ برکاتیہ حضور صاحب البرکات قدس سرہ کی یادگار چلے شاہ برکت اللہ کو ان کے غلاموں نے محفوظ کر کے از سر نو تعمیر کرایا۔ حضرت امین ملت کی سرپرستی اور برادر معظم شرف ملت کی ہدایت کی روشنی میں آج یہ کام بحسن و خوبی پایہ تکمیل کو پہنچا۔ چلے کی اس عمارت کو غریب بچیوں کی شادی کے لئے بطور شادی گھر اور مہمان خانے کے لیے استعمال کیا جائے گا۔ ساتھ زائرین عرس ایام عرس میں قیام کریں گے۔ اس عمارت کے ایک حصے کو ذکر خدا و رسول، اوراد و اشغال کے لئے بھی مخصوص کیا گیا ہے۔ انشاء اللہ جلد ہی عقیدت کیش اس نئے منصوبے سے مستفید ہو سکیں گے۔

جامعہ احسن البرکات:

جامعہ احسن البرکات کی عمارت تقریباً پایہ تکمیل تک پہنچ چکی ہے۔ انشاء اللہ گذشتہ سال کی طرح امسال بھی زائرین عرس قاسمی اس میں پہلے سے زیادہ آرام سے قیام کر سکیں گے، امید قوی ہے مدرسے کا اگلا تعلیمی سال اس نئی وسیع و عریض عمارت میں شروع ہو۔ جامعہ احسن البرکات اپنی تعلیم اور بچوں کی تربیت کے حوالے سے بحسن و خوبی جاری و ساری ہے۔ اساتذہ دل و جان سے محنت دہیں ہیں جس کا اثر بچوں پر اطمینان بخش طریقے سے مرتب ہوتا نظر آ رہا ہے۔ خطابت و صحافت میں احسنی طلبہ اپنا امتیاز قائم کیے ہوئے ہیں۔ ماشاء اللہ۔ برخوردار سید محمد امان سلمہ ان تمام کاموں میں بہت دل چسپی لے کر تعلیم کے معیار کو بہتر بنانے میں فقیر برکاتی کے معاون ہیں۔

حضرت وارث پنچتن کے حجرہ سجادگی کی تعمیر نو:

وارث پنچتن حضرت یحییٰ میاں صاحب کا حجرہ سجادگی جو فقیر برکاتی کی ذاتی تحویل میں ہے وہ قدیم زمانے سے بہت چھوٹے رقبے میں تھا۔ اس سال اس کی از سر نو تعمیر عمل میں آئی ہے۔ انشاء اللہ اس سال عرس نوری کے موقع پر رسم سجادگی اس کشادہ حجرے میں عمل میں آئے گی۔ ساتھ ہی خادم سجادہ کی علما و مشائخ سے گفتگو اور قیام و آرام کے واسطے حجرہ سجادگی سے ملحق ایک اور نشست گاہ بھی تعمیر ہوئی ہے۔

البرکات دعوت و تبلیغ سینٹر:

فرزند عزیز سید محمد امان کی خواہش تھی کہ علی گڑھ میں دعوت و تبلیغ کا کام شروع کیا جائے اور اس کے لئے وہ بہت دنوں سے کوشاں تھے۔ البرکات سے ملحق ایک بہت بڑی گھنی مسلمانوں کی آبادی جہاں اکثریت مزدور پیشہ لوگوں کی ہے اس آبادی میں ایک زمین ہم بھائیوں نے مل کر لی ہے۔ انشاء اللہ اس میں برکاتی دعوت و تبلیغ کا مرکز بنے گا ساتھ ہی ایک مسجد کی تعمیر بھی کرائی جائے گی۔ اس سینٹر کا سنگ بنیاد حضرت امین ملت مدظلہ العالی کے ہاتھوں رکھا گیا۔ انشاء اللہ بہت جلدی اس کی تعمیر کا کام شروع ہوگا۔ اگلے اداریہ میں ان کی تکمیل کی خبر آپ تک پہنچ جائے دعا فرمائیے گا۔

انشاء اللہ یہ سینٹر دعوت و تبلیغ کا کام مستعدی کے ساتھ اصلاح معاشرہ کی نیت کے ساتھ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس نیک کام میں کامیابی و کامرانی عطا فرمائے، آمین، بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

مارہرہ پبلک اسکول:

فقیر برکاتی کی نگرانی میں قصبہ مارہرہ میں مارہرہ پبلک اسکول اپنے امتیازات کو قائم کیے ہوئے ہے۔ گذشتہ سال ہائی اسکول کا زلٹ امید سے کہیں بہتر آیا۔ بچوں نے ادبی، ثقافتی اور کھیل کود کے میدان میں اسکول کا نام مارہرہ سے باہر ہوئے مقابلوں میں بھی روشن کیا۔ دعا کیجئے کہ جلد یہ اسکول ۱۲ ویں کلاس تک کی تعلیم فراہم کرانے کے قابل ہو۔ ہم اپنے اسکول میں عصری علوم کے ساتھ اردو اور دینیات کی تعلیم پر بہت دھیان سے کام کر

رہے ہیں۔ جس سے طلبہ اور ان کے والدین خوش اور مطمئن ہیں۔ قومی کاؤنسل برائے فراغ اردو زبان کا کمپیوٹر کورس مارہرہ پبلک اسکول میں بہت کامیابی کے ساتھ تو چل ہی رہا ہے ساتھ ہی اس سینٹر کی کامیابی کو دیکھتے ہوئے NCPUL نے اپنا ایک اور اہم اور مفید کورس مارہرہ پبلک اسکول میں اس سال شروع کیا ہے اس کورس کا نام DREAM ہے۔ یعنی Diploma in Repair of Electronic Appliances & Maintenance یہ کورس کم تعلیم یافتہ بچوں کو ہنرمند بنانے اور روزگار کے بہترین مواقع میسر کرانے میں بڑا معاون ہے۔ جوانب و اطراف کے طالب علم اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ انشاء اللہ آنے والے سالوں میں قومی کاؤنسل کے اور بھی بہت سے کورس مارہرہ پبلک اسکول میں شروع ہونے کی امید ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔



عرس قاسمی شریف کے موقع پر بہت سے نئے پروگرام شروع ہوئے اور اسی سے زائرین عرس کا صحیح مطلب سمجھ پارہے ہیں اور بے خد خوش ہیں۔ ماشاء اللہ ”عوام کے سوال علمائے کرام کے جواب“ والا اجلاس تو بہت ہی مقبول ہوا اور زائرین عرس کے سوال اتنے ہو جاتے ہیں کہ وقت کا دامن تنگ ہو جاتا ہے۔ قرأت کا مقابلہ اپنے آپ میں ایک امتیازی حیثیت کا حامل ہے ایک سے ایک قراء اور حفاظ کی صلاحیت منظر عام پر آتی دکھائی دیتی ہے۔ امسال سے قرأت کے مسابقتی میں اول، دوم اور سوم آنے والے طلبہ کی حوصلہ افزائی کے لیے ان کو عمرہ، بغداد شریف اور اجیر شریف کی زیارت کے لئے زادراہ فراہم کرایا جائے گا۔ عرس قاسمی شریف میں منعقد تریبیتی پروگراموں کے ذریعہ اصلاح معاشرہ کا جو کام ہو رہا ہے وہ دوسری خانقاہوں میں بھی ہو جائے تو اعرا اس کے بارے میں اغیار حسن ظن رکھنے لگیں۔

عرس شریف کے موقع پر پچھلے کئی سالوں سے کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ جاری ہے۔ ہر سال تین چار کتابیں اہل سنت کی آواز کے علاوہ منظر عام پر آ رہی ہیں۔ ماشاء

اللہ۔ امسال بھی شاہ برکت اللہ کی حیات اور علمی کارنامے، مناقب کا مجموعہ بول بالے میری سرکاروں کے، تذکرہ مشائخ مارہرہ، سیرت پاک پر مزین کتاب ”رخ مصطفیٰ“ ہے وہ آئینہ“ انشاء اللہ آپ کی خدمت میں پیش کرنے کا شرف حاصل کر رہے ہیں۔ دعا فرمائیے ان تمام کاموں میں اللہ تعالیٰ مزید ترقی عطا فرمائے۔ (آمین)

انشاء اللہ امسال عرس قاسمی شریف کے موقع پر ”ارباب صحافت و خطابت کا نمائندہ اجلاس“ کے عنوان سے سواد اعظم کے اہم خطباء، مدیران اور صاحبان قلم کا ایک اجلاس منعقد کیا جائے گا جس میں زبان و ادب کے سینئر اساتذہ اور دانشوران نوجوان خطیبوں اور صاحبان قلم سے تربیتی اور تربیتی خطاب فرمائیں گے۔ آج مذہب و مسلک کی ترویج و تبلیغ میں اگر صاحبان زبان و قلم اپنی علمی صلاحیتوں اور معیار کو موجودہ دور کے تقاضوں میں ڈھال لیں تو صورت حال ہی دوسری ہوگی۔ انشاء اللہ آنے والے وقتوں میں خانقاہ شریف سے اور بھی بہتر منصوبہ جات قوم و ملت کو مضبوط کرنے کے لیے جاری ہوں گے۔



وفیات

عم محترم شفیق ملت حضرت حسین میاں صاحب:

ہمارے عم محترم بھی اس سال دارفانی سے دار بقا کی طرف منتقل ہوئے۔ راقم الحروف نے عم محترم کو اپنے بچپن سے لے کر ان کی آخری سانسوں تک انہیں خوب خوب دیکھا اور خوب برتا۔ غالباً مجھ سے زیادہ کسی کا ساتھ ان کا نہیں رہا۔ ایک ایک لمحہ کی یاد ذہن میں تازہ ہیں۔ عم محترم ہمارے گھر کی رونق تھے ان کے ہونے سے گھر میں بزرگی کا احساس رہتا تھا حالانکہ وہ ضعیف ہو چکے تھے لیکن ان کی موجودگی ہی ہم لوگوں کے لیے باعث سکون و اطمینان تھی۔

اب گھر سے باہر نکلنے پر بہت سوچنا پڑتا ہے میاں تھے تو لگتا تھا کہ ذمہ دار

موجود ہیں اور ہم کہیں بھی اطمینان کے ساتھ گھر سے باہر تبلیغی دوروں پر جاسکتے تھے۔ بچوں پر وہ بہت شفیق و مہربان تھے اور بے تکلف بھی اور میرے بچے بھی میاں کو بہت چاہتے تھے۔ عزیزم محسن کو تو انہوں نے اپنا بیٹا بنایا ہوا تھا اور خلافت بھی دی ہوئی تھی اور وہ بہت خوش ہو کر اس خلافت کی یاد دہانی بھی کراتے تھے۔ ان کی بہت سی چھوٹی بڑی یادیں ذہن میں محفوظ ہیں اور ہمیشہ رہیں گی۔

برادر معظم شرف ملت نے میاں علیہ الرحمہ پر ایک طویل مضمون رقم کیا ہے۔ انشاء اللہ اس مضمون سے آپ کو ان کے بارے میں تفصیلی معلومات ہو سکے گی۔ اللہ تعالیٰ عم محترم کو اپنی جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

علامہ سید شاہ تراب الحق قادری رحمۃ اللہ علیہ:

ممتاز عالم دین و محقق اور مبلغ اسلام سید شاہ تراب الحق صاحب قدس سرہ ماہ اکتوبر میں ہم سے رخصت ہوئے۔ دنیا میں بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اپنی بے پناہ صلاحیتوں اور ہمہ جہتی کی بنیاد پر ایک تنظیم، ایک بزم اور ایک تحریک کے مانند پہچانے جاتے ہیں۔ جن کا ساتھ رہنا فرحت کا احساس کراتا ہے اور چھوڑ کر چلے جانا ہمیشہ احساس محرومی میں مبتلا رکھتا ہے۔ انہی چند نایاب شخصیتوں میں حضرت سید شاہ تراب الحق صاحب کی ذات تھی۔ جن کی رحلت دل کو تڑپا گئی۔ پوری بزم سنیت ایک بیش قیمتی چیز سے محروم محسوس کر رہی ہے۔ شاہ تراب الحق صاحب ہندوستان کی سرزمین سے اٹھے اور اپنے علم و فضل، اخلاق و کردار کی بنیاد پر پورے عالم پر چھا گئے۔ علامہ موصوف ہماری جماعت کے ان مدبرین میں شمار ہوتے تھے جنہوں نے اپنی حکمت عملی اور فہم و دانش سے خود کو ایک ممتاز صف میں کھڑا کیا ہے۔ اپنے علم و قلم سے تبلیغ دین متین میں اپنا نام خوب خوب روشن کیا۔ فرقہ باطلہ کے رد میں موصوف قدس سرہ نے خود کو ہمیشہ آگے رکھا۔ ایک درجن سے زیادہ کتابیں مختلف موضوعات پر رقم

فرمائیں۔ آپ فقید المثال خطیب کی حیثیت سے پوری دنیا میں متعارف تھے۔ گفتگو کا جمال اور طرز استدلال ایسا تھا کہ اپنے تو اپنے غیر بھی معترف تھے۔ ہمارے خانوادے سے ان کے پرانے اور عمیق مراسم تھے۔ میرے ان سے بہت گہرے مراسم تھے۔ میں جب بھی کراچی جاتا تو ان کے والد محترم بھی مجھ سے ملاقات کرنے تشریف لاتے تھے۔ حضرت والا کا ہمارے درمیان سے چلا جانا ہمارے لئے ہماری جماعت کا ایک بڑا نقصان ہے جس کی بھرپائی مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ (آمین) بارگاہ رب العزت حضرت سید صاحب قبلہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ان کے پسماندگان نیز دنیائے سنیت کو صبر جمیل کامل عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

برادر طریقت شکیل برکاتی کے والدین مرحومین:

برادر طریقت شکیل برکاتی صاحب کے والد نصر اللہ صاحب اور والدہ زیتون بیگم صاحبہ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے ان کے لائق فرزند شکیل بھائی، ہماری خانقاہ کے لئے نعمت ہیں ان کو خانقاہ کا جاں نثار کہوں تو مبالغہ نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ شکیل بھائی اور ان کے تمام عزیزوں کو اس صدمے کو برداشت کرنے کی قوت عطا فرمائے۔ مرحومین کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

ملا جی رفیق خان (مرحوم):

گذشتہ سال افراد خاندان کو ایک بڑا صدمہ ہوا کہ ہمارے والد ماجد علیہ الرحمۃ کے خادم خاص ملا جی رفیق خان دارفانی سے کوچ کر گئے۔ ملا جی نے تقریباً ۵۰ سال خانقاہ و گھر کی تمام خدمات بخوبی انجام دیں۔ وہ ایک طرح سے گھر کے فرد ہی کی طرح تھے۔ والد ماجد کے مزاج شناس اور ان کے تمام معمولات سے خاطر خواہ واقفیت رکھنے والے اشخاص میں سے تھے۔ ملا جی ہمیشہ گھر کی ڈیوڑھی پر ایک سپاہی کی طرح تعینات تمام امور پر نظر رکھا کرتے تھے۔ اعراس کے انتظامات، باغات کی دیکھ بھال، اور کاش و کاری کے

معاملات، گھر کے تمام ضروری کام، تمام دیگر کام والوں کی نگہداشت سب ملّا جی کے ذمہ تھی جسے وہ بخوبی تدبیر اور ہوشیاری کے ساتھ انجام دیتے رہے۔ ہمارے بچپن سے لے کر آج تک ہم نے ان کو بہت سنجیدہ، کم گو اور کاموں میں ذاتی دلچسپی لینے والا پایا۔ والد ماجد کے بعد فقیر اور برادر معظم شرف ملت کے زیادہ تر رابطے میں رہ کر تمام انتظامی امور پابندی سے انجام دیتے تھے۔ اخیر عمر میں ہم سب نے ان پر سے ذمہ داریاں بہت کم کر دی تھیں بس خانقاہ میں رہ کر ہلکے پھلکے کام انجام دیتے تھے۔ آخری وقت میں ان کے بچوں نے ان کی بہت خدمت کی بلکہ خدمت کا حق ادا کیا۔ ملّا جی بہت نفیس طبیعت کے مالک تھے اور ایسے ہی پرورش انہوں نے اپنے بچوں کی کی۔ ملّا جی ہم سب کے بہت قریب تھے ایسے ہی ان کے فرزندان ہمہ وقت خانقاہ و درگاہ کی خدمت میں خلوص دل کے ساتھ حاضر رہتے ہیں۔ ہم سب کو ان کی رحلت کا بہت افسوس ہے جیسے کوئی ضروری چیز معمولات سے الگ ہو گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ملّا جی کو غریقِ رحمت فرمائے۔ ملّا جی کا آخری سفر بہت روحانی اور نورانی تھا۔

نور النساء باجی:

ہمارے گھر کی قدیم ملازمہ نور النساء باجی بھی اس سال بعارضہ کینسر ہم سے رخصت ہوئیں۔ نور النساء باجی تقریباً ۲۵ سال ہمارے گھر میں ملازمہ رہیں اور بڑی محنت اور دل جمعی کے ساتھ گھر کے تمام کام بہت ایمان داری اور خلوص کے ساتھ انجام دیتی رہیں۔ مرحومہ بڑی ملنسار، منکسر مزاج شخصیت کی مالک تھیں۔ کسی بھی وقت کسی بھی کام کے لیے کبھی ماتھے پر شکن نہیں آئی۔ اللہ تعالیٰ ان کو غریقِ رحمت کرے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل کامل عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔



اظہار تشکر

ہم شکر گزار ہیں تمام صاحبانِ قلم کے کہ انہوں نے اپنا قیمتی وقت مقالات لکھنے کے لئے وقف فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ عزیزِ نعمان ازہری صاحب اور عزیزِ توحید صاحب کا خصوصی شکریہ کہ ان حضرات نے اہل سنت کی آواز کے شائع ہونے میں پچھلے کئی برسوں سے خود کو وقف کر رکھا ہے۔ البرکات اسلامک ریسرچ اینڈ ٹریڈنگ انسٹی ٹیوٹ کے تمام علمائے کرام کا شکریہ اور نیک خواہشات کہ وہ ان تمام کاموں میں اپنی تعلیمی مشغولیت کے باوجود بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے ہیں۔ برادر طریقت محمد اکبر برکاتی صاحب کو اللہ خوش و خرم اور صحت یاب رکھے وہ اہل سنت کی آواز کے انتظام و انصرام کے علاوہ ہمارے بہت سے امور میں معاون ہیں۔ عزیزِ مہارث احسن کو بہت سی دعائیں کہ ٹائپنگ کے مراحل کو اپنے گھر کا کام سمجھ کر رہے ہیں۔

احمد میاں، امان میاں اور عثمان میاں نے اس شمارے میں جو محنت کی ان کا کیا شکر، یہ ان کا فرض ہے اللہ تعالیٰ ان بچوں کو مزید توفیق عطا فرمائے۔ حضرت صاحبِ سجادہ امین ملت اور میرے دونوں برادرانِ محترم کی صحت و سلامتی کی دعا کرتے ہوئے قلم رکھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ خانقاہ برکاتیہ کو یوں ہی شاد و آباد رکھے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

آپ کا

سید نجیب حیدر نوروی

تعلیم کی اہمیت قرآن وحدیث کی روشنی میں

مولانا ساجد علی مصباحی

استاذ، جامعہ اشرفیہ، مبارکپور، اعظم گڑھ



گوشہ مضامین

بسم الله الرحمن الرحيم
نحمده و نُصلِّي و نُسلِّم على رسولہ الكريم

وہ باتیں جن سے قومیں ہورہی ہیں نامور سیکھو اٹھو! تہذیب سیکھو، صنعتیں سیکھو، ہنر سیکھو
بڑھاؤ تجربے، اطراف دنیا میں سفر سیکھو خواص خشک و تر سیکھو، علوم بحر و بر سیکھو
خدا کے واسطے اے نوجوانو! ہوش میں آؤ دلوں میں اپنی غیرت کو جگہ دو، جوش میں آؤ

(اکبر الہ آبادی)

یہ حقیقت آفتابِ نیم روز کی طرح روشن ہے کہ کامیاب زندگی کے لیے بہتر تعلیم و تربیت اور نفع بخش علم و عمل انتہائی ضروری ہے؛ اسی لیے آج روئے زمین پر بسنے والے تمام اربابِ فہم و دانش اور اصحابِ فکر و بصیرت عمدہ تعلیم و تحقیق اور کارآمد درس و تدریس کا خاصا اہتمام کر رہے ہیں، اور حکومتیں بھی تعلیم و تعلم اور علم و ادب کے فروغ کے لیے قسم قسم کی اسکیمیں اور طرح طرح کے منصوبے بنا رہی ہیں، جس ملک یا جس شہر میں جتنے زیادہ پڑھے لکھے لوگ رہتے ہیں وہاں اتنے ہی زیادہ تعلیم و تعلم کے مواقع اور علم و ادب کے فروغ کے منصوبے نظر آتے ہیں، لیکن ان سب کے باوجود یہ پہلو بڑا افسوس ناک اور فکر انگیز ہے کہ



ہمارے وطن عزیز کے گاؤں، دیہات اور کوردہ علاقے اس ترقی یافتہ زمانہ میں بھی بہتر تعلیم و تعلّم کے مواقع اور علم و ادب کی دل آویز روشنی سے بے بہرہ ہیں۔

مگر قربان جانیئے مذہب اسلام پر، کہ اس نے اُس تاریک دور میں علم و ادب کی شمع روشن کی، جب انسان جہالت و گمراہی کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں حیران و سرگرداں تھا، اور اُس قوم کو تعلیم و تعلّم اور پڑھنے پڑھانے کا مزاج دیا جنہیں ”اُمّی“ (اُن پڑھ) کہا جاتا تھا۔ اس حقیقت کو قرآن کریم میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ (۱)

ترجمہ: وہی ہے جس نے اُن پڑھوں میں انہیں سے ایک رسول بھیجا کہ ان پر اس کی آیتیں پڑھتے ہیں اور انہیں پاک کرتے ہیں اور انہیں کتاب و حکمت کا علم عطا فرماتے ہیں، اور بیشک وہ اس سے پہلے ضرور گھلی گمراہی میں تھے۔ (۲)

اُس رسول برحق نے ایسے دل نشیں انداز میں تعلیم و تعلّم کی تبلیغ و تاکید فرمائی کہ عرب کے ان ناخواندہ مسلمانوں کے دلوں میں تعلیم و تعلّم کی اہمیت و عظمت جاگزیں ہوگئی اور وہ شب و روز علم و ادب کے اکتساب و تحصیل میں لگ گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے جہالت و گمراہی میں بھٹکنے والے ناخواندہ افراد بڑے بڑے دانش وروں کو علم و ادب کی رہنمائی کرنے لگے۔ سچ کہا ہے ۔

خود نہ تھے جوراہ پر، اوروں کے ہادی بن گئے

کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا

آغازِ وحی میں پڑھنے کا حکم اور تعلیم و تعلّم کا ذکر:

قرآن کریم مذہب اسلام کا اولیں بنیادی سرچشمہ ہے جس میں کائنات کی تمام چیزوں کا علم اور جملہ علوم و فنون کا بیان ہے، جب اس کے نزول کا آغاز ہوتا ہے تو سب سے پہلے پڑھنے کا حکم دیا جاتا ہے، پھر تعلیم و تعلّم، معلّم و متعلّم اور قلم و کتابت کا ذکر کیا جاتا ہے جس

سے علم کی اہمیت اور قلم کی عظمت نمایاں ہوتی ہے۔ چنانچہ جبریل امین، رب کریم کی جانب سے وحی لے کر غارِ حرا میں تشریف لاتے ہیں اور عرض کرتے ہیں:

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ . خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ . اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ . الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ . عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ . (۳)

ترجمہ: پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا، آدمی کو خون کی پھٹک سے بنایا، پڑھو اور تمہارا رب ہی سب سے بڑا کریم ہے جس نے قلم سے لکھنا سکھایا، آدمی کو سکھایا جو نہ جانتا تھا۔ (۴)

قرآن پڑھنے اور پڑھانے والوں کا مرتبہ:

اسی طرح حدیثِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء جو قرآن کریم کی تفسیر و تشریح اور مذہب اسلام کا دوسرا بنیادی سرچشمہ ہے، اس میں قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرنے اور اس کی تعلیم دینے والے کو تمام لوگوں میں سب سے بہتر قرار دیا گیا ہے۔ بخاری شریف میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

خیرکم من تعلم القرآن و علمہ۔ (۵)

ترجمہ: تم میں سے بہتر وہ ہے جو خود قرآن کی تعلیم حاصل کرے اور دوسروں کو اس کی تعلیم دے۔

قرآن کریم پڑھنا، پڑھانا اور کتاب و حکمت کی تعلیم دینا کتنا اہم ہے اس کا کچھ اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ جل شانہ نے اپنے محبوب ﷺ کے اوصاف میں تعلیم و تربیت کو بہت نمایاں انداز میں بیان فرمایا، چنانچہ قرآن کریم میں ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ (۶)

ترجمہ: بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انہیں سے ایک

رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے اور وہ ضرور اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔ (۷)

علم دین سیکھنے اور سکھانے کا حکم:

اسلام کی نظر میں تعلیم کی اہمیت و عظمت کا عالم یہ ہے کہ اس نے اپنے دامن میں پناہ لینے والے تمام انسانوں پر اسے فرض قرار دیا، اور صرف علم طلب کرنا ہی فرض نہیں کیا، بلکہ اسے پڑھانے اور عام سے عام تر کرنے کا بھی حکم صادر فرمایا، چنانچہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ. (۸)

ترجمہ: علم طلب کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ

نے ارشاد فرمایا:

تَعْلَمُوا الْعِلْمَ وَعَلِّمُوا النَّاسَ، تَعْلَمُوا الْفَرَائِضَ وَاعْلَمُوا النَّاسَ، تَعْلَمُوا الْقُرْآنَ وَاعْلَمُوا النَّاسَ، فَإِنِّي أَمْرٌ مَقْبُوضٌ، وَالْعِلْمُ سِقْبُضٌ، وَتَظْهَرُ الْفِتَنُ حَتَّى يَخْتَلِفَ اثْنَانِ فِي فَرِيضَةٍ لَا يَجِدَانِ أَحَدًا يَفْصِلُ بَيْنَهُمَا. (۹)

ترجمہ: علم سیکھو اور اسے دوسرے لوگوں کو سکھاؤ، فرائض سیکھو اور اسے دوسرے لوگوں کو سکھاؤ، قرآن سیکھو اور اسے دوسرے لوگوں کو سکھاؤ؛ کیوں کہ میں تمہارے درمیان سے رخصت ہو جاؤں گا اور علم عنقریب اٹھالیا جائے گا اور فتنے ظاہر ہوں گے یہاں تک کہ دو آدمی کسی فرض میں اختلاف کریں گے اور حال یہ ہوگا کہ کوئی ایسا شخص نہیں ملے گا جو ان کے درمیان فیصلہ کر سکے۔

علم میں اضافہ کی دعا کرنے کا حکم:

قرآن کریم نے علم کو ایسا عَزَّ وَوَقَّارِ بخشا اور اس کی ایسی عظمت و اہمیت ظاہر فرمائی جس کے فہم و ادراک میں عقل انسانی حیران ہے، خالق کائنات نے اپنے محبوب ﷺ کو علم

میں اضافہ کی دعا کرنے کا حکم دیا اور فرمایا:

وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا. (۱۰)

ترجمہ: اور عرض کرو کہ اے میرے رب! مجھے علم زیادہ دے۔ (۱۱)

اس سے سمجھ میں آیا کہ علم سے افضل اور اہم کوئی دوسری چیز نہیں ہے، کیوں کہ اس سے اہم اگر کوئی اور چیز ہوتی تو اللہ جل شانہ اپنے محبوب کو اسی میں اضافہ کی دعا کرنے کا حکم دیتا۔

اور حضور رحمت عالم ﷺ نے اپنی امت کو حکم دیا کہ وہ ربِّ کریم کی بارگاہ میں نفع بخش علم کا سوال کریں اور غیر نافع علم سے اللہ کی پناہ مانگیں، چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

سَلُّوْا اللّٰهَ عِلْمًا نَافِعًا، وَتَعَوَّذُوا بِاللّٰهِ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ. (۱۲)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ سے نفع بخش علم کا سوال کرو، اور ایسے علم سے اللہ جل شانہ کی پناہ مانگو جو نفع بخش نہ ہو۔

حضور ﷺ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ آپ ربِّ کریم کی بارگاہ میں علم کے لیے دعا کرتے رہتے تھے، جیسا کہ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ جب صبح کی نماز میں سلام پھیرتے تو اس طرح دعا فرماتے:

اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا وَرِزْقًا طَيِّبًا وَ عَمَلًا مُّقْتَبِلًا. (۱۳)

ترجمہ: اے اللہ! میں تجھ سے نفع بخش علم، پاکیزہ رزق اور مقبول عمل کا طالب ہوں۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ اس طرح دعا کیا کرتے تھے:

اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوْذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ وَ مِنْ قَلْبٍ لَا يَخْشَعُ وَ مِنْ

نَفْسٍ لَا تَشْبَعُ وَ مِنْ دَعْوَةٍ لَا يَسْتَجَابُ لَهَا. (۱۴)

ترجمہ: اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں ایسے علم سے جو نفع بخش نہ ہو، اور ایسے دل سے جس میں تیری خشیت نہ ہو، اور ایسے نفس سے جو آسودہ نہ ہو، اور ایسی دعا سے جو مقبول نہ ہو۔

علم کے بے بہا فوائد و منافع:

علم کے فوائد و منافع اس قدر ہیں کہ کوئی انسان ان کا احاطہ نہیں کر سکتا، حضور اقدس ﷺ نے اس کے بعض فوائد و منافع ایک ساتھ ارشاد فرمائے ہیں، ہم اسے یہاں نقل کرتے ہیں:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ

نے فرمایا:

تعلّموا لعلّمْ فإن تعلّمہ للہ خشیۃ، و طلبہ عبادۃ، و مذاکرۃ تسبیح، و البحث عنہ جہاد، و تعلیمہ لمن لا یعلمہ صدقۃ، و بدلہ لاہلہ قربۃ، لأنہ معالم الحلال و الحرام و منار سبل أهل الجنة، و هو الأنیس فی الوحشة و الصاحب فی الغربة و المحدث فی الخلوة و الدلیل علی السراء و الضراء و السلاح علی الأعداء و الزین عند الأخلاء. یرفع اللہ بہ أقواما فیجعلہم فی الخیر قادیۃ أمة تقتص آثارہم و یقتدی بفعالہم و ینتہی إلی رأیہم ترغب الملائکۃ فی خلّتہم و بأجنتہا تمسحہم، و یستغفر لہم کل رطب و یابس و حیطان البحر و ہوامہ و سباع البر و أنعامہ، لأن العلم حیۃ القلوب من الجہل و مصابیح الأبصار من الظلم، ینلغ العبد بالعلم منازل الأخیار و الدرجات العلیٰ فی الدنیا و الآخرة، التفکر فیہ یعدل الصیام، و مدارستہ تعدل القیام، بہ توصل الارحام، و بہ یعرف الحلال من الحرام، ہو إمام العمل و العمل تابعہ، یلہمہ السعداء و یحرّمہ الاشقیاء. (۱۵)

ترجمہ: علم حاصل کرو؛ کیوں کہ علم حاصل کرنا خشیت الہی کا باعث ہے، اس کی طلب عبادت، اس کا مذاکرہ تسبیح اور اس کی تحقیق و جستجو جہاد ہے۔ کسی بے علم کو علم سکھانا صدقہ اور اس کے اہل تک اسے پہنچانا قرب خداوندی ہے؛ اس لیے کہ علم حلال و حرام کے جاننے کا ذریعہ اور اہل جنت کی راہوں کا سنگ میل ہے، علم وحشت میں غم خوار، مسافرت میں ساتھی،

تنہائی میں ہم کلام، خوشی اور تنگی میں رہنما، دشمنوں کے مقابلے میں ہتھیار اور دوستوں کی مجلس میں زینت ہے۔ اللہ جل شانہ علم کے ذریعہ بہت سے لوگوں کو رفعت و بلندی عطا فرماتا ہے تو انہیں نیک کاموں میں قائد و امام بنا دیتا ہے جن کے آثار کی اتباع اور کارناموں کی اقتدا کی جاتی ہے اور ان کی رائے تسلیم کی جاتی ہے۔ فرشتے اہل علم کی دوستی میں رغبت رکھتے ہیں، انہیں اپنے پروں سے چھوتے ہیں اور ہر خشک و ترحتی کہ دریا کی مچھلیاں اور کیڑے مکوڑے، خشکی کے درندے اور دیگر جانور ان کے لیے استغفار کرتے ہیں؛ اس لیے کہ علم جہالت کو مٹا کر دلوں کو زندہ کرتا ہے اور تاریکیوں کو دور کر کے آنکھوں کو روشنی دیتا ہے۔ بندہ علم کے ذریعہ اخیار کے منازل تک پہنچ جاتا ہے اور دنیا و آخرت میں بلند و بالا مراتب پر فائز ہو جاتا ہے۔ علم میں غور و فکر کرنا روزہ رکھنے کے برابر اور اسے پڑھنا پڑھانا قیام اللیل کے مساوی ہے، اس کی برکت سے صلہ رحمی کی جاتی ہے اور اسی کے ذریعہ حلال و حرام کو پہچانا جاتا ہے، علم امام اور عمل اس کے تابع ہے۔ علم نیک بختوں کے دلوں میں ڈالا جاتا ہے اور بد بختوں کو اس سے محروم رکھا جاتا ہے۔

دین کا علم اور اس کی سمجھ سراپا خیر ہے:

دین کا علم اور اس کی فقہ و بصیرت بڑی عظیم نعمت اور سراپا خیر ہے، اللہ جل شانہ یہ نعمت عظمیٰ اُسی خوش نصیب انسان کو عطا کرتا ہے جس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتا ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ (۱۶)

ترجمہ: اللہ حکمت (قرآن و حدیث اور فقہ کا علم) دیتا ہے جسے چاہے، اور جسے حکمت ملی اُسے بہت بھلائی ملی، اور نصیحت نہیں مانتے مگر عقل والے۔ (۱۷)

حدیث شریف میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من یرد اللہ بہ خیرا یفقهہ فی الدین، ویلہمہ رشدہ (۱۸)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جس کے لیے خیر چاہتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے اور اس کی ہدایت اس کے دل میں ڈال دیتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک روز نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا شانہ اقدس سے باہر تشریف لائے، مسجد میں داخل ہوئے تو وہاں دو مجلسیں دیکھیں، ان میں سے ایک مجلس والے اللہ جل شانہ سے دعا مانگ رہے تھے اور اس کی طرف متوجہ تھے، اور دوسری مجلس والے تعلیم و تعلم میں مصروف تھے۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا:

کلاهما علی خیر، و أحدهما أفضل من صاحبه، أما هؤلاء فیدعون اللہ و یرغبون إلیہ فإن شاء أعطاهم وإن شاء منعهم و أما هؤلاء فیتعلمون الفقه. أو العلم. و یعلمون الجاهل فہم أفضل، و إنما بعثت معلما. قال: ثم جلس فیہم. (۱۹)

ترجمہ: دونوں خیر پر ہیں، لیکن ان میں سے ایک مجلس دوسری مجلس سے افضل ہے۔ اس مجلس والے اللہ جل شانہ سے دعا کر رہے ہیں اور اس کی جانب متوجہ ہیں، اگر اللہ چاہے تو انہیں عطا کرے اور اگر چاہے تو روک دے۔ لیکن اُس مجلس والے علم حاصل کر رہے ہیں اور جو اس سے بے بہرہ ہیں انہیں علم سکھا رہے ہیں؛ لہذا وہ لوگ افضل ہیں اور مجھے معلم ہی بنا کر بھیجا گیا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام تعلیم و تعلم والی مجلس میں بیٹھ گئے۔

علم کی مجلسیں جنت کے باغات ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

إذا مررتم بربیاض الجنة فارتعوا. قیل: یا رسول اللہ! وما ربیاض

الجنة؟ قال: مجالس العلم. (۲۰)

ترجمہ: جب جنت کے باغات سے تمہارا گزر ہو تو اس میں سے کھا لیا کرو (کچھ حاصل کر لیا کرو) صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! جنت کے باغات کیا ہیں؟ فرمایا: علم کی مجلسیں۔

علم دین میں کمال حاصل کرنے کا حکم:

اسلام کی نظر میں علم دین کی کتنی اہمیت اور وقعت ہے، اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ پروردگار عالم نے علم دین میں کمال حاصل کرنے کو امت مسلمہ پر فرض قرار دیا اور ارشاد فرمایا:

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَآفَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ (۲۱)

ترجمہ: اور مسلمانوں سے یہ تو ہونہیں سکتا کہ سب کے سب نکلیں، تو کیوں نہ ہوا کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور واپس آ کر اپنی قوم کو ڈر سنائیں اس امید پر کہ وہ بچیں۔ (۲۲)

طلب علم کا اجر و ثواب:

حضرت واثلہ ابن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

من طلب علما فادرکہ کتب اللہ لہ کفیلین من الأجر، و من طلب علما فلم یدرکہ کتب اللہ لہ کفلاً من الأجر. (۲۳)

ترجمہ: جس شخص نے علم طلب کیا اور اسے حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تو اللہ تعالیٰ اسے دو حصہ اجر عطا فرمائے گا، اور جس نے علم طلب کیا اور اسے حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تو اللہ تعالیٰ اسے ایک حصہ اجر عطا فرمائے گا۔

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ما انتعل عبد قط ولا تخفف ولا لبس ثوبا لیغدو فی طلب علم إلا غفر اللہ لہ ذنوبہ حیث یخطو عتبة بابہ. (۲۴)

ترجمہ: جس شخص نے بھی علم کی طلب میں جانے کے لیے نعل پہنا، یا خف پہنا، یا

کپڑا زیب تن کیا، اللہ جل شانہ نے دروازہ کی چوکھٹ پار کرتے ہی اس کے گناہوں کی مغفرت فرمادی۔

رضائے الہی کے لیے علم حاصل کرنے کا ثمرہ:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: من غدير يد العلم يتعلمه لله فتح الله له بابا إلى الجنة و فرشتہ له الملائكة أكتافها، وصلت عليه ملائكة السموات و حيتان البحر. (۲۵)

ترجمہ: جو شخص طلب علم کے ارادہ سے صبح نکلتا ہے اور رضائے الہی کے لیے علم حاصل کرتا ہے، اللہ جل شانہ اُس کے لیے جنت کا دروازہ کھول دیتا ہے، فرشتے اس کے لیے اپنے بازو بچھا دیتے ہیں اور آسمانوں کے فرشتے اور سمندر کی مچھلیاں اُس کے لیے رحمت کی دعا کرتی ہیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من خرج في طلب العلم كان في سبيل الله حتى يرجع. (۲۶)

ترجمہ: جو شخص علم کی طلب میں گھر سے نکلا، وہ واپس آنے تک اللہ کی راہ میں ہے۔ قرآن کا علم حاصل کرنے والے اللہ کے مہمان ہیں:

حضرت ابوالدین سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

ما من قوم يجتمعون على كتاب الله يتعاطونه بينهم إلا كانوا اضيافا لله و إلا حفتهم الملائكة حتى يقوموا أو يخوضوا في حديث غيره. (۲۷)

ترجمہ: جو لوگ بھی یکجا ہو کر کتاب اللہ پڑھنے پڑھانے یا سننے سنانے میں مشغول ہوتے ہیں وہ اللہ جل شانہ کے مہمان ہوتے ہیں، اور فرشتے انہیں (اپنے نورانی پروں سے) ڈھانپ لیتے ہیں یہاں تک وہ لوگ اُس مجلس سے اٹھ جائیں یا کسی دوسری بات میں

مشغول ہو جائیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ما اجتمع قوم في بيت من بيوت الله يتلون كتاب الله و يتدارسونہ بينهم إلا نزلت عليهم السكينة غشيتهم الرحمة و حفتهم الملائكة و ذكرهم الله فيمن عنده و من بطابه عمله لم يسرع به نسبه. (۲۸)

ترجمہ: جو قوم بھی کسی خانہ خدا میں کتاب اللہ کی تلاوت اور اسے پڑھنے پڑھانے کے لیے یکجا ہوئی ان پر اللہ کی جانب سے سکینہ کا نزول ہوا، اور رحمت الہی نے انہیں ڈھانپ لیا، اور فرشتے ان کے چہار جانب جمع ہو گئے، اور اللہ تعالیٰ نے اپنے مقربین کی جماعت میں ان کا ذکر فرمایا، اور جس شخص کو اس کے عمل نے پیچھے کر دیا، اسے اس کے نسب نے آگے نہیں بڑھایا۔

دنیا کے لیے علم دین حاصل کرنے کا انجام:

علم دین کے اکتساب کا مقصد رضائے الہی حاصل کرنا ہے، نام و نمود، فخر و مباہات، سرکاری ملازمتوں کا حصول یا محض دنیا کمانا نہیں ہے؛ کیوں کہ ان کاموں کے لیے علم دین حاصل کرنے سے منع کیا گیا ہے اور اس پر شدید وعیدیں بیان فرمائی گئی ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من تعلم علما مما يبتغى به وجه الله عز و جل لا يتعلمه إلا ليصيب به عرضا من الدنيا لم يجد عرف الجنة يوم القيامة، يعني ربحها. (۲۹)

ترجمہ: جس علم سے رضائے الہی حاصل کی جاتی ہے، اگر اسے کوئی شخص صرف دنیا کمانے کے لیے حاصل کرے گا تو وہ قیامت کے دن جنت کی خوشبو نہیں پائے گا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ

نے ارشاد فرمایا:

من طلب العلم ليما ري به السفهاء، أو ليا هي به العلماء، أو ليصرف وجوه الناس إليه، فهو في النار. (۳۰)

ترجمہ: جو شخص بے وقوفوں سے لڑنے جھگڑانے یا علمائے کرام پر فخر و مباہات کرنے یا لوگوں کو اپنی جانب مائل کرنے کے لیے علم دین حاصل کرے گا وہ جہنم میں جائے گا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لا تعلموا العلم ليا هو ا به العلماء، أو لتما روا به السفهاء، أو لتصرفوا وجوه الناس إليكم، فمن فعل ذلك فهو في النار. (۳۱)

ترجمہ: علم اس لیے حاصل نہ کرو کہ تم اس کے ذریعہ علمائے کرام پر فخر و مباہات کرو، یا اس کے سبب نادانوں سے لڑائی جھگڑا کرو، یا عوام کو اپنی جانب مائل کرو؛ کیوں کہ جو شخص ایسا کرے گا وہ جہنم میں جائے گا۔

حضرت ابراہیم بن عیسیٰ سے روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

لا تعلموا العلم لثلاث : لتما روا به السفهاء، و لتجادلوا به العلماء، و لتصرفوا وجوه الناس إليكم، وابتغوا بقولكم ما عند الله فإنه يدوم و يبقى و ينفد ما سواه. (۳۲)

ترجمہ: تین کاموں کے لیے علم حاصل نہ کرو: علم اس لیے حاصل نہ کرو کہ اس کے ذریعہ نادانوں سے لڑائی جھگڑا کرو، یا اس کے ذریعہ علمائے کرام پر برتری جتاؤ، یا اس کے ذریعہ عوام الناس کو اپنی جانب مائل کرو۔ اپنے علم کے ذریعہ اللہ جل شانہ کی بارگاہ کا اجر و ثواب طلب کرو؛ کیوں کہ وہ ہمیشہ باقی رہے گا اور اس کے علاوہ جو کچھ بھی ہے وہ سب فنا ہو جائے گا۔

حصولِ علم کے آداب:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

تعلموا العلم، و تعلموا للعلم السكينة و الوقار، و تواضعوا لمن تتعلمون منه. (۳۳)

ترجمہ: علم سیکھو، اور علم کے لیے سکون و وقار سیکھو، اور اس شخص کے سامنے تواضع و انکساری کرو جس سے علم سیکھتے ہو۔

طلبِ علم کے دوران مرنے والے کا درجہ:

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من جاء ه الموت وهو يطلب العلم ليحيى به الإسلام لم يكن بينه و بين الأنبياء إلا درجة في الجنة. (۳۴)

ترجمہ: جس شخص کو اس حال میں موت آجائے کہ وہ اسلام کو زندہ کرنے کے لیے علم حاصل کر رہا ہو تو اس کے اور انبیاء کے کرام کے درمیان جنت میں ایک درجہ کا فرق ہوگا۔ یعنی اسے انبیاء کے کرام کا قرب حاصل ہوگا۔

حضرت ابو ذر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إذا جاء الموت لطالب العلم وهو على هذه الحالة مات وهو شهيد. (۳۵)

ترجمہ: جب طالبِ علم کو موت آجائے اور وہ طلبِ علم میں مصروف ہو تو وہ شہید ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ طالبِ علم کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من سلك طريقا يلتمس فيه علما، سهل الله له به طريقا إلى الجنة. (۳۶)

ترجمہ: جو شخص طلبِ علم کے لیے کسی راستے پر چلتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے

جنت کا راستہ آسان فرمادیتا ہے۔

طالب علم کے لیے فرشتے اپنا پر بچھاتے ہیں:

صفوان بن عسال مرادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ما من خارج خرج من بيته في طلب العلم إلا وضعت له الملائكة أجنحتها رضا بما يصنع. (۳۷)

ترجمہ: جو شخص بھی علم کی طلب میں اپنے گھر سے نکلتا ہے فرشتے اس کے عمل سے خوش ہو کر اس کے لیے اپنے نورانی پر بچھاتے ہیں:

حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إن الملائكة لتضع أجنحتها رضا لطالب العلم. (۳۸)

ترجمہ: یقیناً فرشتے طالب علم کی رضا کے لیے اپنے نورانی پر بچھاتے ہیں۔

طالب علم کے لیے اہل زمین و آسمان استغفار کرتے ہیں:

حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إن طالب العلم يستغفر له من في السماء والأرض، حتى الحيتان في الماء. (۳۹)

ترجمہ: بے شک طالب علم کے لیے تمام اہل آسمان و زمین بخشش طلب کرتے ہیں، یہاں تک کہ پانی میں مچھلیاں اس کے لیے بخشش طلب کرتی ہیں۔

دین کا علم حاصل کرنے والے کے لیے اللہ کافی ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من تفقه في دين الله كفاف الله همه، ورزقه من حيث لا يحتسب. (۴۰)

ترجمہ: جو شخص اللہ جل شانہ کے دین کی سمجھ حاصل کرے اللہ تعالیٰ اس کی مشکلات میں اسے کفایت کرے گا، اور اسے ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوگا۔

اہل علم اور ان کی شہادت کا مقام و مرتبہ:

قرآن کریم نے اہل علم کی ایسی قدر و منزلت بڑھائی کہ تاریخ عالم آج بھی اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اہل علم و فضل کے لیے اس سے بڑھ کر اعزاز اور کیا ہو سکتا ہے کہ ان کے خالق و مالک نے ان کا ذکر اپنے فرشتوں کے ساتھ کیا، انہیں اپنی وحدانیت اور اپنے محبوب کی رسالت کا گواہ بنایا اور ان کی گواہی کو فرشتوں کی گواہی کی طرح معتبر ٹھہرایا۔ اس سلسلے میں رب کریم کا بڑا واضح ارشاد ہے:

شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُوا الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ (۴۱)

ترجمہ: اللہ نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتوں نے اور عالموں نے انصاف سے قائم ہو کر۔ (۴۲)

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَسْتَ مُرْسَلًا قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ (۴۳)

ترجمہ: اور کافر کہتے ہیں: تم رسول نہیں تم فرماؤ، اللہ گواہ کافی ہے مجھ میں اور تم میں اور وہ جسے کتاب کا علم ہے۔ (۴۴)

مؤمنین اور اہل علم کے درجات کی بلندی:

اہل علم کے مراتب و درجات کی بلندی کا ذکر کرتے ہوئے قرآن کریم بڑے واضح انداز میں اعلان کر رہا ہے کہ عالم اور غیر عالم برابر نہیں ہیں: اس لیے کہ خداے وحدہ لا شریک ان بندگان خدا کے درجے بلند فرمائے گا جو زیورِ تعلیم سے آراستہ اور دولتِ علم سے مالا مال ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ (۴۵)

ترجمہ: تم فرماؤ کیا برابر ہیں جاننے والے اور انجان (۴۶)۔ یہاں استفہام برائے نفی ہے، یعنی علم والے اور بے علم ہرگز برابر نہیں ہیں۔

دوسرے مقام پر اس کی صراحت بھی کر دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل علم کے درجات بلند فرمائے گا۔ ارشاد بانی ہے:

يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ (۴۷)

ترجمہ: اللہ تمہارے ایمان والوں کے اور ان کے جن کو علم دیا گیا درجے بلند فرمائے گا۔ (۴۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: علمائے کرام عام مومنین سے سات سو درجے بلند ہوں گے اور ہر دو درجوں کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہوگی۔ (۴۹)

اہل علم خدا کے نزدیک عقل والے ہیں:

قرآن کریم کی مختلف آیات میں اہل علم کی تعریف و توصیف ہے اور انہیں علم کی وجہ سے صاحب عقل و خرد قرار دیا گیا ہے۔

ایک آیت میں ہے:

وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ (۵۰)

ترجمہ: اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے لیے بیان فرماتے ہیں اور انہیں سمجھتے مگر علم والے۔ (۵۱)

اس آیت کریمہ میں اہل علم کی تعریف و توصیف ہے کہ وہ مثالوں کے حسن و خوبی، ان کے فوائد و منافع اور ان کی حکمت اچھی طرح سمجھتے ہیں اور جو علم سے بے بہرہ اور جاہل ہیں وہ ان مثالوں کی خوبی اور اس کی حکمت نہیں سمجھتے اور ان کی ہنسی اڑاتے ہیں۔ انہیں اتنا بھی شعور نہیں کہ مثال سے مقصود تفہیم ہوتی ہے اور جیسی چیز ہو اس کی شان ظاہر کرنے کے لیے ویسی ہی مثال مقتضائے حکمت ہے، لہذا باطل اور کمزور دین کے ضعف و

بطلان کے اظہار کے لیے کبھی اور کٹری کی مثال نہایت ہی نافع ہے۔

ایک دوسری آیت میں ہے:

وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِّنْ عِندِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ (۵۲)

ترجمہ: اور پختہ علم والے کہتے ہیں: ہم اس پر ایمان لائے، سب ہمارے رب کے پاس سے ہے۔ اور نصیحت نہیں مانتے مگر عقل والے۔ (۵۳)

اس آیت مبارکہ میں واضح کر دیا گیا کہ اہل علم قرآن پر ایمان لاتے ہیں اور اس کے محکم اور متشابہ سب کو اللہ کی جانب سے مانتے ہیں، جو ان کے صاحب عقل و خرد ہونے کی دلیل ہے؛ کیوں کہ جو عقل و خرد سے تہی دامن ہیں وہ نصیحت نہیں مانتے ہیں۔

اللہ جل شانہ علم والوں کو پسند فرماتا ہے:

امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے احیاء العلوم میں نقل کیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أَوْحَى إِلَيَّ اللَّهُ إِلَى إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَا إِبْرَاهِيمُ إِنِّي عَلِيمٌ، أَحَبُّ كُلِّ عَالِمٍ. (۵۴)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اے ابراہیم! بلاشبہ میں علم والا ہوں اور ہر علم والے کو پسند کرتا ہوں۔

علماء ہی اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں:

علماء کے لیے یہ بڑی سعادت اور فیروز مندی ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک کو پہنچاتے ہیں اور اس کی خشیت اپنے دل میں بسا کر اس کے احکام پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے:

إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ (۵۵)

ترجمہ: اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔ (۵۶)

اس آیت کریمہ میں حصر کی وجہ ظاہر ہے؛ کیوں کہ علما ہی اللہ کی صفات کو جانتے اور اس کی عظمت کو پہنچاتے ہیں، اس لیے وہی اللہ سے ڈرتے بھی ہیں۔
بخاری و مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قسم اللہ عزوجل کی کہ میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ جاننے والا ہوں، اور سب سے زیادہ اس کا خوف رکھنے والا ہوں۔ (۵۷)

عالم کے لیے تمام مخلوق استغفار کرتی ہے:

ایک عالم دین کے لیے کتنی بڑی سعادت اور فیروز مندی ہے کہ وہ اپنے کام میں مصروف ہوتا ہے اور آسمان وزمین کی تمام مخلوق اس کے لیے بخشش طلب کرتی ہیں۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:
إن العالم لیستغفر له من فی السموات ومن فی الأرض و الحیتان فی جوف الماء. (۵۸)

ترجمہ: بے شک آسمان وزمین کی تمام مخلوق اور پانی کے اندر رہنے والی مچھلیاں عالم کے لیے بخشش طلب کرتی ہیں۔

عالم کی مجلس میں حاضر ہونے کی فضیلت:

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

حضور مجلس عالم أفضل من صلاة ألف رکعة و عیادة ألف مریض و شهود ألف جنازة. فقیل: یا رسول اللہ! ومن قراءة القرآن؟ فقال ﷺ: ولینفع القرآن إلا بالعلم. (۵۹)

ترجمہ: کسی عالم کی مجلس میں حاضر ہونا ایک ہزار رکعت نماز پڑھنے، ایک ہزار مریضوں کی بیمار پرسی کرنے اور ایک ہزار جنازوں میں شریک ہونے سے بہتر ہے۔ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا قرآن کریم پڑھنے سے بھی بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا: قرآن

پاک بھی تو علم کے ساتھ ہی نفع دیتا ہے۔

علم سیکھنے اور سکھانے کا اجر:

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

من غدا إلى المسجد لا يريد إلا لیتعلم خیراً أو یعلمه کان له أجر معتمر تام العمرة، فمن راح إلى المسجد لا يريد إلا لیتعلم خیراً أو یعلمه فله أجر حاج تام الحجة. (۶۰)

ترجمہ: جو شخص صبح کے وقت مسجد گیا اور اس کا ارادہ صرف یہ ہے کہ علم سیکھنے یا کسی کو علم سکھائے، اس کے لیے کامل عمرہ کرنے والے کا اجر و ثواب ہے۔ اور جو شخص شام کے وقت مسجد گیا اور اس کا ارادہ صرف یہ ہے کہ علم سیکھے یا کسی کو علم سکھائے، اس کے لیے کامل حج کرنے والے کا اجر و ثواب ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

من تعلم بابا من العلم لیعلم الناس أعطی ثواب سبعین صدیقاً. (۶۱)
ترجمہ: جس نے لوگوں کو سکھانے کے لیے علم کا ایک باب سیکھا، اسے ستر صدیقوں کا ثواب عطا کیا جائے گا۔

معلم کا اجر و ثواب:

حضرت سہل بن معاذ بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من علم علماً فله أجر من عمل به لا ینقص من أجر العامل شیئاً. (۶۲)
ترجمہ: جو شخص کسی کو علم سکھائے تو سکھانے والے کے لیے اس کا اجر و ثواب ہوگا جو اس پر عمل کرے گا اور اس سے عمل کرنے والے کے اجر و ثواب میں کچھ کمی نہیں ہوگی۔

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ وَأَهْلَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ حَتَّى النَّمْلَةُ فِي جُحُورِهَا وَحَتَّى الْحَوَاتِ لِيَصْلُونَ عَلَى مُعَلِّمِ النَّاسِ الْخَيْرِ. (۶۳)

ترجمہ: بیشک اللہ جل شانہ لوگوں کو خیر کی تعلیم دینے والے پر رحمت نازل فرماتا ہے اور اس کے فرشتے، آسمان و زمین کی مخلوق حتیٰ کہ چوٹی اپنے سوراخ میں اور مچھلی دریا میں اس کے لیے رحمت کی دعا کرتی ہے۔

علم سکھانا بہتر صدقہ ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أَفْضَلُ الصَّدَقَةِ أَنْ يُعَلَّمَ الْمَرْءُ الْمُسْلِمَ عِلْمًا تَمَّ يَعْلَمُهُ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ. (۶۴)

ترجمہ: بہترین صدقہ یہ ہے کہ مسلمان مرد کو علم سکھیے، پھر وہ علم اپنے مسلمان بھائی کو سکھائے۔

عصری علوم و فنون کی تحصیل:

قرآن و حدیث میں جس طرح دینی تعلیم حاصل کرنے کی رغبت دلائی گئی، اس کے فضائل و مناقب بیان کیے گئے اور اس کی تحصیل کے آداب و احکام بتائے گئے ہیں، اسی طرح عصری علوم و فنون کی تحصیل اور کائنات میں غور و فکر کی دعوت و ترغیب بھی دی گئی ہے۔ اللہ رب العزت نے حضرت آدم علیہ السلام کو ملائکہ کے درمیان جس علم کے ذریعہ اعزاز بخشا وہ خالص دین کا علم نہیں تھا، بلکہ اس کا تعلق براہ راست دنیا سے تھا اور وہ علم دنیا کی چیزوں کے اسما سے متعلق تھا۔ قرآن کریم میں اس واقعہ کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے:

وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ أَنْبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَؤُلَاءِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ. قَالُوا سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا

إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ. قَالَ يَا آدَمُ أَنْبِئْهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ فَلَمَّا أَنْبَأَهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ الْغَيْبِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ (۶۵)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام اشیاء کے نام سکھائے، پھر سب اشیاء کو ملائکہ پر پیش کر کے فرمایا: سچے ہو تو ان کے نام بتاؤ۔ بولے: پاکی ہے تجھے، ہمیں کچھ علم نہیں مگر جتنا تو نے ہمیں سکھایا، بیشک تو ہی علم و حکمت والا ہے۔ فرمایا: اے آدم! بتا دے انہیں سب اشیاء کے نام۔ جب آدم نے انہیں سب کے نام بتا دیئے، فرمایا: میں نہ جانتا تھا کہ میں جانتا ہوں آسمانوں اور زمین کی سب چھپی چیزیں اور میں جانتا ہوں جو کچھ تم ظاہر کرتے اور جو کچھ تم چھپاتے ہو۔ (۶۶)

اس کی تفسیر میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام پر تمام اشیاء جملہ مسمیات پیش فرما کر آپ کو ان کے اسما و صفات و افعال و خواص و اصول و علوم و صناعت سب کا علم بطریق الہام عطا فرمایا۔ اس کے بعد فرشتوں سے فرمایا اگر تم اپنے اس خیال میں سچے ہو کہ میں کوئی مخلوق تم سے زیادہ عالم پیدا نہ کروں گا اور خلافت کے تم ہی مستحق ہو تو ان چیزوں کے نام بتاؤ؛ کیوں کہ خلیفہ کا کام تصرف و تدبیر اور عدل و انصاف ہے اور یہ بغیر اس کے ممکن نہیں کہ خلیفہ کو ان تمام چیزوں کا علم ہو جن پر اس کو متصرف فرمایا گیا اور جن کا اس کو فیصلہ کرنا ہے۔ (۶۷)

اس سے سمجھ میں آیا کہ امت مسلمہ کو عصری علوم و فنون میں بھی دسترس اور عبور حاصل کرنا چاہیے؛ اس لیے کہ اسے پوری دنیا کی قیادت اور تمام انسانوں کی رہنمائی کرنی ہے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینا ہے۔ اور یہ سب کام اس امر کے متقاضی ہیں کہ دینی علوم میں کمال و بصیرت پیدا کرنے کے ساتھ عصری علوم و فنون میں بھی مہارت حاصل کی جائے۔

قرآن کریم میں ہر چیز کا بیان ہے:

قرآن کریم دینی علوم و معارف کا سرچشمہ اور عصری تحقیقات و انکشافات کا

مصدر و منبع ہے؛ اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ حتی المقدور قرآن کریم کا علم حاصل کریں اور اس کے اندر روپوش حیران کن معلومات کے خزانے اور باب علم و دانش کے سامنے پیش کریں اور یہ واضح کر دیں کہ جدید سائنسی تحقیقات کی انتہا وہی ہے جو قرآن کریم نے بہت پہلے بیان فرمادیا ہے۔ اس حوالہ سے قرآن کریم میں ہے:

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَلُكُمْ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يُحْشَرُونَ (۶۸)

ترجمہ: اور نہیں کوئی زمین میں چلنے والا اور نہ کوئی پرند کہ اپنے پروں اڑتا ہے مگر تم جیسی امتیں، ہم نے اس کتاب میں کچھ اٹھانہ رکھا (یعنی جملہ علوم اور تمام ”مَا كَانَ وَ مَا يَكُونُ“ کا اس میں بیان ہے اور جمیع اشیاء کا علم اس میں ہے) پھر اپنے رب کی طرف اٹھائے جائیں گے۔ (۶۹)

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تَبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ (۷۰)

ترجمہ: اور ہم نے تم پر قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے اور ہدایت اور رحمت اور بشارت مسلمانوں کو۔ (۷۱)

ترمذی کی حدیث میں ہے سید عالم ﷺ نے پیش آنے والے فتنوں کی خبر دی۔ صحابہ نے ان سے خلاص کا طریقہ دریافت کیا، فرمایا: کتاب اللہ میں تم سے پہلے واقعات کی بھی خبر ہے، تم سے بعد کے واقعات کی بھی اور تمہارے مابین کا علم بھی۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، فرمایا: جو علم چاہے وہ قرآن کو لازم کر لے، اس میں اولین و آخرین کی خبریں ہیں۔

امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اُمت کے سارے علوم حدیث کی شرح ہیں اور حدیث قرآن کی، اور یہ بھی فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے جو کوئی حکم بھی فرمایا وہ وہی تھا جو آپ کو قرآن پاک سے مفہوم ہوا۔

ابوبکر بن مجاہد سے منقول ہے انہوں نے ایک روز فرمایا کہ عالم میں کوئی چیز ایسی

نہیں جو کتاب اللہ یعنی قرآن شریف میں مذکور نہ ہو، اس پر کسی نے ان سے کہا: سرائوں (مسافر خانوں) کا ذکر کہاں ہے؟ فرمایا: آیت ”لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ مَسْكُونَةٍ فِيهَا مَتَاعٌ لَكُمْ، الْخ“ میں۔

ابن ابوالفضل مرسی نے کہا کہ اولین و آخرین کے تمام علوم قرآن پاک میں ہیں۔ غرض یہ کتاب جامع ہے جمیع علوم کی جس کسی کو اس کا جتنا علم ملا ہے اتنا ہی جانتا ہے۔ (۷۲)

زمین میں سفر اور حقائق کا مشاہدہ کرنے کی دعوت:

آج آثار قدیمہ کی تحقیق و جستجو کا مستقل ایک شعبہ ہے اور لوگ طرح طرح کے علوم و فنون حاصل کر کے اس میدان میں کام کر رہے ہیں۔ قرآن کریم نے بہت پہلے اس علم کی تحصیل کی طرف توجہ دلائی اور گزشتہ قوموں کے دیار و آثار دیکھنے اور ان میں غور و فکر کرنے کی دعوت دی اور اس کا مقصد بھی واضح کر دیا کہ اس عمل کے ذریعہ غور و فکر کرنے والوں کو اللہ جل شانہ کی معرفت حاصل ہوگی اور انہیں رب کریم کی قدرت کاملہ کا یقین ہو جائے گا۔ قرآن کریم میں ہے:

أَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللَّهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ. قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللَّهُ يُنشِئُ النَّشْأَةَ الْآخِرَةَ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (۷۳)

ترجمہ: اور کیا انہوں نے نہ دیکھا اللہ کیوں کر خلق کی ابتدا فرماتا ہے (کہ پہلے انہیں نطفہ بناتا ہے، پھر خون بستہ کی صورت دیتا ہے، پھر گوشت پارہ بناتا ہے، اس طرح تدریجاً ان کی خلقت کو مکمل کرتا ہے) پھر اسے دوبارہ بنائے گا (آخرت میں بعث کے وقت) بیشک یہ اللہ کو آسان ہے (یعنی پہلی بار پیدا کرنا اور مرنے کے بعد پھر دوبارہ بنانا)۔ تم فرماؤ! زمین میں سفر کر کے دیکھو (گزشتہ قوموں کے دیار و آثار کو کہ) اللہ کیوں کر پہلے بناتا ہے (مخلوق کو، پھر اسے موت دیتا ہے)۔ پھر اللہ دوسری اٹھان اٹھاتا ہے، بیشک اللہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ (۷۴)

کائنات میں غور و فکر کی ترغیب:

آج سائنسی علوم و فنون کی ترقی نے عام انسانوں کو ورطہ حیرت میں ڈال رکھا ہے اور لوگ روز بروز محیر العقول چیزوں سے آشنا ہو رہے ہیں، کائنات میں روپوش حقائق سے پردے اٹھنے لگے ہیں، زمین کی تہوں اور آسمان کی بلندیوں کے راز ہائے سر بستہ نمایاں ہو رہے ہیں، مگر ان سب کے باوجود قرآن وحدیث کے ذریعہ جتنا کچھ بیان کیا جا چکا ہے اب تک اس کا عشر عشر بھی سامنے نہیں آ سکا ہے، بلکہ مزید غور کریں تو معلوم ہوگا کہ مذہب اسلام نے ہی سائنسی علوم و فنون کے عروج و ارتقا کے لیے مضبوط بنیادیں فراہم کی ہیں اور مختلف انداز سے انسانوں کو کائنات میں غور و فکر کرنے کی دعوت و ترغیب دی ہے جو سائنس کی اساس ہے، بطور مثال چند آیات پیش کی جاتی ہیں:

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَاءٍ فَأَخْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيَّاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (۷۵)

ترجمہ: بیشک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات و دن کا بدلتے آنا اور کشتی کہ دریا میں لوگوں کے فائدے لے کر چلتی ہے اور وہ جو اللہ نے آسمان سے پانی اتار کر مردہ زمین کو اس سے جلا دیا اور زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلانے اور ہواؤں کی گردش اور وہ بادل کہ آسمان و زمین کے بیچ میں حکم کا باندھا ہے ان سب میں عقلمندوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں۔ (۷۶)

هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسُ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا وَقَدَرَهُ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ مَا خَلَقَ اللَّهُ ذَلِكَ إِلَّا بِالْحَقِّ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ (۷۷)

ترجمہ: وہی ہے جس نے سورج کو جگمگاتا بنایا اور چاند چمکتا اور اس کے لیے منزلیں ٹھہرائیں کہ تم برسوں کی گنتی اور حساب جانو، اللہ نے اسے نہ بنایا مگر حق، نشانیاں مفصل بیان

فرماتا ہے علم والوں کے لیے۔ (۷۸)

وَهُوَ الَّذِي مَدَّ الْأَرْضَ وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْهَاراً وَمِنْ كُلِّ الشَّمَرَاتِ جَعَلَ فِيهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغِشِي اللَّيْلُ النَّهَارَ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ. وَفِي الْأَرْضِ قَطْعٌ مُتَجَاوِرَاتٍ وَجَنَاطٌ مِنْ أَعْنَابٍ وَزُرُوعٌ وَنَخِيلٌ صِنْوَانٌ وَغَيْرُ صِنْوَانٍ يُسْقَى بِمَاءٍ وَاحِدٍ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلَى بَعْضٍ فِي الْأُكْلِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (۷۹)

ترجمہ: اور وہی ہے جس نے زمین کو پھیلایا، اور اس میں لنگر اور نہریں بنائیں، اور زمین میں ہر قسم کے پھل دو دو طرح کے بنائے، رات سے دن کو چھپا لیتا ہے، بیشک اس میں نشانیاں ہیں دھیان کرنے والوں کو، اور زمین کے مختلف قطعے ہیں اور ہیں پاس پاس، اور باغ ہیں انگوروں کے، اور کھیتی اور کھجور کے پڑ ایک تھالے سے اُگے اور الگ الگ، سب کو ایک ہی پانی دیا جاتا ہے اور پھلوں میں ہم ایک کو دوسرے سے بہتر کرتے ہیں، بیشک اس میں نشانیاں ہیں عقل مندوں کے لیے۔ (۸۰)

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لَّكُمْ مِنْهُ شَرَابٌ وَمِنْهُ شَجَرٌ فِيهِ تُسِيمُونَ. يُبْثُّ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُونَ وَالنَّخِيلَ وَالْأَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الشَّمَرَاتِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ. وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومُ مُسَخَّرَاتٌ بِأَمْرِهِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ. وَمَا ذَرَأَ لَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَذَّكَّرُونَ (۸۱)

ترجمہ: وہی ہے جس نے آسمان سے پانی اتارا، اس سے تمہارا پینا ہے، اور اس سے درخت ہیں جن سے چراتے ہو، اس پانی سے تمہارے لیے کھیتی اگاتا ہے، اور زیتون اور کھجور اور انگور اور ہر قسم کے پھل، بیشک اس میں نشانی ہے دھیان کرنے والوں کو، اور اس نے تمہارے لیے سحر کیے رات و دن، سورج اور چاند اور ستارے اس کے حکم کے باندھے ہیں، بیشک اس میں نشانیاں عقل مندوں کو۔ اور وہ جو تمہارے لئے زمین میں پیدا کیا رنگ رنگ، بیشک اس

میں نشانی ہے یاد کرنے والوں کو۔ (۸۲)

وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَخِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَأَلْوَانِكُمْ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْعَالَمِينَ . وَمِنْ آيَاتِهِ مَنَامُكُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَاؤُكُمْ مِّن فَضْلِهِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَسْمَعُونَ . وَمِنْ آيَاتِهِ يُرِيكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَطَمَعًا وَيُنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَيُخْرِجُ بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ . (۸۳)

ترجمہ: اور اس کی نشانیوں سے ہے آسمانوں اور زمین کی پیدائش، اور تمہاری زبانوں اور رنگتوں کا اختلاف، بیشک اس میں نشانیاں ہیں جاننے والوں کے لیے، اور اس کی نشانیوں میں سے ہے رات اور دن میں تمہارا سونا، اور اس کا فضل تلاش کرنا، بیشک اس میں نشانیاں ہیں سننے والوں کے لیے، اور اس کی نشانیوں میں سے ہے رات اور دن میں تمہارا سونا، اور اس کا فضل تلاش کرنا، بیشک اس میں نشانیاں ہیں، سننے والوں کے لیے، اور اس کی نشانیوں سے ہے کہ تمہیں بجلی دکھاتا ہے، ڈراتی اور دلاتی، اور آسمان سے پانی اتارتا ہے تو اس سے زمین کو زندہ کرتا ہے اس کے مَرے پیچھے، بیشک اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کے لیے۔ (۸۴)

خلاصہ کلام:

مذکورہ بالا آیات و احادیث سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیان ہو جاتی ہے کہ مذہب اسلام نے تعلیم کو جو اہمیت دی ہے وہ کسی دوسرے مذہب میں نہیں ہے، اور یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن و حدیث میں علم و تعلیم اور متعلم و معلم کے فضائل و مناقب اور ان کے درجات و مراتب کا جس طرح سے بیان ہے اس کی مثال تاریخ عالم میں کہیں اور نہیں ملتی۔

بلکہ حق تو یہ ہے کہ آج دنیا میں تعلیم و تعلم، علم و دانش اور جدید تحقیقات و انکشافات کی جو بہاریں نظر آ رہی ہیں وہ قرآن و حدیث کی رہن منت ہیں، اگر مذہب اسلام نے درس و تدریس اور تعلیم و تربیت کی جانب اتنی توجہ نہ دی ہوتی تو دور حاضر میں علمی دانش کدوں کی جلوہ سامانیاں نہیں ہوتیں، یوں ہی قرآن و حدیث میں اگر علم و عمل کی عظمت و

اہمیت کو اس طرح اجاگر نہ کیا گیا ہوتا اور زمین میں سفر کر کے اس کے پوشیدہ اسرار و منور کی معرفت حاصل کرنے کا حکم نہ دیا جاتا تو اس زمانہ میں بھی تعلیمی اور تحقیقی مزاج اتنا بلند و بالا نہیں ہوتا۔ اور اگر قرآن نے کائنات میں غور و فکر کرنے کی دعوت و ترغیب نہ دی ہوتی تو سائنسی علوم و فنون اور جدید تحقیقات و ایجادات کی یہ شان نہیں ہوتی۔

اللہ جل شانہ نے ہم پر کتنا احسان فرمایا کہ جملہ علوم و فنون کا خزانہ ”قرآن کریم“ ہمیں عطا کیا اور اس کے رموز و اسرار کی تعلیم و تفہیم کے لیے اپنے محبوب حضور رحمت عالم ﷺ کو مبعوث فرمایا: ہمارے اسلاف نے اس نعمت کی عظمت و اہمیت کو سمجھا اور قرآن و حدیث کے علوم و معارف کا اکتساب کیا، اس لیے انہوں نے دینی مسائل کے حل کے ساتھ عصری تقاضوں کو بھی پورا کیا، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ انہوں نے قرآن و حدیث کی برکت سے عصری علوم و فنون میں بھی اقوام عالم کی رہنمائی کی اور دنیا کے بیشتر حصوں کو اپنے زیر نگین کر لیا۔

مگر افسوس! ہم نے قرآن و حدیث کے علوم و معارف کے اکتساب میں کوتاہی کی اور اپنے اسلاف کی تعلیمات و تحقیقات کو پس پشت ڈال دیا جس کے نتیجے میں ہماری ساری شان و شوکت خاک میں مل گئی اور ہم کس مہر سی کا شکار ہو گئے۔ سچ کہا ہے شاعر مشرق ڈاکٹر اقبال نے۔

گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی ثریا سے زمیں پر آسمان نے ہم کو دے مارا
حکومت کا تو کیا رونا، وہ اک عارضی شے تھی نہیں دنیا کے آئینِ مسلم سے کوئی چارا
مگر وہ علم کے موتی، کتابیں اپنے آبا کی جو دیکھیں اُن کو یورپ میں، تو دل ہوتا ہے سی پارہ
لہذا یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اپنی عظمت رفتہ کی بازیابی کے لیے دینی علوم و معارف کی تحصیل کے ساتھ عصری علوم و فنون کا بھی اکتساب کریں اور رب کریم کی بارگاہ میں وہ دعائیں بھی کرتے رہیں جو سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منقول ہیں:

اللهم إني أسألك علما نافعا و رزقا طيبا و عملا مقبلا. (۸۵)

ترجمہ: اے اللہ! میں تجھ نفع بخش علم کا سوال کرتا ہوں اور ایسے علم سے تیری پناہ چاہتا ہوں جو نفع بخش نہ ہو۔

اللهم إني أسألك علما نافعا و أعوذ بك من علم لا ينفع. (۸۶)
ترجمہ: اے اللہ! میں تجھ سے نفع بخش علم، پاکیزہ رزق اور مقبول عمل کا طالب

ہوں۔

حواشی

- ۱- پارہ: ۲۸، الجمعة: ۶۲، آیت: ۲
- ۲- کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارکپور، اعظم گڑھ۔
- ۳- پارہ: ۳۰، العلق: ۹۶، آیت: ۱ تا ۵۔
- ۴- کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارکپور، اعظم گڑھ۔
- ۵- صحیح البخاری، ج: ۲، ص: ۷۵۲، کتاب فضائل القرآن، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارکپور، اعظم گڑھ۔
- ۶- پارہ: ۳، آل عمران: ۳، آیت: ۱۶۴۔
- ۷- کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارکپور، اعظم گڑھ۔
- ۸- سنن ابن ماجہ، باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم، رقم الحدیث: ۲۲۴، ج: ۱، ص: ۸۱، دار الفکر، بیروت۔
- ۹- سنن الدارمی، باب الاقتداء بالعلماء، رقم الحدیث: ۲۴۰، ج: ۱، ص: ۱۴۵، دار البشائر، بیروت۔
- ۱۰- پارہ: ۱۶، طہ: ۲۰، آیت: ۱۱۴۔
- ۱۱- کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارکپور، اعظم گڑھ۔

- ۱۲- سنن ابن ماجہ، باب ماتعوذ منه رسول اللہ ﷺ، رقم الحدیث: ۳۸۴۳، ج: ۲، ص: ۲۶۳، دار الفکر، بیروت۔
- ۱۳- سنن ابن ماجہ، باب ما یقال بعد التسلیم، رقم الحدیث: ۹۲۵، ج: ۱، ص: ۲۹۸، دار الفکر، بیروت۔
- ۱۴- الصحیح لمسلم، باب التعوذ من شر ما عمل ومن شر ما لم یعمل، رقم الحدیث: ۷۰۸۱، ج: ۸، ص: ۸۱، دار الافاق الجدیدہ، بیروت۔
- ۱۵- الترغیب والترہیب للمنذری، کتاب العلم، رقم الحدیث: ۱۰۷، ج: ۱، ص: ۵۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔
- ۱۶- پارہ: ۳، البقرہ: ۲، آیت: ۲۶۹۔
- ۱۷- کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارکپور، اعظم گڑھ۔
- ۱۸- المعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث: ۷۸۶، ج: ۱۹، ص: ۳۴۰، مکتبۃ ابن تیمیہ، القاہرہ۔
- ۱۹- سنن الدارمی، باب فی فضل العلم و العالم، رقم الحدیث: ۳۷۵، ج: ۱، ص: ۱۶۶، دار البشائر، بیروت۔
- ۲۰- مجمع الزوائد و منبع الفوائد، باب فی فضل العلماء و مجالستہم، رقم الحدیث: ۵۲۱، ج: ۱، ص: ۳۳۵، دار الفکر، بیروت۔
- ۲۱- پارہ: ۱۱، التوبہ: ۹، آیت: ۱۲۲۔
- ۲۲- کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارکپور، اعظم گڑھ۔
- ۲۳- مجمع الزوائد و منبع الفوائد، باب فی فضل العلم و المتعلم رقم الحدیث: ۵۰۲، ج: ۱، ص: ۲۳۰، دار الفکر، بیروت۔
- ۲۴- المعجم الاوسط، رقم الحدیث: ۵۷۲۲، ج: ۶، ص: ۳۸، دار الحرمین، القاہرہ، مصر

- ۲۵- شعب الایمان، فصل فی فضل العلم و شرف مقداره، رقم الحديث، ۱۵۷۶، ج: ۳، ص: ۲۲۳، مكتبة الرشد للنشر و التوزيع، رياض.
- ۲۶- سنن الترمذی، باب فضل طلب العلم، ج: ۲، ص: ۸۹، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارکپور، اعظم گڑھ
- ۲۷- مجمع الزوائد و منبع الفوائد، باب فی فضل العلم و المتعلم، رقم الحديث: ۴۹۷، ج: ۱، ص: ۳۲۹، دار الفکر، بیروت.
- ۲۸- الصحيح لمسلم، باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن، رقم الحديث: ۷۰۲۸، ج: ۸، ص: ۷۱، دار الآفاق الجديدة، بیروت.
- ۲۹- سنن ابی داؤد، باب فی طلب العلم لغير الله تعالى، رقم الحديث: ۳۶۶۱، ص: ۶۲، دار احیاء التراث العربی، بیروت.
- ۳۰- سنن ابن ماجه، باب الانتفاع بالعلم و العمل به، رقم الحديث: ۲۵۳، ج: ۱، ص: ۹۳، دار الفکر، بیروت.
- ۳۱- سنن ابن ماجه، باب الانتفاع بالعلم و العمل به، رقم الحديث: ۲۵۹، ج: ۱، ص: ۹۶، دار الفکر، بیروت.
- ۳۲- سنن الدارمی، باب العمل بالعلم حسن النية فيه، رقم الحديث: ۲۵۵، ج: ۱، ص: ۹۲، دار الكتاب العربی، بیروت.
- ۳۳- المعجم الاوسط للطبرانی، رقم الحديث: ۶۱۸۲، ج: ۶، ص: ۲۰۰، دار الحرمین، القاهرة، مصر.
- ۳۴- کنز العمال فی سنن الاقوال و الافعال، کتاب العلم، رقم الحديث: ۲۸۸۳۱، ج: ۱۰، ص: ۱۶۰، مؤسسة الرسالة.
- ۳۵- مسند البزار، رقم الحديث: ۸۵۷۴، ج: ۱۵، ص: ۱۹۱، مكتبة العلوم و الحكم، المدينة المنورة.
- ۳۶- سنن ابن ماجه، رقم الحديث: ۲۲۵، ج: ۱، ص: ۸۲، دار الكتب العلمية، بیروت.

- ۳۷- سنن ابن ماجه، رقم الحديث: ۲۲۶، ج: ۱، ص: ۸۲، دار الكتب العلمية، بیروت.
- ۳۸- سنن ابی داؤد، باب الحث على طلب العلم رقم الحديث: ۳۶۳، ص: ۶۱۷، دار احیاء التراث العربی، بیروت.
- ۳۹- سنن ابن ماجه، رقم الحديث: ۲۲۳، ج: ۱، ص: ۸۱، دار الكتب العلمية، بیروت.
- ۴۰- کنز العمال فی سنن الاقوال و الافعال، کتاب العلم، رقم الحديث: ۲۸۸۵۵، ج: ۱۰، ص: ۱۶۰، مؤسسة الرسالة.
- ۴۱- پارہ: ۳، آل عمران: ۳، آیت: ۱۸.
- ۴۲- کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارکپور، اعظم گڑھ.
- ۴۳- پارہ: ۱۳، الرعد: ۱۳، آیت: ۴۳.
- ۴۴- کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارکپور، اعظم گڑھ.
- ۴۵- پارہ: ۲۳، الزمر: ۳۹، آیت: ۹.
- ۴۶- کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارکپور، اعظم گڑھ.
- ۴۷- پارہ: ۲۸، المجادلة: ۵۸، آیت: ۱۱.
- ۴۸- کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارکپور، اعظم گڑھ.
- ۴۹- احیاء علوم الدین، کتاب العلم، ج: ۱، ص: ۴۰، دار لتقویٰ للتراث، قاهرہ، مصر.
- ۵۰- پارہ: ۲۰، العنکبوت: ۲۹، آیت: ۴۳.
- ۵۱- کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ،

- ۵۱- مبارکپور، اعظم گڑھ۔
 ۵۲- پارہ: ۳، آل عمران: ۲، آیت: ۷۔
 ۵۳- کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارکپور، اعظم گڑھ۔
 ۵۴- احیاء علوم الدین، کتاب العلم، ج: ۱، ص: ۴۲، دار لتقویٰ للتراث، قاہرہ، مصر۔
 ۵۵- پارہ: ۲۲، فاطر: ۳۵، آیت: ۲۸۔
 ۵۶- کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارکپور، اعظم گڑھ۔
 ۵۷- خزائن العرفان فی تفسیر القرآن، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارکپور، اعظم گڑھ۔
 ۵۸- سنن ابی داؤد، باب الحث علی طلب العلم، رقم الحدیث: ۳۶۴۳، ج: ۳، ص: ۳۵۴، دار الکتاب العربی، بیروت۔
 ۵۹- احیاء علوم الدین، کتاب العلم، ج: ۱، ص: ۴۸، دار لتقویٰ للتراث، قاہرہ، مصر۔
 ۶۰- المستدرک علی الصحیحین للحاکم، کتاب العلم، رقم الحدیث: ۳۱۱، ج: ۱، ص: ۱۶۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔
 ۶۱- الترغیب و الترهیب للمندری، کتاب العلم، رقم الحدیث: ۱۱۸، ج: ۱، ص: ۵۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔
 ۶۲- سنن ابن ماجہ، باب ثواب معلم الناس الخیر، رقم الحدیث: ۲۴۰، ج: ۱، ص: ۸۸، دار الفکر، بیروت۔
 ۶۳- سنن الترمذی، باب ماجاء فی الم المدینۃ، ج: ۲، ص: ۹۳، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارکپور، اعظم گڑھ۔
 ۶۴- سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۲۴۳، ج: ۱، ص: ۸۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔

- ۶۵- پارہ: ۱، البقرہ: ۲، آیت: ۳۱ تا ۳۳۔
 ۶۶- کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارکپور، اعظم گڑھ۔
 ۶۷- خزائن العرفان فی تفسیر القرآن، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارکپور، اعظم گڑھ۔
 ۶۸- پارہ: ۷، الانعام: ۶، آیت: ۳۸۔
 ۶۹- کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارکپور، اعظم گڑھ۔
 ۷۰- پارہ: ۱۴، النحل: ۱۶، آیت: ۸۹۔
 ۷۱- کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارکپور، اعظم گڑھ۔
 ۷۲- خزائن العرفان فی تفسیر القرآن، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارکپور، اعظم گڑھ۔
 ۷۳- پارہ: ۲۰، العنکبوت: ۲۹، آیت: ۱۹، ۲۰۔
 ۷۴- کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارکپور، اعظم گڑھ۔
 ۷۵- پارہ: ۲، البقرہ: ۲، آیت: ۱۶۴۔
 ۷۶- کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارکپور، اعظم گڑھ۔
 ۷۷- پارہ: ۱۱، یونس: ۱۰، آیت: ۵۔
 ۷۸- کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارکپور، اعظم گڑھ۔
 ۷۹- پارہ: ۱۳، الرعد: ۱۳، آیت: ۴، ۳۔
 ۸۰- کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارکپور، اعظم گڑھ۔

قرآن کریم اور سائنسی تفسیر

عالم ربانی مولانا شیخ اسید الحق قادری بدایونی

تلخیص - مفتی دلشاد احمد قادری

مدرس، مدرسہ عالیہ قادریہ، بدایوں شریف

دورِ حاضر کو سائنسی انقلاب کا دور کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ اس دور میں معقولات نے محسوسات اور محسوسات نے مشاہدات کی شکل اختیار کر لی ہے۔ دنیا کا کوئی فرد، کوئی جماعت اس انقلابی اثر سے محفوظ نہ رہ سکی ہے۔ تو ظاہری بات ہے ملت اسلامیہ کا بھی اس سائنسی انقلاب کے زیر اثر آنا لازمی تھا چنانچہ اس عظیم علمی اور سائنسی انقلاب نے ملت اسلامیہ کو بھی علمی، فکری اور عملی میدان کے ہر شعبہ میں متاثر کیا اور اس کے مثبت و منفی اثرات امت اسلامیہ کے افراد کے افکار و نظریات پر ظاہر ہوئے ہیں۔ اس سائنسی انقلاب کے نتیجے میں چند ایسے گروہ معرض وجود میں آئے جن کے افکار و نظریات میں باہم تضاد و تصادم پایا جاتا ہے۔ رفتہ رفتہ اس فکری تضاد اور اختلاف کا دائرہ بڑھ کر تعلیمی، ثقافتی اور تہذیبی سطحوں تک وسیع ہو گیا تاہم تفسیر اور علوم قرآن پر اس سائنسی انقلاب کے اثرات ظاہر ہونا بدیہی بات ہے۔

سائنسی انقلاب کے زیر اثر مفسرین کا ایک طبقہ ایسا ظاہر ہوا جو ہر نئی ایجاد اور جدید تحقیق پر ایمان لے آیا اور اس نے قرآن کو ان ایجادات اور تحقیقات کے مطابق کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا، جو آیات قرآنیہ ان کے تسلیم شدہ نظریات کا ساتھ نہیں دے رہی تھیں تو ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ قرآن کے ارشادات کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتے اور سائنسی تحقیقات

- ۸۱- پارہ: ۱۴، النحل: ۱۶، آیت: ۱۰ تا ۱۳۔
 ۸۲- کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارکپور، اعظم گڑھ۔
 ۸۳- پارہ: ۲۱، الروم: ۳۰، آیت: ۲۲ تا ۲۴۔
 ۸۴- کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارکپور، اعظم گڑھ۔
 ۸۵- المعجم الاوسط للطبرانی، رقم الحدیث: ۹۰۵۰، ج: ۹، ص: ۳۲، دار الحرمین، القاہرہ، مصر۔
 ۸۶- سنن ابن ماجہ، باب ما یقال بعد التسلیم، رقم الحدیث: ۹۲۵، ج: ۱، ص: ۲۹۸، دار الفکر، بیروت۔

میں نظر ثانی کرتے مگر اس کے برعکس انھوں نے قرآنی آیات میں تاویل کر ڈالی اور اس کام کو اسلام و قرآن کی بیش بہا خدمت سمجھنے لگے۔

مفسرین کا دوسرا طبقہ وہ ہے جسے علوم قرآن میں تو مہارت تامہ حاصل تھی مگر عصری اور سائنسی علوم سے کما حقہ وہ واقف نہیں تھے انھوں نے جدید تحقیق کے نام پر ایسی تفسیریں کیں کہ اغیار کی نظر میں قرآن کا اعجاز ثابت ہونے کی بجائے اسلام و قرآن کا مذاق بن کر رہ گیا۔ بعض مفسرین ایسے بھی رہے جن کی نظر سائنسی علوم پر تو گہری تھی مگر علوم اسلامیہ میں بصیرت تامہ حاصل نہیں تھی تو انھوں نے قرآن کو کتاب ہدایت کے بجائے فرس و کیمسٹری کی کتاب ہی بنا کر رکھ دیا۔

زیر نظر مقالے میں ہم بنام سائنسی تفسیر اسی افراط و تفریط پر ایک غائرانہ نظر ڈالیں گے تاکہ اس کی روشنی میں راہ اعتدال کے نقش واضح ہو جائیں اور غلو و تشدد سے بچا جاسکے۔ ممتاز ناقد و محقق شیخ اسید الحق محمد عاصم قادری بدایونی قدس سرہ العزیز سائنسی تفسیر کے مقصد کو واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

سائنسی تفسیر کرنے والے کسی جدید سائنسی نظریہ کو قرآن کریم کے مطابق ثابت کر کے یہ دکھاتے ہیں کہ اگر قرآن کسی انسان کا کلام ہوتا تو اس میں وہ سائنسی نظریہ کیسے ہو سکتا تھا جس کا انکشاف قرآن کریم کے نزول کے چودہ سو سال بعد ہوا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن کسی انسان کا نہیں بلکہ اللہ کا کلام ہے۔ (۱)

قرآن کریم کی سائنسی تفسیر کے جواز پر دلائل:

(الف) ولا رطب ولا يابس الا في كتاب مبين (۲)۔ ترجمہ: نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک چیز مگر وہ لکھی ہوئی ہے روشن کتاب میں۔

(ب) ما فرطنا في الكتاب من شيء (۳)۔ ترجمہ: ہم نے کتاب میں کسی چیز کو نظر انداز نہیں کیا۔

(ج) ونزلنا عليك الكتاب تبياناً لكل شيء (۴)۔ ترجمہ: ہم آپ پر ایسی

کتاب نازل کی جو ہر چیز کا بیان ہے۔

ان آیات مبارکہ کے علاوہ اور بھی دیگر آیات کریمہ ہیں جن کو سائنسی تفسیر کے قائلین سائنسی تفسیر کے جواز میں پیش کرتے ہیں۔ سائنسی تفسیر کے جواز پر بعض اسلاف کے اقوال سے بھی استدلال کیا جاتا ہے مثلاً امام غزالی، امام سیوطی، امام فخر الدین رازی وغیرہ۔

شہید بغدادی علیہ الرحمہ امام غزالی کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں:

جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ قرآن کا معنی آیت کے لفظی اور ظاہری ترجمہ کے علاوہ اور کچھ نہیں وہ یہ جان لے کہ اگرچہ اپنی فہم اور اپنی معلومات کی حد تک وہ درست سمجھتا ہے مگر درحقیقت وہ خطا پر ہے، اس لیے کہ اخبار و آثار دلالت کرتے ہیں کہ ارباب فہم کے لیے معانی قرآن کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ حضرت علی نے فرمایا کہ اللہ اپنے بندے کو قرآن کا فہم عطا فرماتا ہے اگر قرآن کے معانی صرف ظاہری ترجمہ و تفسیر تک محدود ہوتے تو آخر اس فہم کا کیا مطلب ہے۔ بعض علما نے کہا ہے کہ ہر آیت کے ساٹھ ہزار فہم ہیں بعض دیگر علما فرماتے ہیں کہ قرآن ستر ہزار دو سو علوم پر مشتمل ہے۔ (۵)

شہید بغدادی اپنی تالیف ”قرآن کریم کی سائنسی تفسیر“ میں امام فخر الدین رازی کی سائنسی تفسیر کے متعلق رائے و نظریہ رقم کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

ممکن ہے کہ بعض جہال اور احمق قسم کے لوگ یہ اعتراض کریں کہ آپ نے تفسیر قرآن میں علم ہیئت و نجوم وغیرہ کی بھرمار کر دی ہے یہ طریقہ تفسیر درست نہیں ہے۔ جواباً اس مسکین عقل سے کہہ دو کہ اگر تم صرف قرآن ہی میں غور و فکر کرتے تو اپنے اس قول کا بطلان تم پر واضح ہو جاتا۔ (۶)

امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں:

قرآن میں علوم اولین و آخرین جمع کر دیئے گئے ہیں یہاں تک کہ کوئی علم ایسا نہیں ہے جس کے بارے میں قرآن نے اشارہ نہ فرمایا ہو۔ (۷)

سائنسی تفسیر کے حاملین درج بالا اسلاف کے اقوال سے بھی سائنسی تفسیر کے جواز پر استدلال کرتے ہیں۔ یہاں یہ بات بھی یاد رکھنا از بس ضروری ہے کہ سائنسی تفسیر

کے موجودہ حاملین دو قسم کے ہیں بعض انتہائی تشدد واقع ہوئے ہیں، وہ اس طریقہ تفسیر کو فی زمانہ فرض کے درجے میں سمجھتے ہیں۔ اس تفسیر کے لیے کسی بھی شرط اور قید کو تسلیم کرنے پر راضی نہیں۔ علما کا دوسرا طبقہ وہ سائنسی تفسیر کا حامی تو ضرور ہے مگر اس میں غلو اور تشدد کو ناپسند کرتا ہے۔ انھوں نے سائنسی تفسیر کے لیے کچھ حدود و شرائط مقرر فرمادیئے ہیں مثلاً علامہ شیخ طنطاوی الجوهری، علامہ عبدالرحمن الکواکبی، علامہ طاہر ابن عاشور، ڈاکٹر حفی احمد، ڈاکٹر جموعہ علی عبدالقادر سائنسی تفسیر کے پر جوش حامی ہیں اور اس طریقہ تفسیر کے لیے کسی قسم کی شرط و قید کے قائل نہیں۔ ممتاز ناقد و محقق علامہ شیخ اسحاق محمد عاصم قادری بدایونی نے اپنی مایہ ناز تصنیف ”قرآن کریم کی سائنسی تفسیر“ میں مذکورہ بالا حضرات کی کتابوں سے ان کے اقوال ذکر کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ ان حضرات نے سائنسی تفسیر میں غلو آمیز طریقہ اختیار کیا ہے اور اپنے نظریہ کو ثابت کرنے میں ان حضرات نے جو دلائل تحریر فرمائے ہیں نہ سب سے کلیتاً اتفاق کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی تمام باتوں سے اختلاف بلکہ کچھ باتیں قابل قبول ہیں اور کچھ میں تامل ہے۔

علما کا وہ طبقہ جو سائنسی تفسیر کا حامی تو ضرور ہے مگر اس میں غلو، مبالغہ اور انتہا پسندی کے مخالف ہے امام متولی الشعراوی کا شمار ان ہی علما میں ہوتا ہے۔ یہ سائنسی تفسیر کے حوالے سے تشدد و غلو ناپسند کرتے ہیں اور راہ اعتدال کو اختیار کرتے ہیں۔

شہید بغداد علیہ الرحمہ نے امام متولی الشعراوی کی کتاب ”معجزہ القرآن“ سے چند اقتباس نقل فرمائے ہیں جن سے امام متولی الشعراوی کے سائنسی تفسیر کے نظریہ پر روشنی پڑتی ہے۔ ہم قارئین کے استفادہ کے لیے بعض اقتباس یہاں نقل کرتے ہیں۔

امام متولی الشعراوی فرماتے ہیں:

قرآن کریم میں وسعت تجدد ہے اور یہی وسعت تجدد اعجاز قرآن کو ممتد اور مسلسل قائم رکھنے میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے اگر ہم تسلیم کر لیں کہ قرآن اور اس کے معانی میں یہ وسعت تجدد نہیں ہے اور اس کا سارا اعجاز ایک زمانے یا کسی ایک صدی میں ظاہر ہو گیا تو لازم آئے گا کہ آخر کی صدیوں میں قرآن بغیر معجزہ کے رہ گیا، یہ بات قرآن میں جمود و تعطل کے مترادف ہے جبکہ قرآن کسی زمانے میں جامد اور تعطل پذیر نہیں ہوا اور نہ کبھی ہوگا۔ وہ ہر آئندہ

نسل اور آنے والے فرد بشر کو بقدر طاقت و فہم اپنے اعجاز کا ثبوت فراہم کرے گا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے صرف اسی قدر تفسیر بیان فرمائی جو اس زمانے میں دین کے احکام کے لیے ضروری تھی۔ وہ حقائق اور دقائق علمیہ جو اللہ تعالیٰ مستقبل میں انسانی عقل و علم کے ذریعہ روشن فرمانے والا تھا ان کو آپ نے بیان نہیں فرمایا کیوں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نزول قرآن کے وقت عقل انسانی ان حقائق کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی لہذا آپ نے صرف وہ معانی بیان فرمائے جو ان کی فکری سطح کے مطابق اور ان کی ضروریات کے لیے کافی تھے۔

اس وسعت تجدد کا یہ معنی ہرگز نہیں ہے کہ ہم قرآن پر وہ معانی مسلط کر دیں جن کی آیات قرآنیہ متحمل نہ ہوں یا ان آیات کے ساتھ ایسا برتاؤ کریں کہ گویا یہ انھیں علوم و فنون کے بیان کے لیے نازل ہوئی ہیں۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ قرآن اس لیے نازل نہیں ہوا ہے کہ وہ علم ہندسہ، علم فلک یا علم فضا کے رموز و اسرار بیان کرے۔ قرآن نے ابتدا ہی میں اپنے مقصد نزول کو ان الفاظ میں واضح کر دیا ہدی الممتقین یعنی یہ کتاب ہدایت ہے۔ (۸) سائنسی تفسیر کے جہاں تشدد حامی ہیں وہیں اس طریقہ تفسیر کے شدید مخالفین بھی موجود ہیں اور اس طریقہ تفسیر کے جواز میں اس کے حامی حضرات نے امام غزالی اور امام سیوطی وغیرہ علمائے کرام کے اقوال سے استدلال کیا، وہیں اس کے مخالفین امام شاطبی کے قول کو اس طریقہ تفسیر کے عدم جواز میں پیش کرتے ہیں۔ امام شاطبی اپنی کتاب ”الموافقات فی اصول الاحکام“ میں فرماتے ہیں:

بہت سے لوگوں نے علوم قرآن کے سلسلہ میں حد سے تجاوز کیا ہے اور متقدمین و متاخرین کے تمام علوم مثلاً طب، علم التعلیم، علم الہندسہ، ریاضیات، منطق اور علم الحروف وغیرہ کو علوم قرآن میں شامل کر لیا ہے۔ ہم نے جو کچھ پیچھے کہا ہے اس کی روشنی میں اگر دیکھا جائے تو یہ درست نہیں ہے۔ (۹)

یہ جائز نہیں ہے کہ ہم ان علوم کو قرآن میں داخل کر دیں جو اس کے مقتضائے خلاف ہیں بالکل اسی طرح جیسے یہ بات درست نہیں ہے کہ ہم ان علوم سے غفلت برتیں جو قرآن کے مقتضائے عین مطابق ہیں۔

جو اس طریقہ تفسیر کے شدید مخالف ہیں ان میں شیخ محمود دہلوت، علامہ عبدالعظیم زرقانی، عباس العقاد نمایاں ہیں۔ اختصار کے پیش نظر ہم اس طریقہ تفسیر کے مخالفین میں سے علامہ عبدالعظیم زرقانی کی رائے پیش کرتے ہیں، آپ لکھتے ہیں:

قرآن نے ان علوم کو نبیہ کو اپنا بنیادی موضوع قرار نہیں دیا ہے، یہ اس لیے کہ علوم قانون ارتقا کے آگے مجبور ہیں کہ ان میں بھی ارتقا ہو، دوسرے یہ کہ ان علوم کی دقیق تفصیل عام فہم انسانی سے بلند ہیں اور تیسرے یہ کہ قرآن کے اصل مقصود کے مقابلے میں یہ علوم اتنے اہم نہیں ہیں کیونکہ قرآن کا اصل مقصود انسانیت کی فلاح اور دنیوی و اخروی سعادتوں کی طرف انسان کی ہدایت و رہنمائی ہے۔ قرآن کتاب ہدایت و اعجاز ہے لہذا یہ ہرگز مناسب نہیں ہے کہ ہم ہدایت و اعجاز کی حدود سے تجاوز کریں۔ اگر کہیں قرآن نے حقائق کو نبیہ کا ذکر بھی کیا ہے تو وہ بھی دراصل ہدایت کے لیے ہے اور یہ ”دلالة الخلق علی الخالق“ کی قبیل سے ہے، حقائق کو نبیہ کا ذکر اس لیے نہیں کہ قرآن ہیئت و فلکیات اور طبیات اور کیمسٹری کے حقائق علمیہ کی شرح کرے، نہ اس لیے ہے کہ اس سے حساب جبر و مقابلہ اور علم ہندسہ کا کوئی مسئلہ حل کیا جائے، نہ یہ مقصد ہے کہ علم طب میں ایک نئے باب اور تشریح الاعضاء میں ایک نئی فصل کا اضافہ کیا جائے اور نہ یہ مقصد ہے کہ وہ علم حیوانات، نباتات یا طبقات الارض کے مسائل پر گفتگو کرے لیکن بعض محققین جن کو علوم قرآن اور اس کے معارف میں وسعت دینے کا شوق پیدا ہوا۔ انھوں نے قرآن کو علوم کو نبیہ و عصریہ کے تناظر میں دیکھنا شروع کر دیا حالانکہ وہ اس عمل میں سراسر غلطی پر ہیں اور حد سے تجاوز کر گئے ہیں۔ (۱۰)

قرآن کی سائنسی تفسیر کے حامی اور شدید مخالف کی آرا سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ دونوں فریقین کہیں نہ کہیں افراط و تفریط کے شکار ہو گئے۔ اس طریقہ تفسیر کے حامی حضرات ہر سائنسی ایجاد کو قرآن کے مطابق یا قرآن کو ہر سائنسی مفروضہ کے مطابق کرنے میں کسی بھی قسم کی تاویل و تکلف بلکہ تحکم سے بھی دریغ نہیں کرتے اور اس طریقہ تفسیر کے شدید مخالف کے نزدیک قرآن فقط کتاب ہدایت ہے۔ علوم سائنس سے اس کا کسی بھی قسم کا کوئی تعلق نہیں۔ ان دونوں فریقین سے نہ کلیتہً اتفاق کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی اختلاف۔ بلکہ

اس طریقہ تفسیر میں درمیانی راہ تلاش کرنا ضروری ہے اور وہ راہ اعتدال یہ ہے کہ قرآن کی سائنسی تفسیر کے لیے کچھ حدود و شرائط ہونا چاہیے جن کی رعایت کرتے ہوئے آیات قرآنیہ کی سائنسی تفسیر کی جائے۔

ممتاز ناقد محقق شیخ اسید الحق محمد عاصم القادری قدس سرہ العزیز نے سائنسی تفسیر کے جواز کے لیے کچھ شرائط بیان کیے ہیں۔ قارئین کے استفادہ کی خاطر ہم ان شرائط کا خلاصہ یہاں رقم کرتے ہیں۔

سائنسی تفسیر کے جواز کے لیے بعض شرائط:

(۱) نصوص قرآن اپنے ظاہر پر ہیں جب کوئی صارف قطعی موجود ہو تو بھی نصوص قرآن میں تاویل کی جاسکتی ہے۔ صارف قطعی کے بغیر قرآن کی کسی آیت مبارکہ کو مجازی معنی کی طرف پھیرنا جائز نہیں۔ کسی سائنسی نظریہ کو کسی بھی حال میں صارف قطعی کا درجہ نہیں دیا جاسکتا۔

(۲) جب تک کوئی سائنسی تحقیق، حقیقت کے درجے کو نہ پہنچ جائے اس وقت تک اس کی قرآن سے توفیق و تطبیق کی کوشش نہ کی جائے کیونکہ سائنسی مفروضات کو ثبات و قیام نہیں۔

(۳) جب کسی سائنسی نظریہ کی کسی آیت سے مطابقت کی جائے تو اس پر غور کرنا ضروری ہے، اس موضوع سے متعلق قرآن کریم میں کتنی آیات موجود ہیں ان تمام آیات کو جمع کر کے ان پر غور کیا جائے ورنہ یہ ہو سکتا ہے کوئی آیت کریمہ اس سائنسی نظریہ کی مطابقت کرے اور دوسری اس کی مخالفت کرے، اس طرح قرآن تضاد کا مجموعہ بن جائے گا۔

(۴) قرآنی آیات اور سائنس میں تطبیق دیتے وقت نحوی و صرفی اور اصول بلاغت کی رعایت کرنا بھی ضروری ہے چنانچہ قرآنی آیات سے ایسے معانی کا استنباط کرنا جائز نہیں جن سے نحوی و صرفی یا اصول بلاغت سے مخالفت لازم آئی ہو۔

(۵) قرآنی آیات کے مدلات کا دائرہ اگرچہ وسیع ہے مگر اس بات کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے کہ قرآنی الفاظ سے ان معانی کا استنباط کیا جائے جن پر وہ زمانہ نزول میں دلالت کرتے ہوں۔

مذکورہ شرائط کی رعایت کرتے ہوئے اگر کوئی سائنسی تحقیق آیت مبارکہ کے مطابقت رکھتی ہے تو خواہ مخواہ اس کی تردید کرنا غلط ہے۔ قرآن کریم کی سائنسی تفسیر میں ان شرائط و قیود کا لحاظ کیا جائے تو وہ سائنسی تفسیر قبول کی جائے گی ورنہ اس کی تردید کی جائے گی۔ اس طریقہ تفسیر میں یہ ایک اعتدال راہ ہے جو افراط و تفریط سے خالی ہے جس سے سائنسی اعتبار سے بھی قرآن کا اعجاز ثابت ہوگا اور سائنسی مفروضہ کے فساد سے قرآن کریم کی صداقت پر بھی کوئی شک و شبہ وارد نہیں ہوگا۔ (مستفاد و ماخوذ از ”قرآن کریم کی سائنسی تفسیر“ : شہید بغداد علیہ الرحمہ والرضوان)

حواشی

- (۱) قرآن کریم کی سائنسی تفسیر: ص ۱۱/ مطبوعہ تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں
- (۲) الانعام: آیت ۵۹
- (۳) الانعام: آیت ۳۸
- (۴) النحل: آیت ۸۹
- (۵) قرآن کریم کی سائنسی تفسیر: ص ۱۲/ مطبوعہ تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں
- (۶) مرجع سابق: ص ۱۴
- (۷) مرجع سابق: نفس صفحہ
- (۸) مرجع سابق: ص ۲۶
- (۹) مرجع سابق: ص ۲۷
- (۱۰) مرجع سابق: ص ۳۲-۳۳

قرآن کریم اور ہمارا نزدیکی ہمسایہ سورج

پروفیسر ظفر احسن

سابق صدر، شعبہ ریاضیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

قرآن کریم وہ واحد کتاب ہے جس نے گزشتہ چودہ صدیوں سے انسانی ذہن و زندگی پر گہرا اثر چھوڑا ہے۔ یہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کی کتاب ہے جو کہ وحی کے ذریعہ پیغمبر محمد ﷺ پر بتدریج نازل ہوئی۔ یہ ایک ایسی کتاب ہے جس میں روزاؤل سے کوئی بھی تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔ اس حقیقت کو اسلام کے تنقید نگار بھی مانتے ہیں۔ قرآن کریم ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو کہ زندگی کے ہر پہلو پر مشتمل ہے، چاہے وہ روحانی ہو، دانش مندی کی بات ہو، سماجی یا معاشی پہلو ہو یا پھر سائنٹفک۔

حصول علم کی جستجو کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے :

”پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ جس نے انسان کو جنمے ہوئے خون (یا خون کے لوتھڑے) سے پیدا کیا۔ پڑھ اور تیرا رب بڑا کرم والا ہے۔ جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا۔ جس نے انسان کو وہ سکھلایا جو وہ نہیں جانتا تھا“۔ (اقراء ۹۶: ۱-۵)

ان اول ترین آیات میں علم کی اہمیت و افادیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ قرآن مجید نے علم کی کوئی درجہ بندی نہیں کی ہے علم کے زمرے میں ہر وہ علم آتا ہے جس کے حصول سے بنی نوع انسانی کو نہ صرف اس دنیا بلکہ آخرت میں بھی نفع پہنچے۔ اب وہ علم چاہے علم شریعت ہو، علم فلسفہ و حکمت ہو یا اور دیگر علوم۔ اگر ہم عربی لغت میں علم کے معنی تلاش کریں تو معلوم ہوگا کہ علم کا مطلب تو سائنس ہی ہے۔ مثال کے طور پر علم طبیعیات، علم الکیمیاء، علم الریاضیات،

علم الارضیات، علم الحیوانات، علم نباتات، علم معاشیات اور علوم الاساسیہ (Basic Science) وغیرہ وغیرہ۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”طاقتور مومن کمزور مومن سے بہتر ہے“ (صحیح مسلم، کتاب القدر، باب فی الامر بالقوة الخ، حدیث نمبر ۲۶۶۴)۔ طاقت اخلاق و کردار کی ہوتی ہے جسمانی طاقت سے تو روز میں کو فتح کیا جاسکتا ہے لیکن اخلاق و کردار کی طاقت سے تو دل جیتے جاتے ہیں۔ طاقت علم، ٹیکنالوجی اور زبان و قلم کی بھی ہوتی ہے جو مومن علم کی طاقت سے آراستہ ہو اور تعلیم یافتہ ہو وہ ایسے مسلمان سے بہتر ہے جس نے جہالت پر قناعت کر رکھی ہو اور علم کی روشنی سے محروم ہو۔ جو قوم علوم و فنون کی حامل ہو، صنعت و ٹیکنالوجی کی دولت رکھتی ہو اور جس کے پاس فکر و فن کا سرمایہ ہو وہ دوسروں کو دینے کی صلاحیت رکھتی ہے اس کے پاس لینے والا ہاتھ نہیں بلکہ دینے والا ہاتھ ہوتا ہے۔ دنیا کو اس کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ قوم اپنی صلاحیت کی بدولت سر بلندی اور سرفرازی حاصل کرتی ہے۔ ہماری بد قسمتی ہے کہ ہم ابھی تک خواب غفلت سے بیدار نہیں ہوئے ہیں۔

تخلیق کے کسی بھی مرحلے کے بارے میں صحیح اور حقیقی علم ہونا سائنس کی تعریف ہے اور یہ حقیقی علم ہم کو تفکر و تدبر (یعنی مشاہدے اور تجربے) سے حاصل ہوتا ہے علاوہ ازیں سائنس، سائنس دانوں کو مجبور کرتی ہے کہ وہ ایک برتر تخلیق کار کی لازمی ضرورت کو تسلیم کرے اور اسی وجہ سے علم کی افزائش و اشاعت تو حید کی اصل منشا و مقصد کے تحت ہونی چاہئے تاکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی شناخت ایک قادر مطلق اور نسل انسانی کے آقا کی حیثیت سے ہو سکے۔ اب اگر ہم تخلیق کی صحیح حقیقت کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ہم کو سائنس کی تعلیم لازماً حاصل کرنی ہوگی اور اپنی سوچ اور طریقہ کار کو سائنسی مزاج کے عین مطابق بنانا ہوگا۔ سائنسی شعور کے بارے میں اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے کہ:

”بے شک آسمان اور زمین کا بنانا اور رات اور دن کا آنا جانا اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کے لیے۔ وہ جو یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے اور فکر کرتے ہیں آسمان اور زمین کی پیدائش میں، کہتے ہیں اے رب تو نے یہ بلا وجہ نہیں بنایا تو پاک ہے

سب عیبوں سے۔ پس ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے“۔ (آل عمران: ۳، ۱۹۰ تا ۱۹۱) خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اکثر یہ دعا مانگا کرتے تھے ”اللہم ارنا الاشیاء کما حقہ“ (اے اللہ مجھ کو چیزوں کی صحیح حقیقت سے روشناس کر) ایک حقیقی سائنس دان بھی تو ہر وقت کسی نہ کسی مسئلہ کے حل ہی میں مصروف رہتا ہے اور جب تک کہ وہ مسئلہ حل نہیں ہوا تا وہ بے چین و بے قرار رہتا ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہمارے اندر یہی بے چینی و بے قراری دیکھنا چاہتا ہے۔

بنیادی طور پر قرآن میں ہدایت کی کتاب ہے۔ ”یہ تو تمام جہاں والوں کے لئے نصیحت نامہ ہے۔ (بالخصوص) اس کے لئے جو تم میں سے سیدھی راہ چلنا چاہے“۔ (التکویر ۸، ۲۷-۲۸)۔

اور یہی تیرے رب کا سیدھا راستہ ہے ہم نے نصیحت حاصل کرنے والوں کے لئے ان آیات کو صاف صاف بیان کر دیا ہے“۔ (الانعام ۸، ۱۲۶)۔

قرآن مجید سائنس کی کوئی کتاب نہیں ہے لیکن اس میں کئی مقامات پر (مختلف انداز میں) کائنات میں موجود اشیاء کے بارے میں اشارے ملتے ہیں قرآن کریم ہم کو ان اشاروں کو سمجھنے کے لیے مدعو کرتا ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے:

”وہ اللہ ہی ہے جو اپنے بندے پر واضح نشانیاں (آیتیں) اتارتا ہے تاکہ وہ تمہیں اندھیروں سے اجالوں کی طرف لے جائے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ تم پر نرمی کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔“ (الحمد ۵۷، ۹)۔

اس آیت مقدسہ میں اللہ تعالیٰ ہم کو اپنی نشانیوں کے بارے میں غور و فکر کی دعوت دیتا ہے تاکہ ہم نامعلوم (اندھیروں) سے معلوم (اجالوں) کی جانب گامزن ہو سکیں۔ یعنی ان نشانیوں میں جو پیغام پوشیدہ ہے اس کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ خالق کائنات کے علم و قوت کے بارے میں سوچیں اور اس کے سامنے سر بہ سجود ہوں۔

اللہ رب العزت نے یہ کائنات اور اس کے اندر موجود تمام اشیاء بلا وجہ اور یوں ہی نہیں تخلیق کی ہیں بلکہ ان کی تخلیق میں ایک مناسب انداز اور قانون ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”اسی کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین کی اور وہ کوئی اولاد نہیں رکھتا، نہ اس کی سلطنت میں کوئی شریک ہے اور ہر چیز کو پیدا کر کے ایک مناسب اندازہ بٹھہرا دیا“ (الفرقان ۲:۲۵)۔

”اللہ بنانے والا ہے ہر چیز کا اور وہ ہر چیز کا ذمہ لیتا ہے اسی کے پاس ہیں کنجیاں آسمانوں اور زمین کی“۔ (الزمر ۳۹:۶۳)۔

ان آیات سے صاف ظاہر ہے کہ تخلیق کا ہر قانون (کنجی) دراصل اللہ کا بنایا ہوا قانون ہے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ہم کو یہ صلاحیت دی ہے کہ ہم ان قوانین کو دریافت کر سکیں۔

”علم الانسان ما لم يعلم“

ہم سبھی نے اپنے اسکول و کالج کے دور میں نیوٹن کا قانون کشش (Newton's Law of Gravitation) ضرور ہی پڑھا ہوگا۔ اس قانون کی دریافت کے تعلق سے ایک واقعہ جڑا ہے اور وہ یہ کہ اسحاق نیوٹن ایک روز ایک باغ میں سیب کے درخت کے نیچے بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک ایک سیب اس کے سر پر گرا۔ نیوٹن فوراً ہی سوچ میں پڑ گیا کہ یہ سیب نیچے ہی کیوں گرا؟ (اور اگر کوئی ہم میں سے ہوتا تو فوراً اللہ کا شکر ادا کرتا کہ اس نے کھانے کو بیٹھے بٹھائے پکا ہوا سیب دے دیا) ہوا میں کیوں نہیں معلق ہوا یا پھر اوپر کی جانب ہی کیوں نہیں چلا گیا۔ چلو خیر نیچے گر ہی گیا تو عمودی (Perpendicular) حالات میں ہی زمین پر کیوں گرا۔ کافی غور و خوض کے بعد اس نے نتیجہ نکالا کہ یقیناً کوئی نہ کوئی قوت ایسی ہے جو کہ چیزوں کو اپنی (زمین) کی جانب کھینچتی ہے اور پھر اس نے ایک قانون وضع کیا جس کو علم ریاضی اور علم طبیعیات کی سبھی درسی کتابوں میں ”نیوٹن کا قانون کشش“ کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اس سے یہ گمان ہوتا ہے کہ جب تک نیوٹن نہیں تھا سیب درختوں سے نہیں گرتے تھے کیوں کہ قوت کشش ثقل (Force Of Gravitiy) کا قانون تو معلوم ہی نہ تھا۔ ایسا نہیں ہے، سیب ہمیشہ ہی زمین پر گرتے تھے۔ وہ قوت جو کہ چیزوں کو اپنی جانب کھینچتی ہے ہمیشہ ہی سے موجود تھی۔ یعنی کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا بنایا ہوا یہ قانون پہلے ہی سے موجود تھا۔

نیوٹن نے غور و فکر کے ذریعہ اس کو صرف ”دریافت“ کیا تھا۔ نہ صرف یہ بلکہ تخلیق کے سبھی قانون اللہ رب العزت کے وضع کیے ہوئے ہیں ہم ان کو دریافت کر سکتے ہیں کیوں کہ ہم کو ایک زبردست سہولیت اللہ کی جانب سے عطا کی گئی ہے ”علم الانسان ما لم يعلم“ لیکن ہم اتنے کاہل اور لاپرواہ واقع ہوئے ہیں کہ اس کا فائدہ اٹھانا ہی نہیں چاہتے۔

جس کائنات میں ہم رہتے ہیں کیا اس کا وجود بغیر کسی شروعات کے ہے یا یہ ایک محدود وقت سے پہلے وجود میں آئی تھی؟ اس کا سائز کیا ہے؟ اس کی ساخت اور شکل و صورت کیسی ہے؟ اس کے لازمی جزء کیا ہیں اور اس میں موجودہ اشیاء جیسے سورج چاند، ستارے، کہکشائیں اور دیگر اجرام فلکی کی تخلیق کب اور کس طرح ہوئی؟ اس کائنات کا خاتمہ کب اور کس طرح ہوگا۔ ان سبھی باتوں اور اس میں متعلقہ مسئلوں کے بارے میں قرآن اور جدید سائنس کے کیا نظریات ہیں؟ کیا ان میں کوئی مماثلت ہے یا نہیں؟ ان سبھی سوالوں کے جوابات اس مختصر مضمون میں دینا ممکن نہیں اسی وجہ سے ہم اس مضمون میں سورج اور چاند کے تعلق سے مندرجہ ذیل سوالات کے جواب قرآن اور جدید علم ہیئت (Modern Astronomy) کی روشنی میں دینے کی کوشش کریں گے۔

(الف) سورج اور چاند کیوں کر چمکتے ہیں؟

(ب) سورج کے طلوع و غروب کا کیا مطلب ہے؟

(ج) آسمان میں سورج اور چاند کا راستہ کون سا ہے؟

(الف) سورج و چاند کا چمکنا:

سب سے پہلے ہم سورج و چاند کے تعلق سے قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات پر غور کرتے ہیں۔

(۱) ”وہی ہے جس نے بنایا سورج کو چمک اور چاند کو نور“ (یونس ۵:۱۰)۔

(۲) ”بڑی برکت ہے اس کی جس نے بنائے آسمان میں برج اور رکھا اس میں چراغ اور چاند اجالا کرنے والا“۔ (الفرقان ۲۵:۶۱)۔

(۳) ”کیا تم نے نہیں دیکھا کہ کیسے بنائے اللہ نے آسمان تہ پر تہ اور رکھا چاند کو ان میں اجالا اور رکھا سورج کو جلتا چراغ“ (نوح ۱۵: ۱۶)۔

(۴) ”ہم نے آسمان دنیا (نزدیکی آسمان) کو ستاروں کی زینت سے آراستہ کیا۔“ (الصفت ۶: ۳۷)۔

(۵) ”اور چمکتا ہوا روشن چراغ (سورج) پیدا کیا“۔ (النبا ۸: ۱۳)۔

اوپر دی گئی پہلی آیت میں سورج کے لئے عربی لفظ ”ضیاء“ اور چاند کے لئے عربی لفظ ”نور“ استعمال ہوا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ سورج اپنی روشنی سے چمکتا ہے جبکہ چاند کی چمک دوسروں سے حاصل کی ہوئی روشنی کی مرہون منت ہے۔ اس سے اگلی آیت میں سورج کے لئے لفظ ”سراج“ (چراغ) استعمال ہوا ہے اور چاند کے لئے لفظ ”منیر“ (منعکس ہوئی روشنی) اوپر دی ہوئی آیات ۳ اور ۵ میں سورج کو ایک جلتے ہوئے روشن چراغ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ لیکن ایک جلتے ہوئے چراغ کو ایندھن کی ضرورت ہوتی ہے اور چوں کہ خلا میں آکسیجن کے بغیر روشنی اور حرارت ممکن نہیں ہے اس لئے وہ کون سا ایندھن ہے جو کہ سورج کو مستقل روشن رکھے ہوئے ہے۔ اس خاص قسم کے ایندھن کا اشارہ قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت میں پوشیدہ ہے۔

(۶) ”اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا، اس کے نور کی مثال مثل ایک طاق کی ہے، جس میں چراغ ہو اور چراغ شیشے کی قدیل میں ہو اور شیشہ مثل چمکتے ہوئے روشن ستارے کے ہو، وہ چراغ ایک بابرکت درخت زیتون کے تیل سے جلایا جاتا ہو جو درخت نہ مشرقی ہے نہ مغربی، خود وہ تیل (اس قدر صاف اور سلگنے والا ہے) قریب ہے کہ آپ ہی روشنی دینے لگے اگرچہ اسے آگ بھی نہ چھوئے۔ نور پر نور ہے۔ اللہ اپنے نور کی طرف رہنمائی کرتا ہے جسے چاہے، لوگوں کو (سمجھانے کے لئے) یہ مثالیں اللہ بیان فرما رہا ہے اور اللہ ہر چیز کے حال سے واقف ہے۔“ (النور ۲۴: ۳۵)۔

اس آیت میں چراغ (جو کہ ایک شیشہ میں رکھا ہوا ہے) مثل ایک چمکدار

تارے کے ہے جس کے اندر ایک ایسا ایندھن (تیل) ہے جو کہ خود بخود سلگ اٹھتا ہے اگرچہ آگ بھی اسے نہ چھوئے۔ اب ہم جدید سائنس سے یہ جانتے ہیں کہ ایسا ایندھن نیو کلیئر فیوژن کے عمل سے وجود میں آتا ہے جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

وہ طریقہ (یاعمل) جس کی بنا پر دو یا دو سے زیادہ ہلکے ایٹم کے نیوکلیس آپس میں مل کر بھاری ایٹم کے نیوکلیس بناتے ہیں جس کی وجہ سے بہت زیادہ توانائی خارج ہوتی ہے۔ اس عمل کی کیمیائی مساوات اس طرح ہے۔

Equation Type (From Page No. 9) Original

اس مساوات میں چار پروٹون (جو کہ ہائیڈروجن کے نیوکلیس ہیں) Fuse ہو کر ہیلیم کے نیوکلیس، دو پوزیٹرون (مثبت الیکٹران) اور بہت زیادہ مقدار میں توانائی Q کو جنم دیتے ہیں۔

کسی بھی ستارے میں نیو کلیئر فیوژن کے عمل کو شروع ہونے کے لئے کم سے کم 4×10^6 °C درجہ حرارت کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ سورج (جو کہ ایک ستارہ ہے) ایک آگ اور گیس کے شعلوں کی گیند ہے جس میں ۷۰ فیصدی ہائیڈروجن، ۲۸ فیصدی ہیلیم اور ۲ فیصدی بھاری گیس جیسے کاربن، آکسیجن و نائٹروجن وغیرہ موجود ہیں۔ سورج کا نصف قطر زمین کے نصف قطر کا تقریباً سو گنا ہے (زمین کا نصف قطر 6378 کلومیٹر ہے) اور سورج کا وزن زمین کے وزن سے دس لاکھ گنا زیادہ ہے (زمین کا وزن 6×10^4 کلو گرام ہے) سورج کی سطح کا درجہ حرارت 6000 °C ہے جبکہ مرکز کا درجہ حرارت 15×10^6 °C ہے اور مرکز پر کثافت 10^4 kg/m^3 ہے۔ سورج کے مرکز پر بہت زیادہ درجہ حرارت اور دباؤ سورج میں نیو کلیئر فیوژن جاری ہونے کے لئے مثالی صورت حال مہیا کرتے ہیں۔ چوں کہ سورج ایک ستارہ ہے اس لئے تقریباً تمام ستارے جن کے مرکز کا درجہ حرارت 4×10^6 °C یا اس سے زیادہ ہوا اپنی توانائی نیو کلیئر فیوژن کے عمل سے پیدا کرتے ہیں۔

مندرجہ بالا بحث اور قرآنی آیات ۶ تا ۱۶ کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں:

”سورج اپنی روشنی سے چمکتا ہے جو نیو کلیئر فیوژن کے عمل سے پیدا ہوتی ہے

جبکہ چاند کی چمک سورج کی روشنی کے انعکاس کی وجہ سے ہے۔

جس کہکشاں میں ہمارا نظام شمسی ہے اس میں تقریباً دس ارب ستارے ہیں اور سورج ان میں سے ایک ہے۔ ہیئت دانوں (Astronomers) نے اب تک 250 لاکھ کہکشاؤں کا پتہ لگایا ہے اور ہر ایک کہکشاں میں تقریباً دس ارب ستارے ہیں اور ابھی تو کہکشاؤں کی دریافت کا سلسلہ جاری ہے۔ اس سے اندازہ لگائیے کہ اس لامحدود اور وسیع کائنات میں انسان کی حیثیت ایک ذرہ برابر بھی نہیں ہے لیکن اہمیت ضرور ہے کیوں کہ یہ سارے کا سارا نظام انسان ہی کے لئے تخلیق کیا گیا ہے تاکہ وہ ایک برتر تخلیق کار، غیب کا علم جاننے والی زبردست ہستی (جس کو ہم اللہ کہتے ہیں) کے وجود کو تسلیم کر لے اور اس کے تئیں اپنے آپ کو سپرد کر دے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

”اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو اپنے حکم سے تمہارے حکم میں لگا دیا۔ غور کرنے والوں کے لئے اس میں نشانیاں ہیں۔“ (الجماعۃ ۴۵:۱۳)۔

”اور سورج اور چاند کو تمہارے لئے کام میں لگا دیا کہ دونوں ایک دستور پر چل رہے ہیں اور رات اور دن کو بھی تمہاری خاطر کام میں لگا دیا۔“ (ابراہیم ۱۲:۳۳)۔

سورج سے ہماری زمین کا فاصلہ 93,000,000 میل ہے اور سورج کی روشنی زمین تک 8.5 منٹ میں پہنچتی ہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ سورج کی توانائی نیوکلیئر فیوژن کی وجہ سے ہے۔ سورج کی یہ توانائی زمین تک روشنی اور حرارت کی شکل میں پہنچتی ہے۔ ایک سال میں سورج اوسطاً 4×10^{18} joule توانائی زمین کی طرف پہنچاتا ہے جبکہ ایک سال میں دنیا کی پوری آبادی کے لئے 3×10^{14} joule توانائی درکار ہوتی ہے۔ اب اگر ہم سورج کی توانائی سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں تو ہم کو ایسی ٹیکنالوجی دریافت کرنی ہوگی جس کے ذریعہ ہم سورج کی توانائی کو اپنے روزمرہ کے استعمال کے قابل بنا سکیں۔ سورج کی حرارت سے ہم پانی کو گرم کر سکتے ہیں پھر اس کو پائپوں کے ذریعہ گھروں تک پہنچا کر گھر کے کاموں میں استعمال کر سکتے ہیں۔ سورج سے حاصل کی ہوئی توانائی شمسی توانائی کہلاتی ہے۔ اس کو ہم بجلی میں تبدیل کر سکتے ہیں یا پھر بیٹری میں محفوظ کر سکتے ہیں۔ سولر پینل کے

ذریعہ سورج کی روشنی کو اکٹھا کر کے توانائی میں تبدیل کیا جاتا ہے۔ سورج کی توانائی مصنوعی سیاروں کو توانائی فراہم کرتی ہے اور اب تو شمسی توانائی سے چلنے والی کاریں بھی مارکیٹ میں آ گئی ہیں غرضیکہ شمسی توانائی کے بہت سے استعمال اب عام ہیں۔

سورج سے ہم نے یہ فائدہ ٹیکنالوجی کے ذریعہ سے حاصل کیا ہے اور کوئی بھی ٹیکنالوجی دریافت کرنے کے لئے ڈیزائن اور تجربے (Experiment) کی ضرورت پڑتی ہے۔ تجربے کے تعلق سے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”اور جب ابراہیم علیہ السلام نے (اللہ تعالیٰ سے) کہا کہ اے پروردگار مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کس طرح زندہ کرے گا؟ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا کیا تمہیں ایمان نہیں ہے؟ جواب دیا ایمان تو ہے لیکن میرے دل کی تسکین ہو جائے گی، فرمایا چار پرندے لو، ان کے ٹکڑے کر ڈالو، پھر ہر پہاڑ پر ان کا ایک ایک ٹکڑا رکھ دو پھر انہیں پکارو تمہارے پاس دوڑتے چلے آئیں گے اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔“ (البقرہ ۲:۲۶۰)۔

ان آیات مقدسہ میں چار پرندے تجربہ کرنے کے لئے ضروری ساز و سامان ہیں اور ان کو مانوس کرنا، ٹکڑے ٹکڑے کرنا، پہاڑ پر ان ٹکڑوں کو رکھنا اور پھر انہیں بلانا یہ طریقہ ہے تجربہ کرنے کا۔ پس ہم کوئی بھی سائنسی نظریہ کسی بھی شے کے بارے میں معلوم کریں وہ اس وقت تک قابل قبول نہ ہوگا جب تک کہ وہ تجربہ کی کسوٹی پر پورا نہ اترے۔

چونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین میں جو بھی اشیاء ہیں ان کو اپنے حکم سے ہمارے کام لگا دیا ہے اس لئے اب اگر ہم ان اشیاء سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں تو پہلے ہم کو یہ معلوم کرنا ہوگا کہ وہ کس طرح سے کام کرتی ہیں؟ یعنی ان کی تخلیق کی صحیح حقیقت کیا ہے اور پھر جب یہ سائنسی معلومات حاصل ہو جائیں تو ہم کو ان اشیاء سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے مناسب ٹیکنالوجی دریافت کرنی ہوگی۔ قرآن کریم تو ہم سے مطالبہ کرتا ہے کہ ہم چیزوں کی صحیح حقیقت (سائنس) کا علم حاصل کریں اور پھر اس کو تجربے کی کسوٹی پر پرکھیں۔ دیگر الفاظ ہم کو سائنس و ٹیکنالوجی کے حصول و فروغ میں پوری طرح سے ملوث ہونا ہے۔ آج اگر ہم دنیا میں ذلیل و خوار ہو رہے ہیں اور ہر اسٹیج پر ناکامی سے دوچار ہو رہے

ہیں تو اس کی وجہ ہماری سائنس و ٹیکنالوجی سے دوری ہے۔ قرآن کے اس پیغام کو ہم سمجھنا ہی نہیں چاہتے۔ کسی بھی مسلم ملک (چند ایک کو چھوڑ کر) کو دیکھ لیجئے وہ سائنس اور ٹیکنالوجی میں کسی بھی غیر مسلم ملک سے آگے تو دور کی بات، برابر بھی نہیں ہے بلکہ سرے سے ہے ہی نہیں۔

(ب) سورج کا طلوع و غروب:

کسی بھی تارے (سورج بھی ایک تارہ ہے) اور دیگر اجرام فلکی کے طلوع و غروب کے دو انتہائی مقام مشرق و مغرب ہوتے ہیں۔ چونکہ زمین اپنے محور پر مغرب سے مشرق کی جانب گھومتی ہے اسی بنا پر ہر اجرام فلکی بظاہر مشرق سے طلوع ہوتا ہے اور مغرب میں غروب ہوتا ہے (یہاں پر یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ سیارہ زہرہ (Venus) اپنے محور پر مشرق سے مغرب کی جانب گھومتا ہے اس وجہ سے زہرہ کے آسمان پر ہر اجرام فلکی بظاہر مغرب سے طلوع ہوتا ہے) آئیے اب دیکھیں کہ اجرام فلکی کے طلوع و غروب کے سلسلے میں قرآن کیا کہتا ہے۔

”اور مشرق اور مغرب کا مالک اللہ ہی ہے“ (البقرة: ۱۱۵)۔

”ما ملک مشرق اور مغربوں کا“ (الرحمن ۵۵/۱۷)۔

”سو میں قسم کھاتا ہوں مشرقوں اور مغربوں کے مالک کی“ (المعارج ۷۰: ۷۰)۔

سورج کے حوالے سے ان آیات مقدسہ کی ایک ممکنہ تشریح کچھ اس طرح ہے۔

اوپر دی گئی پہلی آیت میں عربی الفاظ مشرق اور مغرب استعمال ہوئے ہیں جب

کہ دوسری آیت میں عربی الفاظ مشرقین اور مغربین استعمال ہوئے ہیں جن کے مطلق دو

مشرق اور دو مغرب ہیں۔ آخری آیت میں الفاظ مشارق اور مغارب استعمال ہوئے ہیں

جن کا مطلب بالترتیب دو سے زیادہ مشرق اور مغرب ہیں۔ اعتدال ربیع (Autumnal

Equinox) (March 21) اور اعتدال خریفی (Vernal Equinox) (Sept

23) کے مواقع پر سورج بالکل مشرق سے طلوع ہوتا ہے اور بالکل مغرب میں غروب ہوتا

ہے اور ان دو مواقع پر سورج کی ایک مشرق اور ایک مغرب ہوتی ہے۔ صیفی نقطہ انقلاب

(Summer Solstice - June 21) کے موقع پر سورج مشرق اور شمال کے درمیان سے طلوع ہوتا ہے اور مغرب اور شمال کے درمیان غروب ہوتا ہے۔ جب کہ ستوی نقطہ انقلاب (Winter Solstice December 22) کے موقع پر مشرق اور جنوب کے درمیان سے طلوع ہوتا ہے اور جنوب کے درمیان غروب ہوتا ہے۔ پس ۲۱ جون اور ۲۲ دسمبر سورج کی دو مشرق (مشرقین) اور دو مغرب (مغربین) ہوتی ہیں۔ لیکن سورج تو روز ہی طلوع و غروب ہوتا ہے اس لئے روزانہ سورج ایک مختلف مشرق (مشارق) اور مختلف مغرب (مغارب) (پچھلی مشرق و مغرب کے مقابلے میں) سے طلوع و غروب ہوتا ہے۔ ان وضاحتوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ نہ صرف سورج کے نقطہ طلوع و غروب روزانہ مختلف ہوتے ہیں بلکہ ہر اجرام فلکی (سورج ان میں سے ایک ہے) کا ایک مقررہ راستہ بھی ہے۔

(ج) سورج کا راستہ:

اللہ رب العزت کی اعلیٰ ترین کاریگری کی بے شمار نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس نے آسمان میں تاروں اور ان کے جھنڈ کو ایک خاص ترتیب سے سجایا ہے۔ قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

”قسم ہے جال دار آسمان کی“ (الذاریات ۵۱: ۷)۔

”ہم نے رونق دی نزدیکی آسمان کو، ایک رونق جو تارے ہیں“ (الصف ۳۷: ۶)۔

”بے شک ہم نے نزدیکی آسمان کو چراغوں (ستاروں) سے آراستہ کیا“

(الملک ۶۷: ۵)۔

”قسم ہے آسمان کی جس میں بروج ہیں“ (البروج ۸۵: ۱)۔

”یقیناً ہم نے آسمان میں برج بنائے ہیں اور دیکھنے والوں کے لئے اسے سجایا

گیا ہے“ (الحجر ۱۵: ۱۶)۔

یہاں ستاروں کو آسمان کی زینت بتایا گیا ہے اور آسمان پر ان ستاروں کا جو جال

سا پھیلا ہوا ہے اگر ہم اس کی جانب غور کریں تو معلوم ہوگا کہ کچھ ستارے تو بہت روشن ہیں

اور کچھ بہت دھندلے۔ آسمان میں کسی جگہ تو بہت سے تارے ہیں اور کسی جگہ بہت کم۔ اب ستاروں کے کسی جھنڈ کی جانب توجہ کریں اور اس میں موجود روشن ستاروں (جو کہ نگلی آنکھ سے نظر آتے ہوں) کو نظروں کے ذریعہ تصوراتی خطوط کے ذریعے سے جوڑنے کی کوشش کریں اور پھر اگر کوئی واضح شکل (کسی جانور، پرندے یا کوئی اور شکل) بن جائے تو اس طرح کی شکل کو برج (Constellation) کہتے ہیں۔ ہیئت دانوں نے اب تک ۸۸ سے زیادہ بروج کی نشاندہی کی ہے۔ یہ بروج پورے آسمان میں پھیلے ہوئے ہیں اور ان کا آسمان میں ظہور موسموں اور سال کے مہینوں سے جڑا ہے۔ ان بروج کے بارے میں مکمل معلومات جہاز رانی اور اس سے متعلق سائنس کے لئے مفید ثابت ہوتی ہیں۔ یہ بروج یا تو بارہ منطقۃ البروج (Twelve Signs of Zodiac) ہو سکتے ہیں یا پھر دوسرے جیسے برج ذات الکرتی (Cassiopea)، دب اکبر (Ursa Major)، برج شاہ (Cephus)، برج عقاب (Aquila)، برج جبار (Orion)، برج اژدہا (Draco) وغیرہ۔

آئیے اب دیکھیں کہ اپنے آسمانی سفر میں سورج کون سا راستہ اختیار کرتا ہے۔ اس کا اشارہ قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت میں پوشیدہ ہے۔

”بڑی بابرکت ہے وہ ذات جس نے آسمان میں برج بنائے اور رکھا اس میں چراغ (سورج) اور چاند اجالا کرنے والا“۔ (الفرقان ۲۵:۶۱)۔

یہاں چراغ کا مطلب سورج سے ہے اور یہ سورج بروج میں ہے۔ اب ہمارے مشاہدے میں ہے کہ روزانہ سورج (بظاہر) مشرق سے طلوع ہوتا ہے اور مغرب میں غروب ہوتا ہے۔ اب آسمان میں ۸۸ سے زیادہ برج ہیں اگر سورج ان سب میں سے گذرتا تو پورے آسمان میں چکراتا پھرتا اور کبھی ایسا بھی نہیں ہوا کہ سورج شمال سے طلوع ہوا ہو اور جنوب میں غروب ہو گیا ہو۔ اس کا مطلب بالکل واضح ہے کہ سورج کا ایک مخصوص راستہ ہے جس کو علم ہیئت میں Ecliptic کہتے ہیں۔ بظاہر سورج آسمان میں ایک چکر ایک سال میں لگاتا ہے اور اس دوران وہ ان بروج میں سے گذرتا ہے جو کہ منطقۃ البروج کہلاتے ہیں۔ یہ بارہ منطقۃ البروج (مع ان تاریخ کے جن کے دوران سورج ایک مخصوص

برج میں رہتا ہے) مندرجہ ذیل ہیں۔

دلو (Aquarius, Jan 20-Feb 17)

حوت (Pisces, Feb 18- March 19)

حمل (Aries, March 20 - April 19)

ثور (Taurus, Aprail 20 - May 20)

جوزا (Gemirzi, May 21 - June 20)

سرطان (Cancer, June 21 - July 22)

اسد (Leo, July 23 - August 22)

سنبلہ (Virgo, August 23 - September 22)

میزان (Libra, September 23 - October 22)

عقرب (Scorpius, October 23 - November 21)

قوس (Sagittarius, November 22 - December 21)

جدی (Capricorn, December 22 - Jan 19)

پس مثال کے طور پر ستمبر ۲۳ اور اکتوبر ۲۲ کے دوران سورج برج میزان میں رہتا ہے۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ چاند جس مدار میں چکر لگاتا ہے اس مدار کا جھکاؤ (Inclination) سورج کے مدار (Orbit) سے تقریباً ۵ ڈگری کا زاویہ بناتا ہے اور چونکہ یہ زاویہ بہت ہی چھوٹا ہے اس لئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ چاند اور سورج کا راستہ آسمان میں تقریباً ایک ہی ہے۔ اس معلومات سے ہم کسی بھی اسلامی مہینے میں ہلال کی درست طور سے نشاندہی کر سکتے ہیں۔ چاند کا مدار سورج کے مدار کو سال میں دو مرتبہ عبور (کرتا) ہے اور یہی وہ مواقع ہوتے ہیں جن میں سورج اور چاند گرہن ہوتے ہیں۔

مندرجہ بالا مباحثوں سے ہم نے واضح طور پر دیکھا کہ سورج اور چاند کے متعلق جو کچھ بھی سائنسی حقائق ہم نے دریافت کئے ہیں اس سے متعلق اشارے/نشانیوں قرآن کریم میں تقریباً چودہ سو سال سے ہی موجود ہیں۔ یقین کرنے والوں کے لئے یہ ایک

معجزے سے کم نہیں ہے۔ ہم کو پورا یقین ہے کہ جیسے جیسے ہمارے علم میں اضافہ ہوگا ویسے ویسے سائنس کے تعلق سے قرآنی حقائق سامنے آتے چلے جائیں گے۔ قرآن ہم سے پر زور مطالبہ کرتا ہے کہ ہم اس کی آیات میں تفکر و تدبر کریں۔ قرآن کریم کے الفاظ اور اس کے معنی مفہوم پر بھرپور توجہ دیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر قفل لگ رہے ہیں۔“

(محمد ۲۷: ۲۴)

علاوہ ازیں یہ بات بھی غور کرنے کی ہے کہ جدید سائنس کی ہر دریافت قرآن میں نازل نہیں کی گئی ہے (جیسا کہ آج کل فیشن سا بن گیا ہے کہ جیسے ہی کوئی نئی دریافت ہوئی اس کو فوراً ہی کسی نہ کسی قرآنی آیت سے جوڑ دیا) نبی نوع انسانی کی اس دنیا و آخرت میں کامیابی و کامرانی کے لئے جو بھی اصول اور طریقہ کار درکار ہیں وہ سب کے سب بے شک قرآن میں تفصیل سے موجود ہیں۔

”وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَكِّرٍ“ (القرم ۵: ۱۷)

(اور بے شک ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لئے آسان کر دیا ہے پھر کیا کوئی سوچنے

والا ہے۔)

اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو قرآن کو سمجھ کر پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق دے۔ آمین۔

مذہبی تعلیمات اور شخصیت سازی

ڈاکٹر محمد سجاد عالم رضوی

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ تارتخ، پریسیڈینسی یونیورسٹی، کولکاتا، مغربی بنگال

امت مسلمہ کو درپیش مسائل میں ایک اہم مسئلہ ایسے افراد کی تیاری کا ہے جو متوازن اور صحت مند شخصیت کے حامل ہوں۔ تعمیر شخصیت اور تہذیب اخلاق کے عمل میں انسان کے رہن سہن، محرکات اور رجحانات کی بڑی اہمیت ہے۔ آج کل اس عمل پر علم نفسیات میں گفتگو کی جاتی ہے۔ تعمیر شخصیت کے بہت سے نفسیاتی طریقہ ہائے علاج موجود ہیں۔ لیکن ان سب کی بنیادیں مغربی افکار و نظریات پر مبنی ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ مغربی ذہنوں میں اسلام کے مسخ شدہ تصور اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی تہذیبی آمیزش، کشمکش یا پھر مغرب سے مرعوبیت کے احساس کے تحت پیدا ہونے والے جدت پسند مسلم افکار سے بہتر انداز میں مکالمہ کے لیے اس طرح کے موضوعات پر تحقیق اور تجزیہ پر مبنی گفتگو یا مکالمہ ہو۔ اسلامی تناظر میں مسلمان شخصیت کی تعمیر اور تزکیہ نفس ایک بڑا مسئلہ ہے۔ اسے عملاً برپا کرنے کے لیے اقدامات کیے جائیں۔ اس کے لیے لائحہ عمل اختیار کیا جائے۔ تعلیم و تربیت اور انسان سازی کے مسئلہ کو بنیادی اہمیت دی جائے۔ جدیدیت اور سطحی مذہبیت کی کشاکش سے بننے والے اس ماحول میں دین اسلام کے مطلوبہ انسان کو دریافت کرنا اور پھر تکمیلی سطح پر اسے ایک قابل حصول ہدف کے طور پر پیش کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ ہمارا موجودہ مذہبی ذہن بھی اس تصور انسان سے مانوس نہیں رہا جو قرآن اور سنت کی بنیاد پر تشکیل پاتا ہے۔ مذہبی شعور اپنی اصلیت میں ذہن، ارادے اور طبیعت کی یکجائی اور یکسوئی سے عبارت

ہے۔ المیہ یہ ہے کہ ایک طرف تو ہم مذہبی انتہا پسندی کے شکار ہیں اور مذہب کو اپنے مطلب کے لحاظ سے سمجھتے ہیں اور دوسری طرف مغرب سے آئی ہوئی معلومات کو حرف آخر سمجھ کر اندھی تقلید میں لگ جاتے ہیں۔ انسانی شخصیت کے حوالے سے نفسیات میں کافی زور دیا گیا ہے۔ نفسیات کا موضوع بحث انسان ہے۔ مذہب میں بھی مطالعہ انسان کی بڑی اہمیت ہے۔ اس طرح سے نفسیات اور مذہب کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ نفسیات کی تدریجی تاریخ کا مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ ابتداء میں نفسیات فلسفہ کا حصہ تھی۔ جب نفسیات نے اپنی دنیا الگ آباد کی تو طبعی سائنس کی ترقی کو دیکھتے ہوئے اس نے سائنس بننے کی کوشش کی۔ ترقی کی اس راہ میں مختلف مکتبہ ہائے فکر اور نظریات سامنے آئے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ نفسیات نے مذہب کا سہارا لیتے ہوئے روح کا مطالعہ کیا۔ روح کو خیر باد کہا گیا اور ذہن پر زور دیا گیا۔ شعور اور لاشعور کی بات کی گئی۔ پھر کرداریت پسند فکر آئی۔ بچ میں گیسٹالٹ نفسیات اور تحلیل نفسی کا دور آیا۔ مادیت پرستی کے اثر میں کرداریت پسند فکر نے انسان کو مشین بنا دیا۔ اب تشویش، احساس تنہائی اور خالی پن نے انسان دوستی کا سہارا لیا۔ پھر مذہب روحانیت کی شکل میں یاد آیا۔ تاہم مغربیت سے مرعوب ذہنوں میں شخصیت سازی کے میدان میں مذہبی تعلیمات کی اہمیت و افادیت اب بھی مشکوک ہے۔ ذیل میں شخصیت سازی میں مذہبی تعلیمات کے کردار کو پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ پہلے انسانی شخصیت کے ارتقاء اور علاج کے حوالے سے انگریزی اور اردو زبان میں دستیاب مواد کی بنیاد پر نفسیات میں مغربی افکار و نظریات کا ایک مختصر جائزہ پیش کریں گے اور پھر حضرت امام غزالی اور شاہ ولی اللہ علیہما الرحمۃ والرضوان کی تحریروں کی روشنی میں اسلامی تعلیمات کی روشنی میں شخصیت سازی کے بنیادی نظریات اور شخصیت کی تعمیر و تربیت میں مذہبی تعلیمات کے اثرات اور شخصیت میں فساد اور خلل کے اسباب اور ان کے ازالہ کے لیے طریقہ ہائے کار کو جاننے کی کوشش کریں گے۔

جدید نفسیات اور شخصیت سازی:

شخصیت کا ترجمہ انگریزی زبان میں پرسنالیٹی (Personality) کے لفظ سے

کیا جاتا ہے۔ اس کا معنی خصوصیات اور صفات کا ایک ایسا مجموعہ ہے جو ایک فرد کے ممتاز کردار کو تشکیل دیتا ہے۔ اس لفظ کو کسی نامی اور مشہور شخص کو بتانے کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ دراصل شخصیت ایک فرد کے ارتقا کے نتیجہ میں رونما ہونے والے انفرادی اختلافات: اقدار، رجحانات، خیالات، افعال، سماجی تعلقات، عادات اور مہارات کے مجموعے کو ”شخصیت“ کا نام دیا جاتا ہے۔ تاہم شخصیت کے نظریات کی توضیح اور تشریح کرنے میں اہل علم نے اس کی مختلف تعریفات پیش کی ہیں۔ شخصیت کی خصلت و خصوصیت (personality trait) کی اصطلاح ان راسخ ذاتی اور انفرادی خصوصیات کے لیے استعمال کی جاتی ہے جو مختلف مواقع پر ایک خاص انداز میں ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ شخصیت کی پیمائش کے لیے الگ الگ معیارات ہیں لیکن شخصیت کی جہات اور ابعاد اور اس کے معیارات میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔ انفرادی اختلافات کی حیثیت سے شخصیت کا نظریہ مغربی اہل علم کے درمیان بقراط اور جالینوس کے نظریہ ”اخلاط اربعہ“ سے شروع ہوا۔ اخلاط اربعہ کے نظریہ پر امزاج اربعہ کا نظریہ قائم ہوا۔ جس کو جالینوس نے مزید واضح کیا۔ اخلاط اربعہ کے نظریہ کے مطابق ایک شخص کا مزاج جسمانی اخلاط: صفراء، سوداء، بلغم اور خون کے توازن پر مبنی ہے۔ اگر ان میں توازن برقرار نہ رکھا جائے تو مزاج میں تبدیلی پیدا ہوگی اور اس کے اثرات ایک انسان کی شخصیت پر بھی مرتب ہوں گے۔ مزاج کی تشکیل اور شخصیت کی تعمیر پر تحقیق کرنے والے کے مابین اس بات پر اختلاف پایا جاتا ہے کہ حیاتیات پر مبنی اختلافات مزاج کے نظریہ اور شخصیت کے عنصر کی تشریح کرتے ہیں یا نہیں۔ تہذیب و تمدن سے نا آشنا جانداروں (جانوروں اور چھوٹے بچوں) میں ان اختلافات کی موجودگی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کا تعلق مزاج سے ہے کیوں کہ شخصیت ایک سماجی اور ثقافتی تصور ہے۔ کچھ تحقیق کرنے والے یہ بتاتے ہیں کہ جنسی خواہش، عمر اور ذہنی مرض کی طرح مزاج کی بنیاد بھی حیاتیاتی اور کیمیائی نظاموں پر مبنی ہے جب کہ شخصیت ان چار اقسام کے خصائل رکھنے والے افراد کے سماجی میل جول کا نتیجہ ہے۔ اس لئے مزاج کے تصور کو شخصیت کے نظریہ سے الگ رکھنے کی بات کی جاتی ہے۔

شخصیت کے موضوع پر تحقیق کرنے والے اہل علم بتاتے ہیں کہ پنجگانہ اصول

کے نظریہ کو فروغ دینے والے لوگوں نے مزاج کے موضوع پر موجود تحقیقات پر زیادہ توجہ نہیں دی ہے۔ اس وجہ سے اس کی جہات اور مزاج کے گونا گوں نمونوں میں بیان کئے گئے جہات کے درمیان اختلاط، تقاطع، تراکب (overlap) پایا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر علم الاعصاب (neuroticism) جذباتیت کی مزاجی جہت کی واضح عکاسی کرتا ہے۔ بیروں بنی (extraversion) توانائی یا فعالیت کی مزاجی جہت، تجربہ کی طرف میلان (openness to experience) بچان برپا کرنے اور سنسنی پھیلانے کی خواہش کو بتاتے ہیں۔ شخصیت کو پانچ ایسے اجزاء میں تقسیم کیا گیا ہے جن کو انگریزی میں بگ فائیو (Big Five) کے ماڈل کا نام دیا جاتا ہے۔ اور وہ مندرجہ ذیل ہیں: تجربہ کے لیے کشادگی، میلان (openness to experience)، فرض شناسی، حق شناسی، باضمیری، ایمان داری (conscientiousness)، بیروں بنی، دوسروں کو دیکھ کر اپنے رویے کو درست کرنا (extraversion)، مطابقت، موافقت، دل پذیری، خوش گواری (agreeableness)، خلل اعصاب کی خاصیت یا حالت (neuroticism or emotionality)۔ یہ اجزاء عام طور پر وقت گزرنے کے ساتھ محکم اور پائیدار ہو جاتے ہیں۔ نفسیات میں شخصیت کے اختلاف کو ایک شخص کے ماحول کے اثرات کی بجائے اس کی جینیات سے منسوب کیا جاتا ہے۔ لگ بھگ تیس سال کی عمر میں شخصیت مستحکم ہوتی ہے اور بچوں میں شخصیت کی خصوصیات کو مزاج کے طور سمجھا جاتا ہے۔ اس طرح سے مزاج کو شخصیت کا پیش خیمہ، پیش رو سمجھا جاتا ہے۔ کچھ مطالعات میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ شخصیت کی خصوصیات، ملاکات (traits) میں ماحولیاتی اثرات کی وجہ سے اثر پذیری اور پلک پیدا ہوتی ہے۔ ان کی بنیاد پر بھی شخصیت میں پائے جانے والے اختلافات کی تشریح بھی کی جاتی ہے۔ مختلف تہذیبوں اور ثقافتوں میں شخصیت کے مطالعہ کے موضوع پر بھی مباحثہ ہوا ہے۔ کچھ لوگوں کے خیال میں شخصیت بلا واسطہ ثقافت سے آتی ہے۔ اس لیے اس کے لیے بین الثقافتی مطالعہ بامعنی نہیں ہو سکتا۔ جب کہ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ کچھ عناصر تمام تہذیبوں اور ثقافتوں میں مشترک ہوتے ہیں۔ اس لیے بین الثقافتی مطالعہ میں ان پانچ اصولوں کے

استعمال کے لیے کوششیں کی جا رہی ہیں۔ انفرادی شخصیت کا جدید مفہوم یورپ کی نشاۃ ثانیہ (جو جدیت کا ایک اہم عنصر ہے) کے پس منظر میں ثقافتی مطالعات کے نئے رجحانات کا نتیجہ ہے۔ اس کے برعکس عہد وسطیٰ میں ذات (Self) کا تصور سماجی کرداروں کے ایک باہم مربوط نظام (Network) سے جڑا ہوا تھا۔ خاندان، رشتہ داری، انجمن، مجلس پیشہ وراں وغیرہ شخصیت کی ساختیاتی بنیادیں تھیں۔ جدید دور میں شخصیت کا مطالعہ کئی علوم میں کیا جاتا ہے۔ شخصیت کے حیاتیاتی نظریہ (Biology) کے مطابق علم تشریح الابدان کی روشنی میں دماغ میں موجود اعضاء بدن شخصیت کی خصوصیات پر اپنا اثر ڈالتے ہیں اور اس طرح سے شخصیت کی تعمیر ہوتی ہے۔ تاہم یہ نظریہ اعصابی نفسیات سے نکل کر آتا ہے جو متعدد نفسیاتی طریقہ ہائے عمل اور کرداروں (Behaviors) سے متعلق دماغ کی ساخت کا مطالعہ کرتی ہے۔ نفسیاتی علاج (Psychiatry) میں خلل اعصاب کی حالت کو عام ذہنی بگاڑ و بیماری کا ایک ممکنہ اشاریہ سمجھا جاتا ہے۔ مطالعہ افراد (Personology) شخصیت کا مطالعہ ایک کثیر الجہات، پیچیدہ اور جامع طریقہ اپناتا ہے۔ مطالعہ افراد شخصیت کو ایک مجموعی نظام کے طور پر دیکھتا ہے اور اس کے تمام اجزاء، سطحوں اور جہات کا مطالعہ کرتا ہے۔

طبیعیات، مابعد الطبیعیات کے ساتھ سماجیات، اخلاقیات، نفسیات، معاشیات وغیرہ کو علم فلسفہ میں شمار کیا جاتا ہے۔ نفس انسانی کو سمجھنے کے لیے کی جانے والی کوششوں میں سرفہرست یونانی فلسفیوں کا کام ہے۔ ان کے بھی کئی نظریات تھے۔ کوئی فطری نظریے کے حامی تھا۔ کوئی نفس کو جاننے کے لیے حیاتیاتی انداز فکر اپناتا تھا۔ کسی نے ریاضیاتی منہج کو بنیاد بنایا۔ اس سب کے برعکس افلاطون اور ارسطو نے انسانی جسم میں روح کا نظریہ پیش کیا جو انسانی عقل اور ارادے کی بنیاد ہے۔ اس طرح سے نفسیات شروع ہی سے فلسفے کا ایک حصہ رہی ہے۔ اور جب تک یونانی فکر غالب و نمایاں رہی نفسیات سے متعلق مسائل فلسفیوں کے یہاں زیر بحث آتے رہے۔ یونانیوں کے بعد رومن تہذیب پروان چڑھی۔ جس نے یونانی فکر کو اپنے اندر سمو کر ایک خاص رنگ دیا جس کا اظہار اپی توریسن (Epicureans) اور رواقین (Stoics) کے یہاں ہوتا ہے۔ اس زمانے میں افلاطون کی آراء کی نئی تشریح کی گئی

اور عیسائیت کے ابتدائی زمانے میں اس کا رنگ غالب رہا۔ پھر حکومتی سرپرستی میں عیسائیت کا فروغ ہوا۔ تاہم مسیحی تعلیمات پر بھی یونانی فلسفے کا رنگ غالب رہا۔ سینٹ آگسٹائن نے اس میں خصوصی کردار ادا کیا۔ رومن تہذیب کے زوال کے بعد ہر طرح کی علمی ترقی رک گئی۔ اس عرصے میں یورپ علمی اور فکری پسماندگی کے اندھیروں میں رہا۔ چرچ کا جاگیرداروں اور سیاسی حکمرانوں میں اثر و رسوخ حاصل تھا۔ پھر مسلمانوں سے تعامل اور اسلامی تہذیب سے استفادہ نے تحریکِ احیائے علوم کی رہ ہموار کر دی۔ مسلمانوں نے نہ صرف یونانی علوم کو باقی رکھا تھا بلکہ اس میں ہر پہلو سے قابلِ قدر اضافے بھی کئے تھے۔ دسویں صدی سے پندرہویں صدی کے دوران ایک طرف مضبوط سیاسی حکومتوں نے چرچ کے دینی اور دنیوی اختیارات کو محدود کیا تو دوسری طرف فکری سطح پر کچھ اہل علم نے مصدرِ علم کے طور پر معرضِ فکری اہمیت پر زور دیا۔ جس کے نتیجے میں چرچ کو مذہبی تعلیمات کے ساتھ عقل و استدلال کو بھی مصدرِ علم ماننا پڑا۔ اطالیہ میں احیائے علوم کی شروعات نے عصری ضروریات اور تقاضوں کو ابھارا۔ پروٹسٹنٹ اصلاحی تحریک نے عیسائی حکمرانوں اور چرچ کے درمیان جاری اس کشمکش سے فائدہ اٹھایا۔ چرچ کو دوسرا چیلنج سائنس کی طرف سے پہنچا جب کوپرنیکس نے عیسائی تعلیمات کے برخلاف یہ ثابت کر دیا کہ سیاروں کا مرکز سورج ہے، زمین نہیں۔ اس سے مذہبی عقائد پر عقل اور استدلال کی فوقیت ثابت ہو گئی جس نے آئندہ سائنس کی برتری کے دروازے کھول دیئے۔

جدید نفسیات کے ارتقاء کی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نفسیات کے مطالعے کے میدان میں مغربی مفکرین نے جو افکار و نظریات پیش کئے ہیں وہ ایک دوسرے سے مختلف ہی نہیں بلکہ متضاد ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مغربی نفسیات کن نظریاتی بنیادوں پر ترقی کرتے ہوئے موجودہ حالت تک پہنچی ہے۔ سترہویں صدی اور اٹھارہویں صدی کو جدید نفسیات کا تشکیلی دور کہا جاتا ہے۔ اس عہد کی ابتداء میں اہل علم کے سامنے مطالعہٴ نفس اور ذہن و جسم میں ارتباط کے حوالے سے غور کے دو پہلو سامنے آئے۔ (۱) منہا جیاتی اسلوبِ تجربے اور مشاہدے پر مبنی تھا۔ سائنس دانوں نے جاگیردارانہ مذہبی نظریات کو رد

کیا اور تجربہ اور مشاہدہ کی بنیاد پر ٹھوس سائنسی نظریات قائم کئے۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں ذاتی تجربہ اور حواس کے ذریعے علم حاصل کرنا چاہئے۔ ان کے نظریات نے ابھرتے ہوئے سرمایہ دارانہ نظام کو تقویت دی اور زوال پذیر جاگیردارانہ نظام کے خاتمے میں اہم کردار ادا کیا۔ مذہبی نمائندوں نے سائنس دانوں کے نظریات کو ”غیر مذہبی“ بلکہ مذہب مخالف قرار دیا اور ان پر بہت ظلم ڈھائے۔ (۲) استدلالی اور استخراجی اسلوب کی روشنی میں اسپنوزا کی رائے یہ تھی کہ ذہن و جسم انسانی وحدت کا اظہار ہیں۔ انسانی رویے اگرچہ انسانی فکری رفعت کا مظہر ہونے کی وجہ سے منفرد نوعیت کے ہوتے ہیں۔ لیکن بہر حال فطری قوانین کے پابند ہیں۔ ڈیکارٹ کا نظریہ تھا کہ بنیادی چیز فرد کا تصور خود آگئی ہے۔ اس کے جسم و ذہن کی ثبوتیت کے نظریے نے نفسیات (Psychology) کو علمِ الابدان (Physiology) سے ممتاز کر دیا۔ ڈیکارٹ کے نظریات کو فرانسیسی اور برطانوی فلسفیانہ روایت میں فروغ ملا۔ جب کہ اسپنوزا کی آراء نے جرمن ماہرینِ نفسیات کو متاثر کیا۔ سائنسدانوں نے یہ کہا کہ ذہنی اعمال صرف اعصابی نظام کے میکانیکی عمل کا نتیجہ ہیں۔ اس طرح بالواسطہ انہوں نے نفسیات کو حسی ادراک تک محدود کر دیا۔ کچھ لوگوں نے ادراک کو حسیات تک محدود کر دینے کی اس تحریک کو نامکمل قرار دیتے ہوئے کہا کہ انسان کے ارادی اور شعوری محرکات کو مد نظر رکھتے ہوئے نفس انسانی کا بحیثیت مجموعی مطالعہ ضروری ہے۔ اس کے مقابلے میں اگست کومتے نے علمِ عضویات کو حقیقی قرار دیتے ہوئے علمِ انفس کے فلسفیانہ نظریات کو رد کر دیا۔ اس کی رائے میں فطری سائنس (حیاتیات، کیمیا وغیرہ) کے اصولوں اور طریقہ ہائے کار کو انسانی کردار اور معاشرتی اور سیاسی نظام کی تحقیق اور اس کو کنٹرول کے لیے استعمال کیا جائے۔ یہ نظریہ اس مفروضے پر مبنی تھا کہ انسان، جانوروں، درختوں یا مادے کی کیمیائی اجزاء میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہے۔ اس دور میں نفسیات میں ابھی تک فلسفہ، مذہب اور عقلیت پسندانہ نظریات بھی موجود تھے۔ لیکن بہر حال ثبوتیت پسندی اور حسی تجربیت نے فطری سائنس (Natural Science) کو نفسیات کا ماڈل بنانے کی راہ ہموار کر دی تھی۔ سترہویں اور اٹھارہویں صدی میں مسیحیت سے بغاوت، جاگیرداری نظام

کے خاتمے، سیاسی اور معاشی استحکام، سائنسی ترقیوں اور فلسفہ کے مادہ پرستانہ رجحانات نے آخر کار انیسویں صدی کی نفسیات میں نہ صرف سائنسی منہاج کو متعارف کروایا۔ بلکہ اس نے بیسویں صدی میں کئی نفسیاتی مکتبہ ہائے فکر کے ارتقا اور استحکام کی راہ بھی ہموار کی۔ ان میں علم عضویات (Phisiology) اور علم عصبیات (Neurology) بہت ہی اہم ہیں۔ یہ علم حیاتیات کی شاخیں ہیں اور ان میں انسانی جسم اور اعصابی نظام پر تجربات کی روشنی میں شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر گفتگو ہوتی ہے۔ ایک مکتبہ فکر طبعیات پر مبنی تھا۔ اس سلسلے میں ویبر نے اپنی تحقیقات کے ذریعے طبعی مہیجات اور ذہنی احساسات کے تعلق کو بنیاد بنا کر حسی دہلیز کا نظریہ پیش کیا۔ اس طرح سے نفسی طبعیات (Psychophysics) کو فروغ ملا۔ اور کہا گیا کہ نفسی طبعیات ہی وہ قطعی سائنس ہے جو جسم اور دماغ کے باہمی افعالی تعلق کی پیمائش کرتی ہے۔

ایک مکتبہ فکر جس کے نفسیات پر گہرے اثرات مرتب ہوئے ہیں وہ ڈارون کا نظریہ ارتقاء ہے۔ اس نے مابعد الطبعیات اور مثالیت پسند نظریات کو رد کر کے فطری سائنس کے لیے ٹھوس مادیت پسند بنیادیں فراہم کیں۔ نظریہ ارتقاء کے ذریعے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ انسان اور جانوروں میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہے۔ اس نظریہ کے مطابق زندگی قائم رکھنے کے لیے جدوجہد ضروری ہے۔ جو جاندار بیرونی ماحول سے مطابقت پیدا کر لیتے ہیں ان کے زندہ رہنے کے مواقع بڑھ جاتے ہیں۔ اس مکتبہ فکر سے متاثر علم نفسیات ان طریقوں کا مطالعہ کرتا ہے جن سے انسان حالات سے مطابقت پیدا کرنے کے لیے مدد حاصل کرتا ہے ان تحقیقات کی روشنی میں نفسیات دانوں کی توجہ اس امر کی طرف مبذول ہوئی کہ انسانی کردار اور اس کے نفسی اعمال میں ماحول کا کتنا اثر ہے اور وراثت کس حد تک اثر انداز ہوتی ہے۔ اس نے کہا کہ انسان صرف اپنے ماحول سے مطابقت پیدا کر سکتا ہے اور اس ماحول کو بدلنا اس کے لیے ممکن نہیں ہے۔ اسپنسر نے ڈارون کے نظریات کو استعمال کرتے ہوئے نفسیات کے میدان میں ارتقائی تلازم (Evolutionary Associationsim) کا نظریہ پیش کیا۔ ان تحریکوں کے زیر اثر

سائنس کو ثبوتیت پسند نظریے کے تحت انسانی علاج و بہبود کا بلند ترین آلہ قرار دیا گیا۔ فطری سائنس کو بلند ترین مقام عطا کیا گیا۔ اور اس کے اصولوں اور طریق کار کو انسانی ذہن اور انسانی معاشرے پر لاگو کرنے کی کوشش کی گئی۔ اور نفسیات کو خالص سائنسی بنیادوں پر سمجھنے کی کوشش ہوئی۔ ان کوششوں کا ایک عملی اظہار ونٹ اور ٹچر کی تحقیقات کی روشنی میں سامنے آیا۔ ونٹ نے تجربی سائنس کے اصول پر علم النفس کی بنیاد علم عضویات پر رکھی۔ اس نے جسم اور ذہن کے باہمی تعلق کے مسئلے کو ترک کیا اور کہا کہ نفسیات کو انسان کے تجربات کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ چونکہ ونٹ نے انسانی ذہن کی ساخت دریافت کرنے کی کوشش کی اس لیے اس کی نفسیات کو ترکیب پسند کہا جاتا ہے۔ اس مقصد کے لیے جس انسان پر تجربہ کیا جاتا اس کو ایک مخصوص مہیج پیش کیا جاتا اور اس کا رد عمل نوٹ کیا جاتا۔ اس کو مشاہدہ باطن کا طریقہ کہا جاتا ہے۔ تجرباتی طریقہ کار سے صرف ان ذہنی اعمال کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ جنہیں براہ راست طبعیاتی طریقوں سے متاثر کیا جاسکتا ہو۔ اس لیے یہ بھی کہا گیا کہ ان چیزوں کا بھی مطالعہ کیا جائے جو ذہن کی پیداوار ہیں یعنی زبان، روایات، رسومات، عقائد، معاشرتی ادارے وغیرہ۔ اس طرح سے ونٹ نے نفسیاتی تحقیق کے تین طریقے بیان کئے ہیں۔ مشاہدہ باطن (Introspection)، سائنسی تجربات، اور انسان کے تاریخی اور ثقافتی ورثے کا تجزیہ۔ سائنسی بنیادوں پر مطالعہ نفسیات کے حوالے سے بیسویں صدی میں نفسیات کے کئی مکتبہ ہائے فکر سامنے آئے: تفاعل پسند نفسیات (Functional Psychology) کا نظریہ عملی نتائج پر مبنی فلسفہ (Pragmatism) پر قائم تھا۔ ولیم جیمز کو تفاعل پسند نفسیات کا بانی سمجھا جاتا ہے۔ اس نے ڈارون کے حیاتیاتی نظریے کی نفسیاتی اہمیت کو سمجھا اور کہا کہ زندگی کا مقصد ماحول سے مطابقت پیدا کرنا ہے۔ انسانی شعور ارتقاء کا نتیجہ ہے اور دوسرے افعال کی طرح اس کا بھی کوئی نہ کوئی مقصد ہے۔ اس نے کہا کہ نفسیات کے لئے اہم کام انسانی ذہن کے افعال کا مطالعہ کرنا ہے۔ اس نظریے کو بعد میں جیمز کے پیروکاروں نے اپنایا اور تفاعل پسندی کا نام دیا۔ اس فلسفہ کے مطابق حقیقت وہی ہے جس کا کوئی عملی فائدہ ہو۔ شعور کا بھی کوئی عملی فائدہ ہوگا ورنہ وہ وجود میں ہی نہ آتا۔ شعور کا مقصد ماحول سے بہتر

مطابقت پیدا کرنا ہے۔ اس نے نظریہ ہیجان پیش کیا۔ عام نظریہ ہیجان یہ رہا ہے کہ پہلے کسی عمل کا شعوری احساس ہوتا ہے اور بعد میں جسمانی تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں۔ لیکن جیمز کا نظریہ اس کے بالکل برعکس تھا۔ اس کے خیال میں ہم افسوس اس لیے محسوس کرتے ہیں کہ ہم کا نپٹے ہیں نہ یہ کہ ہم کا نپٹے اس لیے ہیں کہ ہم افسوس، غصہ یا خوف محسوس کرتے ہیں۔ تفاعل پسند ماہرین نفسیات کے پیش نظر شروع ہی سے یہ تھا کہ نفسیات کو افرادی اور اجتماعی مسائل کے حل میں اپنا عملی کردار ادا کرنا چاہئے۔ اسی وجہ سے اسے تفاعل پسند نفسیات کہا جاتا ہے۔ گیسٹالٹی نفسیات (Gestalt Psychology) میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ ہم اپنے ذہنی اعمال میں مختلف عناصر کو اکٹھا دیکھتے ہیں اور دو علاحدہ مہیجات کی بجائے ہمیں ایک مسلسل حرکت نظر آتی ہے۔ گیسٹالٹی نفسیات کے ماہرین نے کہا کہ ہمارا ادراک یکساں نہیں ہوتا۔ وردہائیم نے تجربات کے ذریعے یہ جاننے کی کوشش کی کہ تخلیقی سوچ میں اور مسائل حل کرنے میں کون سے ذہنی عوامل کارفرما ہوتے ہیں۔ ان تجربات کی روشنی میں اس نے تین قسم کے ذہنی اعمال بتائے ہیں۔ پہلی قسم کے اعمال میں گروہ بندی، تنظیم اور بنیادی پہلوؤں کی دریافت شامل ہے۔ یہ پورے ماحول کا جائزہ لیتی ہے اور وسائل اور مقاصد میں تعلق پیدا کرتی ہے۔ اس کو زرخیز سوچ کا نام دیا گیا ہے۔ دوسری قسم کے ذہنی اعمال میں اندھا دھند کوشش، قبل از وقت نتائج اور بے مقصد بھٹکانا شامل ہے۔ تشریط، تلازم اور سعی و خطا میں میکائیکی عمل کارفرما ہوتا ہے۔ تیسری قسم کے اعمال کسی حد تک زرخیز ہیں اور کسی حد تک میکائیکی۔ گیسٹالٹی ماہرین نفسیات کو فکا کا کہنا تھا کہ آموزش میں ادراک نئے طریقے سے ترتیب پاتا ہے۔ جسم اور اس کا ماحول ایک نفسیاتی میدان (Psychological Field) ہے اور اس میدان کو محسوس کرنے اور اسے نو ترتیب دینے کو بصیرت کہتے ہیں۔ اس نے کہا کہ میدان دو قسم کے ہیں۔ ایک طبعی یا جغرافیائی میدان ہے جو ان چیزوں پر مشتمل ہے جو فطری طور پر پائی جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ ایک نفسیاتی میدان ہے۔ نفسیاتی میدان سے مراد وہ ماحول ہے جس کے زیر اثر فرد عمل کرتا ہے۔ کو فکا کے مطابق جسم اپنے ماحول کے ساتھ توازن قائم رکھتا ہے۔ جب یہ توازن خراب ہو جائے تو جسم حرکت کرتا ہے۔

تاکہ توازن دوبارہ قائم ہو جائے۔ تحلیل نفسی (Psychoanalysis) کا مکتبہ فکر انسانی سرگرمیوں کے پس پردہ لاشعور کے کردار پر توجہ مرکوز کرتا ہے۔ اس نظریہ کے تحت شخصیت کے توازن کا انحصار ہی لاشعوری قوت پر ہے۔ اس مکتب فکر کا بانی سگمنڈ فرائیڈ تھا جس نے اپنی قوت مشاہدہ سے اس طریق علاج کے ذریعے انسان کو لاحق تشویش اور اضطراب کو دور کرنے کی کوشش کی۔ فرائیڈ کے نظریے کے مطابق انسانی شخصیت کی ساخت میں تین طرح کے عناصر، قوتیں، اڈ (Id)، انا (Ego) اور فوق الانا (Super Ego)، شامل ہیں۔ انسانی قوت خواہ وہ کسی نوعیت کی ہو ان تین قوتوں کے باہمی تعامل کا نتیجہ ہوتی ہے۔ اڈ، تخلیقی اور تخریبی تقاضوں پر مشتمل اور لذت و الم کے قانون کے تابع ہوتی ہے۔ اس کے پیش نظر ایسا راستہ اختیار کرنا ہوتا ہے جس سے زیادہ سے زیادہ لذت مل سکے۔ اس کی دوسری صفت یہ ہے کہ یہ اپنے مطالبات فوری طور پر منوانا چاہتی ہے۔ اور اس کے انجام کی اسے کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔ یہ قوت جسے شہوت (Libido) کہتے ہیں ہر قسم کی نفسیاتی فعلیت کے پیچھے موجود ہوتی ہے۔ اڈ کی حیوانی قوت کو حقیقت کا پابند رکھنے کے لیے ”انا“ کی نشوونما ہوتی ہے۔ اس کا بنیادی کام یہ ہے کہ اڈ کے مطالبات صرف معقولیت کی حد تک تسلیم کیے جائیں۔ اڈ کا رکن ہوتے ہوئے بھی یہ اسے حد سے تجاوز نہیں کرنے دیتا۔ اس کی سوچ کا انداز منطقی اور حقیقت پسندانہ ہوتا ہے۔ فوق الانا دراصل انسانی ضمیر ہے۔ یہ قوت اسے برے بھلے میں تمیز کرنے اور معاشرے کی مصدقہ اقدار اور روایات پر عمل پیرا ہونے پر مجبور کرتی ہے۔ کردار کے تعین میں فوق الانا خاص اہمیت کی حامل ہے۔ اس مکتب فکر کے بعض دوسرے ماہرین نے فرائیڈ کے نظریات میں ترمیم کر کے ثقافتی عوامل اور سماجی ضروریات اور موجودیت کے نظریات کو تحلیل نفسی کے اندر سمونے کی کوشش کی ہے۔ کرداری مکتب فکر (Behaviorism) کے امریکی منہج کی ابتداء ۱۹۱۳ء میں واٹسن نے کی۔ تاہم کرداری مکتبہ فکر کے اثرات فرانسیسی حسی تجربیت اور برطانوی ثبوتیت پسندی پر بھی پڑے۔ واٹسن کا نظریہ بنیادی طور پر منہج اور رد عمل پر مبنی تھا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ شعور کو نفسیات کے دائرے سے بھی خارج کیا جائے۔ کیونکہ اس کا معروضی مطالعہ ناممکن ہے۔ واٹسن نے کہا کہ علم نفسیات کو

ذہنی اعمال (مثلاً احساس، تصورات، تاثرات) کی بجائے انسانی کردار کا مطالعہ اور اس کی پیمائش کرنی چاہئے۔ اس نے کہا کہ مہیج اور رد عمل کا تعلق مشروط انعکاس کے ذریعے قائم ہوتا ہے۔ لیکن وائٹسن نے علم نفسیات کے اہم اجزاء (مثلاً شعور، ادراک، سوچ اور ارادہ) کو علم نفسیات کے دائرے سے ہی خارج کر دیا۔ اس نے کہا کہ نفسیاتی تحقیق کو عضویاتی تحقیق میں تبدیل کیا جائے۔ اس کی رائے میں کردار کے مطالعے میں انسان کے عضلاتی، غدودی اور اعصابی اعمال کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ اس کے علاوہ ماحول کے ان مہیجات کا مطالعہ بھی کرنا ہوگا جن کی وجہ سے یہ مختلف رد عمل پیدا ہو رہے ہوں۔ اس طرح احساس، ادراک اور تاثرات سب کا مطالعہ جسمانی رد عمل کے ذریعے کیا جانا چاہئے۔ وائٹسن کے نزدیک علم نفسیات کے بنیادی مقاصد انسانی کردار کی پیش گوئی کرنا اور اس کو کنٹرول کرنے کے طریقہ ہائے کار وضع کرنا ہیں۔ نفسیات میں کرداریت پسند مکتب فکر کئی مراحل سے گزرا ہے اور کردار میں تبدیلی اور بہتری کے لیے طبی علاج گاہوں میں عملی تجربات کیے گئے ہیں۔

اس طرح سے ان افکار و نظریات کی بدولت مغربی نفسیات نے سائنس کا روپ دھار لیا اور وہ مقبول عام بھی ہو گیا۔ تاہم شروع ہی سے مقابل طرز فکر بھی موجود رہا ہے جو علم النفس کو انسانی اور سماجی علم سمجھنے پر اصرار کرتا رہا ہے۔ چنانچہ رد عمل کے طور پر جو تحریکات ابھریں ان کے تین بڑے مظاہر ہیں: یورپ کی موجودیت (Existentialism)، مظہریت (Phenomenology) اور انسانیت پسند طرز فکر (Humanistic Approach)۔ موجودیت کے نظریہ میں علم النفس کو انسان کے وجود، اس کی زندگی کے مقصد کے حصول کی آزادی وغیرہ جیسے مباحث کو زیر غور لانا چاہئے۔ موجودیت کا مرکزی نقطہ یہ ہے کہ فرد آزاد ہے۔ اور اسے اختیار کی آزادی حاصل ہے تاہم اس اختیار کے نتائج بھی اسے بھگتنے ہیں۔ موجودیت کی تحریک کے ماننے والوں نے خدائے سماجی اقدار اور ذاتی نمونہ ہائے عمل جیسے موضوعات پر بحث کی۔ نطشے نے مسائل زندگی پر غور کیا اور خدا کے وجود ہی کا انکار کر دیا۔ جرمنی میں مذہبی مناقشوں کے حوالے سے کانٹ کے خیالات نے پذیرائی حاصل کی جس نے کہا کہ علم کا منبع وحی نہیں بلکہ عقل (Rationalism) ہے۔ اس لہر کو ہیگل

نے آگے بڑھایا جس نے کہا کہ ہر عمل (Thesis) اپنے رد عمل (Anti-Thesis) کو وجود بخشتا ہے۔ پھر دونوں متحد (Synthesis) ہو کر ایک تیسرے عمل کو جنم دیتے ہیں اور یہ عمل پھر ایک رد عمل کو جنم دیتا ہے۔ ہیگل کے اس جدلیاتی نظریے کو معاشیات میں مارکس اور انجلز نے سوشلزم کی صورت میں پروان چڑھایا۔ ایک ایسے ماحول میں جہاں ثبوتیت پسندی اور سائنس وقعت و عظمت کا نشان تھیں، ہیگل کے نظریات کو پذیرائی ملی۔ موجودیت کے اس رخ کو مذہبی پس منظر میں دیکھنے والے دو فلسفیوں نے چیلنج کیا۔ ان میں سے ایک کرک گارڈ (S. Kierkegaard) ڈنمارک کا ایک عیسائی پادری تھا۔ وہ عقل پر مذہب کی برتری کا علمبردار تھا۔ اس نے وجود کی تین سطحیں قرار دیں۔ پہلی جمالیاتی، دوسری اخلاقی اور تیسری مذہبی۔ اس نے عیسائیت کے چند غیر معقول عقائد کی تردید کی جو لوگوں کی مذہب سے دوری اور خدا پر کلی اعتماد نہ کرنے کا حقیقی سبب تھے۔ دوسرا شخص ولہلم ڈلتھی (Wilhelm Dilthey) تھا۔ اس نے کہا کہ نفس انسانی کا مطالعہ کرنے کے لیے طبیعی سائنس کی نہیں روحانی سائنس (Science of Spirit) کی ضرورت ہے۔ اس نے کہا کہ مذہب آرٹ، سائنس اور فلسفہ سب انسانی تجربات کا عملی مظہر ہیں۔ مظہریت (Phenomenology) موضوعی مثالیت پسندی کا وہ نظریہ ہے جس کے مطابق مظاہر کا تجربہ کیے بغیر ان کا وجود بے معنی ہوتا ہے اور یہ کہ مظاہر زندگی کا بغیر کسی تشریح براہ راست تجربہ کیا جانا چاہئے۔ مظہریت کسی مظہر کو اس کے چھوٹے چھوٹے جزء کی تحلیل کے ذریعے سمجھنے (Reductionism) کو رد کرتی ہے۔ جو طبیعی اور تجربی سائنس کا جزو لاینفک ہے۔ اس کے مقابلے میں مظہریت انسان کی پوری شخصیت کے تناظر میں مظاہر کے شعوری مطالعے سے عبارت ہے۔ ایڈمنڈ ہسرل (Edmund Husserl) علم کی دو قسمیں کرتا تھا۔ ایک وہ جو خارجی دنیا کے ساتھ انسانی تجربے پر مبنی ہو۔ یعنی فطری علوم (Natural Science) اور دوسرے وہ جو انسان کے اپنے داخلی تجربات پر مبنی ہو (یعنی فلسفہ)۔ وہ چاہتا تھا کہ نفسیات ان دونوں طرح کے انسانی تجربات کو یکجا کر دے۔ مارٹن ہائیڈیگر (Martin Heidegger) ہسرل کے مطالعہ شعور کے مقابلے میں مطالعہ ذات و وجود کا قائل تھا۔ اور کہتا تھا کہ

مظہریت کا تو مطلب ہی اپنے آپ کو ظاہر کر دینا ہے۔ لہذا نفسیات کا کام یہ ہے کہ وہ خارجی دنیا کے ساتھ انسانی تعلق کے مظاہر کا مطالعہ کرے۔ کیوں کہ انسان اگر اپنے آپ کے ساتھ مربوط نہ رہے اور بیگانگی کا شکار ہو جائے تو وہ ذہنی مریض بن جاتا ہے۔ نفسیات کے میدان میں ایک اہم اسکول انسانیت نواز مکتب فکر (Humanistic Approach) کا ہے۔ یہ نفسیات کے انسانی پہلو پر زور دیتا ہے۔ گورڈن آلپورٹ (Gordon Allport) اپنے نظریہ شخصیت میں علامتی طرز فکر اور کلیتی طرز فکر میں فرق کرتا ہے۔ علامتی طرز فکر کی حمایت کرتے ہوئے وہ فرد کی پیچیدگی اور انفرادیت پر زور دیتا ہے اور کہتا ہے کہ ہر شخصیت کے پس پشت وہ قوت موجود ہوتی ہے جو اس کی عقلیت کی تحدید کرتی ہے۔ اس نے شخصیت کے خصائص کی نشاندہی کی ہے۔ وراثتی اثرات اور مکتبہ آموزش کی طرح آلپورٹ کے شخصی خصائص وہ ذہنی تشکلات ہیں جو فرد کے کردار کی ہم آہنگی کا سبب ہوتے ہیں۔ آلپورٹ کے ہاں شخصیت میں ارادے کی بحث موجودی مظہریت کے ساتھ اس کے توافق کی علامت ہے۔ ارادہ فرد کے موجودہ اور آئندہ عزائم اور توقعات کا عکاس ہوتا ہے۔ ابراہام ماسلو (Abraham Maslow) کا نظریہ شخصیت بھی موجودی مظہریت سے متاثر ہے۔ وہ محرکاتی حوالے سے حیاتیاتی سطح سے لے کر خالص انسانی سطح تک ضروریات کی ایک تدریج قائم کرتا ہے۔ ان ضرورتوں کو پورا کرنے کی جدوجہد ہی ماسلو کے نزدیک تعمیر خودی اور تعمیر شخصیت (Self-Actualization) کی ضامن ہے۔ خود آگہی اور جسمانی اور ذہنی صلاحیتوں کا بہترین استعمال ہی تعمیر خودی کا سبب بنتا ہے اور صحیح خطوط پر تعمیر خودی کا نتیجہ متوازن شخصیت کی صورت میں نکلتا ہے۔ رولوے (Rollo May) نے علاج نفس میں موجودیت کے اصولوں کو استعمال کر کے یہ ثابت کرنے کے کوشش کی ہے کہ انسانی سرگرمیوں کی موجودہ تصریحات علم النفس کے بنیادی سوالات کا جواب دینے کی کلید مہیا کرتی ہیں۔ وہ اس طرح سے کہ علم النفس کو چاہئے کہ وہ ان انسانی تجربات کی مکمل تفہیم کی سعی کرے جو چاہئے، اختیار کرنے اور عمل کرنے جیسے خالص انسانی تجربات سے عبارت ہیں۔

مغربی نفسیات کے طبعی سائنس ہونے کے رجحان کے رد عمل میں ابھرنے والی تحریکات میں جس موجودیت، مظہریت اور انسانیت پسند نفسیات کا ذکر کیا گیا ہے اگرچہ ان میں اختلاف کے بھی کئی پہلو ہیں لیکن ان میں دو باتیں بہر حال مشترک ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ سب نقطہ ہائے نظر انسانی آزادی اور انسانی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کے لیے آزادانہ فیصلے کرنے کے اختیار اور ذمہ داری پر یقین رکھتے ہیں۔ نیز یہ سب تسلیم کرتے ہیں کہ ذہن انسانی ایک فعال اور متحرک قوت ہے جس کی مدد سے انسان ادراک، ارادہ اور فیصلہ کرنے کے قویٰ کو بروئے عمل لاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس نقطہ نظر کے حامل سب ماہرین طبعی علوم پر مبنی عضویاتی اور مادی علوم کی میکائیکی قوانین کا علم النفس پر اطلاق غلط سمجھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ انسان دوسرے جانوروں کی نسبت ایک برتر مخلوق ہے۔ فرد کو زندگی گزارتے ہوئے بہر حال جسمانی ضرورت سے آگے ذاتی اصولوں، سماجی اقدار اور فلسفیانہ رویوں کو سامنے رکھنا چاہئے۔ تحلیل نفسی نے شخصیت کا جو تصور پیش کیا تھا کرداری آموزش اسکول نے اسے رد کر دیا ہے اور خود کرداری دبستان نے سائنسی منہاج کی بنیاد پر جو تصور نفس پیش کیا، انسانیت نواز مکتبہ فکر نے اس کا انکار کر دیا۔ لہذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ مغربی ماہرین نے بالعموم نفس انسانی کی ماہیت کو سمجھنے میں جو افکار و نظریات پیش کئے ہیں مختلف اور متضاد ہیں۔ تحلیل نفسی اکثر ماہرین نفس کے مطابق بحیثیت ایک طریق علاج ناکام ہو چکا ہے۔ کرداری طریق علاج میں انسان کو حیوان سمجھ کر کبوتروں اور بلیوں پر تجربات کیے جاتے ہیں اور پھر ان کے نتائج کا اطلاق انسانوں پر کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ انسانیت نواز مکتب کے ماہرین نفس بجا طور یہ کہتے ہیں کہ یہ طریق علاج نہ صرف شرف انسانی کے خلاف ہے بلکہ نفس انسانی اتنا پیچیدہ ہے کہ بلیوں اور کبوتروں پر اسے قیاس کرنا ایک مضحکہ خیز امر ہے۔ اگر ہم کرداریت پسند نفسیات دانوں کے نظریات کا جائزہ لیں تو ان میں مندرجہ ذیل باتیں سامنے آتی ہیں۔ انہوں نے جانوروں پر تجربات کیے اور ان کے نتائج کو انسانوں پر نافذ کیا۔ یعنی انہوں نے انسان اور جانو میں بنیادی فرق (آلات کے استعمال کی صلاحیت، کلچر، زبان، شعور اور ماحول کو تبدیل کرنے کی صلاحیت) کو یہ کہہ کر نظر انداز کر دیا کہ یہ بہت پیچیدہ ہے۔

اس کا مطالعہ غیر سائنسی ہے۔ یا پھر ماحول کی بہت محدود تعریف کی گئی ہے۔ انہوں نے مہج اور اس کے رد عمل کو انسانی کردار کی بنیادی اکائی اور انسان کی سوچ، شعور اور کردار کی وحدت کو نظر انداز کر دیا اور کہا کہ انسانی کردار صرف رد عمل ہی ہو سکتا ہے۔ اس طرح مغربی نفسیات (خصوصاً کرداری نفسیات) نے سائنسی طرز عمل کے نام پر انسان کو شرف انسانیت سے محروم کر کے اسے جانور بلکہ مشین بنا دیا۔ اور دین و اخلاق اور اصول و اقدار کو قصہ پارینہ بنا دیا۔

مغربی ماہرین نفسیات کے افکار و نظریات میں اختلاف کی ایک بنیادی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے انسانی شخصیت کے الگ الگ اجزاء ترکیبی کو اپنی تحقیقات کا موضوع بنایا ہے۔ اگر انہوں نے ان اجزاء کی مجموعی ہیئت کو ملحوظ نظر رکھا ہوتا تو شخصیت سازی کے حوالے سے کسی متفقہ نتیجے پر پہنچنا آسان ہوتا۔ دوسری بنیادی وجہ یہ رہی کہ انہوں نے انسان کی صرف مادی شکل اور حیوانی صفات پر توجہ مرکوز رکھی۔ جب کہ انسان کے روحانی پہلو کو مذہب بیزاری کی تحریک کے زیر اثر یکسر نظر انداز کر دیا ہے۔ اس کے برعکس جب ہم اسلامی روایات میں انسانی شخصیت کے تصور، اس کی تعمیر و تہذیب کے طریقہ ہائے کار اور فساد و بگاڑ کی حالت میں اس کی اصلاح کی تدابیر پر غور کرتے ہیں تو اس طرح کے تضادات سامنے نہیں آتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلم علماء، صوفیاء اور حکماء نے قرآن و حدیث کی روشنی میں اپنے تصور انسان میں جسم و روح دونوں کو ملحوظ نظر رکھا ہے۔ انسانی جسم میں موجود متعدد قوتوں اور ان کی خصلتوں کے باہمی اتحاد اور اختلاف کے نتیجے میں پیدا ہونے والی صفات اور ملکات (جو انسانی شخصیت کو تشکیل دیتے ہیں) پر گفتگو کی ہے۔ عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاق کے تناظر میں وہ جس شخصیت سازی کی بات کرتے ہیں اس میں وہ جسم، عقل اور ماحول کی اہمیت اور ان کے تقاضوں کو تسلیم کرتے ہیں۔ اور اس طرح سے وہ ان تدابیر اور طریقہ ہائے کار کی نشاندہی بھی کرتے ہیں جن کی رہنمائی اسلام کی مذہبی تعلیمات میں ملتی ہے۔

مذہب اور شخصیت سازی: چند بنیادی باتیں:

اسلامی تناظر میں شخصیت سازی کے حوالے سے مذہبی تعلیمات کی اہمیت و افادیت کو جاننے کے لیے اللہ تبارک و تعالیٰ کائنات اور انسان کے حوالے سے چند بنیادی باتوں

دھیان میں رکھنا بہتر ہوگا۔ انسان کی حقیقت کے بارے میں ایک مسلمان کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ کسی حیاتیاتی یا کیمیائی عمل کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ اسے ایک خالق نے پیدا کیا ہے۔ اس سلسلے میں ایک مسلمان یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اس کا علم ہم کو قرآن و سنت میں ملتا ہے۔ اس لیے انسان، کائنات اور خدا کے بارے میں نقطہ نظر صحیح وہی ہے جو مذہب نے پیش کیا ہے۔ بنیادی طور پر یہ نقطہ نظر سارے مذاہب میں یکساں ہے۔ اس کا مرکزی نکتہ یہ ہے کہ انسان اپنی آزاد مرضی سے اپنے اور پوری کائنات پر ایک خالق و مالک کی فرمانروائی کو مانے اور اس کے آگے تسلیم خم کرے۔ زندگی ایسے گزارے جیسے گزارنے کا وہ حکم دیتا ہے۔ اس عقیدے کے مطابق اللہ ایک ہے۔ الوہیت میں کوئی شریک نہیں۔ وہ سب کچھ سنتا ہے۔ انسان کو اس نے پیدا کیا ہے اور اس کی رہنمائی کا انتظام کیا ہے۔ کائنات کو اس نے پیدا کیا ہے اور وہی اس کا انتظام کر رہا ہے۔ وہ ساری مخلوقات کا رازق ہے۔ وہ حاکم حقیقی ہے۔ انسان اور کائنات پر اسی کا حکم چلتا ہے۔ انسان کی زندگی اور موت، نفع و نقصان، عزت و ذلت سب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ خدا کا تصور انسان کی سرشت اور فطرت میں رکھ دیا گیا ہے۔ کائنات انسان کے لیے تسخیر کی گئی ہے۔ اس سے استفادہ کرنا اس کا حق ہے۔ ایک وقت مقرر پر اللہ تعالیٰ کائنات کے موجودہ نظام کو ختم کر دے گا اور ایک نیا نظام وجود میں آئے گا جس میں انسان سے حساب لیا جائے گا۔ اگر انسان نے دنیا کی زندگی اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق گزاری ہو گی تو وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور انعام کا مستحق ٹھہرے گا۔ اگر اس نے دنیوی زندگی اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی میں بسر کی ہو گی تو وہ اللہ کی ناراضی اور اس کے عذاب کا مستحق ٹھہرے گا۔ آخرت کی زندگی کو دنیا کی زندگی پر ترجیح حاصل ہے۔ کیونکہ دنیا کی زندگی عارضی اور فانی ہے جب کہ آخرت کی زندگی پائیدار، غیر فانی اور حقیقی ہے۔ الوہیت پر ایمان، بھلائی و برائی کی پہچان کی حس اور خیر و شر ہر دو طرح کے داعیات اللہ تعالیٰ نے انسان کی سرشت میں رکھ دیئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اختیار کی آزادی دی ہے کہ اپنے مستقبل کا خود فیصلہ کرے، چاہے خیر کا راستہ اپنائے چاہے شر کا۔ تاہم اسے بتا دیا گیا ہے کہ خیر کے اختیار میں اس کی بھلائی اور شر کے اختیار میں خسران و عذاب ہے۔ انسان خطا و

ضعف کا پتلا ہے۔ ہر شخص اپنے اعمال کے لیے جوابدہ ہے۔ گناہ اور نافرمانی کے بعد انسان اگر توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے۔ دنیا کی زندگی انسان کے لیے آزمائش اور امتحان کی زندگی ہے۔ انسانی زندگی کا مقصد اور نصب العین اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کا حصول ہے۔ کامیاب انسان وہ جو اپنے نفس کا تزکیہ کرے، اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کرے کہ یہی اس کی تخلیق کی غایت ہے۔ اور ناکام انسان وہ جو اپنے نفس کا تزکیہ نہ کرے، اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت نہ کرے اور آخرت میں اللہ کی ناراضی مول لے کر عذاب جہنم کا مستحق ٹھہرے۔ قرآن پاک میں آیا ہے: ”و نفس وما سواها۔ فالہمها فجورھا وتقواھا۔ قد افلح من زکھا۔ وقد خاب من دسھا۔“ (الشمس: ۷-۱۰) (اور جان کی اور اس کی قسم جس نے اسے ٹھیک بنایا۔ پھر اس کی بدکاری اور اس کی پرہیزگاری دل میں ڈالی۔ بے شک مراد کو پہنچا جس نے اسے سٹھرا کیا۔ اور نامراد ہوا جس نے اسے معصیت میں چھپایا۔) اللہ تعالیٰ کی ہدایت کا منہاج یہ ہے کہ وہ انسانوں کی ہدایت کے لئے انسانوں ہی میں سے ایک فرد کو چن لیتا ہے۔ اور اسے ایک قابل تقلید نمونہ عمل بنا کر اس دنیا میں مبعوث فرماتا ہے۔ تاکہ لوگ اس کی پیروی کر کے اللہ کے مطلوب انسان بن سکیں۔ محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ کے آخری رسول ہیں۔ جو سارے انسانوں کے لیے بھیجے گئے ہیں۔ ان کی طرف سے پیش کردہ دین اسلام سابقہ ادیان کو منسوخ کرتا ہے۔ مگر کسی ایک پیغمبر کا انکار سارے پیغمبروں کا انکار ہے۔ اسی لیے مسلمان سارے پیغمبروں کو مانتے ہیں۔ اس طرح سے ایک متوازن شخصیت و سیرت کی تعمیر کے لیے عقیدہ توحید و رسالت کے ساتھ آخرت کا عقیدہ بنیاد مہیا کرتا ہے۔ ہر حال میں اس بات پر یقین کہ ایک نہ ایک دن اللہ کے سامنے پیش ہونا ہے۔ یہ عقیدہ و ایمان انسان کی زندگی میں بے پناہ قوت پیدا کرتا ہے۔ جو انسان کے تمام نفسیاتی اور جسمانی اعمال پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اہل مغرب انسان کے بارے میں ایک مخصوص تصور رکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک زندگی کا ایک مخصوص فلسفہ ہے اور اس کے مخصوص اقدار اور پیمانے ہیں۔ اسی لیے ان سے ہم اپنی تحقیقات میں معلومات تو حاصل کر سکتے ہیں لیکن ان کے نظریات اپنا نہیں سکتے۔

قرآن و سنت کے مطلوب انسان بن کے لیے ضروری ہے کہ انسان ”تزکیہ نفس“ کے ذریعے اپنی شخصیت کی ظاہری و باطنی اور اکتسابی و غیر اکتسابی خصوصیات میں توازن و اعتدال قائم کرنے کی کوشش کرے۔ اور اس کے لیے وہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے استفادہ کرے جو قرآن اور رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ میں موجود ہے۔ شخصیت اور کردار کی تعمیر دین اسلام کی تعلیمات کا ایک اہم ترین موضوع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی جو ہدایت انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ذریعے دنیا میں بھیجی ہے اس کا بنیادی مقصد ہی انسان کی شخصیت اور کردار کی صفائی ہے۔ اسی کا نام تزکیہ نفس ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے رسول کریم کی بعثت کا مقصد ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ ”لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیہم رسولا من انفسہم یتلو علیہم آیاتہ و یزکیہم و یعلمہم الکتب و الحکمۃ، وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین۔ (بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا۔ ایمان والوں پر کہ ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا۔ جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے۔ اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے۔ اور وہ ضرور اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے) (آل عمران ۱۶۵)۔

اسلام میں شخصیت کی متوازن تعمیر اور تہذیب نفس کے حوالے سے قرآن و سنت میں واضح تعلیمات موجود ہیں۔ اس کے علاوہ مسلم تاریخ و ثقافت میں علماء، صوفیاء اور حکماء نے بھی ان دونوں بنیادی مآخذ کی روشنی میں تعمیر و تہذیب شخصیت کے بنیادی تصورات پر تفصیلی گفتگو کی ہیں۔ اس سلسلے میں ”تزکیہ نفس“ کے عنوان سے ان کی تحریریں نفسیات کے موضوع پر ہماری رہنمائی کرتی ہیں۔ نفس انسانی سے مراد انسانی شخصیت بحیثیت کل ہے جس میں اس کے تمام داخلی اور خارجی خصائص اور اس کے مظاہر شامل ہیں۔ نفس اور تزکیہ نفس کی اصطلاح سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنی شخصیت کے سارے قوی (جلیبتیں، عواطف، محرکات، تعقل، اور ادراک، وغیرہ) کی ایسی تعمیر و تربیت کرے کہ وہ ہر قسم کے شر، رذائل، منکرات اور مصائب سے بچ جائے اور ہر قسم کے خیر، فضائل، معروفات اور اخلاق و افعال حسنہ کو اپنالے اور انہیں اپنے اندر پروان چڑھائے۔ تاہم یہ کوئی ذاتی اور انفرادی عمل نہیں

ہے۔ نفس کی تعمیر و اصلاح انسانوں کے درمیان رہ کر ہی ہو سکتی ہے اور معاشرہ اور اجتماعیت انسان کے بگڑنے اور سنورنے پر شدید طور پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ تزکیہ ہر شخص کی فلاح کے لئے ہے۔ انسانی معاشرہ کو برائیوں سے پاک کرنے اور متوازن اور معتدل زندگی گزارنے کے لیے تزکیہ نفس ضروری ہے۔ انسان کو مثبت سوچ کی طرف لانے اور علم و عمل کے تضاد کو ختم کرنے کے لیے خدا شناسی پر مبنی عقیدے کی پختگی کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ عمل مختلف طریقوں سے انجام دیا جاتا ہے۔ تزکیہ ایک مربوط تعلیمی، اخلاقی، اور نفسیاتی طریق اصلاح ہے جو ہر شخص اور ہر زمانے کے لیے ہے۔ کسی خاص گروہ تک محدود نہیں۔

مذہبی تعلیمات کی روشنی میں شخصیت کا تصور:

اس طرح سے ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام میں شخصیت سازی (تزکیہ نفس) کی بڑی اہمیت ہے۔ امام ابو حامد غزالی اور شاہ ولی اللہ (علیہما الرحمۃ والرضوان) نے شخصیت کو تشکیل دینے والی خصوصیات اور صفات کو اخلاق کے زیر عنوان بیان کیا ہے۔ اس سلسلے میں جہاں ایک طرف انہوں نے ذہنی اور عقلی ادراک و شعور اور عزم و ارادہ کی اہمیت کو تسلیم کیا ہے تو وہیں دوسری طرف شخصیت کی تعمیر و تشکیل میں جسمانی محرکات کی اثر آفرینی کا اعتراف کیا ہے۔ شخصیت کے ترکیبی عناصر کے الگ الگ اجزاء کی بجائے اس کی مجموعی ہیئت پر انہوں نے گفتگو کی ہے۔ ان حضرات نے نفس، قلب، روح اور عقل کی تہذیب پر گفتگو کرتے ہوئے ان کو جسمانی اعضاء و جوارح قرار دیا مگر اسی کے ساتھ وہ ان الفاظ معانی کے بیان میں لطیفہ کے لفظ کو بھی استعمال کرتے۔ لطیفہ دراصل ایک غیر مادی وصف ہے جو انسان میں اس کے روحانی پہلو کی وجہ سے ہے۔ امام غزالی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنی کتاب احیاء علوم الدین میں ان الفاظ کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ”قلب کا لفظ دو معانی میں مستعمل ہے۔ ایک صنوبری شکل کا گوشت کا ٹکڑا ہے جو سینے کے بائیں جانب ہے۔ وہ ایک خاص گوشت ہے اور اس کے باطن میں تجویف ہے، جس میں سیاہ خون ہے اور وہی روح کا منبع اور معدن ہے۔ یہ قلب جانوروں کے لیے بھی موجود ہے بلکہ وہ میت

کے لیے بھی ہے۔ اور اس کتاب میں جب ہم قلب کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو اس سے قلب کا یہ معنی مراد نہیں لیتے ہیں۔ کیوں کہ وہ تو خون کا ایک ٹکڑا ہے اور وہ عالم ملک و شہادۃ سے ہے۔ کیوں کہ اس کا ادراک تو آدمیوں کے علاوہ جانوروں کو بھی حاصل ہے۔ اس لفظ کا ایک دوسرا معنی وہ ربانی اور روحانی لطیفہ ہے جس کا اس جسم سے تعلق قائم ہے۔ اور وہی لطیفہ انسان کی حقیقت ہے۔ اور انسان میں سے وہی مدرک، عالم اور عارف ہے۔ اور اسی سے خطاب ہوتا ہے۔ اسی پر عتاب و عقاب ہوتا ہے اور اسی سے مطالبہ کیا جاتا ہے۔ اور اس کا جسمانی قلب سے ایک تعلق ہے۔ اور اکثر لوگوں کی عقلیں اس تعلق کی وجہ کو سمجھنے میں حیرت زدہ ہیں۔ کیونکہ اس لطیفہ کا قلب جسمانی سے تعلق اسی طرح سے ہے جیسے اعراض کا اجسام سے اور اوصاف کا موصوفات سے یا آلہ کے استعمال کرنے والے کا آلہ سے، یا مکان میں رہنے والے کا مکان سے تعلق ہے۔ اس کی شرح سے ہم پہلو تہی دو وجوہوں سے کرتے ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ یہ علوم مکاشفہ سے متعلق ہے اور اس کتاب میں ہماری غرض علوم معاملہ سے ہے۔ دوسرے یہ ہے کہ اس کی تحقیق روح کے راز کے افشا کی مستعدی ہے۔ اور اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ نے کوئی کلام نہیں فرمایا ہے۔ تو دوسرے کے لیے بھی روانہ نہیں کہ وہ اس پر کلام کرے۔ مقصد یہ ہے کہ جب ہم اس کتاب میں قلب کے لفظ کا استعمال کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہی لطیفہ ہے اور ہماری غرض اس کے اوصاف و احوال کو ذکر نا ہے نہ کہ اس کی حقیقت کا بیان۔ کیوں کہ علم معاملہ کو اس کی صفات و احوال کی معرفت کی ضرورت ہے اور اس کی حقیقت کے بیان کی اس کو کوئی حاجت نہیں ہے۔“ اس کے بعد نفس، عقل اور روح کے بیان میں اسی لطیفہ کو ذکر کیا گیا ہے۔ لہذا امام غزالی کی نظر میں انسان کی حقیقت دراصل ایک ربانی اور روحانی لطیفہ ہے۔ اس کی صفات کو وہ اخلاق کہتے ہیں۔ اور یہی صفات و اخلاق انسان کی شخصیت کو تشکیل دیتے ہیں۔ چنانچہ اخلاق کی تعریف کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ: ”خلق نفس میں موجود اس راسخ ہیئت کا نام ہے جس سے افعال بلا کسی فکر و سوچ کے سہولت اور آسانی کے ساتھ صادر ہوتے ہیں۔ اگر یہ ہیئت ایسی ہو جس سے وہ افعال صادر ہوں جو اوزار روئے عقل و شرع اچھے اور پسندیدہ ہیں تو اس ہیئت کا نام خلق حسن

(ایکھ اخلاق) رکھا جاتا ہے۔ اور اگر اس سے صادر ہونے والے افعال قبیح ہیں تو اس ہیئت کو خلق سئی (برے اخلاق) کہا جائے گا۔ اور اس کو ہم نے ہیئتِ راسخہ کہا ہے کیونکہ جو نذر و نیاز میں کسی عارضی حاجت و ضرورت کی وجہ سے مال خرچ کرتا ہے تو اس کے بارے میں یہ نہیں کہا جائے گا کہ سخاوت اس کا خلق ہے۔ جب تک کہ یہ اس کے نفس میں پوری طرح سے راسخ نہ ہو جائے۔ اور ہم نے بغیر غور و فکر کے سہولت کے ساتھ افعال کے صادر ہونے کی شرط اس لیے لگائی ہے کیوں کہ جو مال خرچ کرنے میں یا غصے کی حالت میں خاموش رہنے کے لیے تکلف کرتا ہے تو سخاوت و بردباری کو اس کے اخلاق میں شمار نہیں کیا جائے۔“ اس لیے انسانی شخصیت میں توازن اور اعتدال کے لیے نفس کو ایک راسخ اور مستقل ہیئت پر لانے کی ضرورت ہے۔

تاہم انسان کو بتانے کے لیے کبھی روح، کبھی عقل، کبھی قلب اور کبھی نفس کی اصطلاح بولی جاتی ہے۔ اس لیے انسانی شخصیت کی تعمیر و تہذیب میں ان لطائف پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ والرضوان اپنی کتاب ”الطاف القدس فی معرفۃ لطائف النفس“ میں روح کے بیان کے بعد لکھتے ہیں کہ نقل سے ثابت ہے کہ ”لطیفۃ انسانیہ کی تین شاخیں ہیں: قلب، نفس، اور عقل۔ حدیث میں حضرت خاتم النبیین ﷺ سے روایت ہے۔ آپ نے فرمایا: بلاشبہ انسان کے جسم میں ایک لوٹھڑا ہے۔ اگر وہ صحیح ہوتا ہے تو سارا جسم درست رہتا ہے اور اگر اس میں خرابی پیدا ہو جاتی ہے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے اور وہ لوٹھڑا قلب ہے۔“ ایک دوسری روایت میں ہے: ”دل کی مثال اس پر کی طرح ہے جو بیابان میں پڑا ہو۔ اور اسے ہوائیں ایک سے دوسری طرف الٹی پلٹی رہیں۔“ ایک اور حدیث میں وارد ہے کہ: ”نفس ارادہ و خواہش کرتا ہے۔ لیکن کبھی اس کی پیروی کی جاتی ہے اور کبھی نہیں کی جاتی ہے۔ اسی طرح ایک روایت میں ہے: ”آدمی کا دین اس کی عقل ہے۔ جسے عقل نہیں اس کا دین نہیں۔“ شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں کہ ان الفاظ کے استعمال کے مواقع پر نظر ڈالنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اتباعِ خواہشات اور تقاضائے لذات کی نسبت نفس کی طرف کی گئی ہے۔ اور کس کام کا عزم، ارادہ، محبت، عداوت، بہادری اور بزدلی

اور اس قسم کی دوسری صفات دل کے اوصاف ہیں۔ اور فہم و معرفت اور جن چیزوں پر یقین کرنا چاہئے ان پر یقین و اعتماد عقل کے کام ہیں۔ حکماء نے نفسِ ناطقہ کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔ قوی بہیمہ، قوی حیوانیہ اور قوی ادراکیہ۔ قسم اول کا مقام جگر ہے، دوسری قسم کا دل اور تیسری قسم کا دماغ۔ دراصل نفس کا اصلی کام اقتضائے خواہشات اور اتباعِ لذات ہے۔ اسی طرح جسم کی ساخت کو قائم رکھنا اور اس کے لیے جو چیزیں ضروری ہیں انہیں فراہم کرنا، اور ان چیزوں کا دفع کرنا جنہیں دور کرنا بدن کا طبعی تقاضا ہے۔ بھوک پیاس، بول و براز کی ضرورت، کسل و الم، نیند اور غلبہ شہوت سب نفس کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ اور یہ مقدار ضروریاتِ زندگی میں سے ہے۔ البتہ سخت ریاضتوں اور مجاہدوں سے اس کی فطرت بدل کر اس کو اس کی مزاج سے نکال لیتے ہیں۔ اور قلب کا کام غصہ و ندامت، خوف و جرأت، فیاضی و بخل اور محبت و عداوت ہے۔ یہ شخص بخوبی جانتا ہے کہ کسی چیز سے ناپسندیدگی کس طرح پیدا ہوتی ہے، اور اسے اپنے آپ سے دفع کرنے میں اس کا دل پر جوش ہوتا ہے، روح باہر کی طرف متوجہ ہوتی ہے، اور آدمی کی رگیں کیوں کر پھول جاتی ہیں۔ اس طرح ڈر کی حالت میں انسان کا دل لرزتا ہے۔ روح اندرون بدن چلی جاتی ہے۔ چہرے کا رنگ زرد پڑ جاتا ہے۔ اور خلق خشک ہو جاتا ہے اسی طرح دل کی دوسری صفات ہیں۔ اور عقل کا کام گزشتہ باتوں کو یاد رکھنا اور آئندہ امور کے متعلق سوچنا ہے۔ ہر شخص بذاتِ خود ان باتوں کا تجربہ حاصل کر لیتا ہے۔ “اس طرح سے شاہ ولی اللہ نے روح کے علاوہ نفس، قلب اور عقل لطیفۃ انسانیہ کی شاخوں کے ضمن میں بیان کیا ہے۔ لہذا یہ معلوم ہوا کہ انسان صرف حیاتیاتی یا کیمیائی عمل کی پیداوار نہیں بلکہ وہ جسم و روح کا مجموعہ ہے۔ اس میں نفس، قلب اور عقل جیسے لطائف بھی موجود ہیں۔ ان کے باہمی تعامل سے وہ صفات اور اخلاق پیدا ہوتے ہیں جو انسانی شخصیت کی تشکیل میں بہت ہی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

شاہ ولی اللہ نے اخلاق و صفات کے ظہور کے حوالے سے لکھا ہے کہ ”لطیفۃ انسانیہ کی یہ تینوں شاخیں ایک حیثیت سے ایک دوسرے سے جدا اور دوسری حیثیت سے متحد ہیں۔ ان کے بتائیں کی وجہ یہ ہے کہ نفسِ ناطقہ نے نعمۃ ہوائیہ اور ارواحِ طبعیہ میں حلول کیا

ہوا ہے۔ یہ ان کا مقوم و معتمد ہے۔ اور یہ ارواح مختلف مقامات اور متعدد مزاجوں کی حامل ہیں۔ ایک شخص کی طبعی قوت بہت طاقتور اور مضبوط ہوتی ہے۔ وہ کھانا بھی اچھی طرح ہضم کر لیتا ہے۔ اس کی اخذ و بطش اور جماع کی قوت بھی بہت مضبوط ہوتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود قلبی صفات اور عقلی ادراکات کے اعتبار سے وہ انتہا درجے کا کند ذہن، احمق اور بے وقوف ہوتا ہے۔ غصہ و جرأت یا خوف و خجالت اس میں بہت دیر سے ظہور پذیر ہوتے ہیں اور بہت جلدی ختم ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح گزشتہ باتوں کی یادداشت، مستقبل کے بارے میں غور و فکر، مفید چیزوں کے فائدے اور مضر باتوں کے ضرر و نقصان کی پہچان کے سلسلے میں وہ بالکل ناکارہ ہوتا ہے۔ ایک دوسرا شخص جرأت و غیرت، سخاوت و وقار جیسے صفات سے متصف بلکہ ان صفات میں اپنے اقران و امثال سے بھی بلند ہوگا۔ مگر طبعی اور عقلی قوتوں کے اعتبار سے دوسروں کے عشر عشر بھی نہیں ہوگا۔ ایک اور شخص یادداشت، انتظامی امور اور اس قسم کی دوسری باتوں میں اپنے ہمسروں سے کہیں زیادہ فائق ہوگا۔ مگر قوی طبعیہ اور عقلیہ سے بے بہرہ ہوگا۔ اگر لوگوں کے حالات پھر ان کے بعض پہلوؤں کی قوت اور بعض قوتوں کے ضعف کا جائزہ لیا جائے، اسی طرح ان کے مقامات کے اختلاف اور ان میں سے ہر ایک میں خلل پیدا ہونے سے جب کہ ان میں اخلاط ردیہ کا غلبہ ہو اس پر غور کیا جائے، تو لازمی طور پر یہ بات ماننا پڑتی ہے کہ یہ شعبے باہم مختلف اور ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ اور ان میں اتحاد کی وجہ یہ ہے کہ نفس ناطقہ جو ان شعبوں کا مقوم ہے وہ ایک ہے اور اس کے اصل مزاج میں کوئی فرق نہیں۔ یہ تینوں فوارے ایک ہی منبع سے فیضیاب اور یہ نہریں ایک ہی دریا سے سیراب ہو رہی ہیں۔ اس کے باوجود ان میں سے ہر ایک اپنے دائرہ کار میں دوسرے کا محتاج ہے۔ اگر نفس قلب کی موافقت نہ کرے تو رگیں پھولیں گی اور نہ ارواح کا ظہور و غلبہ ہوگا۔ اور اسی طرح جب تک عقل دل پر خطرے کی گھنٹی نہ بجائے نفرت اور جذبہ انتقام کا ظہور کیوں کر ہوگا۔ اس طرح سے ان میں باہم بتابین بھی ہے اور اتحاد بھی۔ عروق ماساریکا (وہ باریک رگیں جو آنتوں سے رطوبت جذب کر کے جگر تک پہنچاتی ہیں) ان میں پھیلی ہوئی ہے۔ ان کی ذریعے سے بھی ان کا تعلق قائم ہے اور ان میں سے ہر ایک اپنا حکم

دوسرے پر القا کرتا ہے۔ اور اپنا وسوسہ ڈالتا ہے۔ چنانچہ یہاں سے بہت سارے اخلاق اور ملکات پیدا ہوتے ہیں۔“

اس کی تفصیل شاہ ولی اللہ نے اس طرح سے پیش کی ہے: ”قلب و عقل کے نفس کے تابع ہو جانے کی وجہ سے کئی قسم کے برے اخلاق پیدا ہوتے ہیں۔ اجمالی طور سے اسے نفس بہیمیہ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ مثلاً جماع سے لذت حاصل کرنا یا نظروں سے لطف اندوزی۔ ایسے امور قلب کو اپنا تابع بنا لیتے ہیں۔ اور ان امور کی محبت پورے طور پر دل میں جاگزیں ہو جاتی ہے۔ پھر عقل کو صورت محبوب کے تصور، اس کی یاد اور اس کے وصال کی طریقوں پر غور و فکر کا حکم کرتا ہے۔ انہی چیزوں کے مجموعے کا نام عشق ہے۔ اسی طرح کھانے پینے کی لذتیں عقلی اور قلبی قوتوں کو اپنا تابع بنا لیتی ہیں۔ اور نفس و عقل کے قلب کے تابع ہو جانے سے کئی طرح کے رذائل پیدا ہوتے ہیں۔ اسے نفس سبعیہ کہا جاتا ہے۔ جوش غضب کے علاوہ نفس سبعیہ میں اور بہت سی چیزیں آتی ہیں۔ مثلاً دل کہ جس کی روح کا قوام گاڑھا ہے تاریک نہیں، اپنے ہمسروں پر غلبہ حاصل کرنے کو شش کرتا ہے اور یہ ایک ایسی صفت ہے جو دل میں ودیعت کی گئی ہے۔ اور نفس اس کا معاون بن جاتا ہے۔ عقل بھی اس کی مدد کرتی ہے۔ اس کے لیے باریک تدبیریں اور لمبے چوڑے منصوبے سوچتی ہے۔ اور اگر قلب و نفس پوری طرح سے عقل کے مطیع و فرمانبردار ہو جائیں تو صفات پسندیدہ ظاہر ہوتی ہیں اور یہ نفس مطمئنہ کہلاتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص عقل سے یہ بات سمجھ لے کہ نیک کاموں میں اس کی سعادت ہے اور بد اعمالی میں بدبختی اور شقاوت ہے تو نفس اس کے حکم سے سرتابی کرے گا اور نہ ہی اس کی مخالفت پر کمر بستہ ہوگا۔ بلکہ دل بھی محبت اور شوق سے اس چیز کے حصول کی کوشش کرے گا۔ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ ایک آدمی جو بہت عقل مند اور ذہین ہے کوئی مصلحت سوچتا ہے مگر بعض اسباب و عوارض کی وجہ سے اس کے دل میں اس کام سے نفرت و کراہت پیدا ہوگئی۔ ایک عجیب لذت اس کے ہاتھ سے نکل رہی ہے۔ تاہم قلب و نفس اس کی نافرمانی نہیں کرتے۔ مضبوط دل والے آدمی کو جب غصہ یا غیرت آتی ہے یا اس میں غم اور حیا کا ظہور ہوتا ہے تو نفس اپنے کام سے رک جاتا ہے۔ بھوک پیاس کا احساس ختم

ہو جاتا ہے۔ طعام کو ہضم کرنے اور فضلات کو خارج کرنے کی طاقت باقی نہیں رہتی۔ عقل اسے ہر چند ڈانٹ ڈپٹ کرتی ہے کہ غم و غصہ نہیں کرنا چاہیے کیوں کہ اس میں نقصان ہے کوئی فائدہ نہیں، اس کے باوجود قلب کے حکم سے اسے سرتابی میسر نہیں ہوتی۔ اور قوی النفس شخص جو عورت سے وصال یا لذیذ طعام میں محو ہے، اگرچہ اس فعل پر لوگوں کے مواخذے کا خوف بھی اس کے دل پر گزرتا ہے اور عقل اس کے سامنے گالی گلوچ اور مار پیٹ کی ساری متوقع صورتیں بھی پیش کرتی ہے تاہم اس کی مثال اس خر (گدھے) کی ہے جو اپنی ہم جنس کے اتصال یا گھاس چارے پر ٹوٹا پڑا ہے۔ اس وقت وہ مار پیٹ سے بے نیاز ہو کر اپنے کام میں مشغول ہوتا ہے۔ یہ ساری صورتیں عقل مند اور دانشمندی کو آگاہ کرتی ہیں کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کو مغلوب اور اس کی امداد و اعانت کرتا ہے۔ کبھی عقل اس فعل کی برائی معلوم کر لیتی ہے اور اس کے برے انجام سے باخبر ہو جاتی ہے۔ مگر اس کا حکم نافذ نہیں ہو سکتا اور کبھی عقل عروق ”ماسارینا“ کے راستے اس غالب ہونے والے نفس کے مناسب علوم کو جذب کرتی ہے اور وہ اسی چھٹکارے کو مصلحت اور تدبیر حقیقی سمجھتی ہے۔ اور اپنے پہلے یقین سے رجوع کر لیتی ہے۔ چنانچہ خطاء اجتہادی کی سی ایک کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اس برائی سے بہت مشکل سے نجات حاصل ہوتی ہے۔ اور کبھی دل معشوق کی محبت سے معمور ہوتا ہے لیکن مادہ منویہ مفقود ہوتا ہے یا دل غیرت اور انتقام کے جذبات میں سرگرم ہوتا ہے مگر جسمانی طاقت ساتھ نہیں دیتی، اور کبھی نفس اس کا معاون بن کر جسم کی گہرائیوں سے مادہ منویہ اور کثیف ریاہ آکے تناسل میں گراتا ہے اور اس میں ایک ایسی نئی طاقت پیدا کرتا ہے جو آرام کی حالت میں محسوس نہیں ہوتی۔“ اس تفصیل کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ نے لکھا ہے کہ الغرض یہ بات اچھی طرح جان لینی چاہئے کہ نفس کا شعبہ جگر میں اقامت پذیر ہے۔ قلب کا شعبہ اس گوشت کے لوتھڑے (دل) میں اور عقل کا شعبہ دماغ میں۔ اور نفس سبعی سارے جسم میں جاری و ساری ہے۔ البتہ جگر میں اس کے پاؤں زیادہ مضبوط ہیں۔ اسی طرح نفس سبعی سارے جسم میں ساری ہے۔ لیکن دل میں اس کا قدم زیادہ پختہ ہے۔ اور نفس مطمئنہ بھی سارے بدن میں نافذ ہے البتہ اس کا پختہ قدم

دماغ میں ہے۔“ اس طرح سے شاہ ولی اللہ نے اخلاق و ملکات کے بیان میں جو تفصیل پیش کی ہے اس کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ انسانی شخصیت کے خصائل اور رذائل جو اس کے توازن و اعتدال یا عدم توازن و بے اعتدالی کی علامات ہیں ان کا انحصار ان لطائف کے اعتدال اور بے اعتدالی پر ہے۔ اس لیے ایک متوازن اور معتدل شخصیت سازی کے عمل میں اس پر توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ نفس بہیمیہ پر نفس سبعیہ کو غلبہ حاصل ہو۔ اور پھر نفس سبعیہ پر نفس مطمئنہ کو غلبہ حاصل ہو۔ اس غلبہ اور تسلط کو امام غزالی علیہ الرحمہ نے بھی احیاء علوم الدین میں تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ طوالت کے خوف سے ہم اس کو یہاں پیش نہیں کرتے ہیں۔

شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ والرضوان کی رائے میں انسانی شخصیت کی بنیاد اعضاء و جوارح اور لطائف (روح، نفس، قلب اور عقل) کی باہمی ترکیب اور ان کے باہمی تعامل پر ہے۔ اس کو انہوں نے لطیفہ انسانیہ کا بھی نام دیا ہے۔ ان میں اتحاد اور بتابین کی وجہ سے بہت سی صفات ظاہر ہوتی ہیں ان کو اخلاق اور ملکات کہا جاتا ہے۔ اس لیے انسانی شخصیت کی تعمیر و تشکیل میں صرف اخلاط اور جسمانی (Physiological) پہلوؤں پر توجہ نہیں دینی چاہئے۔ بلکہ اس میں قلب اور عقل کے کردار اور ان کے اثرات (Psychological) کو دھیان میں رکھنے کی ضرورت ہے۔ کیوں کہ بہت سے افعال، افکار، اور میلانات و رجحانات، جو شخصیت کے توازن کو قائم رکھنے میں معاون ہوتے ہیں، ان کا ظہور قلب و عقل کے غلبہ کی وجہ سے ہوتا ہے۔ تاہم اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ انسانی شخصیت میں صرف مادی عنصر ہی کار فرما ہے۔ شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ والرضوان نے لطیفہ انسانیہ کے بیان میں روح پر بھی تفصیلی کلام کیا ہے۔ اس لیے انسانی شخصیت کو سمجھنے کے لیے صرف مادیت پسندانہ منہاج اور طریقہ تحقیق ہی کافی نہیں ہے بلکہ انسان کی شخصیت کے روحانی پہلوؤں کو بھی نظر میں رکھنا چاہئے۔ کیونکہ شاہ ولی اللہ نے کہا ہے کہ انسان کے اندر ایک قوت ناسوتیہ بہیمیہ ہوتی ہے مگر ایک دوسری قوت بھی ہے جس کا نام قوت ملکیہ ہے۔ اس لیے انسانی شخصیت کے مطالعہ میں صرف بہیمی اور حیوانی خصوصیات اور خصائل پر توجہ مرکوز نہ ہو بلکہ انسان کو دیگر جانوروں سے

الگ رکھا جائے اور ان کے اندر ودیعت رکھی گئی مختلف طبعی اور جبلی قوتوں اور صلاحیتوں کی بنیاد پر انسانی شخصیت کی تعمیر و تہذیب کو کوشش اور شخصیت میں فساد اور خلل کی حالت میں ان کو پیش نظر رکھ کر علاج کی راہیں متعین کی جائی۔ اس سلسلے میں انسانی فطرت اور جبلت کا ایک جامع تصور قائم کیا جائے۔ کسی ایک ہی پہلو پر مفروضات کی عمارت کھڑی نہ کی جائے ورنہ تضادات اور اختلافات جنم لیں گے۔ جس طرح سے ہم مغربی نفسیات میں انسان کے تصور اور شخصیت کے عناصر کے بارے میں متعدد ماہرین کے افکار و آراء میں دیکھتے ہیں۔ مسلم روایات میں انسانی شخصیت کے تصور کی جان کاری کے بعد اب ہم دیکھتے ہیں کہ شخصیت سازی میں مذہبی تعلیمات کے کردار کو علماء اور صوفیاء نے کس طرح سے بیان کیا ہے۔ اس سلسلے میں یہ وضاحت رہے کہ مذہبی تعلیمات کو ہم ایک وسیع تر مفہوم میں استعمال کرتے ہیں۔ ان میں عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاق سب شامل ہیں۔ ان کو شریعت اور احسان کے زیر عنوان بیان کیا جاتا ہے۔ اس کے لیے ”تزکیہ نفس“، تہذیب اخلاق“ کی معروف و مشہور اصطلاحات استعمال کی جاتی ہیں۔ ذیل میں ہم شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ و الرضوان کی کتاب سے شخصیت سازی (تزکیہ نفس) میں مذہبی تعلیمات کی اہمیت و افادیت اور طریقہ ہائے کار کو اختصار میں پیش کرتے ہیں۔

شخصیت سازی میں مذہبی تعلیمات کا کردار:

نفس کے ان اخلاق و ملکات کے بارے میں شاہ ولی اللہ کا یہ کہنا ہے کہ یہ اخلاق و خصائل جبلی ہوتے ہیں اور ان کا زائل کرنا ناممکن ہے۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ شدید ریاضتوں سے یہ پردہ خفا میں چلے جائیں اور پھر بقا کے وقت ظاہر ہو جائیں۔ ہاں ان کی تہذیب و تربیت کی صورت یہ ہے کہ ان کے مصرف میں وہ استعمال کئے جائیں۔ صرف ضروری مقدار پر اکتفا کرتے ہوئے زائد سے احتراز کیا جائے یا ایسی ہی دوسری تدابیر اختیار کی جائیں۔ چونکہ لوگ تینوں شعبوں اور نفوس مذکورہ میں مختلف ہیں اس لیے تہذیب کے شعبے بھی مختلف ہوں گے۔ نیز یہ بھی معلوم رہے کہ بسا اوقات ان تینوں طبقوں کے شعبے اور ان کی تہذیب کے مراتب ایک دوسرے سے متمیز ہوں گے۔ ہر ایک کی علاحدہ صورت ہوگی

اور اس کا ڈھانچہ بھی الگ ہوگا۔ شاہ ولی اللہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان میں دو قوتیں پیدا فرمائی ہیں ایک قوت ناسوتیہ ارضیہ، اسے ہم قوت بہیمیہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اسی قوت کی وجہ سے انسان جانوروں اور درندوں کی برابری کرتا ہے اور ان کے دائرے میں داخل ہوتا ہے۔ اور دوسری قوت ملکیت ہے جس کی وجہ سے انسان فرشتوں کی برابری کرتا ہے اور ان کے زمرے میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور تہذیب نفس سے مراد یہ ہے کہ قوت ملکیت کے ذریعے قوت ناسوتیہ میں تصرف کیا جائے، قوت ملکیت کے احکام ظاہر ہوں اور قوت بہیمیہ کے آثار کم ہو جائیں یا پردہ خفا میں چلے جائیں۔ اور یہ مسئلہ حکمت خلقی سے نہیں بلکہ تہذیب شرع سے تعلق رکھتا ہے۔ البتہ حکمت خلقی سے قریب تر ہے۔

شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ و الرضوان کی تحریر کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ انسانی شخصیت سازی کا انحصار ان لطائف (روح، نفس، قلب اور عقل) کی تہذیب پر ہے۔ ان لطائف کی تہذیب و تربیت کا پہلا مرتبہ ان کے خیال میں طبیعت سے شریعت کی طرف خروج ہے۔ شریعت کی حقیقت کی وضاحت کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں: ”یاد رکھو کہ لوگ نفس امارہ کے اسیر تھے۔ شیطان پوری طرح ان پر غالب ہو چکا تھا۔ اور یہ اس مقام پر پہنچ گئے تھے کہ اگر اسی حالت میں مرجائیں تو سارے کے سارے عذاب قبر اور یوم حساب کی سزاؤں میں مبتلا ہو جائیں اور چند لوگوں کے سوا ان میں سے کوئی بھی نجات حاصل نہ کر سکے۔ چنانچہ زمین و آسمانوں کے منتظم حقیقی نے اس مشیت خاک پر اپنی رحمت کاملہ کا نزول فرمایا اور اس کے لیے تدبیر کلی کا ایک حصہ عنایت کیا۔ اور بعض حالات میں تدبیر کلی تدبیر جزئی تک پہنچاتی ہے۔ چنانچہ اس نے انسانوں میں سے ایک ہستی کو منتخب فرما کر اس کے دل میں ان اشیاء کے علوم کا فیضان کیا جن سے اس عمومی بیماری کا علاج ہو سکتا ہے۔ اور چاروں اچار سے اس بات پر تیار کیا کہ وہ یہ علم لوگوں کو سکھلا دے چاہے وہ اسے پسند کرے یا نہ کریں۔ اور لوگوں کو اس کا پابند بنائے۔ اس بیماری کے لیے جو علاج تجویز ہوا اسے شریعت کہتے ہیں۔ اس علاج میں توجہ اس نوع کی صورت نوعیہ اور اس کے کلی خواص (عوام انسان) کی طرف ہوتی ہے۔ کسی ایک فرد کی خاص استعداد کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔ اور اس علاج سے بنیادی مقصد

یہ ہے کہ انسانیت دنیا میں ظلم اور آخرت میں قبر و حشر کے عذاب سے بچ جائے۔ واضح رہے کہ اس سے لطیفہ فنا و بقا کا وصال یا بقائے مطلق اور تمکین کا حصول ہرگز مقصود نہیں ہے۔“ اس طرح سے شاہ ولی اللہ شخصیت سازی کے لیے انسانی کوششوں اور افکار کی بجائے الہی ہدایت اور ربانی عنایت کو اہمیت دیتے ہیں۔ تعمیر شخصیت کے لیے انسان جو بھی طریقہ کار کو اپنائے گا وہ نوع انسانی کے افراد کے ذہنی، جسمانی اور معاشرتی و ماحولیاتی اختلافات کا احاطہ نہیں کر سکتا ہے اور نہ ہی انسان اپنے مخصوص تجربات کی روشنی میں انسانی شخصیت پر طبعیاتی اور مابعد الطبعیاتی اثرات و عوامل پر توجہ مرکوز کر پائے گا۔ اس لیے کہ ہم جو بھی تصورات اور نظریات اختیار کرتے ہیں وہ ہمارے اپنے نفس اور گرد و پیش کے ماحول سے متاثر ہوتے ہیں۔ اس لیے انسان کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے اگر خالق انسان کی ہدایت و رہنمائی اور تدبیر کو ہم اپنے علم و استدلال کی بنیاد بنائیں گے تو اس میں کامیابی ملے گی۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ والرضوان لکھتے ہیں: ”خلاصہ کلام یہ ہے کہ انسان کے اندر دو قوتیں ودیعت کی گئی ہیں۔ قوت ملکیت اور قوت بہیمیہ۔ پھر ہر ایک علیحدہ علیحدہ خواص ہیں جو اس کی امداد کرتے ہیں۔ اس لیے مناسب ہے کہ انسان خواص ملکیت اختیار کرے تاکہ یہ قوت ملکیت قوی تر ہو جائے اور قوت بہیمیہ قوت ملکیت کے تابع اور اس کے رنگ میں رنگ جائے۔ نہ یہ کہ قوت بہیمیہ اپنی طبیعت اور مزاج سے ہی نکل آئے یا قوت بہیمیہ قوت ملکیت میں بدل کر قلب حقیقت اختیار کر لے۔ پس اللہ تعالیٰ نے چار خصلتوں کے بارے میں خاص طور پر آگاہ فرما کر ان کی حفاظت کا حکم دیا ہے۔ اور ان کی مخالف خصلتوں سے منع فرمایا ہے۔ اگر تم غور سے دیکھو تو ہر کی تمام تفصیلات ان چار خصلتوں کے اضداد پر مشتمل ہیں۔ یہ چار وہ خصلتیں ہیں کہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام ان کی دعوت دیتے اور انہیں اختیار کرنے کا حکم دیتے رہے ہیں۔ نہ یہ منسوخ ہو سکتی ہیں۔ اور نہ ان میں کسی قسم کے تغیر و تبدل کی گنجائش ہے۔ شارع کا اختلاف ان کی ظاہری صورت میں ہے۔ ان کی حقیقت اور اصلیت میں کوئی اختلاف نہیں۔ ان چار خصلتوں میں سے پہلی طہارت ہے۔ اس کے ذریعے سے انسان فرشتوں سے مناسبت پیدا کرتا ہے۔ دوسری خصلت عاجزی ہے اس کے سبب سے انسان

ملاً اعلیٰ کے ساتھ مشابہت حاصل کرتا ہے۔ تیسری خصلت سخاوت ہے۔ اس کے ذریعے انسان ان خسیس بشری صفات، (جو انسان کو درندگی اور خواہشات نفس کی بنا پر دامن گیر ہوتے ہیں)، سے اپنی جان چھڑاتا ہے۔ اور پاکیزگی و صفائی کی نعمت حاصل کرتا ہے۔ چوتھی خصلت عدالت ہے۔ اور اس کے ذریعے انسان ملاً اعلیٰ کی رضامندی، ان کی موافقت اور ان کی شفقت و رحمت حاصل کرتا ہے۔“

شخصیت سازی: ظاہر شریعت اور احسان:

شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ والرضوان نے شخصیت سازی میں مذہبی تعلیمات کے کردار کی اہمیت کو شریعت کی روشنی میں بتایا ہے۔ تاہم وہ اس سلسلے میں ظاہر شریعت اور باطن شریعت (احسان) کی اصطلاحات کو استعمال کرتے ہیں۔ ان کی تحریریں معلوم ہوتا ہے کہ شخصیت میں فساد اور بگاڑ کی بنیادی وجہ فسق اور نفاق ہیں۔ ان دونوں کا علاج میں شریعت میں ہے۔ تاہم ظاہر شریعت میں جو علاج بتایا گیا ہے اس کا مقصد دنیا میں ظلم کا خاتمہ اور آخرت میں عذاب و سزا سے نجات ہے۔ اور باطن شریعت میں جو علاج بتایا جاتا ہے اس پر عمل کرنے سے انسان فسق و نفاق سے محفوظ رہتا ہے اور اس کو روحانی مقامات اور احوال بھی حاصل ہوتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں: ”شریعت کی تدبیر دو طرح سے انسانیت کی فلاح کے لیے کارفرما ہے۔ ایک یہ کہ اچھے اعمال کے اکتساب اور برے اعمال (جنہیں کبائر کہا جاتا ہے) کے ترک سے انسان کی اصلاح اور ملت حقہ کے شعائر کا قائم کرنا۔ مگر یہ تینوں باتیں وقت اور حد کی پابندی ہیں۔ اور تمام مکلفین کے لیے ان کی پابندی لازمی قرار دی گئی ہے۔ یہی ظاہر شرع ہے۔ جسے اسلام بھی کہا جاتا ہے۔ دوسرے ان چار خصلتوں کے ذریعے نفوس کی تہذیب، برّ کی مثالی صورتوں سے ان کے حقیقی انوار تک رسائی اور گناہ کی ظاہری صورتوں کے ساتھ ساتھ ان کی معنوی صورتوں سے پرہیز یا وہ دوسری خرابیاں کہ جن کی نہی وارد ہوئی ہے ان سب کے ترک کا نام باطن شرع ہے۔ اور اسی کو احسان کہتے ہیں۔“ شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ والرضوان نے یہ بھی کہا ہے کہ شخصیت سازی کے عمل میں نوع انسانی کے افراد تہذیب، تزکیہ اور تربیت کے اثرات کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں۔ ”اور جب

شریعت نے ان تدابیر کے ذریعے لوگوں کی تربیت کی اور چاروں چار انہیں اس پر آمادہ کیا کہ تو یہ سمجھنا چاہئے کہ لوگ ان اثرات کو قبول کرنے کے سلسلے میں فطری اور کسی طور پر مختلف واقع ہوئے ہیں۔ یہ تین قسم کے افراد ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید کی اس آیت میں اس طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ”ثم اورثنا الكتاب الذين اصطفينا من عبادنا. فمنهم ظالم لنفسه ومنهم مقتصد ومنهم سابق بالخيرات“ پھر یہ کتاب ہم نے ان لوگوں تک پہنچائی جن کو ہم نے تمام دنیا کے بندوں میں سے پسند فرمایا۔ پھر بعض تو ان میں سے اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض ان میں متوسط درجے کے ہیں۔ اور بعض ان میں خدا کی توفیق سے نیکوں سے ترقی کیے چلے جاتے ہیں۔ (فاطر: ۳۲)۔ شاہ ولی اللہ کے مطابق اس کی تفصیل یہ ہے جب قوت ملکیہ قوت بہیمیہ کے ساتھ متصادم ہوتی ہے تو وہ تین حالتوں سے باہر نہیں ہوتی۔ یا قوت بہیمیہ غالب ہوگی اور قوت ملکیہ اس کی مغلوب و مقہور، خاص اوقات کے علاوہ قوت ملکیہ کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی اپنی خاص صفات سے محفوظ ہوتی ہے۔ اس شخص پر اگر برے اعمال اور ضرر رساں افعال غالب ہوں گے تو اسے فاسق کہا جائے گا۔ اور اگر اس میں ملکات سیئہ اور اخلاق فاسدہ قوی ہوں تو وہ عملی منافق ہے۔ اور اگر قوت بہیمیہ اور قوت ملکیہ باہم متصادم ہوں اور قوت ملکیہ نے قوت بہیمیہ کا گلا مضبوطی سے دبا رکھا ہو لیکن ابھی تک قوت بہیمیہ کے ہاتھ پاؤں کھلے ہوں اور وہ اس سے نجات حاصل کرنے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہی ہے اور قوت ملکیہ اس کی پکڑ دھکڑ سے فارغ ہے اور نہ اس کے مقابلے سے دست کش ہوئی ہے تو ایسے شخص کو ”صاحب الیمین“ کہتے ہیں۔ اس صورت میں بعض بہیمی قوتوں کے باقی رہ جانے کا سبب ان دو باتوں میں سے ایک بات ہوگی۔ پہلی یہ کہ فطری طور پر قوت سبعیہ یا قوت عقلیہ کمزور واقع ہوئی ہے۔ اس کے باوجود وہ کثرت سے نیک عمل کرتا ہے۔ اس طرح ان نیک اعمال سے وہ نتیجہ اور فائدہ حاصل نہیں ہوتا جس کی ضرورت ہے۔ دوسری یہ کہ فطری طور پر تو یہ قوت صحیح پیدا ہوئی ہے لیکن اس نے نیک اعمال کی کثرت نہیں کی اور معاش وغیرہ میں کھو گیا ہے۔ اور اگر قوت ملکیہ مظفر و منصور ہو کر قوت بہیمیہ کو اسیر بنا ڈالے اور اسے زنجیروں میں جکڑ لے یا مسلسل قوتوں سے اس کی

خواہشات ختم کر دے تو ایسا شخص ”سابق“ اور ”مقرب“ کے القابات سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور اس شخص میں دو باتیں ضروری ہیں۔ سابق میں مذکور دونوں قوتیں اس میں صحیح طور پر پیدا کی گئی ہوں اور نیک اعمال کی بھی کثرت کرے تاکہ عقل عقائد حقہ کی تربیت اور شائستگی حاصل کر لے اور قوت عازمہ قلبیہ کو اپنی گرفت میں لے کر اپنا تابع بنالے، اور یہ قوت عازمہ جسے ہم سبعیہ کا نام دیتے ہیں۔ نفس کو ضبط میں رکھے تاکہ انسان ہر طرح قرب بارگاہ کے لائق ہو۔“

اس کے بعد شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ والرضوان نے ان تینوں اقسام کی علامات اور ان قاعدوں کی تفصیلات بتائیں جو ان تینوں شعبوں کی تہذیب سے تعلق رکھتی ہیں۔ یہ بھی واضح رہے کہ شاہ ولی اللہ نے یہاں تہذیب کا معنی اصلاح بتایا ہے۔ تہذیب کا معنی جبلت کی تبدیلی نہیں ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ”زیر بحث لطیفہ جوارح ہے۔ اس لطیفہ کی تحقیق یہ ہے کہ قلب، نفس اور عقل اس حیثیت سے کہ جوارح کا قیام ان سے وابستہ ہے اور افعال جوارح کی تکمیل کا آلہ اور جوارح میں فنا ہیں، لطیفہ جوارح کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اعمال شریعت کا مواخذہ بھی اسی لطیفہ پر ہوتا ہے اور شریعت کے اندر بحث بھی اسی لطیفہ سے ہوتی ہے۔“ شاہ ولی اللہ کی تحریر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شریعت کی اتباع اور پیروی کو شخصیت سازی کے لیے بہت ہی اہم مانتے ہیں۔ شریعت کے قوانین اور ہدایات دراصل ان لطائف میں اعتدال و توازن قائم رکھنے میں مفید و معاون ثابت ہوتے ہیں۔ شریعت کی اتباع سے انسان نفس بہیمی (نفس) کے صرف جائز اور ضروری مطالبات اور مقتضیات کی تکمیل کرتا ہے۔ جس کے لیے اس کی طبیعت و فطرت میں تبدیلی کی ضرورت نہیں پڑتی بلکہ اس کو صحیح مصرف میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اسی طرح سے نفس سبعی (قلب) اور نفس مطمئنہ (عقل) کو بھی شریعت کے احکامات کی روشنی میں اعتدال پر رکھنے میں مدد ملتی ہے۔ شاہ ولی اللہ شخصیت سازی کے لیے ایمان و عمل کے کلیدی کردار کی اہمیت واضح کرتے ہیں اور فسق و نفاق کو شخصیت میں خلل اور فساد کی وجہ قرار دیتے ہیں۔ اور پھر اس کی وضاحت کرتے ہیں کہ شریعت نے فسق و نفاق کے علاج کے کن طریقہ ہائے کار کہ رہنمائی کی ہے۔ ”الغرض شریعت میں فاسق کا علاج خارجی طور مقرر کیا گیا ہے۔ ہر طرف سے اس کا گھیراؤ کیا گیا ہے

تاکہ وہ مجبوراً اس برے کام سے باز رہے۔ مثلاً پہلے پہل عورتوں اور مردوں میں پردے کا حکم دیا گیا، اگر اس کی پابندی کی جائے تو کسی قسم کی برائی پیدا نہیں ہوگی۔ اس کے بعد اسباب بدکاری مثلاً حسن نساء کے نظارے اور مردوں اور عورتوں کے باہمی اختلاط کو قابل سزا جرم قرار دیا گیا، پھر بدکاری پر ایک مقررہ سزا قائم کی گئی۔ اسی طرح شراب بنانے اور بیچنے پر پابندی عائد کی گئی، پھر شراب پینے والے پر حد مقرر کی گئی، اسی طرح دوسری باتیں سمجھ لیجئے۔ اصولی طور پر منافق کی تین قسمیں ہیں۔ پہلا وہ ہے کہ جس پر قوت طبعیہ اور نفس شہوانیہ نے غلبہ حاصل کر لیا ہے۔ قلب و عقل اس کے تابع اور نفس سبعیہ اور نفس دراکہ بھی اس کے مدد و معاون بن گئے ہوں۔ اس شخص کی کیفیت یہ ہے کہ یہ شریعت اور عقل کی اجازت اور منشاء کے خلاف جہاں چاہے گا جائے گا۔ اور جو اس کے جی میں آئے گا وہ کر گزرے گا۔ مثلاً یہ شخص اپنی محبوبہ سے چٹ جائے گا۔ چاہے عقل و شرع اسے روک رہے ہوں۔ اور رواج و سماج میں یہ بات باعث ننگ و عار ہو۔ یہ اپنے کام میں مصروف رہے گا۔ اور کبھی یہ شخص شریعت کی کسی رخصت کو آڑ بنا کر لوگوں کی گرفت سے چھٹکارا حاصل کرتا ہے۔ اپنے طور پر بھی اپنے اس فعل کے جواز کے لیے کوئی نہ کوئی عذر تلاش کر لیتا ہے۔ پھر اس عذر کے ذریعے شریعت کے تقاضے کو جو خود دل میں اس کے کمزور ایمان کے برابر ضعیف ہے، ٹالتا رہتا ہے۔ ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں ”دھوکہ باز“ فرمایا ہے۔ ”یخادعون اللہ و هو خادعہم۔“ چال بازی کرتے ہیں اللہ سے حالانکہ اس چال کی سزا ان کو دینے والا ہے۔ (النساء: ۱۲۲) اور ان کے سینے ننگ کرنے کے بارے فرمایا۔ ”الا انہم یثنون صدورہم“ (وہ لوگ دوہرا کیے دیتے ہیں اپنے سینوں کو۔ النساء: ۵)۔ دوسری قسم منافق وہ ہے کہ جس کی قوت سبعیہ حد سے متجاوز اور نفس و عقل اس کے تابع ہوتے ہیں۔ ایسا شخص ہمیشہ اپنے اقران و امثال پر غلبہ حاصل کرنے کی دھن میں رہتا ہے اور مخالفت کرنے والوں سے انتقام لینے پر آمادہ رہتا ہے۔ یہ شخص مدتوں اپنے دل میں کینہ رکھتا ہے اور مسلسل قتل کرنے، مار پیٹ، یا مال و اسباب چھیننے یا اپنے دشمنوں کی توہین و تذلیل کی فکر میں لگا رہتا ہے۔ جو اس کا مطیع ہو اسے سراہتا ہے اور جو اس کا ہمسرہ ہو اسے پاؤں تلے روندنا چاہتا

ہے۔ معمولی معمولی باتوں پر بھڑک اٹھتا ہے۔ طلب عزت اور اس راہ میں اپنے مشرب سے ہٹ جانے میں نفس اس کا موافق اور عقل اس کی معاون ہوتی ہے۔ اپنے غصے کے نکالنے میں وہ ہر تکلیف گوارا کر لیتا ہے۔ اور کینہ اور انتقام لینے کے سلسلے میں اس کے سامنے ہر منصوبہ اور پروگرام ہر وقت تیار رہتا ہے۔ یا ایسا شخص کسی قوم کی دوستی یا کسی خاص رسم و رواج کا اسیر ہے اور اس سلسلے میں وہ اپنی تمام تر کوششیں صرف کرتا ہے۔ اور عقل و شریعت کی پابندی و روکاؤ کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ اور کہتا ہے کہ دوستوں سے وفاداری میرا دین اور اپنی وضع کی پابندی میرا آئین ہے۔ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو ہر روز نئے دوست بناتے اور ہر روز نئی وضع اختیار کرتے ہیں۔ تیسری قسم کا منافق وہ ہے جس کی قوت دراکہ منتشر ہوگئی ہو۔ ایسا شخص یا تو صحیح المزاج عقل کا مالک ہوگا مگر تجسیم (جسمانیت باری)، تشبیہ (مثال باری)، شرک اور تعطیل (ذات باری کو معطل سمجھنا)۔ ایسے شبہات میں حیران و در ماندہ ہوگا۔ یا پھر قرآن مجید، رسول کریم ﷺ قیامت اور جزا و سزا کے بارے میں شکوک و شبہات میں مبتلا ہوگا۔ اگرچہ ابھی تک وہ دائرہ اسلام سے خارج نہ ہوا ہو۔ یا اس کی قوت دراکہ پر بے فائدہ اور ظلمانی افکار غالب آگئے ہوں، جن کی بنا پر اس کے دل میں کوئی یقین بیٹھتا ہے اور نہ وہ کسی عزم اور ارادے کی تکمیل کر سکتا ہے۔ اگرچہ ابھی تک اس کا دوسرا پہلو پختہ اور راسخ نہیں ہوا۔ یا وہ شعر و شاعری اور علوم ریاضی وغیرہ میں اس قدر منہمک ہو گیا ہے کہ شریعت میں غور و فکر کے لیے اس کی عقل میں گنجائش اور وسعت ہی نہیں ہے۔ الغرض اصولی طور پر منافقین کی تین قسمیں ہیں البتہ قلت و کثرت اور ایک جہت و کام کا ایک قسم سے ہونا اور دوسری جہت و کام سے دوسری قسم میں اس کی شمولیت کے اعتبار سے ان کی کئی اقسام بن جاتی ہیں۔ جن کا شمار عقل کی طاقت سے باہر ہے۔ اور شارع نے منافقین کے لیے جو علاج مقرر کیے ہیں وہ یہ ہیں۔ نفس شہوانیہ پر نفس سبعیہ کو غالب کیا جائے اور جو اعمال اس کے مؤید ہوں اس عمل میں انہیں ساتھ شامل کیا جائے۔ پس اس کے لیے لازمی ہے کہ معبود برحق کا اثبات کرے اسے رسولوں کا مُرسِل، کتابوں کا مُنزِل، حلال کو حلال اور حرام کو حرام کرنے والا، لوگوں کو ان کے اعمال پر جزا دینے والا اور ہر ظاہر و مخفی چیز کا جاننے والا سمجھے،

اسے اللہ تعالیٰ نے تذکیر بآلاء اللہ، تذکیر بایام اللہ اور موت اور اس کے بعد کے واقعات سے مضبوط و مستحکم کیا ہے۔ اور اس اعتقاد سے نماز، روزہ وغیرہ ایسے جو بھی اعمال صادر ہوں گے، اسے ان کے ساتھ مربوط کر دیا ہے۔ تاکہ جس وقت عقل کو ان امور پر یقین حاصل ہو جائے تو نفس سبعیہ اصلاح پذیر ہو جائے گی۔ اسے ثواب کی امید اور عذاب سے خوف پیدا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے شعائر سے محبت ہوگی۔ فطری طور پر نفس میں جو زور اور جوش ہے وہ اسی امید و خوف اور محبت الہی میں صرف ہوگا۔ اس طرح قوت بہیمیہ مغلوب ہو کر اپنے افعال سے باز رہے گی۔ اللہ تعالیٰ نے عقل پر خصوصی مہربانی فرمائی ہے کہ اس کے ساتھ اس کی فطرت اور جبلت کے مطابق خطاب فرمایا ہے۔ اور اپنی صفات کے سمجھنے میں اس کی باگ ڈھیلی کر دی ہے اور اس کے شکوک و شبہات رفع کر دیئے ہیں۔ نیز اس نے اپنے لطف و عنایات سے عقل کو سبعیہ پر اس طرح غلبہ عطا فرمایا کہ اس کے ساتھ سبعیہ جبلت کے مطابق معاملہ کیا۔ بایں طور کی اس نے امید و ثواب، خوف عذاب اور محبت منعم کی راہ دکھائی۔ صفات سبعیہ میں سے صرف انہی صفات کو منتخب فرما کر انہیں آخرت کے بارے میں صرف کیا۔ پھر اس نے کمال مہربانی سے قوت سبعیہ کو قوت بہیمیہ پر مسلط کر دیا۔ اور قوت بہیمیہ کے پسندیدہ امور آخرت کے حوالے کر دیے۔

شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ والرضوان نے حاصل کلام یہ کہ علاج فطرت سلیمہ کے ساتھ مشابہت پیدا کرنا ہے۔ یہاں وہ مثال صادق آتی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ صنعت طبیعت کی اقتداء کا نام ہے۔ لہذا جسمانی طب طبیعت بدن کی اقتداء اور روحانی طب قوی اور سلیم نفس کی جبلت کی پیروی کا نام ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ہر نوع کے افراد باہم دیگر مختلف ہوتے ہیں۔ بعض صورت نوعیہ کا مظہر کامل ہوتے ہیں۔ بعض مادہ میں نقص کی وجہ سے آثار نوع پوری طرح قبول نہیں کر پاتے۔ اور بعض میں احکام نوع کے خلاف ایک ہیئت پیدا ہو جاتی ہے۔ مثلاً انسان کی صورت نوعیہ کا تقاضا ہے کہ ہر مرد میں غلبہ خواہشات اور غصہ و جرأت کے اوصاف پورے طور پر پائے جائیں۔ چنانچہ بعض افراد میں تو یہ چیزیں پورے طور پر پائی جاتی ہیں۔ اور بعض میں کم درجے اور کچھ دوسرے لوگوں میں مادہ کے بگاڑ کی وجہ سے

غصہ اور بہت زیادہ بزدلی پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح نفس انسانی کے مزاج کا تقاضا ہے کہ عقل، نفس سبعیہ پر اور نفس سبعیہ نفس شہویہ پر غالب ہو۔ پس انسان کی طبع سلیم ہی کی موافقت کا نام شریعت ہے۔ چنانچہ اس حدیث میں اس کی پوری طرح وضاحت کی گئی ہے: ”ما من مولود الا یولد علی الفطرۃ۔ ثم ابواه یهودانه و ینصرانه و یمجسانہ کما تنتج البہیمۃ جمعا هل تحس فیہا من جدعاء“ (ہر بچہ فطرت سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے والدین اسے اپنے مذہب کے مطابق یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں۔ جیسے جانور کا ہر بچہ صحیح و سالم پیدا ہوتا ہے۔ کیا کبھی تازہ پیدا ہونے والے بچھڑے کے تم نے ناک کان کئے دیکھے ہیں)۔ اگر عقل نفس سبعیہ پر اور نفس سبعیہ قوت بہیمیہ پر غلبہ حاصل کر لے تو اس سے انسانی اعتدال پیدا ہوتا ہے اور قوت بہیمیہ کے لیے ایک مصرف مقرر ہو جاتا ہے۔ تاکہ اس مصرف میں کھانے پینے، لباس، مکان اور نکاح وغیرہ میں سے جو چیزیں ضروری ہیں انہیں اس طرح استعمال کرے کہ عقل کی مخالفت ہو اور نہ قوت سبعیہ کی مزاحمت پیش آئے اور تقاضائے مزاحمت سے بھی باز رہے۔ اور یہ قوت بہیمیہ کی اصلاح ہے۔ پھر قوت سبعیہ کو وسعت دیتے ہیں تاکہ وہ دو کاموں میں مشغول ہو۔ ایک یہ کہ اپنی معاش کے سلسلے میں اس طرح اعتدال اختیار کرے کہ نہ عقل کی نافرمانی ہو اور نہ قوت بہیمیہ پر اگندہ ہو۔ دوسرے اپنے پروردگار کے ساتھ محبت اور وفاداری اور خوف و رجاء کا سلسلہ استوار رکھے۔ اسی طرح عقل بھی انہی کے تابع بنانے کے لیے صیام اور کفارات کی ورزش مقرر کی گئی ہے۔ تاکہ عقل اور قوت سبعیہ مشترک طور پر کام کا تقاضا کریں۔ اور چاروں اچار بہیمیہ کو اس پر عمل پیرا ہونے پر مجبور کریں۔ پھر قوت سبعیہ کی تہذیب و تربیت کے لیے دائمی عبودیت اور ابدی سخاوت کی راہ متعین کی۔ الغرض اس تہذیب سے تربیت حاصل کرنے والے بھی اصولی طور پر تین قسمیں ہیں۔ پہلی قسم ان لوگوں کی ہے جن کا لطیفہ قلبیہ زیادہ مہذب اور شائستہ ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو صدیق، شہید اور عابد کہلاتے ہیں۔ اللہ اور رسول کے ساتھ دوستی اور دائمی عبودیت کا ان پر غلبہ ہوتا ہے۔ اور یہ لوگ اپنی قوت غضبیہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے ساتھ جہاد میں صرف کرتے ہیں۔ دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جن کا لطیفہ شہوانی زیادہ شائستہ ہوتا

ہے۔ یہ زہاد کہلاتے ہیں۔ فانی خواہشات سے کنارہ کشی ان پر غالب ہوتی ہے۔ تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جن کا لطیفہ عقلیہ زیادہ قوی اور طاقت ور ہے۔ انہیں ”راستخین فی العلم“ کہا جاتا ہے۔ اور وہ گروہ جو پوری تہذیب و تربیت تو حاصل نہیں کر سکا البتہ اس نے نفاق کی برائی سے کسی قدر لگو خلاصی کرائی ہے ”اصحاب الیمین“ کے نام سے موسوم ہوتا ہے۔ تہذیب و تربیت کے اعتبار سے لوگوں کی اقسام خاصی طوالت کی متقاضی ہیں۔

جہاں تک احسان کی بات ہے تو اس کی تفصیلات پر بھی امام غزالی اور شاہ ولی اللہ علیہما الرحمۃ والرضوان نے گفتگو کی ہے۔ اس سلسلے میں شاہ ولی اللہ نے ”دوام عبودیت“ کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ ان کے خیال میں روحانی مقامات کے حصول کے لیے بھی لطائف کی تہذیب کی ضرورت ہے۔ اور اس تہذیب کی اصل دوام عبودیت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ”دوام عبودیت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک کا تعلق زبان اور جوارح سے ہے۔ یعنی اپنے اوقات ذکر و تلاوت اور حضور قلب اور توجہ خاطر کے ساتھ نماز میں بسر کرے۔ یہ تصوف کے ابواب میں سے ایک مشہور باب ہے۔ جس کی مکمل تفصیلات ”قوت القلوب“، ”احیاء العلوم“، ”غنیۃ الطالبین“ اور ”عوارف المعارف“ میں شرح و بسط کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ اور دوسری قسم عقل اور قلب سے متعلق ہے۔ یعنی دل کا رجحان سنبھالے اور محبوب حقیقی کے ساتھ پیوستہ اور وابستہ ہو جائے۔ اور عقل ”یاد کرد“ اور ”ہوش دردم“ میں مصروف ہو۔“

اسی طرح سے امام غزالی نے بھی مختصر الفاظ میں شخصیت سازی کے بنیادی طریقوں کی نشاندہی کی ہے۔ ان کے خیال میں حسن خلق کا دار و مدار قوت عقل کے اعتدال، کمال حکمت اور قوت غضب و شہوت کے اعتدال اور ان دونوں (غضب و شہوت) کے حوالے سے عقل کی بالادستی پر ہے۔ یہ اعتدال دو طرح سے حاصل ہوتا ہے۔ ایک تو الہی جود و احسان اور فطری کمال ہے۔ یہ اس طرح سے ہے کہ انسان کی تخلیق ہی اعتدال کی حالت پر اس طرح سے ہوئی ہو کہ وہ عقل و شرع تابع ہو۔ وہ بغیر تعلیم و تادیب کے عالم اور مودب ہو گا۔ اس سلسلے میں وہ انبیاء کرام کی مثال دیتے ہیں۔ اور کبھی انسان اپنی خوش بختی سے یہ اخلاق اعتیاد (عادت اپنانے) اور ان اخلاق کے حامل افراد کی صحبت کی بدولت بھی حاصل

کرتا ہے۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ انسان ان اخلاق کو مجاہدہ اور ریاضت کے ذریعے بھی حاصل کرے۔ اس میں وہ اپنے نفس کو ایسے اعمال اور افعال پر ابھارے جو خلق مطلوب کے مقتضیات میں سے ہیں۔ خلاصہ میں وہ لکھتے ہیں کہ ”فاذا عرفت ان الاخلاق الحسنۃ تارة تكون بالطبع و الفطرة و تارة تكون باعتیاد الافعال الجمیلة و تارة بمشاهدة ارباب الفعال الجمیلة و مصاحبہم و ہم قرناء الخیر و اخوان الصلاح“ (جب تم نے جان لیا کہ اخلاق حسنہ کبھی طبع اور فطرت سے حاصل ہوتے ہیں۔ اور کبھی یہ اخلاق اچھے افعال کی عادت ڈالنے سے اور خیر و صلاح اور اچھے افعال والے لوگوں کے مشاہدہ اور ان کی مصاحبت سے حاصل ہوتے ہیں۔)

ان مختصر الفاظ میں امام غزالی اور شاہ ولی اللہ نے تعمیر شخصیت کے ان بنیادی پہلوؤں کی نشاندہی کر دی ہے جن پر آج جدید نفسیات میں مباحثہ جاری ہے۔ شخصیت سازی میں جسمانی، ذہنی، شعوری، ادارائی، اور ماحولیاتی عمل کی اہمیت اور مرکزیت پر جاری بحث میں اگر ہم ان پہلوؤں کو دھیان میں رکھیں تو شخصیت سازی کے لیے ہم ایک جامع طریقہ کار کو اپنا سکتے ہیں۔ اس میں شخصیت کے جسمانی، ذہنی اور معاشرتی پہلوؤں کی مکمل وضاحت ملتی ہے۔ اس سلسلے میں تہذیب نفس، تہذیب قلب، اور تہذیب عقل کے حوالے سے امام غزالی اور شاہ ولی اللہ نے مجاہدہ و ریاضت، ذکر و مراقبہ اور صحبت اور تربیت کی ضرورت اور ان کے فوائد و ثمرات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ طوالت کے خوف سے ہم ان کے بیان سے پہلو تہی کرتے ہیں۔ خواہشمند حضرات اکابر صوفیا کرام کی کتابوں کا مطالعہ کریں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اسلام کی تعلیمات میں انسان کی شخصیت کی تعمیر و تہذیب کے لیے واضح ہدایات ہیں۔ ان کو مسلم علماء اور صوفیاء نے تزکیہ نفس کے عنوان کے تحت تفصیلاً بیان کیا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کی روشنی میں مسلم امت کے روشن مستقبل کے لیے افراد کی تیاری کے وقت شخصیت سازی کے ان اصولوں کو دھیان میں رکھ کر ایک جامع لائحہ عمل تیار کیا جائے۔ اور اس کے مطابق تعلیمی اداروں اور تربیتی خانقاہوں میں اس کا عملاً نفاذ ہو۔ شریعت اسلامیہ کی اتباع و پیروی کی اہمیت کو اجاگر کیا جائے۔ اس سلسلے میں صوفیائے

کرام نے جو تزکیہ نفس کے لیے جو اعمال اور وظائف بتائے ہیں ان سے استفادہ کیا جائے۔ جدیدیت اور روشن خیالی سے مرعوبیت کے احساس نے ہم کو یہاں تک پہنچا دیا ہے کہ انسانی شخصیت کی تعمیر کے لیے ہمارے پاس جتنے بھی نظریات ہیں وہ ہم کو صرف مادیت پسندانہ طرز فکر کے قریب لے جاتے ہیں۔ اور انسان کی روحانی ضرورتوں کو نظر انداز کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ بہت سے لوگ مذہبی تعلیمات اور صوفیانہ روایت کو فرسودہ کہہ کر لوگوں کو مذہب بیزاری کی طرف مائل کرنے کی کوشش میں ہیں۔ تاہم حقیقت یہ ہے کہ وہ جس سکون کی تلاش میں سرگرداں ہیں وہ مذہبی تعلیمات میں ہی مل سکتی ہے۔ کیونکہ مذہب انسان کو جسم و روح کا مجموعہ قرار دیتا ہے۔ اس کی حیوانی اور ملکوتی صفات پر توجہ دیتا ہے۔ اور ان دونوں میں اعتدال کے لیے جسم، ذہن اور ماحول کی اہمیت اور افادیت کو تسلیم کرتا ہے۔

مذہبی تعلیم اور عصری تعلیم میں ہم آہنگی۔ ایک جائزہ

پروفیسر غلام یحییٰ انجم

صدر، شعبہ اسلامیات، جامعہ ہمدرد، نئی دہلی

یہ کائنات مدرسہ علم الہی ہے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس مدرسہ میں معلم کی حیثیت سے اپنے برگزیدہ بندوں کو بھیجا، انبیاء و مرسلین دنیا میں تشریف لائے اور لوگوں کی ضرورت کے مطابق علوم کی بنیاد رکھی، صنعت و حرفت، کتابت و خطاطی، امارت و زراعت، سیاست و حکومت، زرہ سازی اور جہان بینی کے علاوہ لوگوں کو مناظرہ، نجوم، حساب اور معرفت کی تعلیم سے آراستہ کیا، الغرض زمانے کی جیسی ضرورت تھی ان حضرات انبیائے کرام نے ویسی ہی تعلیم سے بندگان الہی کو آراستہ کیا، نبی آخر الزماں احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ جو شہر علم تھے انہوں نے ان تمام علوم کی طرف رہنمائی فرمائی جو عہد اول سے لے کر دور حاضر تک رائج اور جاری و ساری ہیں۔ دنیا میں ایسا کوئی علم نہیں جو اس وقت رائج ہے یا ابھی تک دانشوروں کی رسائی اس تک نہیں ہو سکی ہے، ہمارے نبی ﷺ کو معلوم نہ رہا ہو، کیوں کہ وہ معلم کائنات بن کر دنیا میں تشریف لائے تھے۔ اور ان کی اس تعلیم کے سفر کا آغاز اعلان نبوت سے ہی ہو جاتا ہے، جیسا کہ تاریخوں میں ملتا ہے کہ جب غار حرا میں آپ پر پہلی وحی نازل ہوئی اور جبرئیل امین نے حاضر ہو کر فرمایا اقرء پڑھئے تو ہمارے نبی ﷺ نے فرمایا انا بقاری ”میں نہیں پڑھتا“، حدیث کے اس ٹکڑے کا ترجمہ بعض نام نہاد علماء نے یہ بھی کیا ہے ”پڑھنا نہیں جانتا“، بہر حال ہمارے نبی ﷺ سے حضرت جبرئیل امین علیہ السلام اقرء فرماتے رہے اور جواب میں ہمارے نبی ما انا بقاری فرماتے رہے لیکن جب جبرئیل امین نے اقرء باسم

ربک الذی خلق فرمایا تو وہی نبی جس نے تین مرتبہ ما انا بقاریؑ میں نہیں پڑھتا“ فرمایا تھا اب وہی پڑھتا ہوا نظر آ رہا ہے، معلوم یہ ہوا کہ نبی تو پڑھنا جانتے تھے مگر اس بات کے منتظر تھے کہ جب جبریل امین خدا کا نام شامل کر کے پڑھائیں تو میں پڑھوں چنانچہ جب انہوں نے نام خدا کو شامل کر کے پڑھایا تو ہمارے نبی ﷺ نے پڑھنا شروع کر دیا، نبی ﷺ کے اس عمل میں بندگان خدا کے لئے یہ تعلیم مضمحل ہے کہ جب بھی کوئی کام شروع کرنا ہو تو پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر اللہ کے نام کی برکت اس عمل میں شامل کر لی جائے تاکہ وہ کام بحسن و خوبی پایہ تکمیل تک پہنچ سکے۔ یہ پہلی وحی تھی جو سورہ العلق کی صورت میں نازل ہوئی اس کی پہلی دو آیتیں جہاں سے نبی نے پڑھنے کا آغاز کیا تھا مفسرین قرآن کے بقول اس کی پہلی آیت یعنی اقراء باسم ربک الذی خلق سے علم دین مراد ہے اور خلق الانسان من علق سے عصری علوم کی طرف اشارہ ہے۔ اس لئے ہمارے نبی ﷺ نے طلب العلم فریضة علی کل مسلم کہہ کر سب کے لئے مذہبی اور عصری علوم حاصل کرنا لازم و ضروری قرار دیا کیوں کہ ان دونوں علوم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور یہ معرفت اس لئے ضروری ہے تاکہ ہم اللہ کی کنہ حقیقت جان کر اس کا خوف دل میں رکھتے ہوئے اس سے والہانہ محبت کر سکیں، کیوں کہ جو اہل علم ہوتے ہیں انہی کے دل میں صحیح معنوں میں اللہ کا خوف ہوتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

انما یخشى اللہ من عباده العلماء (۱) (بے شک علم والے ہی اللہ سے ڈرتے ہیں)

یہ واضح رہے کہ جن کے دلوں میں خوف الہی ہے وہی حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے محبوب و مقرب ترین بندے ہیں جنہیں کسی قسم کا خطرہ اور نقصان لاحق نہیں جیسا کہ امام غزالی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں۔

الناس کلہم موتیٰ إلا العلماء والعلماء کلہم فی نیام الا عاملین،
العاملون کلہم فی خسران إلا المخلصین، المخلصون کلہم علی خطر
الا الخائفین۔

تمام لوگ مردہ ہیں صرف وہی زندہ ہیں جن کے پاس علم ہے، علماء سب سوئے ہوئے ہیں، بیدار وہی لوگ ہیں جو عالم باعمل ہیں، عالم باعمل کو بھی نقصان لاحق ہے مگر وہ لوگ اس سے محفوظ ہیں جو مخلص ہیں، مخلصین کو بھی خطرہ ہے مگر وہ لوگ جن کے دلوں میں خوف الہی ہے۔

جس علم سے رب کی معرفت حاصل ہو وہی اصل علم ہے اس میں دینی اور عصری علم کی کوئی قید نہیں ہے علم تو بس علم ہی ہوتا ہے، خالص دینی اصطلاح میں اقرار تو حید سے علم کا سفر شروع ہوتا ہے اور اثبات تو حید پر اس کے سفر کی منزلیں ختم ہوتی ہیں۔ انفس ہوں یا آفاق یہ سب کے سب جلوۃ الہی کے مظاہر ہیں، اسی لئے جب کسی شئی کی حقیقت پر نظر جاتی ہے تو جلوۃ الہی خود بخود ابھر کر سامنے آ جاتا ہے۔ گویا ہم علم کو دینی اور دنیاوی خانوں میں نہیں بانٹ سکتے، وہ ایک کل ہے اور کل ہی رہے گا اور کلی حیثیت سے ہی وہ روشنی عطا کرے گا جو ذہن کو خبر باطن اور دل کو دولت ایمان سے سرفراز کرے گا، اگر علم حاصل کرنے کا مقصد یہی ہے تو یہاں ہر اعتبار سے علم کی تقسیم بے سود اور بے معنی ہے، اگر ہر علم کا مقصد معرفت الہی ہے تو پھر ہمیں چاہئے کہ ہم تعلیم اسی نقطہ نظر سے حاصل کریں، جب ہمارا یہی مقصد ہوگا تو ہم اوامر پر عمل پیرا ہوں گے اور نواہی سے اجتناب کی کوشش کریں گے۔ اس توضیح کی روشنی میں عصری تعلیم اور دینی تعلیم میں کوئی مغایرت نہیں پائی جاتی ہے، بات صرف اتنی سی ہے کہ اس پہلو پر ہم نے کبھی غور نہیں کیا، دینی علوم کے ماہرین سے صرف اتنی گزارش ہے کہ جس طرح عصری علوم حاصل کرنے والے نئے دن نئی نئی ایجادات سے خالق کی کنہ حقیقت اور اس کی قدرت و جلالت کا پتا دیتے ہیں، اسی طرح اسلامی علوم کے ماہرین کو بھی اپنے نصاب تعلیم کو عمر کے اعتبار سے مقصدیت کے اعتبار سے زیادہ سے زیادہ جاندار، موثر اور با معنی بنانے کی ضرورت ہے اگر میں ایک جملہ میں کہنا چاہوں تو یہ کہوں گا کہ جب یونانی طب ہو الشافی کی بدولت اسلامی طب بن سکتا ہے تو موجودہ سائنس ہو الخالق کی بدولت اسلامی سائنس کیوں نہیں بن سکتی ہے، مگر اس کے لئے ہمیں ان محرکات پر غور کرنا پڑے گا جو اس کے لئے ممد و معاون ثابت ہو سکتے ہوں۔ یہ واضح رہے کہ جس طرح اسلام

میں عبادت کا تصور دین و دنیا کی تفریق پر مبنی نہیں ہے اسی طرح اسلام، علم کے بارے میں دنیاوی و عصری علوم کو دینی تعلیم کے نصاب سے اس نہج پر خارج نہیں کرتا جو دوسرے مذاہب اور تہذیبوں کے فکر میں پایا جاتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ اسلامی تہذیب کے دور عروج میں ملت اسلامیہ کا نظام تعلیم وحدانی یعنی اصول توحید پر مبنی تھا، جس میں دینی علوم دوسرے تمام متداول علوم (سائنس، ریاضی، فلسفہ وغیرہ) کے ساتھ پڑھائے جاتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اس دور کا ہر عالم ”جامع العلوم“ ہوتا تھا۔ پھر یہ کہ اُس دور میں اندھا دھند سندیں نہیں دی جاتی تھیں بلکہ ہر طالب علم کو اس کی لیاقت کے مطابق سند دی جاتی تھی جو معاشرہ میں اس کے مقام کو صحیح طور پر متعین کرتی تھی، مزید برآں یہ کہ تعلیم کے ساتھ تعمیر کردار کا بھی واقع اور صحیح اہتمام تھا اس طرح ذوق، محنت اور تقویٰ کا صحیح ثمرہ ملتا تھا۔

علم کے تعلق سے اللہ کے نبی ﷺ یہ بھی ارشاد فرماتے ہیں۔

”انما العلم آية محكمة او سنة قائمة او فريضة عادلة (۲)“

(علم تو آیت محکمات، یا سنت قائمہ یا فریضہ عادلہ ہے)

اس حدیث کے پیش نظر امام غزالی علیہ الرحمہ نے علوم کو فرض عین اور فرض کفایہ میں تقسیم کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

فرض عین تو معرفت الہی پر مبنی علوم ہیں جب کہ فرض کفایہ سے مراد وہ علوم ہیں جو انسان کی مختلف ضرورتیں پوری کرتے ہیں مثلاً طب، زراعت وغیرہ، سوسائٹی میں کچھ لوگ ضرور ایسے ہونے چاہئیں جو ان علوم کو حاصل کریں ورنہ پورا معاشرہ گنہگار ہوگا۔ (۳)

جدید علوم جنہیں ہم عصری علوم کا نام دیتے ہیں وہ وقت کی اہم ضرورت ہیں اور امت مسلمہ کی بقا اور ترقی کے لئے جن کا حاصل کرنا ضروری ہے۔ مولانا شہاب الدین ندوی اس موضوع پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”انسان کو سب سے پہلے جو علم عطا کیا گیا وہ علم اشیاء ہے یعنی تمام موجودات عالم اور ان کی خصوصیات و امتیازات کا علم، اسے ہم مختصر طور پر علم اسماء یا مظاہر کائنات کا علم کہہ سکتے ہیں موجودہ دور میں سائنس جن چیزوں سے بحث کرتی ہے وہی موجودات عالم ہیں“۔ (۴)

علم کے بارے میں ہمارے علماء و فقہاء اور دوسرے ارباب دین و دانش کا یہی نظریہ ہے کہ وہ ان دونوں قسم کے علوم کی تحصیل کو عبادت قرار دیتے ہیں حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے احیاء العلوم میں علامہ ابن عابدین شامی نے رد المحتار میں اور دیگر اہل علم و افتاء نے اپنی تصانیف و فتاویٰ میں اسے وضاحت سے بیان کیا ہے۔ مولانا عبدالمالک پاکستان اپنے ایک تحقیقی مقالہ میں لکھتے ہیں۔

دینی مدارس کا نصاب دراصل علم وحی پر مبنی ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے۔

ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بهما کتاب اللہ وسنة نبیہ (۵)

(میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں جب تک انہیں تمہارے رہو گے گمراہ نہیں ہو گے، کتاب اللہ و سنت رسول)

کتاب و سنت نبی اکرم ﷺ کا ترکہ ہیں اور علماء اسی ترکہ کے وارث ہونے کی بنا پر ”العلماء ورثة الانبیاء“ کے مصداق ہیں، کتاب و سنت کی تعبیر و تشریح اور اس کی عملی صورتیں فقہ اسلامی کی شکل میں اس کے ساتھ شامل ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ (۶)

(اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور ان کا جو تم میں حکومت والے

ہیں) اس اولی الامر کا مصداق مفسرین کرام نے علماء اور حکام کو قرار دیا ہے۔ (۷)

اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں ایک دوسرے مقام پر واضح لفظوں میں یہ بھی ارشاد فرمایا ہے ربنا آتسنا فی الدنیا حسنة و فی الآخرة حسنة و قنا عذاب النار (۸) (اے رب ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور اے رب ہمیں آخرت میں بھلائی دے اور ہمیں جہنم کے عذاب سے بچا) یہ آیت کریمہ بطور دعا ہم لوگ صبح و شام اللہ کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں، دنیا کی بھلائی کا مطلب بالکل واضح ہے کہ ہر وہ چیز جس سے ہمیں دنیا میں سر بلندی مل سکتی ہے اللہ مجھے وہ ضرور عطا فرما، بالفاظ دیگر ہم یہ کہہ سکتے ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں علم و دولت، عزت و شہرت اور طاقت و قوت سے سرفراز فرما، حضور اکرم ﷺ نے ایک مرتبہ صحابہ کرام سے فرمایا تھا اپنے میں قوت پیدا کرو پھر اس کا مطلب یوں سمجھایا کہ شمشیر

زنی اور شہسواری میں کمال پیدا کرو، شمشیر زنی اور تیر اندازی کا وہ زمانہ گزر گیا آج عصری علوم میں سائنس اور ٹکنالوجی کا دور دورہ ہے اس دور میں سائنس اور ٹکنالوجی میں کمال پیدا کرنا ہی قوت حاصل کرنا ہے، ان علوم کا حصول دین کی بلندی اور خدمت کے جذبے سے کئے جائیں تو یہ بھی دین ہی ہے، اسلام میں دولت، رزق، عزت و حکومت اولاد اور زمین و جائیداد اور موسیٰوں کو انعامات الہی سے تعبیر کیا گیا ہے۔

رسول اکرم ﷺ کی سیرت مبارکہ سے ہمیں یہ بھی رہنمائی ملتی ہے کہ غیر مسلم اقوام کی زبان اور ان کے علوم سیکھنے میں بھی کوئی حرج نہیں بلکہ ان سے سبقت حاصل کرنے کے لئے ان کے علوم سے واقفیت انتہائی ضروری ہے، اس طرح ان کی گئی تحقیقات سے استفادہ کر کے ہم ترقی کے منازل طے کر سکتے ہیں، جیسا کہ اسلامی دور عروج میں لکھی جانے والی تحقیقی کتب کا عربی سے دیگر زبانوں میں ترجمہ کر کے استفادہ کیا گیا اور سائنسی ترقیات کو آگے بڑھایا گیا۔ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

قال لی رسول اللہ ﷺ انه یاتینی کتب من اناس لا احب ان یقرأ بأحد فهل تسطیع ان تعلم العبرانیة او قال السریانیة فقلت نعم قال فتعلمتها فی سبع عشر لیلة۔ (۹)

(آپ نے فرمایا کہ میرے پاس لوگوں کے خطوط آتے ہیں لیکن میں پسند نہیں کرتا کہ ان خطوط کو کوئی دوسرا شخص پڑھے کیا تم عبرانی یا سریانی زبان سیکھ سکتے ہو تو میں نے جواب دیا ہاں پس میں نے عبرانی زبان سترہ دنوں میں سیکھ لی)

حضرت زید نے فارسی زبان بھی سیکھ لی تھی تاکہ وہ اس زبان میں روزمرہ کی گفتگو کر سکیں اور لوگوں کی ضرورتیں معلوم کر سکیں اور ان کے مختلف سوالات کے جوابات دے سکیں۔ (۱۰)

سیرت رسول کی روشنی میں دیگر اقوام کی زبانوں کو سیکھنے کی تعلیم کو مد نظر رکھتے ہوئے، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے انگریزی زبان کے سیکھنے کے جواز کا فتویٰ دیا تھا۔ (۱۱)

انہی ضرورتوں اور اصولوں کی بنیاد پر ہمارے نبی ﷺ نے اپنے زمانے میں تعلیم

و تربیت کا ایسا نظام قائم کیا تھا جس کے نتیجے میں ایک اعلیٰ اور باصلاحیت نسل پروان چڑھی جس نے معاشرہ کے ارتقاء میں اہم کردار ادا کیا جس کے سبب وہ معاشرہ دنیا میں مثالی معاشرہ بن گیا جس میں ہر صلاحیت کے لوگ اپنی ذمہ داریوں کو بحسن و خوبی انجام دے رہے تھے۔ وہاں دین و دنیا کی تقسیم کا کوئی تصور نہیں تھا، ہر قسم کے علوم میں انہیں مہارت حاصل ہوتی تھی بلکہ بعض علوم میں وہ متخصص (Specialist) ہوا کرتے تھے اور اس علم میں انہیں امتیازی مقام حاصل ہوتا تھا، ہمارے نبی ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ”اعلمہم بالحلال والحرام“ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ”افرضہم“ ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ”اقرہم“ کی ڈگری عطا فرمادی، اس کے بعد علوم و فنون میں تخصص کا ایک سلسلہ شروع ہو جاتا ہے جو تھمنے کا نام نہیں لیتا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ”روایت حدیث“، حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم ”قضا“ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ”فقہ“ میں متخصص نظر آتے ہیں۔ یعنی ایک صحابی رسول جہاں ایک ”امام“ کی حیثیت سے مسجد میں فرائض انجام دے سکتا تھا تو دوسری طرف وہی ملکی سیاسی نظام کو چلانے اور پالیسیاں بنانے میں بھی اتنا ہی ماہر تھا۔ بعد کے ادوار میں محدثین، فقہاء، علمائے جرح و تعدیل، علمائے لغت و معانی، علمائے منطق و فلسفہ، علمائے کلام کی تخصص کی درسگاہیں قائم ہوئیں جن سے اہل علم و دانش واقف ہیں۔

سطور بالا میں جن اچھائیوں کو حاصل کرنے کی قرآن کریم میں تعلیم دی گئی ہے اگر ہم اس آیت کریمہ کا تجزیہ کریں تو بلاشبہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ دنیا کی اچھائی اپنے وسیع معنی میں کئی چیزوں کو شامل ہے، اور ہر اچھائی کو طلب کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ بندوں کو دیتا ہے اگر دنیا کی اچھائی بندوں کے لئے نقصان دہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ ہرگز بندوں کو اس کے طلب کرنے کی اور اس کی آسائش اور اس کی نعمتوں اور لذتوں سے محظوظ ہونے کی دعوت نہیں دیتا، یہ واضح رہے کہ دنیا کی وہی چیزیں ممنوع قرار دی گئی ہیں جو روح اسلام کے خلاف ہیں اور بندگان خدا کو اس سے کسی نہ کسی طرح کا نقصان وابستہ ہے۔ باہمہ اور بے ہمہ کے فلسفہ میں بھی اسی علت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، شرعی حدود کی پاسداری کرتے ہوئے دنیا کی تمام

حسین اور دلکش نعمتوں سے بہرہ ور ہونا باہمہ کا مفہوم ہے اور تمام دنیاوی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے ہوئے حی علی الصلوٰۃ کی صداکان میں گونجتے ہی تکبیر تحریر کا عمل بجالانا اور ایک جنبش لب سے دنیا کی تمام لذتوں کو اپنے اوپر حرام قرار دیتے ہوئے ایک حسن ازلی کی طرف اپنی تمام تر توجہ مرکوز کر لینا بے ہمہ کا مطلب ہے، دنیا کی تمام آرائشوں اور زیبائشوں سے لطف اندوز ہونے کا مقصد صرف اتنا ہے کہ اس کے سبب اس حسن ازلی کی طرف اپنی توجہ مبذول کر سکے جو سارے عالم کا خالق اور اس کا پالنے والا ہے، یہ مختصری توجیہ اس بات کا پیش خیمہ ہے کہ دنیا اچھی بنائی جائے کیوں کہ یہ دنیا حدیث رسول کے مطابق آخرت کی کھیتی ہے اور دنیا اچھی بنتی ہے علم کی دولت سے لہذا دینی اور عصری امتیاز پیدا کئے بغیر اپنے کو آراستہ کیا جائے کیوں کہ علم علم ہے علم کے تعلق سے کسی قسم کی تقسیم ناقابل قبول ہے، پروفیسر معاشیات جناب حبیب الرحمن نے اپنے ایک رسالہ میں لکھا ہے۔

”اٹھارویں صدی عیسوی میں انگلستان کے صنعتی انقلاب ۱۷۶۰ء تک دینی اور دنیاوی تعلیم کا کوئی بھید بھاؤ نہیں تھا جو کچھ علم تھا وہ دین کا تھا باقی روزی روزگار کے لئے زراعت، تجارت، محنت مزدوری، اور معمولی پیشے تھے، صنعتی انقلاب کے بعد سے ایک سو برس کے دوران جدید ایجادات صنعت و حرفت، مشینوں کے استعمال نے مادی علوم کے سیکڑوں شعبوں کو جنم دیا اور پھر ہر علم کی سیکڑوں شاخیں ہوئیں اگر کوئی جدید میڈیکل سائنس پر غور کرے تو اندازہ ہوگا کہ ہر مرض، ہر عضو کے سیکڑوں ماہرین پیدا ہو چکے ہیں پھر ایک ہاسپٹل چلانے کے لئے نیچے ایک بڑی ٹیم کی ضرورت ہوتی ہے اس طرح دینی علوم اور مادی علوم ایک دوسرے سے دور ہوتے چلے گئے مادی علوم کے لئے کسی ایک فن میں مہارت لازم ہوگئی جب کہ دینی علوم کے چند شعبے رہ گئے جن کا اجراں دنیا میں نہیں، اس لئے مذہبی علوم کی عوام کے ذہن میں وہ اہمیت نہیں رہی جو مادی علوم کے حصول کے ساتھ ہی جاہ و حشمت، دولت و عزت حاصل ہوتی ہے، آج وہ نسل جو دینی درسگاہوں میں تعلیم پا رہی ہے وہ دنیاوی علوم کی کشش سے بے نیاز نہیں رہ سکتی اور وہ طلبہ جو جدید علوم کے حصول میں لگے ہوئے ہیں وہ مذہب سے بہت دور ہو چکے ہیں ان کا تعلق اگر کچھ ہے تو بس اتنا سا۔

کل کہتے تھے یہ بھائی گھورن دنیا ہے روٹی مذہب ہے چورن (۱۲) دینی مدارس میں اگر یہ ممکن ہوتا کہ دنیا بھر کے علوم پڑھائے جائیں تو اہل علم جن کے نزدیک علم سراسر خیر ہے کبھی بھی انہیں شامل نصاب کرنے سے گریز نہیں کرتے، لیکن ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہو سکتا نہ صرف دینی مدارس بلکہ دنیا کے کسی بھی مدرسہ میں ایسا ممکن نہیں کہ ہر طالب علم سارے علوم کو سمیٹ لے، موجودہ حالات میں علوم دینیہ کو اصل قرار دیتے ہوئے ان کے ساتھ جس قدر علوم کا اضافہ ممکن تھا وہ کیا گیا ہے اور اس میں اطمینان بخش کامیابی بھی ملی ہے اس لئے دینی مدارس کے بارے میں یہ معلوم کر کے کہ ان میں کالج اور یونیورسٹیوں کے تمام علوم نہیں پڑھائے جاتے ان کی افادیت کے بارے میں کسی شک و شبہ میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے کہ دینی مدارس ان علوم کے خلاف ہیں بلکہ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ان سب کو شامل نصاب کر کے ان پر طلبہ کو حاوی کرنا استطاعت سے باہر ہے عصری علوم کا صرف اتنا ہی حصہ نصاب درس میں شامل کیا گیا ہے جو بنیادی مضامین پر اثر انداز نہ ہوں، مولانا عبدالمالک لکھتے ہیں۔

اس وقت ان مدارس میں جو نصاب پڑھایا جاتا ہے وہ علوم اسلامیہ کتاب و سنت فقہ اسلامی اور عقائد کے علاوہ علوم عربیہ اصول فقہ، اصول تفسیر، اصول حدیث اور فلسفہ و منطق پر مشتمل ہے ان مضامین میں فلسفہ و منطق کے علاوہ باقی سارے مضامین ضروری ہیں فلسفہ اور منطق کی اس وقت اس سے زیادہ کوئی افادیت نہیں ہے کہ اس سے ذہن میں تیزی پیدا ہوا وغور و فکر کی صلاحیتیں اجاگر ہوں، جہاں تک علییت کا تعلق ہے تو جس طرح کالج اور یونیورسٹیز سے ایم اے (اسلامیات) کی ڈگری حاصل کرنے والے اسلامیات سے بے خبر ہوتے ہیں اسی طرح دینی مدارس کے فضلاء منطق و فلسفہ کی ڈگریاں حاصل کرنے کے باوجود منطق و فلسفہ سے بے خبر رہتے ہیں یعنی اس وقت ان مضامین کی شمولیت درس نظامی کے نصاب میں ثانوی حیثیت رکھتی ہے اس لئے یہ جان کر کہ دینی مدارس میں منطق و فلسفہ پڑھایا جاتا ہے پریشان نہیں ہونا چاہئے منطق و فلسفہ کا نصاب اس وقت بقدر ضرورت رہ گیا ہے اور تاریخی تعامل اور اسلاف کے لٹریچر سے استفادہ کے لئے کسی قدر انہیں باقی رکھنا مناسب

ہے اس نصاب پر سرسری نظر ڈالنے سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اس سے فارغ التحصیل ہونے والا ملکی نظم و نسق کو چلانے کا بوجھ اٹھانے کے قابل نہیں ہے نہ ہی اس نصاب کا مقصد سی ایس پی اور پی سی ایس آفیسر تیار کرنا ہے البتہ اسے کما حقہ پڑھا جائے تو علمی فکری اور سیاسی میدان میں قیادت کی ذمہ داریاں ادا کی جاسکتی ہیں بلکہ ایک تسلسل کے ساتھ علماء نے اس ذمہ داری کو ادا کیا ہے جس کے نتیجے میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے دور کا آغاز ہو گیا ہے۔ (۱۳)

تقسیم کے تعلق سے جب یہ زاویہ نظر مبنی بر صداقت ہے تو اس کا واضح مطلب یہ ہے مدارس اسلامیہ میں ایسے علوم کی رعایت اور نصاب میں شمولیت ضروری ہے۔ خلیفۃ اللہ حضرت آدم علیہ السلام کو جس کے سبب تمام فرشتوں پر فضیلت حاصل ہوئی وہ علم ہی تھا اور یہ علم اپنے وسیع معنی میں اپنے تمام انواع و اقسام کو شامل ہے اس میں دین و دنیا اور دینی و عصری کی کوئی قید نہیں ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے و علم آدم الاسماء کلہا حضرت آدم علیہ السلام کو اشیاء کے نام سکھائے۔ مفسرین کے بقول حضرت آدم علیہ السلام پر تمام اشیاء اور جملہ مسمیات پیش فرما کر آپ کو ان کے اسماء صفات، افعال و خواص، اور اصول علوم و صناعات سب کا علم بطریق الہام عطا فرمایا گیا اس تفسیری وضاحت کا مطلب یہ ہے تمام سائنسی علوم ایجادات و انکشافات سیاسیات و سماجیات، معاشیات و اقتصادیات سب کچھ علم کے دائرے ہی میں شامل ہیں، علم مالہ یعلم میں بھی اسی کتبہ کی طرف اشارہ ہے۔ علم کو عام و تمام کرنا نبی کی بعثت کے بنیادی مقاصد میں ایک مقصد رکھا گیا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ینلوا علیہم آیاتہ ویزکیہم ویعلمہم الکتاب والحکمۃ (۱۴)

اس آیت کریمہ کی روشنی میں حضرت نبی کریم ﷺ کے یہی تین بنیادی مقاصد تھے۔

۱- بذریعہ تلاوت کلام الہی، دعوت الی اللہ

۲- تزکیہ نفس و تصفیہ قلب

۳- کتاب و حکمت کی تعلیم

تیسرے بنیادی مقصد کی تکمیل کے لئے ہمارے نبی ﷺ نے مسجد نبوی میں صفہ

کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا جس میں بحیثیت معلم آپ نے خود اپنی خدمات پیش کیں اور نصاب درس کے طور پر قرآن مقدس کا انتخاب عمل میں آیا کیوں کہ قرآن مقدس ہی مذہبی اور عصری دونوں علوم کا مجموعہ ہے، کون سا ایسا علم ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں نہ ہو کمال رطب و یابس الا فی کتاب مبین ہر خشک و تر کا بیان قرآن کریم میں موجود ہے۔ اس درس گاہ میں صرف مکہ کے ہی نہیں بلکہ مکہ سے باہر کے طلبہ نے داخلہ لے کر اپنی تعلیم مکمل کی۔ حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی مرتضیٰ حضرت بلال حبشی، حضرت صہیب رومی، حضرت سلمان فارسی اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جیسے سیکڑوں صحابہ اسی مدرسہ کے خوشہ چین تھے، یہ فارغین صفہ صرف مذہبی تعلیم سے واقف نہیں تھے بلکہ عصری تعلیم سے بھی پوری طرح آراستہ تھے، اس مدرسہ کا نصاب اور نظام تعلیم عہد حاضر کے کسی عظیم یونیورسٹی سے کم نہ تھا، ان تمام طلبہ کو مذہب کے اسرار و رموز سے واقفیت تو ہوئی ہی، سماجی اور عصری علوم میں بھی از خود فیصلہ لینے کے اہل ہو گئے۔ درس و تدریس اور تعلیم کی نشر و اشاعت کا یہ سلسلہ آگے بڑھا، اموی اور عباسی دور میں بھی تعلیم کے فروغ کے لئے مدارس قائم ہوئے جس میں مذہبی تعلیم کے علاوہ عصری تعلیم کی تدریس کا بھی نظم و نسق کیا گیا، سچ تو یہ ہے اس وقت اس قسم کی تقسیم کا گمان شاید ہی کسی کے وہم و خیال میں پہلے سے رہا ہو، علم کا اطلاق تمام علوم پر یکساں ہوتا تھا، مذہبی اور عصری تعلیم کی تقسیم ہندوستان کی دین ہے۔ دور اول کے نظام تعلیم و تربیت سے اگر ایک طرف خالد بن ولید، ابو عبیدہ بن الجراح، سعد بن ابی وقاص، سلمان فارسی، وغیرہم جیسے فاتحین عالم اور سپہ سالار پیدا ہوئے تو دوسری طرف ابو بکر بن ابی قافہ، عمر بن الخطاب، عثمان بن عفان، جیسے سیاسی جہاں بان کی حیثیت سے اپنی کارکردگی کا لوہا منوایا، اگر ایک طرف ابو ذر غفاری، عبد اللہ بن عمرو بن العاص جیسے زہاد، عباد اور تارک الدنیا بن گئے تو دوسری طرف اس نصاب سے حکیم بن حزام، عبد الرحمان بن عوف، جیسے اعلیٰ تاجر بھی تیار ہوئے، اگر ایک طرف حضرت علی بن ابی طالب، زید بن ثابت، عبد اللہ بن عباس، جیسے قاضی اور جج تیار ہو گئے تو دوسری طرف ابو ہریرہ، انس بن مالک، عبد اللہ بن مسعود جیسے ماہرین علوم موجود ہو گئے۔

اور اگر ہم بعد کے ادوار کا جائزہ لیں تو ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ انہیں مدارس کے فارغ التحصیل علماء میں بڑے بڑے مفسر، اعلیٰ درجہ کے محدث، ممتاز فقیہ، ہیئت و نجوم کے ماہر، اور علاج و معالجہ میں یکتائے روزگار اطباء ہوا کرتے تھے۔ جیسے ابو بکر الخوارزمی، ابن الہیثم، خیام، ابن نفیس، ابن سینا، وغیرہ اور عہد حاضر میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور امام احمد رضا فاضل بریلوی جیسی شخصیات بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

اُس زمانہ میں طریقہ تدریس لکچر پر ہی منحصر ہوتا تھا جس طرح آج کل عصری جامعات میں ہوتا ہے، کتابوں کی تدریس کا نظم و نسق نہ تھا۔ ممکن ہے کہ اس دور میں تدریسی کتابیں تصنیف نہ ہوئی ہوں جب کتابیں لکھی گئیں تو ان کی تدریس کا باضابطہ سلسلہ بھی شروع ہوا۔

پہلے مساجد میں ہی تعلیم کا نظم و نسق ہوا کرتا تھا مساجد کے دالان اور اس سے متصل کمرے طلبہ کی تعلیم و تدریس کے لئے خاص ہوا کرتے تھے، ۲۴۵ھ یعنی تیسری صدی ہجری پانچویں صدی عیسوی میں باضابطہ جامع قزوین اور جامع اندلس کی بنیاد پڑی، ہجرت کے کوئی چار سو سال بعد یعنی پانچویں صدی ہجری آٹھویں صدی عیسوی میں ابواسحاق اسفرانی کے لئے ایک مدرسہ وجود میں آیا جسے سلطان محمود کے بھائی نصر بن سبکتگین نے بنوایا تھا۔ یہی مدرسہ بعد میں ”مدرسہ بہیقیہ“ کے نام سے مشہور ہوا۔ اس کے بعد نظام الملک نے نیشاپور میں ایک اہم اسلامی مدرسہ کی بنیاد ڈالی اس مدرسہ کو بڑی شہرت ملی۔ ”مدرسہ نظامیہ“ بغداد میں قائم ہوا اس کا تعلیمی معیار بہت بلند تھا، حضرت امام غزالی اسی مدرسہ کے خوشہ چین تھے اور فراغت کے بعد اسی مدرسہ کے پرنسپل بنے۔ پھر رفتہ رفتہ مدارس اسلامیہ کے قیام کا سلسلہ اتنا دراز ہوا کہ پوری دنیا میں مدارس کا جال بچھ گیا۔ اس وقت عصری تعلیم کے نام سے کوئی مدرسہ مخصوص نہ تھا، مذہبی اور عصری علوم کی تعلیم ساتھ ساتھ ہوا کرتی تھی۔ البتہ فقہی مسالک کے اعتبار سے کچھ مدرسے خاص ہوتے تھے۔ جس کی طرف اشارہ المدارس فی تاریخ المدارس کے مصنف نعیمی نے ان لفظوں میں کیا ہے۔

”دمشق میں جو مدارس تھے ان میں الگ الگ جدا گانہ نصاب جاری تھا ۷۷ مدرسے صرف قرآن کریم کی تعلیم کے لئے ۱۶ مدرسے درس حدیث کے لئے اور تین مدرسے ان

دونوں کی مشترکہ تعلیم کے لئے خاص تھے، اس کے علاوہ فقہ شافعی کے لئے ۶۳ فقہ حنفی کے لئے ۵۲ فقہ حنبلی کے لئے ۱۱ اور فقہ مالکی کے لئے ۴ مدرسے قائم تھے۔ بغداد کے مدرسہ مستنصریہ میں ان چاروں مذاہب کے فقہ کی تعلیم ایک ساتھ ہوا کرتی تھی۔“

عرب تجار جب ہندوستان کے سواحل سمندر علاقہ مالابار میں تجارت کی غرض سے تشریف لائے تو انہوں نے وہاں مساجد کی تعمیر کیں اور اسی میں بچوں کی مذہبی تعلیم کا بند و بست کیا، ایسے ہی ہندوستان کے ان مغربی علاقوں میں جسے محمد بن قاسم نے فتح کئے تھے وہاں بھی تعلیم کا نظم و نسق ہوا، غزنوی عہد میں بھی ہندوستان کے کئی اہم شہروں بطور خاص لاہور اور دہلی میں تعلیمی مراکز قائم ہوئے۔ چھٹی صدی ہجری یعنی قطب الدین ایبک کے عہد حکومت میں ہندوستان کے اندر سیکڑوں مدارس کا پتا چلتا ہے۔ بعد کے سلاطین نے بھی اس طرف بھرپور توجہ فرمائی جن کی تفصیل اس موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔ عہد مغلیہ میں اورنگ زیب چوں کہ مذہبی ذہن و دماغ کا مالک تھا اس لئے اس نے کئی مدرسے قائم کئے اور باقاعدہ اس کے لئے بجٹ مخصوص کیا، اس کا نقطہ نظر تعلیم کے بارے میں بہت وسیع تھا اور بڑی حد تک موجودہ دور کے طرز فکر سے مشابہ بھی، انہوں نے لکھنؤ کے اندر ایک ڈچ تاجر کی کوٹھی خرید کر ”فرنگی محل“ کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا اور ملا نظام الدین سہالوی (وفات ۱۷۴۸ء) کو اس میں استاد مقرر کیا، یہ ملا نظام الدین سہالوی وہی ہیں جنہوں نے اورنگ زیب کی ایمپراڈینی مدارس کے لئے ایک جامع نصاب تیار کیا تھا جو ان کے نام کی مناسبت سے ”درس نظامی“ سے مشہور ہوا اور آج بھی برصغیر میں اسی نام سے متعارف ہے۔ وہ نصاب مذہبی اور عصری علوم کا حسین امتزاج ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی (وفات ۱۷۶۲ء) نے اپنے دور میں اس نصاب میں جزوی ترمیم کر کے نصاب کو ایک نئی جہت عطا کی انہوں نے درس نظامی کے آخری دو سال کو دورہ حدیث کا سال قرار دیا اور اس میں صحاح ستہ کی شمولیت کو لازم قرار دیا اور اس کی تعلیم کو طلبہ کے ذہن و دماغ میں آسانی سے اتارنے کے لئے ”رسالہ دانشمندی“ میں بہترین اصول بتائے جس میں انہوں نے لکھا:

”مطالعہ کتاب پر کافی زور دینا چاہئے اور بذریعہ تحقیق اس کی تہہ تک پہنچنے کی جد

وجہد کرنی چاہئے“

آج سے کوئی سوا سو سال قبل مولانا شبلی نعمانی نے نصاب کی تبدیلی اور اس کی اہمیت پر زور دیا جس کے نتیجے میں سات سال بعد ۱۸۹۴ء میں لکھنؤ کے اندر دارالعلوم ندوۃ العلماء کے نام سے ایک ادارہ عمل میں آیا اس مقالہ میں انہوں نے لکھا تھا۔

”میں مسلسل اس بات پر زور دیتا ہوں کہ نہ تو جدید انگریزی نصاب اور نہ ہی ہمارے مدارس کی قدیم روایتی نصاب ہمارے ضروریات و مقتضیات کے مطابق ہے ہماری ضروریات کی تکمیل اور مسائل کے حل کے لئے دونوں نصاب ہائے تعلیم (دینی اور عصری) میں بہترین امتزاج کی ضرورت ہے۔“ (۱۵)

آغاز سے لے کر غدر سے پہلے تک کا جو تعلیمی مزاج ہندوستان میں متعارف تھا اسے چار مراحل میں تقسیم کر کے سمجھا جاسکتا ہے۔

(الف) پہلے مرحلہ میں نصاب درس پر فقہ اسلامی کا غلبہ تھا یہ دور ہندوستان کی ساتویں صدی ہجری سے دسویں صدی ہجری پر محیط ہے، اس دور میں درس کے اندر علوم آلہ کے طور پر نحو، صرف، منطق، اصول فقہ اور بلاغت شامل تھی اور علوم مقصودہ کے طور پر تفسیر، حدیث، کلام اور فقہ کی تعلیم دی جاتی تھی اور بعض کتابیں معقولات کی شامل درس تھیں جن کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

(۱) علم نحو

۱- المصباح - للامام ناصر المطرزی (م ۵۱۰ھ)، الکافی لابن حاجب، لب الالباب قاضی ناصر الدین بیضاوی والارشاد لقاضی شہاب الدین دولت آبادی۔

۲- علم الفقہ - المتفق، مجمع البحرين، القدوری و الہدایہ

۳- علم اصول فقہ - الحسامی، المنار و شروحه و اصول البنزدوی

۴- علم التفسیر - المدارک، البیضاوی و الکشاف

۵- علم الحدیث - مشارق الانوار و مصابیح السنۃ

۶- الادب - مقامات الحریری

۷- علم المنطق - شرح الشمشیہ

۸- علم الکلام - شرح الصحائف ۲. التمهید للشیخ ابوشکور سالمی

(ب) دوسرے دور میں نصاب درس کے اندر علوم عقلیہ کی بڑی اہمیت تھی۔

علوم عقلیہ کے کئی ایک ماہرین علماء دوسرے ملکوں سے دہلی آئے اور ان کے ذہن و فکر کے اثرات نصاب درس پر پڑے شیخ عبداللہ اور شیخ عزیز اللہ ملتانی نے نصاب درس میں عضد الدین بیضاوی کی المطالع والمواقف اور سکا کی مفتاح العلوم کو درس کا حصہ بنایا اور شرح الصحائف اور شرح الشمشیہ کو نصاب درس سے خارج کر دیا اور اسی عہد میں میر سید شریف کے تلامذہ نے شرح، اور شرح المواقف اور تفتازانی کے تلامذہ نے مطول و مختصر، تلویح اور شرح عقائد للنسفی کا اضافہ کیا اس دور میں نصاب درس پر منطق اور علم کلام کا غلبہ رہا، یہ وہی زمانہ تھا جب حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے حجاز مقدس کا سفر کیا اور تین سال وہاں رہ کر علم حدیث میں مہارت پیدا کی اور جب واپس تشریف لائے تو کتب احادیث کا ذخیرہ بھی اپنے ساتھ لائے اس وقت کے نصاب درس میں وہ علم حدیث کی کتابیں شامل درس کرنا چاہتے تھے مگر اس سلسلے میں کامیابی نہیں ملی ان کا یہ مقصد تعلیمی منہج کے تیسرے دور میں پورا ہوا۔

(ج) تیسرے دور میں علم حدیث کی نصاب درس میں بڑی اہمیت رہی اور یہ سلسلہ عہد عالمگیری تک برقرار رہا۔

یہ دور گیارہویں اور بارہویں صدی پر مشتمل ہے اس دور میں علم حدیث کو خوب رواج ملا حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی کوشش سے نصاب میں حدیثی کتب کو جگہ ملی بعد میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے ذریعہ اسے بہت ترقی ملی اس دور کے نصاب تعلیم میں درج ذیل مضامین بطور درس پڑھائے جاتے تھے۔

علم نحو الکافی و شرح الجامی

علم المنطق شرح الشمشیہ و شرح المطالع

علم الفلسفة	شرح هداية الحكمة
علم الکلام	شرح العقائد للنسفی مع حاشیة للخیالی و شرح المواقف
علم الفقه	شرح الوقایة و شرح الهدایة کامل
علم اصول الفقه	الحسامی و التوضیح والتلویح
علم البلاغة	المختصر و المطول
علم الرياضيات والهيئة	بعض رسائل المختصرة
علم الطب	موجز القانون
علم الحديث	مشکوٰۃ المصابیح ، شمائل الترمذی و بعض ابواب البخاری
علم التفسیر	المدارک و البیضاوی
علم التصوف	العوارف والرسائل النقشبندیة و شرح الرباعیات للجامی
	و مقدمه شرح اللمعات و مقدمه نقد النصوص

(د) چوتھا مرحلہ بارہویں صدی ہجری سے شروع ہو کر ۱۸۵۷ء تک چلتا ہے اسی عہد میں اورنگ زیب عالم گیر کے عہد حکومت میں انہی کی ایمپریٹل نظام الدین بن قطب الدین سہالوی نے نیا نصاب تیار کیا تھا، ملا نظام الدین سہالوی (وفات ۱۷۲۸ء) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (وفات ۱۷۶۲ء) کے معاصرین میں سے تھے اس لئے اس دور میں جو نصاب تعلیم تھا اس کی کافی کتابیں نصاب بناتے وقت شامل کی گئیں، منطق کی کتابوں کو بدل دیا گیا اس کی جگہ دوسری کتابیں شامل درس کی گئیں، بعض تفسیر کی کتابوں کو بھی شامل درس کیا گیا، اس نصاب میں بھی عصری علوم ریاضی و فلسفہ جیسے علوم کو کافی اہم مقام ملا، اس دور میں جو نصاب تیار ہوا وہ کچھ اس طرح تھا۔

علم الصرف میزان و منشعب و صرف میر و زبدة و فصول اکبری و الشافعية

یہ تمام کتابیں فارسی زبان میں ہیں۔

علم النحو نحو میر و شرح مائة عامل و هداية النحو و كافية و شرح جامی

علم المنطق	صغری و کبری و ایساغوجی و تہذیب و شرح التہذیب و قطبی و سلم العلوم
علم الحکمة	میبذی ، صدرا و شمس بازغہ
علم الرياضة	خلاصة الحساب و تحریر اقلیدس (المقالة الاولى) و تصریح الافلاک، و رسالة قوشجية و شرح جعمنی (الباب الاول)
علم البلاغة	المختصر المعانی ، المطول
علم الفقه	شرح الوقایة و الهدایة (الاخیرین)
علم اصول الفقه	نور الانوار و توضیح التلویح و مسلم الثبوت
علم الکلام	شرح العقائد للنسفی و شرح العقائد للجلالی و میر زاهد و شرح المواقف
علم التفسیر	جلالین و البیضاوی
علم الحديث	مشکوٰۃ المصابیح

غدر تک ہندوستان میں یہی نصاب دینی و عصری تعلیم کے امتیاز کے بغیر چلتا رہا، عصری تعلیم کے لئے الگ سے کوئی مدرسہ نہیں تھا ایک ہی چھت کے نیچے دونوں طرح کی تعلیم کا بندوبست تھا اور حد تو یہ ہے کہ ایک ہی استاذ قرآن و حدیث کی بھی تعلیم دیتا تھا اور وہی استاذ تحریر اقلیدس اور ہیئت و نجوم کے تدریس کے فرائض بھی انجام دیتا تھا۔ مولانا عبدالمالک لکھتے ہیں۔ ”درس نظامی کا یہ نصاب جو ہمیں پچھلے دور سے بطور ورثہ ملا ہے علوم اسلامیہ اور علوم عصریہ پر مشتمل تھا جب ممالک اسلامیہ پر کفر کی استعماری اور سامراجی طاقتوں نے تسلط حاصل کر لیا تو اس نے ایک عرصہ کے بعد پرانے نظام اور اس کے لئے رجال کا رتیار کرنے والے نظام تعلیم کو ختم کر دیا، یہ علمائے امت کا کارنامہ ہے کہ انہوں نے علوم اسلامیہ پر مشتمل اس نصاب تعلیم کو جان کی بازی لگا کر بعینہ زندہ رکھا اور پورے دو سو سال اس کی حفاظت کی فرض کفایہ کو قائم کرنا امت یعنی مسلمانوں کی حکومت کی ذمہ داری ہوتی ہے جب حکومت ختم ہوگئی تو علماء نے ثابت کر دکھایا کہ وہ امت پر عائد ہونے والے فرائض کو ادا کر کے ”اولی الامر“ اور ”ورثۃ الانبیاء“ کا مصداق ہیں اس پر ان علمائے کرام کو

مبارک باد دینا چاہئے۔“ (۱۶)

۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستان کے تعلیمی نظام میں ایک نیا موڑ آیا عرب تجارت کی طرح انگریز تجارت نے بھی ہندوستان کا رخ کیا اور اپنے تجارتی مقصد کو بحسن و خوبی انجام دینے کے لئے یہاں ایسٹ انڈیا کمپنی قائم کی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے تجارتی فروغ کے نام پر جو پالیسی بنائی وہ ہندوستانیوں کے دینی، تعلیمی، سماجی اور معاشی تباہی سے لے کر ہندوستان پر قبضہ اور ملک گیری تک وسیع تھی، انہوں نے اس کامیابی کا دار و مدار یورپی کلچر اور لاندہ بیت پر رکھا تھا، دینی مدارس کو ختم کر کے لادینیت اور مغربی تعلیم کو رائج کرنے کے لئے انہوں نے جائز و ناجائز اور جبر و اکراہ کا راستہ اختیار کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کیا ان کی ان سرگرمیوں کو دیکھ کر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (وفات ۱۷۶۲ء) نے پیشین گوئی کی تھی کہ اگر ان مسلم دشمن طاقتوں کو بڑھنے اور ترقی کرنے کی کھلی چھوٹ دے دی گئی تو ہندوستان میں وہ مسلمانوں کو اس نوبت تک پہنچا دیں گے کہ ہندوستانی مسلمان بالآخر نہ اسلام سے واقف رہیں گے اور نہ کفر سے۔“ (۱۷)

ہو ابھی یہی کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے اور مسلمانوں کی جس طرح پسپائی ہوئی وہ سالوں گزرنے کے بعد آج بھی محسوس کی جاسکتی ہے۔ اسلامیان ہند کے زوال اور ہمہ جہت پس ماندگی میں کم از کم چار بنیادی اور اہم اسباب تھے۔

- ۱- برٹش سامراجیت اور آزاد بھارت میں مسلمانوں کی ثقافتی، تہذیبی، تعلیمی، سماجی معاشی اور سیاسی نظام کا انہدام۔
- ۲- مسلمانوں کی تعلیمی، معاشرتی اور سیاسی انہدام میں حکومت کا تعصب۔
- ۳- اکثریتی فرقہ کے مظالم اور فرقہ پرستوں کی جانب سے منظم نسل کشی، اور فسادات میں جانی و مالی نقصانات۔
- ۴- مسلم قیادت پر بدعقیدہ فکر و عمل سے عاری سیکولر ازم اور غیر مخلص افراد کا تسلط ایسے منصوبوں پر مشتمل عصری تعلیم کا باضابطہ ایک نیا نظام قائم کیا گیا ہندوستان میں انگریزوں کی آمد و رفت کا سلسلہ تو بہت پہلے شروع ہو چکا تھا مگر انہیں مضبوطی اس

وقت ملی جب انہوں نے ایسٹ انڈیا کے نام سے اپنی کمپنی بنالی، اسلامی مدارس ہندوستان میں علوم کی نشر و اشاعت میں سرگرم عمل تھے ہی انگریزی اور عصری علوم جدا گانہ طور پر پہلی بار ہندوستان میں ۱۶۰۰ء میں انگریزوں کے دخول کے وقت ہی داخل ہوئے اور آہستہ آہستہ ان کی جڑیں مضبوط ہوتی گئیں اس طرح ہندوستان میں عصری علوم کے تدریجی ارتقا کو درج ذیل مراحل میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

- ۱- پہلا مرحلہ انگریزوں کے دخول ۱۶۰۰ء سے ۱۷۵۷ء تک
- ۲- دوسرا مرحلہ ۱۷۵۸ء سے ۱۸۱۲ء تک
- ۳- تیسرا مرحلہ ۱۸۱۳ء سے ۱۸۳۵ء تک
- ۴- چوتھا مرحلہ ۱۸۳۶ء سے ۱۸۵۴ء تک
- ۵- پانچواں مرحلہ ۱۸۵۵ء سے ۱۹۲۱ء تک
- ۶- چھٹا مرحلہ ۱۹۲۲ء سے ۱۹۴۷ء تک

ہندوستانی تہذیب و ثقافت، ہندی اور اردو زبان کی تفہیم کے لئے، تجارتی معاملات کو ہندوستان کے ساتھ بہتر بنانے اور اردو زبان کو فروغ دینے کے لئے لارڈ ویلیزلی نے ۱۸۰۰ء میں فورٹ ولیم کالج کی بنیاد ڈالی، سنسکرت زبان کے فروغ کے لئے جونسن ڈیکن نے ۱۸۰۰ء ہی میں بنارس کے اندر ”سنسکرت کالج“ قائم کیا، اس طرح ہندوستان کے مختلف شہروں میں کئی کالج قائم کئے گئے جہاں سماجی تعلیم کے ساتھ ساتھ عصری تعلیم کا بندوبست ہوا۔ کالج کی سطح سے ہٹ کر انگریزوں نے عصری تعلیم کو مزید فروغ دینے کے لئے یورپ کی یونیورسٹیوں کی طرز پر ہندوستان میں بھی یونیورسٹیاں قائم کیں جن میں عصری تعلیم کے جدا گانہ شعبے قائم کئے اور پھر بڑے پیمانے پر عصری تعلیم کا سلسلہ ہندوستان میں شروع ہوا سب سے پہلے کولکاتا میں آکسفورڈ یونیورسٹی کی طرز پر جنوری ۱۸۵۷ء میں یونیورسٹی قائم ہوئی اس کے چار ماہ بعد اپریل ۱۸۵۷ء میں ممبئی اور ستمبر ۱۸۵۷ء میں مدراس یونیورسٹی کا قیام عمل میں آیا۔ اس کے ۱۳ سال بعد ۱۸۷۰ء میں پنجاب یونیورسٹی اور آٹھ سال بعد ۱۸۷۸ء میں الہ آباد یونیورسٹی قائم ہوئی۔ ان جامعات سے بعد میں کئی بڑے بڑے کالجز کا تعلیمی الحاق ہوا۔ اس

طرح عصری تعلیم ہندوستان کے گوشے گوشے میں پھیل گئی۔ لارڈ میکالی وہ پہلا شخص ہے جس نے ہندوستان میں ۱۸۳۶ء میں قدم رکھا اور عصری تعلیم کی نشر و اشاعت کے تعلق سے ہندوستان کی سرزمین پر کاربائے نمایاں انجام دئے۔ لارڈ کوہی ہندوستان میں عصری تعلیم کا باوا آدم کہا جاتا ہے۔ انگریزوں کی اس نظام تعلیم کا مسلمانوں پر براہ راست اثر پڑا۔ حکومت کا مقصد عوام میں تعلیمی بیداری نہیں بلکہ مغربی تہذیب کا فروغ تجارتی اور سیاسی تسلط تھا انہوں نے ”لڑاؤ اور حکومت کرو“ کی پالیسی اپنائی، ہندوؤں اور مسلمانوں میں نفرت و عداوت کی دیوار قائم کرنے کے لئے مشرقی علوم کا احیا کیا۔ ۱۸۳۵ء میں فارسی کی جگہ جو ہندوستانی حکومت اور انتظامیہ کی زبان تھی سب سے پہلے انگریزی زبان کو تعلیم و انتظامیہ کی زبان قرار دیا۔

”۷ مارچ ۱۸۳۵ء میں گورنر جنرل لارڈ ولیم بنٹیک نے انگریزی کو ذریعہ تعلیم بنانے کے لئے لارڈ میکالے کی یادداشت کو راجہ رام موہن رائے کی حمایت سے منظور کر لیا اور یہ پاس کر دیا کہ ہندوستان میں اب تعلیم اور انتظامیہ کی زبان انگریزی ہوگی“۔ (۱۸)

ان تجاویز پر ہنگامہ ہوا مگر تعلیمی کمیٹی پر اس کا کچھ اثر نہ پڑا، فارسی زبان ختم کر دی گئی انگریزی کے نفاذ سے متعلق احکام ملک پر نافذ کر دئے گئے جس کا براہ راست مسلمانوں کے نظام تعلیم پر اثر پڑا، مجموعی حیثیت سے جس کا نقصان مسلمانوں کو پہنچا، اس کا اندازہ پروفیسر عزیز احمد کے درج ذیل تبصرہ سے لگایا جاسکتا ہے۔

”۱۸۳۵ء میں فارسی کی جگہ انگریزی زبان کو تعلیم و انتظامیہ کی زبان بنانے سے مسلمانوں کو ہندوؤں کے مقابلہ میں بہت زیادہ نقصان پہنچا ہندوؤں کے لئے تو یہ صرف ایک غیر ملکی زبان سے دوسری غیر ملکی زبان میں تبدیلی کا معاملہ تھا وہ بڑی آسانی سے خود کو ان مغربی افکار سے ہم آہنگ کر سکے جس کا انگریزی تعلیم کے ساتھ آنا لازمی تھا اسلامیان ہند اس قسم کے تحفظاتی عمل سے اب تک نہیں گذرے تھے ان کے لئے تو اس تبدیلی کا معنی اپنے ثقافتی ورثہ کو چھوڑ کر ایک مخاصم ثقافت کو قبول کرنا تھا“۔ (۱۹)

انگریزوں نے زبان اور مدارس کو ختم کر کے ان کی جگہ ایسے اداروں کو فروغ دیا جو

برٹش سامراجیت کے وفادار تھے ان مدارس کی مالی امداد کی جن میں انتشار بین المسلمین کے لئے بدعتیہ کی تعلیم دی جاتی تھی، فارسی کے بجائے انگریزی کو عام ذریعہ تعلیم بنانے سے تعلیم و حصوں میں تقسیم ہوگئی، دینی نظام تعلیم اور دنیاوی نظام تعلیم۔ دینی نظام تعلیم کو معاش سے کاٹ دیا گیا اور مشرقی علوم اور مغربی نظام تعلیم کو معاش سے جوڑ دیا گیا۔

مدرسہ عالیہ کوکاتا:

انیسویں صدی کے وسط تک انگریزی اور عصری تعلیم نے ہندوستان میں کافی اہمیت و مقبولیت حاصل کر لی انہوں نے مدارس کا خاتمہ کیا اور اپنی تجارت کو فروغ دینے کے لئے انگریزی زبان کی نشر و اشاعت پر خصوصی توجہ مبذول کی اور یورپین طرز پر کچھ نئے مدارس بھی قائم کئے وارن ہاسٹنگ نے کوکاتا میں ۱۷۸۱ء میں ایک مدرسہ قائم کیا جو ”مدرسہ عالیہ“ کے نام سے مشہور ہوا اس مدرسہ میں قرآن و حدیث، اسلامی اور یورپین تہذیب و ثقافت، اسلامی شریعت، حساب اور عربی زبان و ادب الغرض اس میں انگریزی زبان کے علاوہ متعدد علوم و فنون کی تعلیم کے لئے اساتذہ مقرر کئے گئے اس مدرسہ عالیہ کو بنگال حکومت نے ۲۰۰۷ء میں یونیورسٹی کا درجہ دے دیا۔

مدرسہ عالیہ رام پور:

یہ مدرسہ انگریزوں نے تو نہیں قائم کیا لیکن اس کی تاریخ بھی کچھ کم قدیم نہیں ۱۸۵۷ء سے قبل اس کا قیام عمل میں آچکا تھا اور اس وقت اسے منطق و فلسفہ کی یونیورسٹی کہا جاتا تھا۔ اس مدرسہ کا قیام رام پور میں ہوا، رام پور اگرچہ ایک چھوٹی ریاست تھی مگر اس مدرسہ کے باعث اس ریاست کا شہرہ پورے عالم اسلام میں ہو گیا تھا، اس مدرسہ کا قیام نواب فیض اللہ خاں کے عہد میں بحر العلوم مولانا عبدالحی فرنگی محلی (وفات ۱۳ اگست ۱۸۱۰ء) کے رام پور آنے پر ہوا جو حافظ رحمت خاں کی شہادت ۱۷۷۴ء کے بعد نواب فیض اللہ خاں بانی ریاست (وفات ۱۷۹۴ء) کی استدعا پر شاہجہاں پور سے رام پور آ گئے اور مدرسہ محلہ میں مسند درس کو رونق بخشی، مولانا کی مسند درس کی وجہ سے ہی یہ مدرسہ محلہ کہلایا اس زمانے تک اس

مدرسہ کا نام مدرسہ عالیہ نہیں ہوا تھا بلکہ صرف ”مدرسہ“ یا زیادہ سے زیادہ ”مدرسہ عربی“ کہلاتا تھا، اس کا نام نواب محمد سعید خاں (وفات ۱۸۵۵ء) کے عہد میں مدرسہ عالیہ ہو گیا۔ اس مدرسہ کے نصاب میں بھی مذہبی اور عصری تعلیم دونوں ساتھ ساتھ دی جاتی تھی۔ (۲۰)

اس مدرسہ کے نصاب درس کی بنیاد شروع ہی سے ملا نظام الدین سہالوی کے مرتب کئے ہوئے نصاب درس پر تھی طلبہ کی ضرورتوں استعدادوں اور اس کے سربراہوں کے ذوق و صواب دید کے لحاظ سے کمی بیشی ہوتی رہی چونکہ مدرسہ کے اساتذہ بالعموم سہالوی خانوادہ سے علمی اکتساب رکھتے تھے اس لئے اس درس میں کسی انقلابی تبدیلی کا سوال ہی نہ تھا۔

ملا نظام الدین سہالوی کا نصاب درس درج ذیل کتابوں پر مشتمل تھا اس میں مذہبی اور عصری علوم دونوں شامل تھے جن کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

تفسیر الجلالین، تفسیر البیضاوی (سورة البقرہ) مشکوٰۃ المصابیح، شرح عقائد النسفی، شرح المقاصد، شرح عقائد جلالی، میر زاهد، امور عامہ، نور الانوار، التوضیح والتلویح، مسلم الثبوت، شرح الوقایہ، ہدایہ اولین، ہدایہ اخیرین، میزان الصرف و منشعب، صرف میر، پنج گنج، فصول اکبری، شافیہ، نحو میر، زیدہ، شرح ماء عامل، ہدایہ النحو، کافیہ، شرح جامی، مختصر المعانی، مطول، کبریٰ، ایسا غوجی، تہذیب، شرح التہذیب، شرح القطبی، شرح ہدایہ الحکمۃ، میڈی، صدراء شمس بازغہ، خلاصۃ الحساب، تصریح الافلاک، رسالہ قوسجیہ، شرح چغمنی۔

پھر بعد میں عصری علوم کے تعلق سے درج ذیل کتابوں کا نصاب میں اضافہ ہوا اور وقتاً فوقتاً یہ عمل ہوتا رہا۔

علم مثلث بالہندسہ و مثلث بالجبر اور اقلیدس مقالہ ششم، جدید جغرافیہ ہندوستان۔

حدیث کی صحاح ستہ ملا نظام الدین سہالوی کے درس نظامی کا حصہ نہ تھیں، غالباً

یہ شخصی سلسلہ سند ہوتا تھا جو اس درس سے فراغت کے بعد طلبہ اپنے طور پر اپنی پسند سے اپنے عہد کے محدثین سے حاصل کرتے تھے۔ شاید اسی روایت کے تحت مدرسہ عالیہ رام پور میں آخر تک حدیث کی صحاح ستہ مدرسہ کے اپنے درس کا جز نہ بن سکیں۔ (۲۱)

ہندوستان میں انگریزوں کے تسلط قائم ہو جانے کے بعد جس طرح مدارس کی تباہی و بربادی ہوئی وہ بیان سے باہر ہے، ہزاروں دینی مدارس صفحہ ہستی سے مٹا دیے گئے ایسا صرف اس لئے ہوا تا کہ مغربی تہذیب کو پوری طرح ہندوستان پر مسلط کیا جاسکے جس میں وہ کامیاب بھی ہوئے جو مشرقی تہذیب کے دلدراہ تھے وہ بھی مغربی تہذیب کے مداح نظر آنے لگے۔ مولانا ڈاکٹر فضل الرحمن انصاری اس صورت حال کا جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”آج عالم اسلام جس قسم کے بحرانوں کا شکار ہے تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی دراصل ان کا سبب مغربی تہذیب کے وہ مضراثرات ہیں جو اس نے عالم اسلام پر مرتب کئے حقیقت میں بحران کی ابتدا اس وقت ہوئی جب مغربی استعماری قوتوں نے ایک طرف تو سیاسی طور پر مسلمانوں کو اپنا محکوم بنایا پھر اس کے بعد انہی قوتوں نے باقاعدہ ایک منظم طریقے سے مسلم تہذیب و ثقافت اور خود مختاری کی روح کو کچلنے کا پلان بنایا اور دوسری طرف مسلمانوں پر ایک ایسا تعلیمی نظام مسلط کرنے کی تیاری کی گئی جس کے ذریعہ مسلمانوں کو ان استعماری قوتوں کا ذہنی غلام بنایا جاسکے۔

یہ تعلیمی نظام دراصل اسلام دشمنی پر مبنی تھا جسے لارڈ میکالے کی ایک رپورٹ میں پڑھا جاسکتا ہے اس رپورٹ کا خلاصہ یہ ہے کہ اس شخص نے ہندوستان کا دورہ کیا اور یہ محسوس کیا کہ مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک یہاں (ہندوستان) میں نہ کوئی چور ہے اور نہ کوئی بھکاری اور اس کی وجہ یہاں کی آسودہ حالی تھی جس کی وجہ انہیں چوری کرنے یا دست سوال دراز کرنے کا موقع ہی نہ ملتا تھا اس شخص نے لکھا کہ اس طرح کے لوگوں پر کامیابی حاصل کرنا ممکن نہیں لگتا الحاصل اس کا حل یہ نظر آتا ہے کہ مسلمانوں کے لئے ایسا تعلیمی نظام مرتب کر دیا جائے جس کے ذریعہ ان کے اذہان میں یہ بات ڈالی جائے کہ ان کا اپنا نظام تعلیم ناقص ہے جب کہ انگریزی نظام تعلیم کامل ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا مسلمان

ہمارے نظام تعلیم کے مطابق تعلیم حاصل کریں گے اور پھر آہستہ آہستہ ہماری اقدار اپنائیں گے اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ مسلمان خود کو کمتر جب کہ ہم کو برتر و بہتر سمجھیں گے اور ذہنی طور پر ہمارے غلام بن جائیں گے تو ان پر حکومت کرنا آسان ہو جائے گا۔ (۲۲)

۱۸۵۷ء کے بعد انگریزوں نے پورے ہندوستان پر تسلط قائم کرنے کے بعد مدارس عربیہ کو جس طرح تہس نہس کیا اس سے مسلمان بہت ناراض تھے اسی وجہ سے ان کے اندر انگریزی زبان اور ان کی تہذیب و ثقافت سے مخالفت روز بروز بڑھتی جا رہی تھی، جو مدارس انگریزوں کے نشانے سے بچ کر مسلمانوں کے زیر اثر تھے ان میں انگریزی زبان کی تعلیم کو شجر ممنوعہ سمجھا گیا، انگریزوں نے بیشتر مسلمانوں کے مدارس بند کر دیے تھے اس کی ناراضگی انہیں پہلے سے ہی تھی جس کا احساس انگریزوں کو اچھی طرح تھا۔ انیسویں صدی کی دوسری دہائی ۱۹۱۳ء میں کانپور میں ایک بڑا حادثہ پیش آیا، ہوا یہ کہ سماجی ضرورت کے پیش نظر مچھلی بازار والی مسجد کا بازو گرا دیا گیا اس حساس مسئلہ کو لے کر جب مسلمان احتجاج کے لئے جمع ہوئے تو انگریز فوج نے گولی چلا دی جس کے نتیجے میں تقریباً تین سو مسلمان شہید ہو گئے، اس حادثہ فاجعہ پر ہندوستان میں تو کچھ زیادہ چمچی گئیاں نہ ہوئیں البتہ برطانیہ میں اس واقعہ کو زیادہ شہرت ملی ایوان حکومت کے اندر و باہر ہندوستانی حکومت پر کڑے لفظوں میں نکتہ چینی کی گئی یہاں تک کہ اس زمانہ میں یوپی کے گورنر بھی زیادہ پریشان ہو گئے، اس زمانے میں مسلمانوں کی کوئی سیاسی جماعت نہیں تھی لے دے کے آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس تھی جو اصولاً تو تعلیمی مسائل سے دلچسپی رکھتی تھی مگر اس کے سالانہ اجتماعات میں شرکاء کانفرنس مسلمانوں کے سیاسی معاشی مسائل پر بھی تبادلہ خیال کرتے تھے اس کا صدر ایم او کالج کا مجلس ٹرسٹیان کا سکریٹری ہوا کرتا تھا اس زمانہ میں اس کی ذمہ داری کے فرائض نواب وقار الملک انجام دے رہے تھے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ جب وہ گورنر سے ملاقات کے لئے پہنچے تو اس نے اظہار افسوس کے ساتھ کہا کہ نواب صاحب برطانیہ کی گورنمنٹ کو زیادہ افسوس ہے کہ کانپور کے اندر تین سو مسلمان مارے گئے یہ سن کر نواب صاحب نے انتہائی طنزیہ لہجہ میں کہا :

”اے حضور رہنے دیجئے مسلمانوں کا ہی تو خون تھا سو بہہ گیا کوئی کتے بلیوں کا تو خون تھا نہیں جس کا افسوس کیا جائے۔“ (۲۳)

اس طنز سے گورنر بالکل کٹ گیا اور پھر اسے مزید ہمت نہ پڑی کہ اس حادثہ فاجعہ کے بارے میں کچھ معذرت کرے، کہا جاتا ہے کہ گفتگو کا رخ موڑتے ہوئے اس نے کہا کہ نواب صاحب آپ کو شکایت تھی کہ برادران وطن کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے مسلمانوں کو تعلیم کے معاملہ میں ترقی کے مواقع نہیں فراہم کئے جاتے ہیں، میری حکومت نے اس بات پر غور کیا ہے اور ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ آپ کی یہ شکایت بجائے لہذا سر دست ہم تجربہ کے طور پر اپنی اسکیم کے دائرہ عمل کو پرائمری ایجوکیشن تک محدود رکھنے میں کامیابی کے بعد وسطانی اور اعلیٰ تعلیم تک بڑھا دیں گے اور مسلمانوں کی ابتدائی تعلیم کے لئے ایک مخصوص افسر اور اس کا محکمہ قائم کیا جائے گا، بہر حال اس طرح تین سو شہیدوں کے خوں بہا کے طور پر انسپکٹر آف اسکولس کی جگہ قائم ہوئی اور ان کی مدد کے لئے پانچ ڈپٹی انسپکٹر آف اسکولس مقرر کئے گئے انسپکٹر کی جگہ پر پہلا تقرر نواب وقار الملک کے پرائیوٹ سکریٹری مولوی ابوالحسن غازی پوری کا ہوا پھر وہ جھانسی کے انسپکٹر آف اسکولس ہو گئے اور وہ وہیں اپنے ساتھ انسپکٹر آف محمدن اسکولس کا دفتر بھی لے گئے، ان کے سبکدوش ہونے کے بعد مولانا آل علی نقوی کا تقرر ہوا اس عہدہ کے آخری عہدیدار ظفر الدین صاحب تھے جو ۱۹۵۴ء میں اسے ختم کر کے ڈپٹی انسپکٹر آف اسکولس بنائے گئے اس عہدے کے قائم کرنے کے ساتھ ساتھ عربی مدارس کی اصلاح کے لئے ایک کمیٹی بھی بنائی گئی ورنہ اس سے پہلے عربی مدارس کا کوئی نظم نہ تھا، ۱۹۱۲ء میں الہ آباد یونیورسٹی سے کسی مولوی صاحب نے ملا اور فاضل کے امتحانات کا نظم جاری کیا تھا جو ۱۹۲۱ء تک چلتا رہا، اس کمیٹی نے سرکاری سرپرستی میں مدارس عربیہ کی نگہداشت اور تنظیم کے لئے ایک اسمی تجویز کی یعنی انسپکٹر آف مدارس عربیہ جس کے لئے کمیٹی کی نظر میں موضوع ترین شخص ڈاکٹر عبدالستار صدیقی قرار دیے گئے مگر پریشانی یہ تھی کہ وہ جرمنی میں تھے جہاں وہ لڑائی کے دوران نظر بند تھے گورنر کے ایک حاضر باش اور مشیر کار دوست منشی احترام علی کا کوروی تھے جو مولانا ضیاء الحسن علوی مرحوم کے ماموں اور

خسر ہوتے تھے انہوں نے گورنر سے کوشش کر کے اس جگہ پر اپنے بھانجے کا تقرر کر لیا۔
مولانا ضیاء الحسن علوی ندوہ کے فارغ التحصیل اور علی گڑھ کے ایم اے تھے انہوں نے بڑی تن دہی سے اس عہدہ کو سنبھالا اور ۱۹۲۱ء میں مدارس عربیہ میں نظم و ضبط پیدا کرنے کے لئے عربی و فارسی امتحانات کا سلسلہ شروع کیا اس نظام میں دو امتحانات فارسی میں منشی اور کامل، اور تین امتحانات عربی میں مولوی، عالم اور فاضل مقرر ہوئے، فاضل کے امتحان میں تین شعبے تھے، ادب، دینیات اور طب، ان امتحانات میں بھی مذہبی تعلیم کے ساتھ عصری تعلیم کی بھی رعایت رکھی گئی۔ کچھ دنوں بعد جب مولانا ضیاء الحسن علوی کی اہلیہ کا انتقال ہو گیا جس کے صدمہ نے انہیں بالکل مضطرب کر دیا اور پورا دفتری نظام ان کے ہیڈ کلرک منشی کبیر الدین کے ہاتھوں میں آ گیا، منشی کبیر الدین مخصوص مزاج کے آدمی تھے ان سے لوگوں کا ملنا جلنا کم ہوتا تھا ان کے حریفوں نے ان پر امتحانات میں دھاندلی کے علاوہ اور کئی ایک الزامات لگائے جس میں سے ایک الزام یہ بھی تھا کہ مدارس عربیہ کا یہ نصاب ۱۹۲۱ء میں مرتب ہوا تھا اور جب کہ ملک میں قومی حکومت قائم ہو رہی ہے حالات بدل چکے ہیں نیز دوسرے ممالک میں تعلیم کا انداز بدل گیا ہے، یہ بات خاص طور سے منشی کبیر الدین کے حریف محمد میاں الہ آبادی کہتے تھے جو مصر سے تعلیم حاصل کر کے آئے تھے لہذا مولانا ابو الکلام آزاد کی زیر صدارت قومی گورنمنٹ نے ایک کمیٹی قائم کی جس کے ذمہ امداد پانے والے مدارس کے نصاب کی تنظیم جدید تھی مگر غالباً اس کمیٹی کے ممبران کی نیت خیر پر نہیں تھی مقصد صرف ضیاء الحسن اور منشی کبیر الدین کو نقصان پہنچانا تھا لہذا یہ کمیٹی کوئی مفید کام نہ کر سکی۔

دیکھ مسجد میں شکستہ رشتہ تسبیح شیخ

بتکدہ میں برہمن کی پختہ زناری بھی دیکھ

منشی کبیر الدین اپنی مدت ملازمت پوری کرنے کے بعد باقاعدہ پنشن لے کر ریٹائر ہو گئے اور مولانا ضیاء الحسن اپنی طبعی موت سے اللہ کو پیارے ہو گئے، لہذا ان کے حریف ممبران انہیں کوئی گزند نہ پہنچا سکے۔

ان مدارس عربیہ کے نظم و نسق کو بہتر انداز میں چلانے کے لئے ۱۹۴۵ء میں

انسپکٹر آف مدارس عربیہ اور رجسٹرار امتحانات عربی و فارسی کا چارج مولانا شبیر احمد خاں غوری علی گڑھی نے لیا غوری صاحب اس عہدہ پر تقریباً اکیس سال مامور رہے ان کی مدت کارکردگی میں مدارس عربیہ کا جو معیار قائم ہوا وہ کسی دور میں نہیں رہا، غوری صاحب اہل علم ہونے کے ساتھ ساتھ حسن انتظام کا بھی اعلیٰ ذوق رکھتے تھے اس لئے انہوں نے مدارس عربیہ کی جو درجہ بندی کی اور وہاں جو نظم و نسق قائم کیا وہ قابل ستائش رہا، انہوں نے بھی عصری تعلیم کی رعایت کے ساتھ اپنے دور اقتدار میں بورڈ کا ایک نیا نصاب مرتب کیا اس کے علاوہ اپنے ذوق کے مطابق فاضل معقولات کے نام سے ایک نئے امتحان کا اضافہ بھی کیا۔

پچاس سال بعد پھر اس بات کی ضرورت دامن گیر ہوئی کہ دین کی روح برقرار رکھتے ہوئے عصری تقاضوں سے لیس بورڈ کا جامع نصاب تیار کیا جائے اس کام کے لئے حکومت اتر پردیش نے جامعہ ہمدرد اور جامعہ ہمدرد کے شیخ الجامعہ جناب سراج حسین (آئی اے ایس) نے اسے عملی جامہ پہنانے کے لئے راقم السطور کا انتخاب کیا۔ راقم السطور نے نصاب سازی کے وقت اس بات کا خیال رکھا کہ مذہبی تعلیم اور عصری تعلیم کا ایسا امتزاج پیش کیا جائے جو قدیم صالح اور جدید نافع کا حسین مرقع ہو، چنانچہ ایسا ہی ہوا، اس نئے نصاب کا مطالعہ کرنے کے بعد مشہور ماہر تعلیم جناب سید حامد (وفات ۲۰۱۵ء) کو یہ لکھنا پڑا :
”بالآخر غلام یحییٰ انجم صاحب کی انتھک کوششوں سے ایک ایسا جامع نصاب تعلیم برائے درجات عالیہ شکل پذیر ہو گیا جو مدارس کی تعلیم کی معنویت اور عصری افادیت و موزونیت کی توثیق کرتا ہے“۔ (۲۴)

اس نصاب کا جی، او ہو چکا ہے آج کل مدارس عربیہ جو بورڈ سے الحاق ہیں اسی نصاب کے تحت ان کے طلبہ امتحان دیتے ہیں اس نصاب میں مذہبی تعلیم کے نام سے قرآن وحدیث، فقہ اور فرائض، ادبی تعلیم کے نام سے عربی و فارسی نثر و نظم کے علاوہ تاریخ و تنقید اور عصری تعلیم کے تحت کمپیوٹر، ہندی، انگریزی، حساب، مبادیات سائنس، امور خانہ داری، ٹائپنگ، اور سماجی علوم داخل نصاب ہیں۔ یہاں اس بات کی وضاحت نامناسب نہ ہوگی کہ راقم السطور نے مدرسہ اتر پردیش کے نصاب میں مولوی، عالم، کامل اور فاضل کے امتحان

میں عربی و فارسی زبان کو مساوی درجہ دیا ہے پہلے کامل کا امتحان جو صرف فارسی زبان میں ہوا کرتا تھا اب عربی و فارسی دونوں زبانوں میں تین تین سال کا کر دیا گیا ہے۔ عالم کا امتحان جو صرف عربی زبان میں ہوتا تھا اب عربی و فارسی دونوں زبانوں میں دو دو سال کا کر دیا گیا ہے، پہلے فاضل کا امتحان دینیات اور معقولات کے علاوہ صرف عربی زبان میں ہوا کرتا تھا اب فاضل کے امتحانات میں فارسی زبان کا بھی اضافہ کر دیا گیا ہے۔ اس طرح اور بھی کئی ایک ترمیمات کی گئی ہیں جن کی تفصیل کا یہاں کوئی موقع نہیں۔ یہ واضح رہے کہ اب مدارس میں جو نصاب رائج ہے اسے ”درس نظامیہ“ اور جو نصاب مدرسہ بورڈ کے تحت امداد یافتہ مدارس میں پڑھایا جاتا ہے اسے ”درس عالیہ“ کہا جاتا ہے۔ درس عالیہ ہو یا درس نظامیہ دونوں نصاب میں مذہبی تعلیم کے ساتھ عصری علوم کی تعلیم ضرورت کے مطابق بغیر کسی دشواری کے دی جاتی ہے۔ عصری جامعات میں عصری علوم کی تعلیم کا وسیع نظم و نسق ہے۔ ہر ایک مضمون کے الگ الگ شعبے قائم ہیں جب کہ مدارس میں ایسا نہیں اس نظام تعلیم کی طرف مدارس کے ذمہ داران خدا جانے کب متوجہ ہوں گے۔

ہندوستان کے دینی مدارس خواہ ان میں درس نظامی رائج ہو یا درس عالیہ انہیں دو ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱- مدارس کا ایک زریں دور وہ تھا جب مدارس کی بنیاد توکل اور للہیت پر قائم ہوا کرتی تھی، تقویٰ و طہارت ان کا شعار تھا، سنت نبوی کی پیروی ان کا نصب العین تھا، شریعت و طریقت کا حصول اور ان کی اشاعت ان کا مشن تھا، اہل مدارس فکر معاش کے نہیں فکر معاد کے پیکر تھے، اس دور کے دینی مدارس کا دنیاوی ماحول نام نہاد انگریزی تہذیب اور مادیت کے ریل پیل سے کنارہ کش تھا، اس دور کے دینی مدارس میں اساتذہ و طلبہ نہ صرف تعلیم و تعلم بلکہ تربیت کے لئے بھی کوشاں رہا کرتے تھے، یہی وجہ ہے اس دور کے مدارس درود یوار کے محتاج نہیں تھے بلکہ ایک خالی میدان بھی ام المدارس بن جاتا تھا، اس دور کے مدارس میں نہ کلاس کی حد بندی تھی نہ حاضری رجسٹر اور نہ ہی گھنٹہ وار پڑھائی کا نظم و نسق، اور ایسا بھی نہیں تھا

کہ فلاں کلاس میں فلاں کتاب پڑھنی ہے اور نہ ہی امتحان گاہ میں نگرانی کی حاجت تھی اور نہ ہی نماز جیسی اہم عبادت کے لئے طلبہ کو دوڑانے اور صبح سویرے انہیں بستر سے اٹھانے کے لئے اساتذہ کی نگرانی کی ضرورت تھی، تربیت یافتہ اساتذہ کی تربیت ہی طلبہ کی زندگی میں انقلاب پیدا کر دیتی تھی۔

۲-

دینی مدارس کا دوسرا دور جو عہد حاضر پر محیط ہے اس دور میں بیشتر مدارس کے مزاج و مذاق بدل گئے ہیں مغرب کی خرابیاں اور ان کے طور طریقہ چور دروازے سے در آئے، اساتذہ و طلبہ میں دوریاں بڑھ گئیں دینی علوم کا حصول عصری علوم کی طرح ہو گیا، ادب و احترام جو دینی مدارس کے طلبہ و اساتذہ کا طرہ امتیاز تھا، وہ کتابوں میں محدود ہو کر رہ گیا، اساتذہ و طلبہ کے درمیان بدگمانی کی دیوار قائم ہونے لگی، مدارس کی طرف طلبہ کا رجحان خوب بڑھا تعداد میں بے تحاشہ اضافہ ضرور ہوا، مگر اخلاص و توکل کی عمارت کمزور سے کمزور تر ہو گئی فکر معاش، فکر معاد پر غالب آنے لگی، دینی مدارس کو سرکاری مدارس میں تبدیل کرنے کی ایسی لہر چلی کہ کاغذ پر ہی مدارس قائم ہونے لگے اور انہیں سرکاری امداد بھی ملنے لگی، سرکاری مدارس میں تقرریوں میں رشوت ستانی کا بازار گرم ہوا، جس کے نتیجے میں ان مدارس سے تعلیم عنقا ہو گئی، امتحان گاہیں مچھلی مارکیٹ کا منظر پیش کرنے لگیں، ایسے ماحول میں تعلیم برائے تعلیم رہ گئی تربیت کی اہمیت و ضرورت کا خیال رفتہ رفتہ دلوں سے مٹنے لگا، مہذب اخلاق سے جڑی کتابیں داخل نصاب اب بھی ہیں لیکن الفاظ کی حد تک، معانی و حقیقت سے ان کا کوئی واسطہ نہیں رہا نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ آج سے پچاس سال قبل جس معیار علم و تقویٰ کے حامل افراد کثرت سے علماء کی صفوں میں دکھائی دیتے تھے ان کے نمونے آج شاذ و نادر ہی ملتے ہیں، اکثریت اب ایسے افراد کی ہے جن کی نہ علمی شخصیت پر وقار اور جاذب ہے اور نہ ہی اخلاقی شخصیت قابل توجہ، اور حال تو یہ ہے کہ اب تو ظاہری شخصیت کو پروا رکھنے کی جانب سے بھی اکثر علمائے دین لا پرواہ نظر

آتے ہیں، ان کے کردار و عمل کو دیکھنے کے بعد یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ کیا کبھی ان کا تعلق دینی مدارس سے بھی رہا ہے؟۔ مدارس سے وابستہ تمام ذمہ داران کو اس نازک مسئلہ پر پل بیٹھ کر سنجیدگی کے ساتھ سوچنے کی ضرورت ہے۔

مصادر و مراجع

- ۱- القرآن الکریم سورة الفاطر - ۲۸
- ۲- سلیمان بن اشعث سجستانی، سنن ابی ادود، کتاب الفرائض دارالاشاعت کراچی ص ۵۰۴
- ۳- ابو حامد الغزالی، احیاء العلوم الدین جلد اول ص ۲۴۲ بیروت
- ۴- شہاب الدین ندوی، اسلام کی نشاۃ ثانیہ قرآن کی نظر میں ص ۴۰ کراچی ۱۹۸۳ء
- ۵- ولی الدین تبریزی، مشکوٰۃ المصابیح کتاب الایمان حدیث نمبر ۱۸۶ بیروت طبع ثانی ۱۹۷۹ء
- ۶- القرآن الکریم، سورة نساء آیت ۵۹
- ۷- عبدالمالک، دینی مدارس کا نظام تعلیم ص ۱۲۱۹ اسلام آباد پاکستان
- ۸- القرآن الکریم، سورة البقرة - ۲۰۱
- ۹- محمد بن سعد، طبقات (اردو ترجمہ) جلد ۲ ص ۳۵۸ کراچی ۱۹۲۱ء
- ۱۰- ڈاکٹر حمید اللہ، خطبات بھاؤ پور ص ۱۳۰۹ ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد ۱۹۹۲ء
- ۱۱- مناظر احسن گیلانی، ہندوستان مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت ص ۳۶۳ ندوۃ المصنفین، دہلی ۱۹۶۶ء
- ۱۲- محمد اسحاق، تعلیم ایک تحریک ص ۱۰۱ احیدر آباد ۱۹۹۵ء

- ۱۳- دینی مدارس کا نظام تعلیم ص ۲۲۱
- ۱۴- القرآن الکریم، سورة الحجۃ - ۲
- ۱۵- مقالات سیمینار، دینی مدارس اور ان کے مسائل ص ۱۴۵ جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڑھ ۱۹۹۰ء
- ۱۶- دینی مدارس کا نظام تعلیم ص ۲۲۲
- ۱۷- خلیق احمد نظامی، شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات ص ۵۲ علی گڑھ ۱۹۵۰ء
- ۱۸- سید محمود، اے ہسٹری آف انگلش ایجوکیشن ان انڈیا ۱۸۹۵ء ص ۵۱
- ۱۹- عزیز احمد، ہندوپاک میں اسلامی کلچر ص ۴۰۴ دہلی ۲۰۰۱ء
- ۲۰- عبدالسلام خاں، مدرسہ عالیہ رام پور ایک تاریخی درسگاہ ص ۹ رضالاہیری رام پور ۲۰۰۲ء
- ۲۱- مدرسہ عالیہ رام پور ایک تاریخی درسگاہ ص ۲۳
- ۲۲- ڈاکٹر فضل الرحمن انصاری، حیات و خدمات، ڈاکٹر حامد علی ص ۲۰۶ کراچی ۲۰۱۵ء
- ۲۳- ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ اگست ۲۰۰۲ء ص ۲۴
- ۲۴- غلام یحییٰ انجم، نصاب تعلیم برائے درجات عالیہ اتر پردیش مدرسہ بورڈ لکھنؤ ص ۸ دہلی ۲۰۰۱ء

دینی مدارس کا نظام تعلیم اور عصر حاضر کے تقاضے

مولانا کمال احمد علی

استاذ، دارالعلوم علیہ، جمد اشاہی

دینی مدارس اسلامی تعلیمات اور دینی اقدار و روایات کی نشر و اشاعت کا سرچشمہ ہیں۔ ان مدرسوں میں کتاب و سنت کی تعلیم کے ذریعے نسل انسانی کو نہ صرف ایک سچا پکا مسلمان بنایا جاتا ہے، بلکہ اسے کامل انسان بھی بنایا جاتا ہے۔ ان مدارس کی فیض رسانی ہر دور میں مسلم رہی ہے۔

دیگر تعلیمی اداروں کی طرح ان مدارس کا بھی ایک نظام تعلیم و تربیت ہے، اس نظام تعلیم کی بنیاد تو حید و رسالت، تصور آخرت اور پاکیزہ معاشرت پر ہوتی ہے۔ اس نظام تعلیم کا مقصد اصلی ایک عام انسان کو اللہ رب العزت کا صالح بندہ بنانا ہے، اس نظام تعلیم کی بنیادی عناصر کتاب و سنت کی تعلیم، اور انسان کی سیرت سازی ہے۔

دینی مدارس کا نقطہ آغاز ’صفہ نبوی‘ ہے، یہ اسلام کی اولین درس گاہ تھی، جہاں کے فیض یافتہ لوگوں میں عظیم مفسر، محدث، سیاست داں، سپہ سالار، اور مفکر و دانشور شامل ہیں یہ اسلامی نظام تعلیم ہی کا فیض تھا کہ دنیا میں حضرت ابو بکر جیسے عظیم مدبر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جیسے بلند ہمت سیاست داں پیدا ہوئے، اور اسی نظام تعلیم کے ذریعے ان میں وہ عظیم علمی انقلاب برپا ہوا جس کے اثرات آج بھی واضح طور سے محسوس کئے جاسکتے ہیں۔ کسی بھی علمی ادارے کا معیار تعلیم اس کے نظام تعلیم پر منحصر ہوتا ہے، اگر نظام تعلیم معیاری مفید، اور نفع بخش ہوتا ہے تو اس ادارے کا تعلیمی معیار بھی بلند، مفید اور نفع بخش

ہوتا ہے۔ اسی لئے شروع ہی سے دینی مدارس میں ایسا نظام تعلیم رکھا گیا جس کے ذریعے انسان کو نہ صرف عالم بنایا جائے بلکہ اسے سماج و معاشرہ اور دین و دنیا دونوں کے لئے کارآمد اور مفید فرد بھی بنایا جائے۔

دینی مدارس کا قدیم نظام تعلیم:

دینی مدارس کے جدید نظام تعلیم اور اس کے عصری تقاضوں کو سمجھنے سے پہلے ہمیں دینی مدارس کے قدیم نظام تعلیم کو سمجھنے کی ضرورت ہے، تاکہ موجودہ نظام تعلیم میں عصری تقاضوں کے لحاظ کی نوعیت و کیفیت طے کرنے میں آسانی رہے۔

عصر حاضر کی طرح قدیم زمانے میں باضابطہ مدارس کا وجود بہت کم تھا۔ مدارس کی دنیا مساجد، خانقاہوں اور مقبروں میں آباد تھی، پانچویں صدی ہجری سے عالم اسلام میں باضابطہ مدارس کا آغاز ہوا، علیحدہ درس گاہی عمارتوں کا وجود عمل میں آیا۔ مدارس کے قواعد و ضوابط بنائے گئے، دارالاقاموں کی بنیاد ڈالی گئی۔ تنخواہوں پر پڑھانے کا رواج ہوا، مختلف علوم کے مدارس و معابد کا قیام ہوا، نصاب تعلیم کے لئے چیدہ کتابیں منتخب کی گئیں۔ ہر فن میں بڑھانے کے لئے مختصر رسالے تیار کئے گئے۔

امتحان کا کوئی نظام نہیں تھا، روزانہ درس گاہ میں تعلیم ہوتی، اور بحث و تہیص کے ذریعے امتحان بھی ہوتا، اس وقت طلبہ کتابیں حصول علم کے لئے پڑھتے تھے۔ امتحان دینے، ڈگری حاصل کرنے کے لئے نہیں، درجہ بندی کا کوئی تصور نہیں تھا، اساتذہ کے لئے حکومت وقت کی طرف سے وظائف مقرر ہوتے، یا علاقے کے بااثر لوگوں کی مالی سرپرستی حاصل ہوتی، طلبہ سے کوئی فیس نہیں لی جاتی تھی۔ جبکہ بسا اوقات مدرسہ یا اس کے اساتذہ طلبہ کی مالی کفالت کرتے، ہمیں تاریخ میں کچھ ایسے مخلص اساتذہ بھی ملتے ہیں جو اپنے گھر پر رکھ کر طلبہ کو پڑھاتے تھے، اور ان کا خرچ بھی اٹھاتے تھے۔

دینی مدارس کا یہ غیر منظم نظام تعلیم کس قدر بافیض تھا کہ اسی نظام تعلیم سے بڑے سے بڑے محدث و مفسر عظیم ترین قائدین، بلند فکر سیاست داں، ماہر ڈاکٹر و انجینئر پیدا ہو

رہے تھے۔ گویا یہ نظام تعلیم اپنے دور کے اعتبار سے کامل اور عصری تقاضوں سے ہم آہنگ تھا۔ یہی نظام تعلیم پورے عالم اسلام میں رائج تھا۔

ہندوستان میں دینی مدارس اور ان کا نظام تعلیم:

ہندوستان میں باضابطہ دینی مدارس کا آغاز سلطان محمود غزنوی کے دور میں ہوا، پانچویں صدی ہجری میں انہوں نے باضابطہ مدرسے کی بنیاد ڈالی، اس کے بعد مسلم سلاطین نے بھی مدارس کی تعمیر و ترقی پر کافی توجہ دی، خاص طور سے سلطنت مغلیہ میں بہت سارے مدارس کا تذکرہ ملتا ہے۔ ان مدارس میں بھی تعلیم و تربیت کا وہی نظام رائج تھا جس کا میں نے ذکر کیا۔ قرآن و حدیث اور فقہ کی تعلیم کو اساسی حیثیت حاصل تھی، نحو، ادب، بلاغت، کلام، اور تصوف کے مضامین بھی داخل درس تھے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور ان کے بعد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی کوششوں سے علم حدیث کو نصاب تعلیم میں خاطر خواہ جگہ دی گئی، مگر بارہویں صدی عسویں سے پہلے تک مدارس کا باضابطہ نصاب و نظام مرتب نہیں کیا گیا تھا۔ بارہویں صدی ہجری میں ”درس نظامی“ کے بانی ملا نظام الدین فرنگی محلی نے باضابطہ نصاب تعلیم کی ترتیب کا فریضہ انجام دیا۔ اور اس کے بعد مدارس کے نظام تعلیم میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔

۱۸۵۷ء میں انگریزوں سے شکست کے بعد بھی دینی مدارس نے اپنا وجود باقی رکھا۔ اور دینی نظام تعلیم کے ساتھ ان مدارس میں قال اللہ و قال الرسول کی صدا بلند ہوتی رہی، ۱۸۶۷ء میں ہندوستان کے مدارس کے نظام تعلیم میں کچھ باضابطگی پیدا ہونے لگی، جب دارالعلوم دیوبند کا قیام عمل میں آیا، جس میں پہلی بار متعدد فنون کے اساتذہ، جماعت بندی، شعبوں کی تعیین، نظام امتحان، نظام تعطیلات کا باقاعدہ التزام کیا گیا۔ اس کے بعد ہندوستان میں بہت سارے مدارس کا جال بچھ گیا۔ اور سب میں تقریباً یکساں نظام تعلیم کا رواج ہوا۔

۱۸۹۸ء میں جب ندوۃ العلماء کا قیام ہوا تو دینی مدارس میں پہلی بار باضابطگی کے ساتھ عصری تقاضوں کا لحاظ کیا گیا، نصاب تعلیم کو قدیم صالح اور جدید نافع کا سنگم بنایا گیا۔

آج ہندوستان میں مختلف مسالک و مکاتب فکر کے سیکڑوں مدرسے ہیں، جن میں کچھ کمی و بیشی کے ساتھ تقریباً ایک ہی طرح کا نصاب تعلیم، نظام امتحان، نظام رہائش اور نظام تعطیل وغیرہ رائج ہے۔

دارالعلوم دیوبند، ندوۃ العلماء، جامعہ اشرفیہ مبارک پور، دارالعلوم علیہ جمدہ شانی، جامعہ امجدیہ گھوسی، دارالعلوم فیض الرسول براؤں شریف، جامعہ اسلامیہ روناہی، اور دیگر مدارس یہ ہندوستان کے بڑے اور نامور مدارس ہیں جن کے نظام تعلیم کی تقلید میں آج تقریباً تمام ہندستانی مدارس میں تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری ہے۔

ذیل میں، میں عصر حاضر میں دینی مدارس کے رائج نظام تعلیم سے متعلق چند اہم امور کا جائزہ اور ان سے متعلق عصر حاضر کے تقاضوں کا تذکرہ کر رہا ہوں۔

نصاب تعلیم:

کسی بھی نظام تعلیم میں نصاب تعلیم کو ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہے۔ پورے نظام تعلیم کا ڈھانچہ اسی کے سہارے قائم رہتا ہے۔ نصاب تعلیم کا کمال و نقص براہ راست نظام تعلیم میں مؤثر ہوتا ہے۔

موجودہ دور میں دینی مدارس میں رائج نصاب تعلیم کے مرتب و بانی عہد عالمگیری کے معروف محقق و ماہر تعلیم ملا نظام الدین فرنگی محلی ہیں۔ بارہویں صدی میں تیار کردہ یہ نصاب تعلیم کچھ رد و بدل کے ساتھ آج بھی دینی مدارس میں رائج ہے۔ اس نصاب کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ اپنے دور کا کامل ترین، اور عصری تقاضوں سے بھرپور نصاب تعلیم تھا۔ بانی نصاب نے اپنے زمانے کے تقاضوں سے چشم پوشی کرنے کے بجائے اس دور میں جن مضامین و فنون کی ضرورت تھی ان کا مکمل لحاظ فرمایا تھا۔

چونکہ اس دور میں معقولات کا دور دورہ تھا، معقولات میں رسوخ اور تبحر کے بعد ہی کسی کو ”عالم دین“ مانا جاتا تھا۔ اس لئے اس دور کا تقاضہ تھا کہ نصاب میں معقولات کو حسب حیثیت جگہ دی جائے۔ چنانچہ ایسا کیا بھی گیا۔ یوں ہی فارسی زبان اس دور کی

سرکاری اور دفتری زبان تھی۔ اس لئے عربی زبان کے ساتھ فارسی زبان کی تعلیم کو بھی نصاب کا جزو لازم قرار دیا گیا، اسی طرح سے بعد کے ادوار میں فن طب، ریاضی اور دیگر عصری و دنیوی علوم کو اس نصاب کا حصہ بنایا گیا جو صرف عصری تقاضے کے تحت تھا۔

مذکورہ حقائق سے اتنی بات تو طے ہو چکی کہ نصاب تعلیم میں عصری تقاضوں کی رعایت ہمارے اسلاف کی عادت کریمہ رہی ہے، اس لئے ہمیں بھی اسی روش پر چلنا چاہئے، تاکہ ہم بھی اپنے دور کے ترقی یافتہ سماج کا حصہ بن سکیں اور ہمارا تعلیمی نظام جمود و تعطل کا شکار نہ ہو۔

میں نصاب تعلیم میں کلی تبدیلی کا قائل نہیں۔ مگر جزوی تبدیلی حسب ضرورت ترمیم ناگزیر ہے ہاں اتنی بات ضرور ملحوظ رہے کہ دینی مدارس کا نصاب تعلیم دینی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے ہے، اس کا مقصد اصلی دین کی تعلیم ہے، اس لئے دینیات سے کوئی تعرض نہ کیا جائے۔ ہاں دینیات کی مشکل کتابوں کو آسان لب و لہجے اور عام فہم زبان میں پڑھایا جائے تو اس سے تعلیم میں مزید آسانی پیدا ہو سکتی ہے۔

اس سلسلے میں اگر یہ اصول اپنا لیا جائے کہ دینیات کو جوں کا توں رکھتے ہوئے ان مضامین میں ترمیم و تبدیل کا عمل اپنایا جائے جو کسی دور میں اس دور کے تقاضے کے تحت رکھے گئے تھے، تو اس پر کسی کو اعتراض نہیں ہوگا۔ مثلاً معقولات کی بہت ساری کتابیں اب کسی دوسری دنیا کی کتابیں لگتی ہیں، دقیق معانی، پیچیدہ عبارت، روایتی خیالات سے بوجھل یہ کتابیں اسی دور کا تقاضہ تھی، جب ان کے فہم و تفہیم کو قابلیت اور علمی صلاحیت کی سند سمجھا جاتا تھا۔ اب زمانہ بدل چکا ہے، نہ تو ان کتابوں کی عقدہ کشائی کرنے والے ماہرین رہے نہ ہی ان کو پڑھنے کے شوقین طلبہ۔ اس لئے اگر اب بھی ہم ان کتابوں کو زینت درس بناتے رہے تو یہ عصر حاضر کے تقاضوں سے چشم پوشی، اور اسلاف کی سنت سے انحراف ہوگا۔

واضح رہے کہ فن منطق و فلسفہ آج بھی ہمارے دینی علوم میں کافی حد تک دخیل ہے، اور فکری غلطی سے بچنے، اور ذہنی مشق و ممارست کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ اس لئے اس فن کو اب بھی داخل نصاب رکھنا ضروری ہے، مگر بس اس حد تک کہ ضرورت پوری ہو جائے،

اس کے لئے منطق و فلسفہ کی چند ابتدائی کتابیں بالاستیعاب پڑھادی جائیں، اور اس کے مصطلحات یاد کرادیے جائیں۔ نیز اگر ممکن ہو تو منطق و فلسفہ کے لمحہ راہ اور گمراہ گر عقائد اور ان کی تردید سے طلبہ کو روشناس کرادیا جائے۔

نصاب تعلیم میں سائنس کی شمولیت:

منطق و فلسفہ نظریاتی فن ہیں۔ آج زمانہ نظر سے زیادہ عمل و تجربہ پر زور دیتا ہے، قدامت سے جدت کی طرف بلاتا ہے اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ منطق و فلسفہ کی دقیق بحثوں میں ضرورت سے زیادہ نظر و فکر کرنے کے بجائے عمل کی دنیا میں قدم رکھا جائے، تھیوری کی بجائے پریکٹیکل پر زور دیا جائے۔ فلسفہ کو قدیم سائنس کہا جاتا ہے، گویا ہمارے اسلاف نے اپنے دور کی سائنس کو داخل درس کیا تھا۔ تو کیا حرج ہے اگر ہم اپنے زمانے کی سائنس کو نصاب کا حصہ بنائیں، نظریات میں حد سے زیادہ سرکھپانے کے بجائے عملیات میں قوت فکر اور طاقت بازو کا استعمال کریں۔ ”نظریاتی سائنس کے بجائے تجرباتی سائنس“ سے فائدہ اٹھائیں۔

آج دینی مدارس میں سائنس کی تعلیم کے بارے میں اہل علم و طباقوں میں منقسم ہیں، کچھ کا یہ کہنا ہے کہ عصر حاضر میں سائنس کی اہمیت و افادیت کو دیکھتے ہوئے دینیات میں کسی طرح سائنس کو بھی داخل نصاب کیا جائے، جبکہ دوسرے طبقے کی رائے یہ ہے کہ سائنس اور دیگر دنیاوی علوم ”شجر ممنوعہ“ ہیں، دینی مدارس میں ان کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ فقیر کی رائے یہ ہے کہ دونوں نظریہ صحیح نہیں ہیں، اول اس لیے کہ دینی مدارس کے مقصد اساسی کے خلاف ہے، ثانی الذکر اس لیے کہ یہ عصری تقاضے سے چشم پوشی ہے، جو اسلام کی فطرت و طبیعت کے خلاف ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ دینی مدارس کو اہل اسلام نے اس لیے قائم کیا تھا کہ ان سے دین کی تعلیم کی ترویج و اشاعت ہو، دینی علوم میں تفسیر، حدیث، فقہ اور ان کے اصول اور علم عقائد کو کلیدی حیثیت حاصل ہے، باقی علوم کی تعلیم یا تو بطور معاونت و وسیلے کے

لیے یا پھر عصری تقاضے کے لحاظ میں ہے۔ اس لیے دنیاوی تعلیم مثلاً ڈاکٹری، انجنئرنگ، سائنس وغیرہ کی تعلیم کو وہ درجہ نہیں دیا جاسکتا ہے جو دینی علوم کو دیا گیا ہے، یہ دینی مدارس کی روح کے خلاف ہوگا، جب دنیاوی اداروں میں دینی علوم کو دنیوی علوم کا درجہ نہیں دیا جاتا ہے، تو پھر مدارس سے یہ توقع رکھنا نا انصافی ہوگی کہ وہ دنیوی علوم کو دینی علوم کا درجہ دیں گے، نہ تو کسی مدرسہ کا نظام تعلیم ایک ڈاکٹر، انجینئر پیدا کر سکتا ہے، نہیں کسی یونیورسٹی کا نصاب تعلیم ایک فقیہ و مفتی بنا سکتا ہے، اس لیے دنیاوی علوم کو دینی علوم کا درجہ دینے کے مطالبے پر غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے۔

دوسرا نظریہ بھی ناقابل تسلیم ہے، دین میں دنیا کو بھی حیثیت دی گئی ہے، اسلاف کرام سے ثابت ہے کہ انہوں نے قرآن و سنت کے ساتھ طبابت، زراعت اور حرفت و صنعت کی بھی تعلیم حاصل کی ہے، اس لئے اس نظریہ پر کہ سائنس دنیاوی علوم ہے، اس لئے ہم اس کو دینی مدارس میں جگہ نہیں دے سکتے نظر ثانی کی ضرورت ہے۔

ایک بہترین معتدل راہ یہ نکل سکتی ہے کہ دینی مدارس کے ابتدائی درجات میں سائنس کی اصطلاحات و مبادیات سے طلبہ کو آگاہ کر دیا جائے، درجات فوقانیہ میں سائنس کے عام بنیادی نظریات سے واقف کر دیا جائے، اور درجات عالیہ میں سائنس کے تجرباتی مباحث کی تعلیم کے ساتھ اس کے لحاظ سے گمراہ گر عقائد و افکار کو پڑھا کر ان کی تردید کا طریقہ سکھا دیا جائے، مثلاً سائنس کا یہ نظریہ ہے کہ انسان بندر کی اولاد ہے اسے ضرور پڑھایا جائے مگر اس کی تردید بھی ہو، کہ انسان حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہے، بندر کی نہیں، یوں ہی زمین و آسمان کی حرکت و سکون جزء لا متجزئی، آغاز وجود عالم اور تصور آخرت کے بارے میں سائنسی نظریات پڑھا کر ان کی تردید کی جائے، اس طرح سے سائنس کی تعلیم بھی ہو جائے گی اور دین کا کام بھی۔

سائنس کی تعلیم مندرجہ ذیل مقاصد کے تحت ہو تو زیادہ بہتر ہوگا۔

(۱) کائنات اور آفاق عالم میں پھیلی ہوئی قدرت کی صنعت کاریوں اور پردہ جہاں میں مخفی اسرار و رموز کو آشکارا کر کے وجود صانع، یعنی اللہ رب العزت کے وجود پر

استدلال۔

(۲) قرآن و حدیث میں موجود سائنسی حقائق کی توضیح و تشریح۔

(۳) سائنس کے لحاظ سے عقائد کی تردید۔

(۴) تحقیق و جستجو کی صلاحیت پیدا کرنے کی تعلیم و تلقین۔

نصاب تعلیم میں دیگر دنیوی علوم کی شمولیت:

احیاء العلوم میں امام غزالی نے دنیوی علوم کی تحصیل کے بارے میں صحیح اسلامی نقطہ نظر پیش فرمایا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بعض دنیوی علوم مثلاً علم طبابت، ریاضی، کاشتکاری، پارچہ باضی، حجامت اور خیاطی وغیرہ کی تحصیل فرض کفایہ ہے کہ اگر شہر میں کوئی ان علوم کو نہ حاصل کرے تو عوام الناس مشقت میں پڑ جائیں گے۔ اور بعض علوم کی تحصیل افضل ہے مثلاً علم حساب و طب میں باریکیاں پیدا کرنا کہ ان کے جاننے سے فائدے میں اضافہ ہوگا۔ اور بعض علوم کی تحصیل مباح ہے مثلاً شعر گوئی کی تعلیم یا تاریخ کا علم۔ بعض علوم کی تحصیل ناپسندیدہ ہے مثلاً جادو وغیرہ کا علم۔ (اسلامی نظام تعلیم: ۲۷)

مذکورہ تفصیل سے اتنی بات واضح ہوگئی کہ دین میں دنیوی علوم کی تحصیل ناجائز و حرام نہیں ہے، بلکہ بعض مواقع پر فرض کفایہ ہے، اسی وجہ سے عہد قدیم کے نصاب تعلیم میں طب وغیرہ کی تعلیم باضابطہ داخل تھی، ”مدارس طبیہ“ کے قیام کا رواج تھا، بغداد، قرطبہ اور دیگر اسلامی شہروں میں سپہ گیری اور جنگی تربیت کے مدارس کا قیام تھا۔ یوں ہی ساتویں صدی ہجری میں سلطان عثمان بن ارطغرل نے جو مدرسہ قائم کیا اس میں بھی دینی علوم کے ساتھ سپہ گیری کی تعلیم دی جاتی تھی، غرناطہ میں ۱۳۳۳ء میں ایک عظیم الشان یونیورسٹی قائم ہوئی جسے ہم اس دور کا ترقی یافتہ مدرسہ کہہ سکتے ہیں، اس میں طب، کیمیا، فلسفہ اور نجوم جیسے اہم علوم پڑھائے جاتے تھے۔ (دینی مدارس اور عصر حاضر کے تقاضے: ۴۴)

اس لئے عصر حاضر میں اگر مدارس کی تعلیم میں دینی علوم کے ساتھ پیشہ وارانہ کورسز اور دیگر دنیوی علوم کو مناسب جگہ دی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ دینیات

کی تعلیم متاثر نہ ہو۔

انگریزی زبان کی تعلیم کا مسئلہ:

گزشتہ سطور میں، میں نے عرض کیا کہ بارہویں صدی عیسوی میں ملا نظام الدین نے جو دینی مدارس کا نصاب تیار کیا تھا اس میں عربی کے ساتھ فارسی زبان کو معقول جگہ دی گئی تھی، اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ یہ اس دور کی رائج اور دفتری زبان تھی، عصر حاضر میں انگریزی زبان عالمی زبان ہے، بغیر اس کی تحصیل کے ہم نہ تو اپنی بات عالمی سطح پر عام کر سکتے ہیں اور نہ ہی دعوت و تبلیغ میں کوئی قابل قدر کارنامے انجام دے سکتے ہیں، اس لئے ہم پر لازم ہے کہ ہم جس طرح عربی زبان کی تحصیل پر توجہ دیتے ہیں یوں ہی انگریزی اور ہندی زبان کی تعلیم پر توجہ دیں، یہ صرف دنیوی تقاضہ ہی نہیں بلکہ دینی تقاضہ بھی ہے۔

انگریزی کی تعلیم درج ذیل مقاصد کے تحت ہو:

- (۱) دعوت و تبلیغ، (۲) آفیسوں اور سرکاری دفاتروں سے متعلق امور کو سمجھنا کہ آج ہمارے طلبہ آفیسوں، دفاتروں اور انٹرپورٹ پر جانے سے اسی لیے گھبراتے ہیں کہ ان کی زبان انگریزی نہیں ہوتی ہے۔ (۳) انگریزی لٹریچر میں موجود اسلام کے خلاف ہرزہ سرائیوں کا جواب (۴) مستشرقین کے ذریعے اسلام پر کیے گئے اعتراضات اور ان کی زہر افشانیوں کا معقول جواب (۵) کمپیوٹر اور انٹرنیٹ سے استفادہ جو وقت کی بہت بڑی ضرورت ہیں۔

انگریزی کا طریقہ تعلیم مدارس میں کچھ اس طرح سے ہونا چاہیے:

- (۱) انگریزی گرامر بس بقدر ضرورت پڑھایا جائے، اسی کو مقصود نہ بنایا جائے
- (۲) پڑھنے لکھنے سے زیادہ بولنے پر زور دیا جائے۔ (۳) صحیح تلفظ اور لہجہ نیز طرزِ ادا نیکی پر دھیان دیا جائے۔ (۴) خاص الفاظ و تراکیب اور رائج زبان پر توجہ دی جائے (۵) انگریزی اخبارات کے مطالعہ کی عادت ڈلوائی جائے۔

دینی مدارس میں جسمانی ریاضت اور کھیل کود:

مسلک کام کرنے سے طبیعت میں اضمحلال اور پشیمردگی پیدا ہوتی ہے، جسم میں

تکان کا احساس ہوتا ہے، ذہن میں اس کام سے بے زاری پیدا ہوتی ہے، اسلئے عہدِ قدیم ہی سے دینی مدارس کے نظامِ تعلیم میں جسمانی ریاضت اور بقدر ضرورت سیر و تفریح رائج ہے، چنانچہ معروف ماہرِ تعلیم اور آٹھویں صدی ہجری کے عظیم محقق و مدرس قاضی ابنِ جماعہ اس حوالے سے رقمطراز ہیں:

”ٹہلنے اور جسم کی ریاضت کرنے میں کوئی حرج نہیں کیوں کہ وہ حرارتِ براہِ بیجنتہ کرتے ہیں، ردی فضلات زائل کرتے ہیں اور بدن میں نشاط پیدا کرتے ہیں“ (اسلامی نظامِ تعلیم ص ۷۷)

مزید فرماتے ہیں:

”اگر دل و دماغ اور ذہن و نگاہ تھک جائے یا کمزوری معلوم ہو تو سیر گاہوں میں سیر اور تفریح کرنے میں کوئی حرج نہیں، تا کہ پہلی حالت پھر لوٹ آئے“ (ص ۷۷)

یوں ہی ابتدائے اسلام سے جسمانی ریاضت کا عمل منقول ہے، چنانچہ خود نبی کریم علیہ السلام سے گھوڑ دوڑ، اور فنِ سپہ گری کی ریاضت ثابت ہے، امام شافعی اپنے زمانے کے منفرد المثل تیر انداز تھے۔

لہذا مدارس کی دنیا میں اس پہلو پر توجہ دی جائے تو بہتر ہوگا۔ ہاں ان چند امور کا لحاظ رکھا جائے:

- (۱) خلاف شریعت امور کا ارتکاب نہ ہو، مثلاً کھیل کود میں کشفِ ستر نہ ہو۔ (۲) بہت زیادہ وقت نہ صرف کیا جائے، کہ تعلیمی مشاغل متاثر ہوں۔ (۳) بچوں کی صحت متاثر نہ ہو۔ (۴) طلبہ کے ذہن میں یہ بٹھا دیا جائے کہ کھیل کود اور جسمانی ریاضت کا مقصد بس نشاط انگیزی اور ان کا موڈ بدلنا ہے اس کے سوا کچھ نہیں۔

دینی مدارس کا طریقہ تدریس:

دینی مدارس کا موجودہ طریقہ تعلیم کیا ہے، اور اس میں کیا اچھائیاں اور کمیاں

ہیں، اس پر بحث کرنے کے بجائے بہتر یہ ہے کہ صحیح طریقہ تدریس پیش کر دیا جائے۔
طریقہ تدریس سے متعلق علامہ ابن خلدون فرماتے ہیں:

”مختصرات کو پڑھانے کی بجائے طویل الذیل کتابوں کو پڑھایا جائے، علوم مقصودہ بالذات پر خصوصی توجہ دی جائے، تھوڑا تھوڑا تدریجاً پڑھایا جائے، ہر فن کے چند اصولی مسئلے ذہن نشین کرادیے جائیں، جواجمالی ہوں ان کی شرح کی جائے، طلبہ کی قوت فہم کا لحاظ رکھا جائے، ایک فن سے دوسرے فن کی طرف رجوع کیا جائے، شروع میں ہلکے مسائل سمجھائے جائیں“ (ملخص اسلامی نظام تعلیم ۱۵۳)

قاضی ابن جماعہ فرماتے ہیں:

”اساتذہ کو بار بار نہ بدلا جائے، علم کو کتاب میں منحصر نہ سمجھا جائے، دونوں کو ایک ساتھ پڑھانے کی بجائے یکے بعد دیگرے پڑھایا جائے“

عصر حاضر میں تدریس میں ان امور کا لحاظ رکھا جائے تو بہتر ہوگا:

(۱) طلبہ سے باضابطہ عبارت خوانی کرائی جائے۔ (۲) صحیح عبارت پڑھنے پر حوصلہ افزائی اور غلط پڑھنے پر اصلاح کی جائے۔ (۳) پڑھایا ہوا سبق سننے کا التزام کیا جائے۔ (۴) پچھلا ضرور دہرایا جائے۔ (۵) طلبہ کے اندر تجسس اور اشتیاق پیدا کر کے پڑھایا جائے۔ (۶) آموزش کا سازگار ماحول بنایا جائے۔ (۷) تدریس کو بوجھ نہ بنا کر ہنس کھیل کر ہلکے پھیکے انداز میں پڑھایا جائے۔ (۸) توضیحی آلات مثلاً بلیک بورڈ، نقشے، اور عصری ایجادات کی مدد سے پڑھایا جائے۔ (۹) تدریس وقت پر شروع اور وقت پر ختم کی جائے۔

دینی مدارس میں نظام تربیت:

تعلیم کے ساتھ تربیت لازمی ہے، آج بیشتر دینی مدارس کو اس بات پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ تعلیم ایک نظری چیز ہے جس کی عملی مشق تربیت ہی ہے۔ آج دینی مدارس میں نماز کے مسائل کو پڑھا کر بتانے سے زیادہ ان مسائل پر عمل کرانا سودمند ہوگا۔

قدیم نظام تعلیم میں عموماً درس گاہ ہی میں تربیت کا اہتمام ہوتا تھا، چنانچہ حلقہ درس میں جب طلبہ آتے تھے تو انہیں اٹھنے بیٹھنے، بات کرنے، بڑے سے سوال پوچھنے، چھوٹے پر شفقت کرنے اور سلام کرنے کے آداب سکھائے جاتے تھے۔ مگر اب چونکہ دینی مدارس ہی میں دارالاقاموں میں طلبہ کی رہائش ہوتی ہے، اور درس گاہ میں زیادہ توجہ تعلیم ہی پر دی جاتی ہے۔ اس لئے عصر حاضر میں اگر تربیت میں ان امور کا لحاظ رکھا جائے تو بہت بہتر ہوگا:

(۱) بچوں کا طرز فکر، نظریہ حیات، اور معیار امتیاز و انتخاب ایسا بنایا جائے جو ان کے مقصد موجود سے مطابقت رکھتا ہو۔ (۲) ان کی کوتاہیوں اور کمزوریوں کی مناسب طریقے سے اصلاح کی جائے۔ (۳) صبر و استقلال سے پسندیدہ عادات ڈلوائی جائیں۔ (۴) استعداد کے مطابق ان کے مشاغل و مصروفیات طے کیے جائیں۔ (۵) چلنے پھرنے، رہنے سہنے اور سونے جاگنے کے مہذب اسلامی طریقے بتائے جائیں۔ (۶) شاندار مستقبل میں یقین دلایا جائے۔ (۷) بچوں سے برتاؤ میں مشفق معلم و مربی اور مستبد حاکم کے فرق کو ملحوظ رکھا جائے۔ (۸) موبائل وغیرہ کا استعمال بقدر ضرورت کرنے کی تلقین کی جائے۔ (۹) درس کے علاوہ دیگر اوقات میں ان کی نگرانی کی جائے۔ (ملخصاً فن تعلیم و تربیت ۱۴۱ تا ۱۵۴)

یہاں پر ایک بات عرض کر دوں کہ اخلاقی اقدار کی گراؤ، اور بد عملی و بے عملی کے اس خطرناک دور میں تصوف کی تعلیم بے حد مفید ثابت ہوگی، اگر تصوف کی کتابیں داخل درس کردی جائیں تو ان کی مدد سے طلبہ کی اچھی تربیت کی جاسکتی ہے۔

دینی مدارس میں نظام تادیب:

تادیب کے لغوی معنی ادب سکھانے کے ہیں، یہاں پر اس سے مراد غلطی کرنے پر بچے کو سرزنش کرنا ہے۔ مدارس میں پہلے مارنے پیٹنے کا رواج تھا، مگر بروقت اس میں کافی تبدیلی آئی ہے۔

مدارس میں نظام تادیب کے حوالے سے قاضی ابن جماعہ فرماتے ہیں:

”اگر کسی طالب علم سے کوئی بات تہذیب کے خلاف سرزد ہو تو اس شخص کے سامنے نرمی سے سمجھایا جائے، جس کے سامنے بدتہذیبی کی گئی ہو، اگر وہ باز نہ آئے تو پوشیدہ طور پر اسے سمجھایا جائے، اگر یہ بھی کارگر نہ ہو تو اسے سخت الفاظ میں اعلانیہ تنبیہ کی جائے، اگر یہ ڈانٹ ڈپٹ بھی کام نہ آئے تو اس صورت میں اس لڑکے کو علاحدہ کر دینے میں کوئی حرج نہیں، خصوصاً اگر اس کا اثر دوسرے طالب علموں میں پھیل جانے کا اندیشہ ہو۔“ (استدلال نظام تعلیم ص: ۷۶)

ابن خلدون لکھتے ہیں:

”تعلیم میں سختی خصوصاً چھوٹے بچوں کے لیے سخت مضرب ہے، طالب علم کی تربیت کا دار و مدار سختی پر ہوگا تو اس کا انبساط و نشاط فنا ہو جائے گا۔ اور یہ سختی اس میں بھی کاہلی پیدا کرے گی، اور سزا سے بچنے کے لیے اس کو جھوٹ، فریب اور نفاق کی طرف مائل ہونا پڑے گا۔ اور یہ چیزیں اس کی ایک عادت بلکہ اس کا خلق بن جائے گی۔“ (۷۷)

امام غزالی فرماتے ہیں:

”طلبہ کو بد اخلاقی سے اشارہ، کنایہ میں جہاں تک ہو سکے روکا جائے، اور اس کی تصریح نہ کی جائے، اور مہربانی کا طریقہ رکھا جائے، ڈانٹ ڈپٹ نہ کی جائے، کیوں کہ تصریح ہیبت کا پردہ چاک کر دیتی ہے۔“ (۷۸)

ان اقتباسات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسلامی نظام تعلیم میں تادیب کا طرز و طریقہ کیا ہے۔

عصر حاضر میں بچوں کی تادیب کے وقت ان امور کا لحاظ رکھا جائے:

(۱) سزا دینے سے پہلے یاد دینے کے بعد بچے کو اس کے جرم اور اس کی سنگینی کا احساس دلایا جائے۔

(۲) سزا کا مقصد اصلاح ہو انتقام نہیں۔

(۳) سزا بقدر جرم ہونے کا زیادہ۔

(۴) سزا کے کچھ آسان طریقے بھی اپنائے جاسکتے ہیں، مثلاً حساس طلبہ کے لیے خفگی کا اظہار کرنا، کسی کا ہل طالب علم سے زیادہ تحریری کام لے لینا، چھٹی کے بعد مجرم طلبہ کو روک کر بٹھالینا، وغیرہ۔

نظام امتحان:

عہد قدیم میں باضابطہ امتحان کا کوئی نظم نہیں تھا۔ ہاں قدیم زمانے میں اس کا کچھ سراغ ملتا ہے، چنانچہ بیجاپور میں عادل شاہ نے نظام تعلیم کے کچھ اصول بنائے تھے جن کے اندر سالانہ امتحان کا ذکر ملتا ہے۔ (اسلامی نظام تعلیم ۷۹) عہد قدیم میں امتحان و آزمائش کا عمل دوران درس درگاہ ہی میں ہوتا تھا، اساتذہ درس کے درمیان طالب علموں سے آزمائشی سوالات کرتے تھے، اگر جواب مشکل ہوتا تو طلبہ کو ایک ایک ہفتے تک مہلت دی جاتی کہ اس درمیان تیار ہو کر اس سوال کو حل کریں۔ (اسلامی نظام تعلیم ۱۲۳)

عصر حاضر میں امتحانات دو طرح کے ہوتے ہیں، داخلی امتحان جس کا انتظام مدرسہ خود کرتا ہے، بیرونی امتحان جو کسی بورڈ کے تحت ہوتا ہے، بورڈ کے تحت ہونے والا امتحان سال بھر میں ایک بار ہوتا ہے۔ جب کہ مدرسے کا اپنا امتحان دوبارہ، سہ ماہی و نو ماہی کی صورت میں چار بار ہوتا ہے۔

امتحان کے دو طریقے رائج ہیں تحریری، تقریری۔ تحریری امتحان میں تمام کتابوں کا پرچے کے ذریعے امتحان ہوتا ہے، جبکہ تقریری امتحان میں زبانی طور سے سوال و جواب ہوتا ہے۔ تحریری امتحان میں بھی دو طرح کے سوالات مرتب کیے جاتے ہیں، سنجیکو، آجیکو۔

ان امتحانات کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اساتذہ کو اپنی محنتوں اور کوششوں کے اثر کا اندازہ ہو جائے، تاکہ وہ نظام تعلیم، طریقہ تعلیم اور طرز تربیت میں بقدر ضرورت تبدیلی کر سکیں، طلبہ کو اپنی صلاحیت کا اندازہ ہو جائے تاکہ وہ اور محنت کر کے صلاحیت میں صلابت پیدا کریں اور والدین کو اپنے بچوں کی ترقی یا تنزلی کا اندازہ ہو سکے۔

مندرجہ بالا نظام امتحان اگرچہ سودمند اور تعلیمی معیار کی بہتری میں کافی حد تک

معاون ہے تاہم اس سے انکار بھی نہیں کیا جاسکتا ہے کہ اس نظام امتحان میں چند کمیاں بھی ہیں، مثلاً طلبہ کتاب کو کم از کم پڑھنا چاہتے ہیں تاکہ مقدار تعلیم کم رہے تو امتحان دینے میں آسانی رہے، طلبہ امتحان ہی کو مقصد تعلیم سمجھ لیتے ہیں، ان کی محنت و مشقت کا محور صلاحیت سازی کے بجائے امتحان ہوتا ہے، امتحانی پرچوں میں اگر مشکل سوالات آگئے اور طالب علم ان کے جوابات نہیں لکھ سکا تو وہ خود کو بے صلاحیت، حقیر اور نا کارہ سمجھنے لگتا ہے، جس سے اس کے اندر قنوطیت کے اثرات پیدا ہونے لگتے ہیں، طالب علم کتاب کو سمجھنے کے بجائے رٹنے پر زیادہ زور دیتا ہے، امتحان میں صرف فنی جانچ ہوتی ہے، طالب علم کی دیگر صلاحیتوں کا امتحان نہیں ہو پاتا ہے، ان خامیوں کے پیش نظر چند امور پر توجہ دینے کی ضرورت ہے:

(۱) امتحان کو مقصد نہیں بلکہ حصول مقصد کا ذریعہ سمجھا جائے۔ (۲) شخصیت کے سارے پہلوؤں کی جانچ ہو۔ (۳) امتحان کو ہوا بنانے کے بجائے اسے ہلکے پھلکے انداز میں لیا جائے، سوالات ایسے مرتب کیے جائیں جن سے صرف یادداشت ہی نہیں بلکہ طالب علم کی سوجھ بوجھ، طریقہ استدلال، طرز فکر اور گہرائی و گیرائی کا اندازہ بھی ہو سکے۔ (۴) مختصن دینت داری کے ساتھ کاپی جانچنے کا کام کریں۔ (۵) پرچوں میں غیر درسی سوالات بھی کیے جائیں۔ (۶) امتحان خوشگوار ماحول میں لیا جائے۔ (ملخصاً فن تعلیم و تربیت ۲۹۶)

کچھ مدارس میں داخلے کے لیے بھی باضابطہ تحریری یا تقریری امتحان ہوتا ہے، اس امتحان میں بھی وہی اصول اپنائے جائیں جو عام امتحانات میں اپنائے جاتے ہیں، مکمل جائزہ کے بعد ہی طالب علم کو داخل مدرسہ کیا جائے، اس کی لیاقت کے مطابق درجے کا تعین کیا جائے، سورش سفارش سے بچوں کا داخلہ نہ کیا جائے، اس سے مدرسے کے تعلیمی معیار پر برا اثر پڑتا ہے۔

نظام تعطیل:

قدیم زمانے میں ہفتے میں دو یوم کی رخصت ہوتی تھی ایک منگل کو اور دوسری جمعہ کو۔ بعض محققین کے مطابق دو شنبے کو بھی چھٹی ہوتی تھی، علاوہ ازیں تیوہاروں کے مواقع پر

نیز موسمی تعطیلات کا بھی تصور ملتا ہے۔ (اسلامی نظام: ۸۰)

عصر حاضر میں ایڈیڈ دینی مدرسوں میں مدرسہ تعلیمی بورڈ کی فہرست کے مطابق تعطیلات ہوتی ہیں، اور نان ایڈیڈ مدارس میں مجلس منتظمہ کی مرضی کے مطابق۔

سب سے لمبی تعطیل رمضان المبارک میں ہوتی ہے، اس کے علاوہ موسم سرما و گرمیوں میں بھی حسب ضرورت چھٹیاں ہوتی رہتی ہیں۔

ان تعطیلات کے فائدے بھی ہیں اور نقصانات بھی۔ فائدے یہ ہیں کہ طلبہ کے اندر مسلسل پڑھنے سے جوتکان یا بے نشاطی کی کیفیت پیدا ہوتی ہے وہ دور ہو جاتی ہے، دوبارہ ان کے اندر نئی امنگ، نیا جوش، اور نشاط پیدا ہو جاتا ہے۔ غیر درسی مشاغل میں حصہ لینے کا موقع مل جاتا ہے، مدرسے سے باہر کی دنیا میں رہنے اور سماجی زندگی جینے کی فرصت مل جاتی ہے، والدین کی شفقت و محبت سے ان کے اندر خود اعتمادی اور احساس ذمہ داری پیدا ہوتی ہے۔

ان چھٹیوں کے نقصانات یہ ہیں کہ تعلیمی تسلسل ٹوٹ جاتا ہے، چند دن کی چھٹیاں کئی دنوں کی محنت پر پانی پھیر دیتی ہیں، عموماً رمضان المبارک کی تعطیل میں طلبہ گھر جا کر سال بھر کا لکھا پڑھایا بھول جاتے ہیں۔

اس لیے ان تعطیلات کو کارآمد بنانے کے لیے درج ذیل امور پر توجہ دی جائے:

(۱) تعطیلات ضرورت بھر کم سے کم ہوں۔ (۲) تعطیل میں طلبہ کو ہوم ورک کے طور پر کچھ ایسے درسی کام دیے جائیں جن سے تعلیم کا سلسلہ چلتا رہے۔ (۳) ان کے لیے کچھ کتابوں کا مطالعہ لازم کر دیا جائے تاکہ پڑھی ہوئی باتیں نہ بھولیں۔ (۴) والدین ان چھٹیوں میں اساتذہ کا کردار ادا کریں۔ (۵) چھٹیوں میں بچوں کو تجرباتی امور کا مشاہدہ کرایا جائے۔

نظام رہائش:

اس سے پہلے میں نے عرض کیا کہ نظام تعلیم کے تیسرے دور میں باضابطہ طلبہ کے لیے مدارس میں اقامت گاہوں کا قیام عمل میں آیا، اس کے بعد طلبہ و اساتذہ کی باہمی

معاشرت کا آغاز ہوا، اس سے پہلے طلبہ یا توسرائے خانوں میں یا مساجد کے حجروں میں یا اپنے گھر پر، یا اساتذہ کے گھر پر رہ کر تعلیم حاصل کرتے تھے۔

عصر حاضر میں والدین کی عدیم الفرستی، خاندانی انتشار، اور مدارس کے مخصوص مزاج تعلیم کے باعث دینی مدارس کے اکثر طلبہ دارالاقاموں میں رہ کر تعلیم حاصل کرتے ہیں ان ہاسٹلوں میں طلبہ کے رہنے، کھانے، پینے، سونے، لائٹ وغیرہ کا انتظام ہوتا ہے۔

موجودہ دور میں ان ہاسٹلوں میں طلبہ کی رہائش سے کیا فائدے ہیں اور کیا نقصانات ہیں یہ سب پرواضح ہیں، یہاں چند باتیں عرض کر کے اس بحث کو ختم کر رہا ہوں۔

دارالاقامہ آبادی سے ہٹ کر کھلی جگہ پر ہو، دارالاقامہ میں صفائی ستھرائی کا خاص اہتمام کیا جائے، جو اساتذہ دارالاقامے میں قیام کریں وہ باوقار، نماز و روزے کے پابند، سنن و مستحبات پر عمل پیرا، اور اخلاق و معاشرت کے اصولوں پر گامزن ہوں، اساتذہ لڑکوں کی مکمل نگرانی کریں، لڑکوں پر یہ پابندی عائد کی جائے کہ دارالاقامہ سے بلا ضرورت باہر نہ جائیں، غیر مہذب لوگوں کو ہاسٹل میں آنے سے روکا جائے، لڑکوں میں باہمی معاشرت اور معاونت و مشاورت کا جذبہ بیدار کیا جائے، چھوٹے اور بڑے بچوں کو الگ الگ رکھا جائے، ایک نظام الاوقات بنا کر اس کی پابندی کرائی جائے۔

نظام تعلیم کی بہتری کے لیے کچھ اہم امور کا لحاظ:

(۱) **مخلص اور دیانت دار اراکین:**

ہر دینی ادارے میں دو طرح کی کمیٹی ہوتی ہے، عاملہ، شوروی، ان میں سب سے زیادہ متحرک، فعال اور سرگرم مجلس عاملہ ہوتی ہے۔ دونوں کے اراکین کا انتخاب درج ذیل صفات کا لحاظ رکھ کر ہو تو مدارس میں مزید ترقی اور تعلیمی بہتری کی امید کی جاسکتی ہے۔

اراکین خدا ترس ہوں، ایماندار ہوں، ٹرسٹ سے ان کا کوئی مفاد وابستہ نہ ہو، خوشحال ہوں کہ وہ ٹرسٹ میں کوئی خرد برد نہ کر سکیں، قوم کے حالات سے آگاہ ہوں، پبلک سے ربط و ضبط رکھنے والے ہوں۔

(۲) **لائق اساتذہ کی تقرری:**

عصر حاضر میں دینی مدارس میں بالخصوص سرکاری امداد یافتہ مدارس میں اساتذہ کی تقرری میں کن امور کا لحاظ رکھا جاتا ہے یہ جگہ ظاہر ہے۔ یہاں پر میں ایک اچھے استاذ کی خوبیوں کے بیان پر اکتفا کرتا ہوں۔

اچھا مزاج، مہربانی، صبر، غیر جانب داری، صاف طور سے بیان کرنے کی لیاقت، نظم و ضبط کی پابندی، مضمون کا علم، احساس ظرافت، جماعت کے باہر شاگردوں کی امداد، ایمان داری، اچھی شخصیت، قوت ارادی، قوت رہبری، اچھا آواز، شاگردوں کی کمزوریوں کی فہم۔ (ثانوی مدارس میں تدریس ص ۶۹)

خاص طور سے دینی مدارس کے اساتذہ میں یہ اوصاف ہونے چاہئیں:
عقائد و نظریات اور عملی زندگی کے لحاظ سے صالح ہونا، دینی علوم میں لیاقت کے ساتھ عقائد و افکار کے لحاظ سے مسلمان ہونا، باطل عقائد سے مرعوب نہ ہونا، قناعت پسندی، ایثار، اور حریص نہ ہونا، اپنے اہل و عیال کو شریعت کی پابندی کرانا۔ (فن تعلیم و تربیت ص ۱۷۶)
علاوہ ازیں خوف خدا، وقار، متانت، اخلاق رذیلہ سے اجتناب، احترام علم، چھوٹے پیشوں سے اجتناب، مواقع تہمت سے اجتناب، مشاغل کی پابندی اور اوقات کی حفاظت، مطالعہ کا استمرار اور طلبہ پر شفقت جیسی صفیتیں ایک اچھے استاذ کی علامت ہیں۔ (اسلامی نظام تعلیم ص: ۸۸)۔

(۳) **غیر ضروری اور مضربجادات سے اجتناب کی تاکید:**

عصر حاضر میں نئی ایجادات نے جہاں انسانی زندگی کو راحت و آسائش پہنچائی ہے وہیں ان کے کچھ مضر اور نقصان دہ اثرات بھی ہیں، انہیں ایجادات میں سے موبائل بھی ہے، جو بہت عام استعمال کی چیز ہے، سادہ موبائل کا استعمال کچھ بہت زیادہ مضر نہیں، لیکن ملٹی میڈیا سیٹ کے استعمال سے طلبہ کے اندر جو خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں وہ مستقبل میں بہت تکلیف دہ ہیں۔ طلبہ کے اخلاق بری طرح سے متاثر ہو رہے ہیں۔ ان کا وقت، پیسہ، صحت، سب ضائع ہو رہے ہیں، رشتوں کا تقدس پامال ہو رہا ہے، فحاشی اور عریانیت عام ہوتی

جاری ہے، دینی مدارس جہاں پرفرشتے ہجوم کئے رہتے ہیں وہیں پر موبائل کی مدد سے جو مخرب اخلاق حرکتیں ہو رہی ہیں وہ نہایت شرم و ندامت کی بات ہے، اس لیے ہمیں طلبہ کو اس موبائل کے مفید و مضر پہلو کو بتانا ہوگا، ان پر دوران تعلیم خاص طور سے ہاسٹل کی زندگی میں ان پر سخت پابندی عائد کرنی ہوگی۔ موبائل کا مقصد اصلی بات کرنا ہے، اس لیے مدرسے میں لینڈ لائن فون یا خاص موبائل سیٹ ہو جس پر طلبہ اپنے اہل خانہ یا عزیز واقارب سے حسب ضرورت بات کر لیں۔ ان کے پاس موبائل بالکل نہ رہنے دیا جائے، اور اگر ہو تو بس سادہ سیٹ۔

(۴) نشے کی لت پر پابندی:

دینی مدارس کے طلبہ میں نشے کی لت عام ہو رہی ہے۔ پان گنگھا، تمباکو، سگریٹ تمباکو والا منجن، یہ سب ہمارے طلبہ کی صحت، اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کو بری طرح سے متاثر کر رہے ہیں، اس لیے ان پر سخت پابندی عائد کر کے طلبہ کی نگرانی کی جائے اور طلبہ کو ان چیزوں کی ضرورت سے آگاہ کیا جائے۔

(۵) تعلیمی مسابقوں کا انعقاد:

کسی بھی میدان میں مسابقہ انسان کے اندر ”کچھ زیادہ“ کرنے کا حوصلہ پیدا کرتا ہے، بہتر سے بہتر کارکردگی پر ابھارتا ہے، اس لیے دینی مدارس کے طلبہ میں سال بھر میں کم از کم دو بار تحریری، تقریری، اور مطالعہ جاتی مسابقوں کا انعقاد ضروری ہے۔ کچھ مدارس مثلاً جامعہ اشرفیہ، دارالعلوم علیہ، جامعہ احسن البرکات مارہرہ شریف اور فیض الرسول براؤں شریف میں اس طرح کے مسابقوں کا انعقاد ہوتا ہے، جس کا خاطر خواہ فائدہ محسوس کیا جاسکتا ہے۔ یہ مسابقے مدرسہ کی سطح پر، یا ضلعی سطح پر یا صوبائی اور ملکی سطح پر بھی کئے جاسکتے ہیں۔

(۶) بزم آداب کا اہتمام:

بہت سے دینی مدارس میں بزم ادب کا رواج ہے، اس سے مراد ہفتہ واری طلبہ کا اجتماع ہے جس میں تقریر، نعت خوانی وغیرہ ہوتی ہے۔ ان محفلوں کو اور زیادہ کارآمد بنایا جاسکتا ہے بشرطیکہ یہ مجالس ذمہ دار استاذ کی نگرانی میں ہوں، ان میں جنرل اور شرعی مسائل کی

جانکاری دی جائے، طلبہ کے سامنے معاشرتی زندگی کے اہم پہلوؤں پر کسی خاص استاذ کے ذریعے توسیعی خطبات پیش کئے جائیں۔

(۷) وال میگزین کی اشاعت:

مدارس میں وال میگزین کی اشاعت کی روایت بھی جاری ہے۔ یہ جداریہ طلبہ کے لیے قلمی مشق کا بہترین سامان ہیں، بہت سارے طلبہ انہیں جداریوں کے فیض سے بہترین قلم کار بنے ہیں، اس لیے ان جداریوں کی اشاعت جاری رہنی چاہئے ہاں ان کی اشاعت میں ان امور کا لحاظ کیا جائے کسی ماہر قلم کار استاد سے اشاعت سے پہلے بچوں کے مضامین کو جانچ کر طلبہ کی تحریری خوبیوں اور خامیوں کی اصلاح کر کے موقع کی مناسبت سے مضامین لکھوائے جائیں، اچھا مضمون لکھنے پر ان کی حوصلہ افزائی کی جائے۔

سال کے عمدہ مضامین کو ملکی جرائد و رسائل میں اشاعت کے لیے بھیجا جائے۔

(۸) اساتذہ میں اتحاد و اتفاق:

بہترین اور معیاری تعلیم و تربیت کے لیے ضروری ہے کہ اساتذہ میں اتفاق و اتحاد، باہمی مشاورت اور آپسی معاونت ہو تاکہ اچھی پلاننگ کے ساتھ طلبہ کی تعلیم و تربیت ہو سکے، اس کے بغیر نہ تو طلبہ کے اندر تعلیمی بہتری آئے گی، نہ ہی ان کی تربیت کی کوئی تحریک کامیاب ہو سکتی ہے۔

(۹) عمدہ نظام الاوقات کی تشکیل:

نظام الاوقات سے مراد جماعت اور گھنٹی وار، اساتذہ کے پاس کتابوں کی تقسیم۔

نظام الاوقات کی ترتیب میں ان امور کا لحاظ رکھا جائے:

ہر مضمون کو اہمیت کے اعتبار سے وقت دیا جائے، مشکل کتابوں کو ابتدائی گھنٹوں میں رکھا جائے، ہر کتاب اسی استاذ کے پاس رکھی جائے جو اس کو پڑھانے سے دلچسپی رکھتا ہو، نظام الاوقات کی تشکیل سے پہلے اساتذہ کی رائے ضرور لے لی جائے کہ وہ کیا پڑھانا چاہتے ہیں، ہر استاذ کی کم از کم ایک گھنٹی خالی رکھی جائے، ہر گھنٹی کے ٹائم کی پابندی کرائی جائے، طلبہ درس گاہ میں وقت پر جائیں اور وقت پر استاذ انہیں چھوڑ دے۔

(۱۰) تدریسی ٹریننگ:

اچھے اور تجربہ کار اساتذہ قوم کے مستقبل کو سنوارتے ہیں۔ کسی بھی نظام تعلیم کے روح رواں ہوتے ہیں، اس لیے مستقبل کے لیے اچھے اور تجربہ کار اساتذہ کو تیار کرنے کی سمت میں اقدام کرنا ہوگا۔ اس کا بروقت آسان حل یہ ہے کہ مدرسے کے فارغین میں جو تدریسی ذوق رکھتے ہیں، باضابطہ وظیفے کے ساتھ ان کو تدریسی ٹریننگ دی جائے، یہ کورس دو سالہ ہو، کورس کی تکمیل پر سند دی جائے۔

واضح رہے کہ چند بڑے مدارس میں اس کا آغاز ہو چکا ہے۔

(۱۱) دو سالہ تخصص کا کورس کرانا:

درجہ فضیلت کے بعد دو سالہ فقہ، ادب، یا تقابل ادیان میں تخصص کا اہتمام کیا جائے۔

ان امور کے علاوہ بھی بہت ساری باتیں ہیں جن کو اپنا کر دینی مدارس کے نصاب و نظام تعلیم کو قدیم نافع اور جدید صالح کا سنگم بنایا جاسکتا ہے۔ اس مختصر سے مضمون میں ان کا احاطہ مشکل ہے۔ بروقت مذکورہ تجاویز پر غور کرنے اور ان پر عمل پیرا ہونے کی ضرورت ہے۔

مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی - حقائق، اسباب اور

سبب

پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین

استاذ، جواہر لال نہرو یونیورسٹی، دہلی

مذہبی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو تعلیم کے میدان میں مسلمانوں کو کسی بھی طور سے پیچھے نہیں رہنا چاہیے تھا کیونکہ واضح طور پر کہا گیا ہے کہ ”طلب العلم فریضة علی کل مسلم“ اس روشنی اور ہدایت کے باوجود مسلمانوں میں تعلیم کا رجحان فروغ نہ پا سکا۔ اسباب کی تفصیلات میں جائیں تو بہت کچھ مل جائے گا لیکن ذمہ داری کی بات کریں تو والدین اور قومی رہنماؤں سے لے کر حکومت تک کوئی ذمہ داری قبول کرنے کو تیار نہیں۔ لیکن ایک دلچسپ اور حیرت افزا پہلو کا ذکر بھی ضروری ہے تاکہ اس کی روشنی میں یہ سمجھا جاسکے کہ مسلمان کیوں تعلیم میں سب سے پیچھے ہیں؟ دنیا بھر کے ممالک اور اقوام کا جائزہ لیں تو کہیں بھی ایسا نظام نہیں ملے گا جو مسلمانوں کے درمیان ہے یعنی مفت تعلیم، مفت رہائش اور مفت خورد و نوش۔ جی ہاں یہ نظام صرف مسلمانوں کے یہاں ہے کہ ہر خطے میں مدرسوں کا ایک جال بچھا ہوا ہے۔ ایسا نظام جس کو آج تک دنیا کی بڑی تنظیموں نے تسلیم نہیں کیا اور نہ اس کو مستند سمجھا۔ جب کہ چھوٹی چھوٹی تنظیموں کو دنیا کے بڑے اداروں نے تسلیم کیا ہے۔ ان کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے انہیں انعام و اکرام سے نوازا بھی گیا حتیٰ کہ یتیم خانہ چلانے والے، لڑکیوں کی تعلیم اور ان کو معاشی اعتبار سے خود کفیل بنانے والے کو

دنیا کا اعلیٰ ترین ایورڈ ملتا ہے جن میں لڑکیوں کی تعداد لاکھوں تک نہیں پہنچتی۔ یہ بڑا سوال ہے کہ مدارس اسلامیہ جو یتیم خانے بھی ہیں اور مدرستہ البنات جن میں بڑی تعداد میں مسلم بچیوں کو تعلیم سے آراستہ کیا جاتا ہے۔ آج تک نہ تو حکومت نے اور نہ کسی ملکی اور عالمی تنظیم نے ان مدارس کی خدمات کا اعتراف کیا۔ یہ بھی ایک وجہ ہے کہ اہل مدارس کی حوصلہ افزائی نہیں ہوتی اس لیے وہ لکھنؤ پر چلنے کے عادی ہو گئے ہیں۔ یہیں ایک سوال یہ بھی ہے کہ ملک میں لٹریری ریٹ (شرح خواندگی) کو بڑھانے میں یہ مدارس جو خدمات انجام دے رہے ہیں ان کو اب تک ہم نے بھی منوانے کی کوشش نہیں کی۔ آج کے اس تشہیری دور میں اس کی بھی ضرورت ہے کہ آپ جو کریں اس کی تشہیر بھی خود کریں ورنہ اس کی اہمیت کوئی نہیں سمجھتا۔ ان سوالات کے آتے ہی ایک بڑا سوال یہ بھی ہے کہ ان مدارس اسلامیہ نے خود اپنی سطح پر تعلیم کو آگے بڑھانے میں اور وقت کے تقاضے کو ملحوظ رکھنے میں کہیں کوتاہی تو نہیں کی ہے؟ مسلمانوں میں خود مدارس کی اہمیت کم ہوتی جا رہی ہے کہیں اس کی وجہ ہماری غفلت تو نہیں؟ اس طرح کے بہت سے سوالات ہیں جن کے جوابات دینے کا وقت اس لیے آگیا ہے کہ آج مسلمانوں میں تعلیم کی شرح کم سے کم ہوتی جا رہی ہے۔

مدارس کا ذکر کر کے میں محض مدارس کو مورد الزام نہیں ٹھہرا رہا ہوں بلکہ ان مدارس کی اہمیت کو اجاگر کرنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ دنیا کا کوئی ایسا نظام، کوئی اتنا بڑا نیٹ ورک نہیں جو ثواب دارین سمجھ کر، قومی خدمت سمجھ کر تعلیم کو فروغ دے رہا ہو۔ یقیناً مدارس نے ہندوستان میں جو خدمات انجام دی ہیں ان کو زریں حروف سے لکھا جانا چاہیے۔ لیکن ساتھ ساتھ جو کوتاہیاں ہوئی ہیں ان پر بھی غور و خوض کی اشد ضرورت ہے۔

مسلمانوں میں تعلیم کی گھٹتی شرح کے اسباب بہت ہیں ان میں سے ایک مسلمانوں کا ذہنی رویہ بھی ہے۔ اکثر لوگ بچوں کی تعلیم کے سلسلے میں بات کرتے ہوئے اس کشمکش میں رہتے ہیں کہ ان کو کون سی تعلیم دی جائے؟ عصری تعلیم یا دینی تعلیم۔ اس ادھیڑ بُن میں اکثر لوگ نہ ادھر کے رہتے ہیں نہ ادھر کے رہتے ہیں۔ تعلیم کو خانے میں بانٹنے کی ضرورت کیا ہے؟ تعلیم تعلیم ہے اور مسلمان ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو اسلامی

معلومات تو ہر حال میں ہونی ہی چاہئیں۔ بنیادی تعلیم میں یہ شامل بھی ہونا چاہیے اس کے بعد آگے کی تعلیم بچوں کی ذہنی صلاحیت اور ذہنی رویے کے مطابق طے کرنے کی ضرورت ہے۔ اس پہلو پر غور و فکر کی ضرورت ہے۔

رہی بات مسلمانوں میں تعلیم کی مجموعی صورت حال کی تو وہ انتہائی حد تک افسوسناک ہے۔ سالار میں شائع شدہ تازہ ترین رپورٹ کے ”ہندوستان میں پہلی بار 2001ء میں مذہب کی بنیاد پر یہاں کے لوگوں کے اعداد و شمار سرکاری طور پر جمع کئے گئے۔ اس میں سامنے آیا کہ یہاں کے سبھی صوبوں میں مسلمان دوسروں کے مقابلے میں پسماندہ ہیں۔ یہاں قومی سطح پر مسلمانوں میں خواندگی کی شرح محض 55 فیصد ہے جب کہ عام شہریوں میں خواندگی کی شرح تقریباً 65 فیصد ہے۔ یہاں مسلم خواتین 14 فیصد خواندہ ہیں جب کہ ملک کی باقی خواتین میں یہ شرح 46 فیصد ہے۔ یہ تو قومی سطح کی بات تھی لیکن اگر گاؤں اور شہر کو الگ الگ دیکھیں تو گاؤں کے مسلمان تعلیمی طور پر زیادہ پسماندہ ہیں۔ ہندوستان میں اس وقت جو خواندگی کی شرح بڑھ رہی ہے اور نئی نسل پڑھ لکھ رہی ہے اس میں بھی مسلمانوں کا تناسب دوسروں سے کم ہے۔ یہاں قومی سطح پر لٹریری ریٹ 74 فیصد کی رفتار سے بڑھ رہی ہے جب کہ مسلمانوں کے اندر یہ محض 15 فیصد کی رفتار سے بڑھ رہی ہے۔ یہاں مسلمانوں میں ڈراپ آؤٹ ریٹ غیر مسلموں کی بہ نسبت زیادہ ہے۔ یہاں شیڈول کاسٹ اور شیڈول ٹرائب سے زیادہ مسلم طلبہ درمیان میں ہی تعلیم کا سلسلہ توڑ دیتے ہیں۔ رپورٹ بتاتی ہے کہ مسلمانوں میں ناخواندہ افراد کی تعداد 42.7 فیصد ہے۔ جبکہ ہندوؤں میں 36.4، سکھوں میں 32.5 اور بدھوں میں 28.2 اور عیسائیوں میں 25.6 فیصد ہے۔ گویا تعلیم میں سب سے پیچھے مسلمان اور سب سے آگے عیسائی ہیں۔ سب سے زیادہ غیر تعلیم یافتہ مسلمانوں میں اور سب سے کم غیر تعلیم یافتہ عیسائیوں میں ہیں۔ ہندوؤں کی بھی حالت کوئی بہت اچھی نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی وہ تعلیمی اعتبار سے مسلمانوں سے کہیں آگے ہیں۔ سکھوں میں بھی ناخواندہ افراد کی تعداد زیادہ نہیں ہے۔ لیکن خواندگی کے معاملے میں جین سب سے آگے ہیں۔ ان میں 86.4 فیصد خواندگی ہے۔ گویا ان میں

ناخواندہ افراد کی شرح محض 13.7 فیصد ہے۔ مجموعی طور پر ہندوستان میں ناخواندگی کی شرح 36.9 فیصد ہے۔ جہاں تک گریجویٹ افراد کی تعداد کا معاملہ ہے تو چین فرقی میں 25.65 فیصد گریجویٹ ہیں۔ اسی طرح عیسائیوں میں 8.84، سکھوں میں 6.39، بودھوں میں 6.17، ہندوؤں میں 5.98 اور مسلمانوں میں 2.75 فیصد گریجویٹ ہیں۔ یعنی چین فرقی میں گریجویٹ افراد کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ باقی فرقے ان کے مقابلے میں بہت پسماندہ ہیں۔ ذرا تصور کیجئے کہ چین فرقی میں پچیس فیصد سے زائد گریجویٹس ہیں اور مسلمانوں میں پونے تین فیصد۔ جہاں تک خواتین گریجویٹس کا معاملہ ہے تو اس میں کوئی بہت زیادہ فرق نہیں ہے۔ چین میں 44 فیصد سے زائد، عیسائیوں میں 49 فیصد سے زائد، سکھوں میں بھی اتنے ہی، بودھوں میں 38 فیصد، ہندوؤں میں ساڑھے 37 فیصد اور مسلمانوں میں 36.65 فیصد خواتین گریجویٹ ہیں۔ گویا اس میدان میں مسلمانوں کی حالت بہت زیادہ خراب نہیں ہے۔ اگرچہ اس شعبے میں بھی وہ دوسروں سے پیچھے ہیں لیکن اتنے بھی پیچھے نہیں ہیں کہ اظہار افسوس کیا جائے۔ اس سے ایک بات کا پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں میں لڑکیوں کی تعلیم کا اچھا رجحان ہے بالمقابل مجموعی تعلیم کے۔ یہ ایک اچھی بات ہے۔ البتہ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس میں اور اضافہ ہو۔“ (رپورٹ بحوالہ محمد ریاض، سالار، بنگلور، کرناٹک)۔

ہندستان میں وسطی عہد سے اگر تعلیم کے رجحان کا جائزہ لیا جائے تو حیرت بھی ہوتی ہے اور افسوس بھی کہ کبھی تعلیم کے حوالے سے مسلم دور حکومت میں بھی کوشش نہیں کی گئی اور نہ کوئی ایسا نظام دیا گیا کہ تعلیم کو فروغ ملے۔ لہذا شروع سے مسلمان اس ملک میں تعلیم کے میدان میں پیچھے رہے۔ تقسیم ملک کے بعد بلکہ 1857ء کے بعد سے تو عجیب کشمکش کا دور آیا۔ یہاں روایتی تعلیم کا رواج تو تھا مگر کوئی منظم ضابطہ نہیں تھا۔ انگریزوں کی آمد کے بعد مسلمانوں کی جانب سے مخالفتوں کا بھی ایک سلسلہ شروع ہوا، لیکن انہیں مخالفتوں کے درمیان سے نئی تعلیمی روشنی کی جانب بڑھنے کی بھی کوششیں ہوئیں۔ ابھی اس انتشار کا دور ختم بھی نہیں ہوا تھا کہ تقسیم ملک کے بعد تعصبات کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوا، جو

آج تک کسی حد تک موجود ہے۔ لیکن ان تعصبات کے ماحول نے ایک ایسی چیز بھی دی کہ اپنا حق حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اور وہ حق جمہوری نظام نے دیا اس جمہوری نظام میں بقول شاعر:

یہ بزم مے ہے یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی
جو بڑھ کے خود اٹھالے ہاتھ میں مینا سی کا ہے

لیکن اس جمہوری نظام میں اپنے حقوق کی بازیابی یا حصول یابی کے لیے ہماری کوششیں صفر ہی رہیں۔ وہ تو گاہے بگاہے حکومتوں نے ہماری بڑی آبادی کو دیکھتے ہوئے کچھ کھیلونا نمائندگیاں ضرور بنائیں۔ لیکن ان کی سفارشات، سفارشات تک ہی محدود رہیں۔ مثلاً ہندستان میں مسلمانوں کی اقتصادی، سماجی اور تعلیمی صورت حال کا جائزہ لینے کے لیے سابقہ یو۔ پی۔ اے حکومت نے جسٹس راجندر سچر کی قیادت میں 2005ء میں ایک کمیٹی قائم کی تھی۔ جس نے اپنی رپورٹ میں بتایا تھا کہ ملک میں مسلمانوں کی حالت سب سے پسماندہ سمجھے جانے والے دلت فرقے سے بھی بدتر ہے۔ سچر کمیٹی نے اس صورت حال کو بہتر بنانے کے لیے بعض سفارشات بھی کی تھیں۔ ان سفارشات پر عمل درآمد کا جائزہ لینے کے لیے کنڈو کمیٹی بنائی گئی تھی۔ کمیٹی کے سربراہ ماہر اقتصادیات پروفیسر ایتنا بھ کڈو کا کہنا ہے کہ مسلمانوں کی اقتصادی، تعلیمی اور سماجی صورت حال اس بات کا ثبوت ہے کہ ان کے ساتھ امتیازی سلوک ہو رہا ہے۔ ان کا مزید کہنا تھا کہ سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کا تناسب پچھلے دس برسوں میں پانچ فیصد سے بڑھ کر 7.5 فیصد تو ہو گیا ہے تاہم یہ ان کی آبادی کے تناسب سے اب بھی کافی کم ہے۔ سچر کمیٹی اور کنڈو کمیٹی کی سفارشات کے بعد بھی نہ تو حکومت نے کچھ کیا اور نہ ہماری جانب سے شدت سے مطالبات ہو رہے ہیں۔ اس منظر نامے سے ایک بات تو واضح ہو جاتی ہے کہ ہندستان کے مسلمان تعلیم کے میدان میں بھی پیچھے ہیں اور حکومت کی ترجیحات میں بھی پس پشت ہیں۔

اس حوالے سے ایک بات اور کہی جاتی ہے کہ مسلمان چوں کہ زیادہ غریب ہیں اس لیے وہ تعلیم میں پیچھے ہیں۔ لیکن یہ بھی غور کرنا چاہیے کہ تعلیم نہ ہونے کے وجہ سے غریب

ہیں یا غریب ہونے کی وجہ سے تعلیم نہیں ہے؟ شاید دونوں باتیں درست ہیں۔ لیکن اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ ہمیں تعلیمی اور اقتصادی مواقع کا علم نہیں ہے ورنہ جمہوری ملک میں رہتے ہوئے ہم یکسر نظر انداز نہیں کیے جاسکتے۔

میرا خیال ہے کہ ہماری تعلیمی پسماندگی کی ایک بڑی وجہ ہماری لاعلمی بھی ہے۔ کیوں کہ اب ہندوستان میں لازمی تعلیم کا آئین بن چکا ہے اس کے لیے حکومت بہت کچھ کر رہی ہے اور پرائمری سطح سے اعلیٰ تعلیم تک کے لیے اسکالرشپ دیئے جاتے ہیں۔ لیکن اسکالرشپ پانے والوں کی اعداد و شمار کو دیکھیں تو حیرت ہوتی ہے کہ یہاں بھی مسلمان بچے سب سے پیچھے ہیں۔ یہ ایک اہم معاملہ ہے اس کے لیے اجتماعی طور پر بیداری لانے کی ضرورت ہے۔ تاکہ حکومت کی مختلف اسکیموں سے فائدہ اٹھایا جاسکے۔

میں سمجھتا ہوں کہ جس طرح ہمارے مدارس، مکاتب اور جدید تعلیمی اداروں کی ضرورت ہے اسی طرح ایک انفارمیشن سینٹر کے قیام کی بھی اشد ضرورت ہے۔ اس انفارمیشن سینٹر کا کام یہ ہونا چاہیے کہ تعلیم کے لیے اسکالرشپ کی جانکاری، داخلے کے لیے اداروں کی جانکاری اور اعلیٰ تعلیم کے لیے کس طرح بینکوں سے قرض لیا جاسکتا ہے، اس کی جانکاری فراہم کرنے کے لیے اگر ہر صوبے میں ادارے بنائے جائیں تو ہمیں اپنے مقاصد میں کامیابی ملنے کے امکان نظر آتے ہیں۔ نہ صرف تعلیمی حوالے سے بلکہ مسلمانوں کو اقتصادی طور پر مضبوط بنانے کے لیے بھی ایسے ادارے مفید ثابت ہوں گے کیوں کہ حکومت ایسی بہت سی اسکیمیں بناتی ہے لیکن معلومات نہ ہونے کی وجہ سے اقلیتی طبقہ محروم رہتا ہے۔ حکومت تو اس طرح کی اسکیموں کو مستہر کرنے کی کوشش بھی نہیں کرتی، انہیں تو ورلڈ بینک کے لیے اعداد و شمار جمع کرنے ہوتے ہیں۔ اس لیے ایسی اسکیمیں ہر دور حکومت میں رہی ہیں۔ عہد کے تقاضے کے پیش نظر اس طرح کے ”اہل سنت کی آواز“ کا یہ جریہ بھی اہمیت کا حامل ہے۔ لیکن اسی پر اکتفا کرنے کی ضرورت نہیں ہے اہل سنت کی آواز پر بلیک کہتے ہوئے مستقل غور و خوض کے لیے ہر پلیٹ فارم کا استعمال کرنا چاہیے۔

شخصیت سازی میں اقامتی زندگی کی حصہ داری

سید محمد افضل قادری

خانقاہ برکات تہ مارہرہ شریف

شخصیت ایک ہمہ گیر لفظ ہے جس کی ماہیت کو سمجھنے کے لیے کوئی ایک تعریف کارگر نہیں ہوتی۔ کچھ لوگ انسان کی جسمانی خوبیوں یا خامیوں کو ہی شخصیت سمجھتے ہیں حالانکہ صحیح نہیں ہے۔ شخصیت اس سے کہیں وسیع تر شے ہے۔ اس میں نہ صرف جسمانی خوبیاں یا خامیاں شامل ہیں بلکہ ذہنی، نفسیاتی اور روحانی عناصر بھی کارفرما ہوتے ہیں۔ اس میں انسان کی عادات، فطرت، رجحانات، نظریات اور سطح نظر بھی کچھ شامل ہوتے ہیں۔ شخصیت اچھی بھی ہو سکتی ہے اور بری بھی، متاثر کن بھی ہو سکتی ہے اور اس کے برعکس بھی، مگر ہوتی ہر انسان کی ہے۔ اس میں کچھ عناصر ایسے ہوتے ہیں جو وقت، حالات، ماحول، صحبت اور جائے وقوع کے ساتھ ساتھ تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ مگر کچھ ناقابل تبدیل ہوتے ہیں۔ گھروہ پہلا مکتب ہوتا ہے جہاں شخصیت سازی کی ابتدا ہوتی ہے۔ انسان اپنے والدین اعزہ، اقرباء اور پڑوسیوں سے کچھ حاصل کرتا ہے جو اس کی شخصیت کا حصہ بن جاتے ہیں۔ عموماً یہ عمل غیر شعوری طور پر ہوتا ہے مثلاً کسی شریف پڑوسی کو خدمت خلق کرتے دیکھ کر آپ متاثر ہوتے ہیں اور خود بھی وہی راہ اپنا لیتے ہیں دھیرے دھیرے یہ خدمت گزاری بھی آپ کی شخصیت کا اٹوٹ حصہ بن جاتی ہے۔

گھر کے بعد اگر کوئی حصول تعلیم کے لیے کسی ادارے میں جاتا ہے اور وہاں کی اقامت گاہ میں قیام پذیر ہوتا ہے تو اس کی شخصیت کے نئے پہلو ابھرنے لگتے ہیں اور اس

میں بہت سی تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں۔ وہ مثبت بھی ہو سکتی ہیں اور منفی بھی۔ تعلیم گاہ میں انسان کسب علم کرتا ہے مگر اقامت گاہ میں وہ وہ سیکھتا ہے جس کے بارے میں نظیر اکبر آبادی نے کہا تھا کہ ۔

پڑھے سے جس کے ہوں لاکھ آنکھیں وہ علم دل کی کتاب میں ہے
جب میں اکتوبر ۱۹۷۸ء میں پہلی بار اقامت گاہ میں داخل ہوا تو تھوڑے دن عجیب سا لگتا تھا۔ گھر میں کوئی کام اپنے ہاتھوں سے کرنے کی عادت نہیں تھی۔ زندگی کا پورا شیڈول والدین کے زیر نگرانی تیار ہوتا تھا۔ وہاں کھانے پینے کی فراغت تھی کسی قسم کی محرومی کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ لیکن جب علی گڑھ مسلم یونیورسٹی پہنچے تو معاملہ ہی دوسرا تھا۔ سب سے پہلے جس کمرے میں رہنے کو ملا وہ عارضی تھا۔ پھر میکڈائل ہاسٹل کے ایک کمرے میں جو سہ اقامتی تھا جگہ ملی اور یہی وہ وقت اور کمرہ تھا کہ جس کے بارے میں نشور واحدی نے کہا تھا کہ ۔

وہ نہ جانے کون سا وقت تھا کہ بنائے خون جگر پڑی

اس کمرے میں دو لڑکے اور تھے ایک تو وہ جواب نہیں ہیں مگر ہیں اور ہمیشہ میرے ارد گرد رہیں گے یعنی تو قیر احمد جن کا تعلق فیض آباد کے ایک گاؤں سے تھا اور دوسرے سید محمد وقاص جن کا تعلق اناؤ کے ایک مذہبی گھرانے سے تھا اور ان کے نانا صوفی عبدالرب صاحب مولانا اشرف علی تھانوی کے مرید و خلیفہ تھے۔ تو قیر عمر میں دو سال بڑے تھے ہم اور وقاص ہم عمر تھے۔ تو قیر اس وقت دیوبندیت کی طرف مائل تھے اور وقاص تو تھے ہی اسی رنگ میں۔ میرا تعلق اہل سنت والجماعت کے ایک اہم خاندان سے تھا جسے وہ دونوں بریلوی کہتے تھے۔ راتوں کو مذہبی عقائد پر زبردست مباحثے ہوتے تھے۔ مگر یہ احتیاط برتی جاتی تھی کہ کسی کی دل آزاری نہ ہو اور جو الزامات مجھ پر یا میرے مسلک پر لگائے گئے ہیں ان کی تردید کر دی جائے۔ میں ارباب دیوبند کی کتابوں کا حوالہ دے کر ان عبارتوں کا ذکر کرتا تھا جو اہانت رسول ﷺ سے متعلق ہیں اور وہ میرے مسلک سے جڑی بہت سی رسومات کا ذکر کرتے تھے جو ان کے نزدیک شرک و بدعت تھیں۔ ان باتوں سے

دونوں کو فائدہ ہوا۔ وہ یہ تسلیم کرنے لگے تھے کہ عبارتوں میں بعض باتیں کفریات کے زمرے میں آتی ہیں اور کسی حال میں قابل برداشت نہیں اور میں بھی یہ تسلیم کرتا تھا کہ مزارات پر بعض حرکتیں اور رسومات اصل اسلامی تعلیمات کے خلاف ہیں۔ میں دراصل کہنا یہ چاہتا ہوں کہ اقامتی زندگی میں بحث و مباحثے اور سنجیدہ معاملات میں اپنا موقف رکھنے کی صلاحیتیں بدرجہ اتم پیدا ہوتی ہیں۔

اقامتی زندگی وسعت قلب و نظر اور ظرف میں بے حد مہم ثابت ہوتی ہے۔ مجھے اس کا ذاتی تجربہ ہے۔ وہاں ہر طرح کے دکھ سکھ بانٹنے کا سلیقہ پیدا ہوتا ہے۔ خوردی اور بزرگی میں کیا حفظ مراتب ہونے چاہئیں اس کا اندازہ ہوتا ہے۔ یک جہتی کی جیسی مثالیں ہوٹل میں قائم ہوتی ہیں شاید ہی کہیں قائم ہوں۔ آفتاب ہاسٹل میں ایک سینئر جوار دو کے معروف شاعر بھی تھے یعنی اسعد بدایونی صاحب بھی رہا کرتے تھے۔ میرے دوستوں سے ان سے کچھ کہاسنی ہو گئی وہ لال پری کے زیر اثر مغلظات بکا کرتے تھے۔ ہمیں اس سے تکلیف ہوتی تھی کئی بار درخواست کرنے کے بعد بھی ان پر اثر نہیں ہوا تو ایک دن معاملہ ہاتھ سے نکل گیا اور کافی کہاسنی ہوئی اور پھر تعلقات بہت کشیدہ ہو گئے۔ ہم لوگوں نے انہیں بالکل نظر انداز کر دیا ایک شام کمرہ نمبر تین (جس میں وہ مقیم تھے) کے سامنے کئی لڑکے ہاکی اور ڈنڈے لے کر جمع ہو گئے اور انہیں گالیاں دینے لگے۔ ہمارے سارے دوست باہر نکل آئے اور ان سے وجہ پوچھی تو کہنے لگے کہ آپ لوگ دخل نہ دیں ہمیں ان سے حساب برابر کرنا ہے اور آپ لوگ بھی تو ان سے ناراض ہیں۔ مرحوم تو قیر نے زور سے ڈانٹ کر کہا کہ آپ لوگ پانچ منٹ میں یہ جگہ چھوڑ دیں ورنہ اپنے آپ نہیں جاسکو گے، لے جائے جاؤ گے۔ ان کے تیور دیکھ کر ہاسٹل کے دوسرے لڑکے بھی جمع ہو گئے اور ان سب کو دوڑا کر باہر کر دیا۔ اسعد بدایونی صاحب کی حالت غیر ہو گئی تو قیر کو لپٹا کر رونے لگے اور کہا کہ میں بہت برا ہوں مگر مجھے معاف کر دو۔ یہ ہاسٹل سے ہی سیکھا کہ اندر کتنا ہی ہنگامہ کیوں نہ ہو باہر والے کو یہ موقع نہیں دینا چاہیے کہ وہ اندر آ کر حملہ کر سکے۔

کس طرح دلداری کی جاتی ہے اور کس طرح دوست کا خیال رکھا جاتا ہے اس کی بہترین مثالیں بھی آپ کو ہاسٹل سے ہی ملیں گی۔ اور یہیں سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ محبت اور جنگ میں سب جائز ہے۔ ایک مرتبہ مرحوم توقیر سے کسی غلط فہمی کی بنا پر یونیورسٹی کے ایک بدنام استاد (جن کو اپنے نام کے آگے Criminal لگانے کا بہت شوق تھا) کے لڑکے نے بہت بدتمیزی کی اور وہ بھی تمام اساتذہ اور طلباء کے سامنے۔ توقیر بے حد افسردہ ہوئے اور کمرے میں منہ پلٹ کر لیٹ گئے میں جب ان کے کمرے میں گیا اور ان کی اداسی کی وجہ پوچھی تو بہت آزرده ہوئے اور غصہ بھی۔ میں ایک شناسا کے پاس ان کے گھر گیا اور ان سے ان کی گاڑی مانگی اور کھرا آلودرات کی پرواہ کیے بنا اپنے قصبے گیا جہاں ایک بہت شورہ پیش مگر بے حد پر خلوص صاحب رہتے تھے ان کو حالات بتائے اگلے دن وہ تقریباً دو سو لوگ لے کر علی گڑھ آ گئے اور اس لڑکے کو تلاش کرنے لگے، اس کو خبر ہو گئی اور وہ غائب ہو گیا۔ اس کے نام نہاد کمرنل باپ کو اتنا دھمکایا کہ وہ بکری کی طرح میاں لگے اور لڑکے کے اعمال کی معافی مانگنے لگے تب کہیں جا کر ہم لوگوں کا دل پیچا۔ اب سوچتا ہوں تو حیرت ہوتی ہے کہ ہاسٹل والوں کی مروت میں ہم کیا کیا کرتے تھے۔

اقامتی زندگی انسان کو جملے بازی، چہلیں، شوخی، حاضر جوابی سبھی کچھ سکھا دیتی ہے کچھ مثالیں پیش خدمت ہیں۔ ہاسٹل میں ایک بہت بڑے شیخی خور تھے۔ ہاسٹل کے فوارے پر شام کو بڑی رونق ہوتی تھی۔ ان صاحب کا تعلق کھگڑیا سے تھا۔ لمبی لمبی ہانکا کرتے تھے۔ ایک دن فرمانے لگے کہ میرے والد بتاتے ہیں کہ ۱۹۵۲ء میں ہمارے گھر کا ماہانہ خرچے دس ہزار روپے تھا۔ مرحوم توقیر سے براشت نہیں ہوا کہنے لگے ”یار میں بہت بڑا جھوٹا ہوں مگر ایک ہزار سے اوپر تو میں بھی نہیں جاسکوں گا۔“

ایک صاحب ایک پردہ نشین کے عشق میں گرفتار تھے جس کا علم ہر کس و ناکس کو تھا مگر ملاقات کی کوئی صورت نہیں نکلتی تھی اکثر اس کے اطراف میں طواف کرتے پائے جاتے تھے مگر کبھی اسے تسلیم نہیں کرتے تھے ایک مرتبہ جاڑے کی ایک سرد شام کو کوچہ یار سے بے نیل مرام نکل رہے تھے جو ہمارے ہاسٹل کے قریب ہی تھا، میں توقیر اور احسن، وہ بھی اس

دنیا میں نہیں ہیں، شمشاد مارکیٹ جارہے تھے ان پر نظر پڑی تو پوچھا کہ کیا کر رہے ہیں۔ حسب عادت بولے کچھ نہیں سامان لینے جارہا تھا۔ برجستہ احسن مرحوم نے کہا۔

نہ ہم سمجھے نہ آپ آئے کہیں سے پسینہ پونچھے اپنی جبین سے

ایک صاحب تھے جن کی رنگت سانولی شام کی طرح تھی اور وہ اس کو لے کر بے حد حساس بھی تھے۔ فوارے پر ان کو اکثر چھیڑا جاتا تھا مگر ایک بار ایسا ہوا کہ وہ خود بھی ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو گئے۔ ہوا یوں کہ ایک لڑکے نے کہا کہ میرے والد حج کرنے گئے تھے مگر بھیڑ کی وجہ سے حجر اسود کو بوسہ نہیں دے سکے۔ اس پر توقیر مرحوم نے کہا ”بھائی انہیں ہاسٹل میں بلا لیں ان کے لیے مناسب انتظام ہے۔“

اقامتی زندگی انسان کو مصیبت کے وقت حوصلہ دیتی ہے اور انسانی اقدار میں یقین پیدا کرتی ہے۔ مجھے خوب یاد ہے سید حامد صاحب کا دور تھا اور یونیورسٹی کی تطہیر کی جارہی تھی یعنی سماج دشمن عناصر کی دھر پکڑ ہو رہی تھی۔ اس سلسلے میں کچھ ناگوار مگر ناگزیر حادثات بھی ہوئے۔ یونیورسٹی غیر معینہ مدت کے لیے بند کر دی گئی لڑکے ہاسٹل چھوڑنے کے لیے راضی نہیں تھے۔ مطبخ بند، یونیورسٹی کا بازار بند ہر طرف خاکی وردیاں، پولس کی گاڑیاں اور سائرنوں کی آوازیں، رسد کی آمد و رفت بند سب بھوک سے بے حال مگر کوئی راستہ نہیں۔ کیا دیکھتا ہوں سید طارق عمر صاحب نے اپنے کمرے میں رکھے ہوئے چاول کے بورے گھی کے ڈبے اور آلو لاکر لان میں رکھ دیے اور کہا ابھی بجلی نہیں گئی ہے اس لیے ہیٹر پر سب اپنے اپنے کمرے میں طاہری تیار کر سکتے ہیں۔

شخصیت کے اظہار کے جتنے مواقع ہاسٹل میں ملے کہیں نہیں میسر آئے۔ بحث و مباحثہ اور تقریری مقابلوں کی تیاری کے لیے باخبر لڑکوں کا پورا گروہ موجود رہتا تھا۔ بیت بازی اور غزل خوانی کے مواقع میسر ہوتے تھے۔ ہاسٹل فنکشن میں طرح طرح کی صلاحیتوں کو فروغ ملتا ہے۔ لان میں کھیل کود اور ورزش کا پورا انتظام ہوتا تھا۔ اجتماعیت کے تصور کو پیدا کرنے کے لیے ڈاننگ ہال کا نظام موجود تھا۔ ساتھ بیٹھ کر کھانے سے باہمی

محبت اور رواداری فروغ پاتی ہے اور انسان آنے والی سماجی ذمے داریوں کی تربیت حاصل کرتا ہے۔

یونیورسٹی میں طلباء سیاست میں تربیت حاصل کر کے بڑے بڑے لیڈر پیدا ہوئے جنہوں نے قومی اور بین الاقوامی پیمانے پر کارہائے نمایاں انجام دیے۔ انکیشن کی سرگرمیوں کے درمیان طرح طرح کے مزیدار واقعات ہوتے ہیں جن سے سیکھنے کے بہت سے مواقع حاصل ہوتے ہیں۔ یہاں بھی جملے بازی اور حاضر جوابی کیسے کیسے گل کھلاتی ہے اس کا ایک نمونہ پیش خدمت ہے۔

یونیورسٹی کورٹ کا انتخاب ہوتا تھا جن میں طلباء کی نمائندگی بھی لازمی تھی۔ ہم اس زمانے کی ایک بے حد ذہین اور خوش اطوار خاتون کو انکیشن لڑا رہے تھے۔ ان کا تعلق لائف سائنس فیکلٹی سے تھا اور ان کے حلقہ انتخاب میں دو فیکلٹی شامل تھیں ایک تو لائف سائنس اور دوسری تھیالوجی۔ محترمہ کو نمبر ملا تھا یعنی اسی نمبر پر رائے شماری کی جانی تھی۔ میں اور تو قیر دونوں تھیالوجی فیکلٹی کے پاس کھڑے ووٹس کو پرچار رہے تھے۔ ایک بار لیش طالب علم جن کے ماتھے پر نماز کا نشان تھا نکلے تو قیر نے پوچھا مولانا کتنے وقت کی نماز فرض ہے؟ فرمایا ۱۵ وقت کی۔ تو قیر نے کہا تو یہ عدد ووٹ دیتے وقت بھی یاد رکھیے گا۔ اور مولانا بے ساختہ ہنسنے لگے۔

بے حد مشکل حالات میں بھی اقامتی زندگی کی تربیت کام دیتی ہے۔ مجھے پولس میں اقامتی زندگی کی تربیت نے بہت مدد دی بار ہا صبر کا دامن ہاتھ سے صرف اس لیے نہیں چھوٹا کہ ہاسٹل کی کوئی نہ کوئی بات یاد آگئی جس نے صبر و تحمل سکھایا تھا۔ خدا کے فضل و کرم سے کبھی نیچا نہیں دیکھنا پڑا۔ ہم چشموں میں بفضلہ تعالیٰ مقبولیت حاصل رہی، ماتحتین، عوام، سیاسی لیڈر حتیٰ کہ غیر سماجی عناصر نے بھی کام کی تعریف کی۔ ان سب کی وجہ میرا وہ رویہ ہے جس کی تشکیل ہاسٹل میں ہوئی اور جو ہم راز کی طرح ہمیشہ ساتھ رہا۔ کئی بار یوں بھی ہوا کہ بشری تقاضوں سے مغلوب ہو کر کچھ کر گزرنے کا ارادہ کیا مگر یہ تربیت درمیان میں دیوار کی

طرح کھڑی ہوگئی۔ بقول عرفان صدیقی ۔

اس شہر میں غارت گریاں تو بہت تھے کچھ گھر کی شرافت ہی بچا لے گئی ہم کو

یہیں ہم مختلف انسانی رویوں، رجحانات، سازشوں، مکر و فریب، مہر و وفا، خلوص و ایثار، انس و اپنائیت، رقابت و عداوت نیز ہر طرح کے مثبت و منفی جذبوں سے روشناس ہوتے ہیں اور یہیں وہ رقیب بھی پیدا ہوتے ہیں کہ جن کی عداوت کی قسم ابلیس تک کھاتا ہے۔ یہ اپنے اپنے ظرف اور نقطہ نظر پر ہے کہ کون کس طرح کے اثرات قبول کرتا ہے۔ عموماً لوگ اقامت گاہوں سے مثبت شخصیت لے کر نکلتے ہیں، کچھ ایسی چیزیں بھی ہیں جو پر معنی زندگی گزارنے کے لیے ضروری ہیں وہ چیزیں بھی انسان یہیں سیکھتا ہے۔ ان سب کا اجمالاً ذکر ذیل میں کیا جا رہا ہے۔

(۱) غیر ضروری اور جھوٹی انا سے دستبرداری۔ صرف میں ہی صحیح ہوں بقیہ دنیا غلط، جو میں نے کہا وہ حرف آخر ہے میں ہی وہ چنیدہ شخص ہوں جس کی خاطر دنیا بنائی گئی ہے۔ اس طرح کی باتوں سے جو کمی شخصیت میں پیدا ہوتی ہے اس کا بہترین علاج اقامت گاہوں میں ہوتا ہے۔ ہمارے ایک ساتھی جو آج کل یونیورسٹی میں اہم شخص ہیں ان کو بھی کچھ اس طرح کے گمان ہو گئے تھے۔ ایک دن بڑی لن ترانیاں کر رہے تھے۔ مقام وہی فوارہ، احسن مرحوم بڑی دیر سے ان کی باتیں سن رہے تھے اچانک بولے کہ ”کچھ لوگوں کا حال اس کتے کی طرح ہوتا ہے جو دھوپ سے بچنے کے لیے ٹرک کے نیچے لیٹا رہتا ہے اور جب ٹرک چلنے لگتا ہے تو کہتا ہے کہ میں نے ہی اسٹارٹ کیا ہے“ ان کی اس تلخ بات کا اثر بہت گہرا ہوا۔ ان صاحب نے معافی مانگی اور مستقبل میں اسے نہ دہرانے کا وعدہ کیا۔ آج وہ ایک کامیاب آدمی ہیں۔ بے حد ہر دلعزیز اور مقبول۔

(۲) یہیں زبان کے صحیح استعمال کی تربیت ملتی ہے۔ دراصل انسانی زندگی میں یہی دو چیزیں یعنی جھوٹی انا اور بھدی زبان زہر گھولتی ہے۔ اقامت گاہ میں دھیرے

دھیرے اس کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ کب کیا نہیں بولنا ہے۔

(۳) طنز و مزاح کی بہترین تربیت بھی اقامت گاہوں میں ہوتی ہے۔ میں نے کہیں پہلے بھی لکھا ہے کہ ہمارے دوست سہیل جو اس وقت لکھنؤ طبیہ کالج میں پروفیسر ہیں بے حد فرشتہ خصلت شخص ہیں۔ ۱۵ سال کی عمر میں یونیورسٹی میں آئے تھے ہمارے پڑوسی تھے۔ اپنے گناہوں کی معافی ہمہ وقت مانگتے رہتے تھے۔ اتنے لمبے لمبے سجدے کرتے تھے کہ بے ہوشی کا شک ہونے لگتا تھا، کبھی کبھی گریہ و زاری سے آواز رندہ جاتی تھی۔ تو قیر مرحوم کو بہت وحشت ہوتی تھی۔ ایک دن ان کا کارلر پکڑ کر اٹھا دیا اور پوچھا تمہاری عمر کیا ہے۔ وہ بولے ۱۵ سال، اس پر تو قیر مرحوم بولے ابھی تو گناہوں کا کھانا بھی نہیں کھلا اور جو تم اتنی دیر سجدے میں پڑے رہتے ہو اس سے ہم فرشتوں کی نظروں میں آجائیں گے کیوں کہ تم سے موازنے کے بعد ہمارا نامہ اعمال تو سیاہ ہونا ہی ہے۔ غرض اس طرح کی بہت سی کھٹی میٹھی باتیں اقامت گاہوں میں ہوتی رہتی ہیں۔

(۴) خاکساری کی بہترین تعلیم اقامت گاہوں میں ہوتی ہے دراصل خاکساری کو لوگ کمزوری سمجھتے ہیں حالانکہ کوئی کمزور شخص خاکساری کا متحمل ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ مرد کی متقاضی ہوتی ہے۔ بال سے زیادہ باریک فرق ہے انا اور خود داری میں۔ اقامت گاہوں میں خودی و خود داری فروغ پاتی ہے اور انا مٹ جاتی ہے بھی تو۔

دانہ خاک میں مل کر گل و گلزار ہوتا ہے

(۵) توازن۔ یہ صفت جو عام طور پر لوگوں میں مفقود ہوتی ہے ہاسٹل میں جا کر بے حد فروغ پاتی ہے۔ ہاسٹل کی زندگی انتہا پسندی کی قائل ہوتی ہے۔ بحث و مباحثہ کے دوران لوگوں کو اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی حدود کیا ہیں۔ شدت پسندوں کو دوسرے ساتھی مہمیز کرتے رہتے ہیں جس کی شخصیت کی غیر ضروری دھاریں موٹھری ہو جاتی ہیں اور شخصیت میں ایک خاص قسم کا لوچ اور اعتدال پیدا ہوتا ہے

جو عمر بھر ہر مشکل مقام پر مدد دیتا ہے۔

سردست مجھے اس کا صحیح متبادل اردو میں یاد نہیں آ رہا ہے مگر یہ وہ صفت ہے جو عنقاء ہے۔ آپ ایسا سمجھ لیں کہ صحیح اور غلط کام کے درمیان عام طور پر لوگ صحیح کو ہی چنیں گے مگر زیادہ صحیح اور کم صحیح یا زیادہ غلط اور کم غلط کے درمیان کسی ایک کو منتخب کرنے میں جو صفت کام آتی ہے اس کو Propriety کہتے ہیں۔ مثال کے طور پر ۵۰۰ رکعت نفل کی نیت باندھنا عوام کے لیے مناسب نہیں ہے کیونکہ اس کے اثر سے بعض فرائض منفی طور پر متاثر ہوں گے۔ ہاسٹل کی زندگی میں سب کے ساتھ رہنے سے یہ صفت پیدا ہوتی ہے۔

کل ملا کر عرض یہ ہے کہ اقامت کی زندگی انسانی زندگی کی بعض کجیوں کو ختم کر کے اسے سماج میں رہنے کے لائق بناتی ہے اس کی ذہنی، جسمانی اور روحانی اصلاح ہوتی ہے۔ البتہ میرا ایک مشورہ ہے کہ اقامت گاہوں میں ایک شخص کو اپنے خطے والوں سے زیادہ دوسرے علاقے کے لوگوں سے زیادہ ربط رکھنا چاہئے تاکہ دوسرے علاقوں کی معاشرت کے بہت سے گوشے آپ کو معلوم ہوں، اس سے یک جہتی کو فروغ ہوتا ہے اور باہمی لین دین سے شخصیت میں گیرائی اور گہرائی پیدا ہوتی ہے۔

شخصیت سازی کے عنصر

پروفیسر پروین طالب

شعبہ برنس ایڈمنسٹریشن، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

شخصیت کیا ہے؟ شخصیتی نشوونما کیا ہے؟ ایسے سوالات اکثر پوچھے جاتے ہیں۔ ان سوالات کے جوابات کے جاننے میں ہر شخص دل چسپی رکھتا ہے۔ مگر جو نوجوان اپنی شخصیت کو نکھارنا اور سنوارنا چاہتا ہے اسے کوئی خاطر خواہ عملاً مشورہ نہیں مل پاتا جس سے وہ شخصیت سازی کے اصولوں کو سمجھ سکے۔

اس مقالے کے تحت ان عملی اور اصولی جوابات کو پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے جن پر عمل کر کے شخصیتی نشوونما ممکن ہو سکے۔ ہم اپنی بات ایک مثال سے شروع کرتے ہیں۔ حال ہی میں اپنے ایک سابق طالب علم سے میری ملاقات ہوئی۔ اس نے بیس سال قبل ۱۹۹۶ء میں ایم بی اے پاس کیا تھا۔ اس وقت وہ قطر میں مینجمنٹ کنسلٹنٹ کی حیثیت سے وہاں کی سرکار کو اپنی خدمات دے رہے ہیں۔ وہ اس سے قبل حکومت بحرین کے لیے کام کر رہے تھے۔ وہ مختلف پیشہ ورانہ تربیتی پروگرام بھی منعقد کرتے رہتے ہیں۔ ان کی دیگر ماہرانہ صلاحیتوں کے علاوہ ان کا خصوصی ہنر ترسیلات، ٹائم مینجمنٹ، پروجیکٹ مینجمنٹ وغیرہ ہیں۔ طلباء سے جب وہ روبہ رو ہوئے تو اپنی زندگی کے سفر میں پیش آنے والے اہم واقعات کا ذکر کیا۔ وہ کیرل سے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علم کی طلب میں آئے۔ دوران طالب علمی انھوں نے کئی مشکلات کا سامنا کیا۔ ان کی پرائمری تعلیم ملیالی زبان میں ہوئی تھی۔ انگریزی ذریعہ تعلیم میں انھوں نے اپنے آپ کو کس طرح سے ڈھالا۔ ایم بی اے میں داخلے

کے لیے گروپ ڈسکشن کی تیاری مختلف موضوعات پر ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں سلطان جہاں تعلیمی مرکز پر کس طرح تیاری کی اور انگریزی بولنا سیکھا۔ انھوں نے وہاں اتنی انگریزی کی استعداد پیدا کر لی کہ وہ ایم۔ بی۔ اے میں اپنی جگہ بنا سکیں۔ جب وہ ایم بی اے میں تھے تو سلطان جہاں کو چنگ سینٹر میں تیاری کرنے کے لیے جو طلباء آتے تھے ان کو اپنی خدمات بھی پیش کیں۔ تاکہ وہ گروپ ڈسکشن میں کامیاب ہو سکیں۔ اس سے انھیں بھی اپنی انگریزی کو اور بہتر کرنے کا موقع فراہم ہوا۔

ہندوستان میں کچھ عرصے ملازمت کرنے کے بعد انھوں نے پہلے حکومت بحرین کی ملازمت کی جہاں انھوں نے محسوس کیا کہ پہلے اعلیٰ تعلیمی ڈگری حاصل کریں تاکہ وہ خود ایک قابل اعتبار معلم اور صلاح کار کی حیثیت حاصل کر سکیں۔ انھوں نے فرانس کے مینجمنٹ اسکول سے ڈاکٹریٹ کی سند حاصل کی۔ وہ یاد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ بطور ٹرینر ان کے لیے وہ لمحہ بے حد تسلی بخش تھا جب ان کے تربیتی پروگرام میں کینڈا سے تین لوگ حصہ لینے کے لیے آئے۔ انھوں نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ ایک دیسی زبان بولنے والے کو یہ موقع فراہم کیا انھوں نے طلباء سے خطاب کے لیے پاور پوائنٹ کا استعمال کیا تھا۔

میں نے کچھ اور چیزیں ان کی شخصیت میں محسوس کیں جو ان کے کردار کو نمایاں کرتی ہیں۔ میری کلاس پڑھانے کا وقت صبح آٹھ بجے شروع ہوتا تھا۔ انھیں بطور مہمان مقرر آنا تھا اور مجھے خیر مقدم کرنا تھا۔ میں اپنے شعبہ ۸ بجنے میں پانچ منٹ پہنچ گیا۔ مجھے یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ وہ مجھ سے بھی ۵ منٹ پہلے وہاں پہنچ چکے تھے۔

کلاس کے اختتام کے بعد ہم انھیں شعبہ کے نئے زیر تعمیر مینجمنٹ کمپلیکس لے گئے جو طلباء قدیم کے مالی تعاون سے تعمیر ہو رہا ہے۔ انھوں نے بھی ۲ لاکھ کی رقم کا چیک مینجمنٹ کمپلیکس کو بطور مالی امداد کے لیے پیش کیا۔ تعجب اس بات کا تھا کہ وہ اپنے خاندان کے ساتھ چھٹیاں گزارنے کے لیے آئے تھے لیکن انھوں نے فیصلہ کیا کہ کیرل اپنے وطن جانے سے پہلے اپنی مادرِ رسگاہ میں حاضری پیش کریں گے۔

اس مثال کی روشنی میں ہم ان سوالات کے جوابات پر غور کر سکتے ہیں کہ شخصیت

کیا ہے اور شخصیت کی نشوونما کے لیے کن عوامل کی ضرورت ہے؟ شخصیت تین چیزوں سے مرکب ہے۔ ہنر، معلومات اور مثبت طرز فکر۔ جو شخص چاہتا ہے کہ اس کی شخصیت پر اثر، پروقار اور صلاحیتوں کی آئینہ دار ہو اس میں یہ تینوں اجزا شامل ہونا لازمی ہیں۔ مندرجہ ذیل سطور میں ان تینوں کے بارے میں الگ الگ طور پر گفتگو کی جائے گی۔

سب سے پہلے ہنر (Skill) کے بارے میں بات کرتے ہیں۔ ہنر کیا ہے؟ یہ ایک صلاحیت ہے جو کہ مخصوص کام کو انجام دینے کے لیے ضروری ہے۔ اس میں ایک خصوصی قسم کی ٹیکنیکل معلومات شامل ہوتی ہے۔ جیسے اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ ہمارے سابق طالب علم نے پاور پوائنٹ کے ذریعے اطلاعات اور معلومات پیش کی تھیں۔ کیونکہ یہ کمپیوٹر سے اور اس کے سافٹ ویئر پروگرام کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ جو شخص کمپیوٹر ٹیکنالوجی سے واقفیت رکھتا ہے وہی اس کا استعمال کر سکتا ہے۔ پلیمبر، الیکٹریشین اور دیگر اس قسم کے ہنر۔ دینی علوم کے طلباء کے لیے اکثر اس قسم کے مشورے پیش کئے جاتے ہیں کہ وہ ایسے ہنر سیکھیں جو انھیں علم دین کے ساتھ ایک بہتر معاشی زندگی گزارنے میں معاون ہوں۔

دوسرا پہلو جو کسی شخصیت کو بہتر بنانے کے لیے اہم ہے وہ ہے علمی صلاحیت۔ اس پہلو کو سمجھنے کے لیے ہم انگریزی حرف 'T' کی تصویر کو ذہن میں رکھیں، کسی بھی شخص کی علمی قابلیت کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ ایک پہلو (Vertical arm) اس کی علم کی وسعت اور پھیلاؤ کا اندازہ دیتا ہے۔ علم کا دوسرا پہلو (Horizontal arm) ایک مخصوص علم میں اس شخص کی مہارت کی نشان دہی کرتا ہے۔ ایک مثال کے ذریعے اس کو سمجھتے ہیں۔ اے ایم یو کے قابل احترام پروفیسر ایم ایس زیڈ چغتائی جب ۱۹۶۰ء کی دہائی میں فرانس پی ایچ ڈی کرنے گئے جہاں پر انھیں نیوکلیائی فزکس پر اپنا مقالہ تصنیف کرنا تھا۔ جب وہاں اپنی تحقیق کے دوران انھوں نے فرانسیسی ڈراموں کے اردو زبان میں تراجم کیے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ماہر نیوکلیائی فزکس کے ہیں مگر اردو، انگریزی اور فرنچ زبانوں پر بھی ان کی دسترس ہے۔ یہ ان کی وسیع معلومات اور علم کی مثال ہے۔ اسی طرح اگر ایک اسلامک اسکالر قرآنی تعلیم اور حدیث کا عالم ہے اسلامک تاریخ کی بھی معلومات رکھتا ہے مگر ساتھ ساتھ مسلم قوم

کو درپیش بین الاقوامی مسائل پر بھی گہری نظر رکھتا ہے تو وہ ایک وسیع معلومات رکھنے والا شخص کہلائے گا۔

اب ہم 'T' کی چت لکیر کے بعد 'T' کی کھڑی یا (Vertical) لائن کی بات کرتے ہیں یہ کسی ایک موضوع پر معلومات کی گہرائی کی مثال کے طور پر پیش کی جاتی ہے۔ جیسا کہ اس سے قبل بتایا گیا کہ پروفیسر چغتائی نیوکلیائی فزکس کے ماہر ہیں جو ان کا خصوصی میدان ہے اور ان کو اپنے موضوع پر مکمل دسترس ہے جو آج بھی تعلیمی حلقوں میں خصوصی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے اور لوگ اس سے استفادہ کرتے ہیں۔ 'T' کے دونوں لائنوں چت (Horizontal) اور کھڑی (vertical) میں تناسب ضروری ہے یعنی مخصوص علم اور علم وسیع پر مکمل عبور۔ سابق صدر جمہوریہ ہندوستان ابوالکلام معلومات کے تناظر میں ایک مکمل تناسب والی شخصیت کے حامل تھے۔ اگر کسی کا Horizontal Arm وسیع ہو اور Vertical Arm کم گہرا ہوگا تو اس کی مہارت اور ہنر سعی لاحاصل ہوگا۔ ایک متوازن شخصیت کے لئے ضروری ہے کہ وہ جتنی معلومات وسیع رکھے اتنی ہی گہرائی بھی رکھے۔ میں نے 'T' کا توازن اپنے کیرل کے سابق طالب علم میں محسوس کیا۔ وہ نہ صرف اپنے خصوصی ہنر میں باصلاحیت ہیں بلکہ جدید دور کے حالات سے بھی واقفیت اور رائے رکھتے ہیں۔ وہ دنیا، ہندوستان اور اپنی ریاست/صوبے کیرل کے بارے میں بھی پوری واقفیت رکھتے ہیں۔ انھیں شمالی ہندوستان کے حالات کا بھی علم ہے۔ اس قسم کی معلومات شخصیت کی نشوونما کے لیے ضروری ہے۔

Attitude یا مثبت طرز فکر کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ شخصیت کا اہم ترین پہلو ہے کیونکہ کسی بھی شخص کی کامیابی میں یہ فیصلہ کن کردار ادا کرتا ہے۔ یہ کسی شخص کی نہ صرف ترقی کا ضامن ہے بلکہ شخص کی مکمل زندگی کو بھی متاثر کرنا ہے۔ کسی بھی مثبت شخصیت میں ایک بنیادی خصوصیت جذبہ شکرگزاری شامل ہوتی ہے۔ جو شخص اللہ کے بندوں کے لئے جذبہ احسان مندی رکھتا ہے وہ اللہ کے لئے بھی اس جذبہ سے سرشار رہتا ہے۔ جیسا کہ MBA کے سابق طالب علم کے بارے میں ذکر کیا گیا کہ انہوں نے اپنی مادر علمی کو ۲ لاکھ

کی رقم پیش کی انہوں نے اس بات کا اقرار کیا کہ آج وہ اس ادارے کی وجہ سے ہی ایک اعلیٰ مقام پر فائز ہیں۔ یہ شکرانہ ہے جو انہوں نے ادا کیا۔ یہ شخصیت کا ایک اہم پہلو ہے۔ جو شخص ادارے اور افراد کے لئے تشکر پیش کرتا ہے وہ اللہ کا بھی شکر گزار ہوتا ہے۔ ایسا شخص اپنا وقت محض شکوہ شکایت میں ضائع نہیں کرتا ہے۔ اکثر ہمارا سابقہ ایسے اشخاص سے پڑتا ہے جو ہر وقت اپنی تکلیف اور پریشانیوں کو بیان کرتے ہیں ہر مرحلے پر انہیں مسائل نظر آتے ہیں۔ اس کے برعکس جو شخص شکر ادا کرنے والا ہوتا ہے وہ مشکلات کو موقع میں تبدیل کر لیتا ہے۔ اگر ہم اپنے اطراف میں نگاہ ڈالیں اور سمجھ سکیں تو پائیں گے بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کے لیے ہمیں شکر گزار ہونا چاہیے۔ مثلاً شفیق ماں باپ، ایک صحت مند جسم، ایک محبت کرنے والا خاندان یہ چند مثالیں اس ضمن میں پیش کی جاسکتی ہیں حالانکہ فہرست لمبی ہے اور بڑھتی جائے گی۔ ایک مثبت ذہن والا شخص اپنے مسائل پر نہیں بلکہ اللہ کی عطا کی ہوئی نعمتوں پر مرکوز رہتا ہے۔

مثبت طرز فکر رکھنے والے شخص کی دوسری خوبی یہ ہوتی ہے کہ وہ زندگی کی جدوجہد اور ناکامیوں کا مقابلہ جواں مردی سے کرتا ہے۔ زندگی محض پھولوں کا بستر نہیں ہے۔ پھول کانٹوں کے ساتھ رہتے ہیں۔ ناکامیابی اور شکست ہی کامیابی کی عمارتیں تعمیر کرتی ہیں۔ جب شکست کھائیں یا ناکامیاب ہوں تو کس طرح کارِ عمل ظاہر کریں؟ کیا ہم آگے نہ بڑھیں اور پیچھے لوٹ جائیں یا پھر اٹھیں اور آگے بڑھیں۔

دُکھ سب کے مشترک تھے مگر حوصلہ جدا کوئی بکھر گیا، تو کوئی مسکرا دیا

مایوسی سے ہم کنار ہونا کسی بھی شخص کے لیے ناگزیر ہے۔ کامیابی کسی بھی شخص کو خوان میں سجا کر پیش نہیں کی جاتی ہے۔ کامیابی صرف ہر روز جدوجہد کر کے حاصل کی جاسکتی ہے۔ ہمیں لہروں سے تحریک کیوں ملتی ہے۔ لہریں نیچے کی طرف جاتی ہیں تو انہیں اوپر آنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر ڈاکٹر ذاکر حسین اکثر کہا کرتے تھے:

”ٹھک ٹھک کرتے رہو کچھ نہ کچھ ہو جائے گا۔“

کامیابی انہیں ہی نصیب ہوتی ہے جو مسلسل کوشش کرتے رہتے ہیں۔ ہمیں امتحان لینے والے حالات سے سابقہ پڑتا رہتا ہے۔ اس کا سامنا کرنے کے لیے ضروری ہے توکل۔ توکل کا عقیدہ انسان کے اندر اعتماد پیدا کرتا ہے کہ اچھی تقدیر اللہ کی جانب سے حاصل ہوتی ہے اور ظاہری طور پر خراب نظر آنے والی تقدیر میں بھی اللہ کی مصلحت پنہاں ہوتی ہے۔ جو کچھ بھی ہوتا وہ اچھے کے لیے ہوتا ہے۔ اس کا یہ قطعی مطلب نہیں کہ ہم غیر فعل ہو جائیں اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائیں اور واقعات کے ہونے کا انتظار کرتے رہیں۔ اس لیے جو شخص باوجود ظاہری طور پر ناموافق حالات میں اپنی کوششیں جاری رکھتا ہے مسلسل جدوجہد کرنے سے حالات میں تبدیلی آتی ہے۔ وہ مضبوط ارادے اور ثابت قدمی سے وہ حاصل کرتا ہے جس کا وہ مستحق ہے۔ اُسے وہ نہیں ملتا ہے جو وہ چاہتا ہے لیکن اللہ اُسے وہ ضرور دیتا ہے جس کی اُسے ضرورت ہے۔ یہی یقین اُسے آگے بڑھاتا ہے۔ ناکامیابی کی صورت میں وہ اپنے نصب العین پر غور کرتا ہے یا اپنے نصب العین کو حاصل کرنے کے لیے نیا لائحہ عمل تیار کرتا ہے لیکن وہ ہار نہیں مانتا۔ تب تک وہ کوشش کرتا رہتا ہے جب تک اپنی منزل حاصل نہ کر لے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ منزل پر کبھی نہیں پہنچتا۔ دراصل کامیابی ایک سفر ہے منزل نہیں۔ جب وہ منزل پر پہنچتا ہے تو اور دروازے کھل جاتے ہیں اور وہ اونچے سے اونچے نصب العین حاصل کرنے کی کوشش میں لگ جاتا ہے۔

جستجو ہو تو سفر ختم کہاں ہوتا ہے

یوں تو ہر موڑ پر منزل کا گماں ہوتا ہے

تیسرا پہلو مثبت انداز فکر کا ہے مطالعہ کی عادت اور نیا سیکھنے کی لگن۔ مثبت شخص تاحیات سیکھتا ہے۔ ہر روز اُس کے لیے نیا دن ہوتا ہے۔ وہ نئے نئے محظوظ اور طریقے اپنی دماغی صلاحیتوں سے صیقل کرتا رہتا ہے۔ وہ کئی ذرائع سے سیکھتا ہے کتابیں اُس کا بہترین ساتھی ہیں۔ مگر عقل مند اشخاص کی رفاقت سے بھی وہ بہت کچھ سیکھتا ہے۔ دوسروں کے تجربات سے علم حاصل کرتا ہے۔ وہ ایسے عمل سے بھی سیکھتا ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ بہترین تعلیم

وہ ہے جو شخص اپنے تجربات کے نتائج پر زیر غور کرنے سے حاصل کرتا ہے۔ جو شخص اپنی ناکامیابی سے سبق لیتا رہتا ہے اسے ہر ناکامیابی سیکھنے کا موقعہ دیتی ہے۔

آخر عزیز کیوں نہ ہونا کامیاں مجھے

حاصل ہوئی ہیں یہ بھی بڑی جستجو کے بعد

اور یہ مزاج آخر اس کی قسمت کے دروازے کھول دیتی ہے۔

میرے ہاتھوں کی لکیروں کے اضافے ہیں گواہ

میں نے پتھر کی طرح خود کو تراشا ہے بہت

مختصر شخصیت کے فروغ اور نشوونما کے لیے کسی بھی شخص کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ مندرجہ بالا ارکان کے فروغ پر دھیان دے یعنی ہنر، علمی استعداد اور مثبت طرز فکر ہے۔ حالانکہ تمام تعمیر شخصیت کے لیے ضروری خیال کیے جاتے ہیں مگر مثبت طرز فکر پر قائم رہنا سب سے مشکل عمل ہے جس کے لیے ذہن سازی اور تربیت کی ضرورت پڑتی ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ ہماری یہ ثابت قدمی ہی ہماری زندگی کی بلندی طے کرتی ہے۔

عصری تعلیم کے فوائد- دور حاضر میں

ڈاکٹر حسین مشاہد رضوی، مالیگاؤں (مہاراشٹرا)

تمہید:

اسلام مکمل ضابطہ حیات اور دین فطرت ہے۔ جو اپنے صاف اور صریح احکام و فرامین کی بے پناہ دل کشی اور کشش کی وجہ سے انسانی قلوب و اذہان میں گھر کرتا چلا جاتا ہے۔ اسلام ہی وہ مذہب مہذب ہے جو تہذیب اخلاق بھی سکھاتا ہے اور سیاست مدین بھی، اسلام ہی ہے جو تدبیر منزل کے اصولوں سے واقف کراتا ہے اور انسانی فطرت کی تجزیہ کاری کرتے ہوئے اس سے متعلق گونا گوں علوم و معارف کی تصدیق کرتا ہے۔ دراصل اسلام ہی وہ واحد اور کامل و اکمل دین ہے، جو انسان کو کائنات کے راز ہائے سر بستہ معلوم کرنے کی بار بار دعوت دیتا ہے۔ تاکہ اہل اسلام نہ صرف یہ کہ نام کے مسلمان کہلائیں بلکہ وہ مبدع فیاض کی طرف سے ودیعت کردہ اپنے قلب و ذہن کی پوری طاقت اور توانائی کے ساتھ اللہ جل شانہ کی وحدانیت اور الوہیت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و عظمت اور اسلام کے جملہ احکام و فرامین پر صدق و یقین کیساتھ ایمان لانے والے ہونے کے ساتھ ساتھ علوم و معارف کا سرچشمہ بھی بن جائیں اور سر تا پا دینی و عصری تعلیم کے زیور سے آراستہ و مزین ہو کر کار جہاں بانی میں اپنا اہم کردار ادا کریں۔ آئیے اسی تناظر میں سب سے پہلے ہم تعلیم کے معنی و مفہوم اور اس کے تصور کا ادراک کرتے چلیں۔

تعلیم کا معنی و مفہوم:

تعلیم کا لغوی معنی کسی کو کچھ بتانا، پڑھانا یا سکھانا ہے۔ بعض لوگ غلط فہمی میں اس

کو تدریس کا ہم معنی سمجھتے ہیں۔ یعنی طلبہ کو بعض مضامین یا کتب کا درس دے دینا انھیں لکھنا پڑھنا اور حساب وغیرہ سکھا دینا۔ حالاں کہ تعلیم بہت ہی جامع لفظ ہے۔ اس کے مفہوم میں تدریس کے ساتھ ساتھ تدریب یعنی مختلف علوم و فنون میں مہارت پیدا کرنا، تادیب یعنی ادب سکھانا اور تربیت یعنی شخصیت کے ہمہ گیر پہلوؤں کی ترقی و نشوونما کرنا بھی شامل ہے۔

بقول جناب افضل حسین: ”تعلیم کا لفظ آتے ہی ذہن عموماً ان منظم کوششوں کی طرف منتقل ہوتا ہے، جو طلبہ کے لیے تعلیمی ادارے انجام دیتے ہیں۔ بلاشبہ باضابطہ اور رسمی (Formal) تعلیم یہی ہے اور اس کے اثرات بھی بہت دور رس ہوتے ہیں۔ مگر یہ تعلیم کا بہت ہی محدود مفہوم ہے۔ کیوں کہ تعلیمی اداروں میں تو بچے بہت کم وقت گزارتے ہیں اور بہت ہی محدود معلومات و تجربات حاصل کرتے ہیں۔ جب کہ ان کے جاننے، سیکھنے اور تجربات حاصل کرنے کا عمل پیدائش سے لے کر موت تک برابر جاری رہتا ہے۔ تعلیمی اداروں کی باضابطہ تعلیم کے علاوہ نہ جانے کتنی باتیں وہ اپنے گھر، محلے، پڑوس، فطری و سماجی ماحول اور اپنے گرد و پیش پھیلی ہوئی دنیا اور اس میں بسنے والے افراد سے سیکھتے ہیں۔ اگرچہ یہ تعلیم غیر رسمی اور بے ضابطہ (Informal) ہوتی ہے لیکن اثرات و نتائج کے اعتبار سے باضابطہ تعلیم سے کم نہیں ہے۔

اس طرح تعلیم کے وسیع مفہوم میں وہ تمام معلومات و تجربات شمار ہوتے ہیں جو گود سے گورتک ہر فرد باضابطہ یا بے ضابطہ خود حاصل کرتا ہے یا اُسے حاصل کرائے جاتے ہیں۔“ (فن تعلیم و تربیت: ص ۲۰/۱۹)

تعلیم کی اہمیت و ضرورت:

انسانی زندگی میں تعلیم کی اہمیت اور ضرورت ایک ایسی مسلمہ سچائی ہے جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ زمانہ قدیم سے دور حاضر تک ہر متمدن اور مہذب معاشرے نے تعلیم کی افادیت کو محسوس کرتے ہوئے تحصیل علم کی طرف توجہ مرکوز رکھی۔ تعلیم کی تکمیل کے لیے بھی ہر دور میں اہتمام کیا جاتا رہا ہے۔ اسلام نے بھی انسانی فطرت کے مطابق علم حاصل کرنے کی ہر لمحہ حوصلہ افزائی فرمائی۔ پہلی وحی کا نور بھی علم کی تلقین کرتا ہوا تشریف لایا،

”اقراء“۔ پڑھو اپنے رب کے نام جس نے پیدا کیا آدمی کو خون کی پھٹک سے بنایا۔ قرآن کریم میں جابجا تعلیم کی اہمیت بیان کی گئی ہے۔ تعلیم کی اہمیت اور ضرورت کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم کی زیادتی کی دعا سکھائی: ”اور عرض کرو کہ اے میرے رب مجھے علم زیادہ دے۔“ (سورہ طہ ۱۱۴)۔ اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک علم سے اہم کوئی شے ہوتی تو اُس میں اضافہ کی دعا تلقین فرماتا۔ اسی طرح اللہ نے کہیں اہل علم کو بلند مقام و منصب والا فرمایا تو کہیں تعلیم و تعلم کے احسان کا ذکر فرمایا۔ اللہ جل شانہ نے جگہ جگہ علم کی اہمیت کا بیان فرمایا۔ تعلیم کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے مزید لگا سکتے ہیں کہ قرآن کریم میں علم کا ذکر ۸۰ بار اور علم سے نکلے ہوئے الفاظ کا ذکر متعدد بار آیا ہے۔

قرآن کریم کے علاوہ احادیث طیبہ میں بھی تعلیم کی اہمیت کے نقوش جابجا ملتے ہیں۔ احادیث کی کتب میں پورے پورے ابواب علم سے متعلق ملیں گے۔ بخاری شریف میں وحی کی ابتدا اور ایمان کے بعد ہی علم کا باب شروع ہوتا ہے۔ بخاری شریف میں صحابہ کرام اور تابعین کی ۲۷ حدیثیں اور ۲۲ روایتیں علم کی فضیلت و اہمیت پر ہیں۔

بخاری شریف کے علاوہ صحاح ستہ کی کتب میں بھی علم سے متعلق ابواب محدثین کرام نے آراستہ کیے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم و تربیت کو اپنی بعثت کا مقصد بتایا۔ بہ کثرت احادیث سے تعلیم کی اہمیت اور ضرورت کو محسوس کیا جاسکتا ہے۔ گود سے لے گورتک علم حاصل کرنے کا تصور بھی اسلام ہی نے دیا۔ مرد و عورت کو بہ قدر ضرورت تعلیم حاصل کرنا اسلام ہی نے فرض قرار دیا۔

تعلیم کی اہمیت اور ضرورت سے متعلق ایک عام خیال یہ بھی ہوتا ہے کہ تعلیم اس لیے حاصل کی جائے کہ وہ ملازمت کے حصول کے لیے مدد و معاون ثابت ہوتی ہے اور تعلیم سے روزگار کے مواقع فراہم ہوتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ تعلیم انسان کے لیے ذریعہ معاش بنتی ہے لیکن تعلیم کی اصل اہمیت آدمی کو باشعور بنانا ہے۔ پہلے تعلیم کا رشتہ معاش سے کم اور زندگی سے زیادہ جڑا ہوا تھا۔ لوگ انسان بننے کے لیے علم حاصل کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ماضی میں انسانیت اور اقدار کا تصور توانا تھا۔ اب جب کہ تعلیم کا مقصد محض ملازمت اور تجارت

بننا جا رہا ہے تو معاشرے سے اعلیٰ اقدار اور صفات ختم ہوتی جا رہی ہیں۔ لہذا تعلیم کی اہمیت اور فوائد میں اصل انسان کا انسان بننا ہے۔

تعلیم کے دو اہم اجزاء - ۱۔ دینی تعلیم اور عصری تعلیم:

تعلیم کے دو رخ ہیں، ایک: ”عصری تعلیم“ جس کو ”دنیاوی تعلیم“ یا ”جدید تعلیم“ بھی کہا جاتا ہے۔ جس کے ماہرین سیکولر انداز پر زور دیتے ہیں۔ اس سے صرف عصری یا دنیاوی ضروریات پوری ہوتی ہیں۔ دوسرا: ”دینی تعلیم“ جس کو ”مذہبی تعلیم“ یا ”روایتی تعلیم“ بھی کہتے ہیں۔ اس تعلیم سے دونوں فائدے ہیں دنیوی اور اخروی۔ یہی وہ علم یا تعلیم ہے جو دنیا کے تمام تر علوم و معارف کا سرچشمہ اور منبع ہے۔ دنیا کے تمام علوم اسی کے مرہون منت ہیں۔

کئی صدیوں پیشتر دینی تعلیم کے علما ہی اُس دور کے عصری تعلیم کے بھی امام ہوتے تھے۔ ابن سینا، فارابی، جابر بن حیان، رازی، ابن رشد، ابوالہشتم، خیام، خوارزمی، عبدالمالک الصمعی، البیرونی وغیرہ مسلم دانش وروں اور علما نے اسلامی تہذیب و تمدن کے دائرے میں رہتے ہوئے اُس زمانے میں دینی علوم و فنون میں کامل دستگاہ کے ساتھ ساتھ اُس دور کی ”عصری تعلیم“ کے بھی امام نظر آتے تھے۔ ان حضرات نے اپنے عہد کی ”عصری تعلیم“ میں وہ روشن نقوش مرتب کیے ہیں کہ آج کی جدید سائنسی دنیا انھیں کا پس خوردہ کھا کر ہمیں ورطہ حیرت میں مبتلا کیے ہوئے ہے۔

اسلام کا عصری تعلیمی نظریہ:

اسلام نے کبھی بھی عصری تعلیم یا دنیاوی تعلیم کی مخالفت نہیں کی ہے۔ جاننا چاہیے کہ بنیادی دینی تعلیم ہر مسلمان پر فرض ہے۔ لیکن دینی تعلیم میں مہارت تامہ اور کامل دستگاہ ہر مسلمان کے لیے لازمی نہیں۔ اگر ہر شخص دینی تعلیم میں کمال پیدا کرنے لگے گا تو عصری علوم کے ماہرین کہاں سے میسر آئیں گے۔ جن کے بغیر اس خاکدانِ گیتی پر قوت و طاقت اور عزت و اقتدار کا تصور محال سا نظر آتا ہے۔ عصری تعلیم کی اہمیت اور فوائد سے کوئی بھی زندہ قوم قطعی انکار نہیں کر سکتی۔

اللہ رب العزت نے انسان کے ناتواں کاندھوں پر خلافت کا بار گرا ڈالا ہے۔ جس کے لیے دینی تعلیم کے شانہ بہ شانہ دنیا کے انتظام و انصرام کا طریقہ کار اور ایجادات و اکتشافات کے ساتھ ساتھ عصری علوم کا جاننا بے حد ضروری ہے۔

اسلام کا عصری تعلیمی نظریہ بے حد واضح اور روشن ہے۔ اللہ رب العزت قرآن کریم میں فرماتا ہے:

”وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا“

”اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام (اشیا) کے نام سکھائے۔“ (سورہ بقرہ - ۳۱)

اس آیت کریمہ کے ذیل میں صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین اشرفی مراد آبادی قدس سرہ لکھتے ہیں: ”اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام پر تمام اشیا و جملہ مسمیات پیش فرما کر آپ کو ان کے اسما و صفات و افعال و خواص و اصول علوم و صناعات سب کا علم بہ طریق الہام عطا فرمایا۔“ (خزائن العرفان)، مسمیات یعنی اشیا کی خصوصیات، افعال اور علوم ہیں اور اسی کا نام ”سائنس“ ہے، اسی سائنس کی تعلیم ”جدید تعلیم“ یا ”دنیاوی تعلیم“ یا عصری تعلیم کے نام سے جانی جاتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ دورِ جدید کے مفکرین نے عصری تعلیم کی بنیاد سیکولرزم اور لامذہبی نظریات پر کھڑی کرنے کی کوشش کی ہے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ دنیا کے ہر قسم کے علوم و فنون کا سرچشمہ اور منبع قرآن کریم ہے خود رب تعالیٰ فرماتا ہے:

”وَلَا حِبَّةٌ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٌ وَلَا يَابِسٌ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ“

”اور کوئی دانہ نہیں زمین کی اندھیریوں میں اور نہ کوئی تر اور خشک جو ایک روشن

کتاب میں نہ لکھا ہو۔“ (سورہ انعام - ۵۹)

اس آیت کریمہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن حکیم میں دونوں جہان کی ہر چیز کا ذکر موجود ہے اور یہ بھی پتا چلتا ہے کہ دینی علوم ہوں یا دنیاوی علوم ہر ایک کا منبع و ماخذ قرآن کریم ہی ہے۔

اسلام کے عصری تعلیمی نظریہ کے تحت بدر کی فتح کے بعد اسیرانِ جنگ سے فدیہ کی

وصولیابی اور انصار کے دس لڑکوں کی تعلیم کے واقعہ کو بھی مد نظر رکھنا ضروری ہے۔ غزوہ بدر کے بعد قیدیوں کی رہائی کے لیے فدیہ کی رقم مقرر کی گئی تھی۔ ان میں سے جو نادار اور غریب تھے، وہ بلا معاوضہ آزاد کر دیے گئے۔ لیکن جو پڑھنا لکھنا جانتے تھے انھیں حکم ہوا کہ انصار کے دس دس بچوں کو پڑھنا لکھنا سکھادیں تو آزاد کر دیے جائیں گے۔ چنانچہ کاتب وحی حضرت سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی طرح لکھنا سکھا۔ (عام کتب سیرت) اس واقعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ معلم کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نزدیک تعلیم کا حصول کس قدر اہم اور ضروری تھا۔ اسیران بدر کا مسلمان بچوں کو لکھنا سکھانا اُس عہد کے لحاظ سے عصری تعلیم ہی کے زمرے میں آتا تھا۔

اسلام جملہ مباح علوم و فنون بالخصوص سائنس کی اہمیت و افادیت کو نہ صرف تسلیم کرتا ہے بلکہ شرعی دائرے میں رہتے ہوئے اس کی تحصیل و تکمیل کی طرف بھی راغب کرتا ہے۔ جو مذاہب انسانوں کو رہبانیت اور دنیا سے فرار کا درس دیتے ہیں، اسلام اُن کے برخلاف سائنس اور دیگر جائز علوم و فنون کو نظام فطرت میں مداخلت تصور نہیں کرتا بلکہ مروجہ علوم و فنون میں مہارت تامہ کا پیغام دیتا ہے۔

عصری تعلیم - منفی و مثبت نظریات:

عصری تعلیم اپنی مختلف خوبیوں اور خامیوں کے پیش نظر مسلمانوں میں ہمیشہ بحث و تمحیص کا موضوع بنی رہی ہے۔ اس کے تین منفی اور مثبت دونوں نظریات ہمارے معاشرے میں پائے جاتے ہیں۔ جہاں مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ عصری تعلیم کا زبردست حامی رہا ہے وہیں وہ طبقہ جس میں ہمارے بعض علمائے کرام بھی شامل ہیں، جدید اور عصری تعلیم کا مکمل طور پر انکار نہ کرتے ہوئے بھی حتی الامکان عصری تعلیم سے دوری بنائے رکھنے کے قائل نظر آتا ہے۔ جو لوگ عصری تعلیم کے فوائد و ثمرات کی حمایت میں ہیں اُن کی دلیل یہ ہوا کرتی ہے کہ اس کے بغیر دورِ حاضر کے تقاضوں سے مسلم اُمہ مکافہ عہدہ برآ نہیں ہو سکتی اور تعمیر و ترقی کی اس دوڑ میں مسلمان عصری تعلیم کے حصول کے بغیر پسماندہ رہ جائیں گے۔ جو لوگ عصری تعلیم کی مخالفت کرتے ہیں انھیں بھی اس بات کا کسی نہ کسی درجہ میں احساس

ضرور ہے کہ مسلمانوں کو بھی ڈاکٹر، انجینئر، سائنس دان، قانون دان، جغرافیہ دان، ماہر ریاضی و فلسفہ و حکمت بننے کی سخت ضرورت ہے۔

اسلام کی حقیقت پسندانہ اور روشن و منور فکر کے باوجود دورِ حاضر کا یہ المیہ ہے کہ مسلمانوں کے علمی عروج و اقبال کا آفتاب جس طرح اسلام کے ابتدائی دور سے لے کر کئی صدیوں تک اپنی پوری آب و تاب سے چمک دمک رہا تھا۔ آج اُسی قدر وہ انحطاط و تنزلی کا شکار ہے۔ عصری تعلیم کے فقدان کی وجہ سے ہم زندگی کے کئی اہم شعبہ جات میں اہل مغرب کی غیر محسوس غلامی کر رہے ہیں۔ معاشرت، معیشت، ثقافت، سیاست، تجارت اور دیگر کئی اہم ترین معاملات میں مسلمان اغیار کے در پوزہ گریں کر رہ گئے ہیں۔ یہ ایک افسوس ناک حقیقت ہے جس کا بد قسمتی سے ہم کو سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ مسلمان جس کی تخلیق دنیا کی رہنمائی کے لیے کی گئی ہے اور جس کے سر پر تاجِ خلافت سجایا گیا ہے، وہ آج خود نشان منزل کھو بیٹھا ہے اور سرابِ سفر کو مقصودِ حقیقی سمجھ کر اسی پر قانع و شاکر ہے۔ اسی لیے ذلت و کمبختی کے دلدل میں دھنستا چلا جا رہا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنے شان دار ماضی اور عبرت ناک حال کو دیکھ کر روشن مستقبل کی عمارت کھڑی کرنے کی بہتر منصوبہ بندی کریں، اور یہ دورِ حاضر میں عصری تعلیم کے حصول کے بغیر ممکن نظر نہیں آتا۔

مسلمانوں کی شاندار علمی فتوحات - ماضی کے آئینے میں:

دورِ حاضر میں سائنس کی جتنی بھی ایجادات و اکتشافات ہیں اکثریت کا ماخذ و منبع مسلمان سائنس دانوں کا مہوونِ منت ہے۔ تاریخ کی کتابوں میں سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں مسلمان سائنس دانوں کے نام ملتے ہیں۔ جنہوں نے جدید علوم و فنون کی آبیاری اور فروغ و ارتقا میں نمایاں کردار ادا کیا۔

جب یورپ جہالت کے اندھیرے غاروں میں پناہ لینے پر مجبور تھا۔ مدارس اسلامیہ بالخصوص مراکش، غرناطہ، طبلطہ اور بغداد میں علوم و فنون کی شمعیں روشن تھیں اور ہمارے معزز علمائے کرام صرف دینی تعلیم میں محصور نہ رہتے ہوئے اُس عہد کے تقاضوں کے تحت ضروری ”عصری تعلیم“ سے اپنے طلبہ کو آراستہ و مزین کر رہے تھے۔ اہل یورپ

اپنے بچوں کو اُن کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنے کے لیے بھیجا کرتے تھے۔ یورپین اقوام نے اسلامی بستیوں سے اپنی زنبیل حیات میں علوم و فنون کی گراں بہا دولت بھری۔ مسلمانوں کی شان دار علمی فتوحات کے روشن نقوش تاریخ کے صفحات پر ثبت ہیں۔ چند مسلمان سائنس دانوں کا مختصر ترین تعارف ”مسلمان سائنس داں اور ان کے کارنامے“ نامی کتاب سے ماخوذ نشانِ خاطر کرتے چلیں۔ جن کا اپنے زمانے میں طوطی بولتا تھا اور جنہوں نے دینی تعلیم کے جلو میں عصری تعلیم کی ترویج و اشاعت میں بھرپور حصہ لیا۔

- (۱) ابواسحاق ابراہیم بن جندب (م ۱۵۷ھ/ ۷۷۶ء): عالم اسلام کا پہلا سائنس داں، پہلا نجومی، پہلا ماہر فلکیات اور دوربین Telescope کا حقیقی موجد۔
- (۲) جابر بن حیان (م ۱۹۸ھ/ ۸۱۷ء): علم کیمیا کا بانی اور تیزاب، موم جامہ اور بے شمار کیمیائی مرکبات کا موجد۔
- (۳) عبدالمالک الصمعی (م ۲۱۴ھ/ ۸۳۱ء): علم حیوانیات اور نباتات پر لکھی جانے والی سب سے پہلی پانچ کتب کا مصنف۔
- (۴) حکیم یحییٰ منصور (م ۲۱۴ھ/ ۸۳۲ء): دنیا کی پہلی رصد گاہ Observatory کا صدر اور Astronomical Table کا موجد۔
- (۵) محمد بن موسیٰ الخوارزمی (م ۲۳۲ھ/ ۸۵۰ء): الجبرا کا موجد، الجبر والمقابلہ اور علم الحساب کا مصنف۔
- (۶) احمد بن موسیٰ شاکر (م ۲۴۰ھ/ ۸۵۸ء): دنیا کا پہلا میکا نیل انجینئر اور علم میکا نیات پر پہلی کتاب کا مصنف۔
- (۷) ابوعباس احمد محمد کثیر (م ۲۴۳ھ/ ۸۶۱ء): زمیں کا صحیح محیط معلوم کرنے والا پہلا سائنس داں۔
- (۸) ابویوسف یعقوب بن اسحاق کندی (م ۲۵۴ھ/ ۸۷۳ء): عالم اسلام کا پہلا فلسفی۔
- (۹) ابو محمد زکریا رازی (م ۳۰۸ھ/ ۹۳۲ء): طبی امداد، میزانِ طبی، الکحل کی دریافت کرنے والا اور فنِ طب کا امام۔

- (۱۰) حکیم ابونصر محمد بن فارابی (م ۳۳۸ھ/ ۹۶۱ء): علمِ اخلاق کا بانی اور نفسیات کا عظیم ماہر۔
 - (۱۱) ابوعلی حسن ابن الہشیم (م ۴۱۰ھ/ ۱۰۲۱ء): علم نور کا ماہر، انعطاف نور کے نظریہ کا ماہر اور آنکھ کی پتلی کا محقق اور کیمرے کا موجد۔
 - (۱۲) احمد بن محمد علی مسکویہ (م ۴۲۱ھ/ ۱۰۳۲ء): نباتیات میں زندگی، حیوانیات میں قوتِ حس اور دماغی ارتقا کا دریافت کرنے والا، علم سماجیات، نفسیات اور اخلاقیات کا عظیم محقق۔
 - (۱۳) شیخ حسین عبداللہ بن علی سینا (م ۴۲۸ھ/ ۱۰۳۹ء): علمِ طبعیات، علم الامراض اور علم الادویہ کے فنون کا موجد اور ورنیر کیلی پرس کا موجد حقیقی، سائنس دانوں میں سب سے زیادہ کتابوں کا مصنف۔
 - (۱۴) ابوریحان محمد بن احمد البیرونی (م ۴۳۹ھ/ ۱۰۴۹ء): پہلا عظیم جغرافیہ داں، ماہر آثار قدیمہ وارضیات، برصغیر کا پہلا مؤرخ اور سیاح، دھاتوں کی کثافت اضافی معلوم کرنے والا پہلا سائنس داں۔
 - (۱۵) امام محمد بن الغزالی (م ۵۰۵ھ/ ۱۱۱۱ء): علمِ دین کے مجدد اور جدید فلسفہ اخلاق کے بانی، علمِ نفسیات اور فلسفہ کے عظیم محقق۔
- یہ تمام ہی سائنس داں ہر مسائل کو خواہ وہ علومِ نقلیہ سے متعلق ہوں یا علومِ عقلیہ سے، قرآن کریم ہی میں تلاش کیا کرتے تھے۔ کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ قرآن میں ہر چیز کا روشن بیان موجود ہے۔
- اُس دور میں تعلیم کی ”دینی و عصری تعلیم“ کے نام پر تقسیم بھی عمل میں نہیں آئی تھی۔ لہذا کئی صدیوں تک دنیا بھر میں تمام ترقیوں کا محور مسلمان سائنس داں ہی رہے۔ استعماری قوتوں نے جب تعلیم کی تقسیم در تقسیم کا عمل شروع کیا اور کم نصیبی سے مسلمان اُن کی دینی غلامی میں مبتلا ہو گئے تو مسلمان عصری تعلیم سے دور ہوتے چلے گئے۔ جس کے سبب دورِ حاضر میں عالم اسلام کی سائنس اور ٹیکنالوجی میں پیش رفت نہایت مایوس کن ہے۔

دورِ حاضر میں مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی:

تعلیم اور مسلمانوں کا ہر دور میں چولی دامن کا ساتھ رہا ہے۔ مسلمانوں کے نزدیک تعلیم کی اہمیت اس لیے بھی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی کا نور بھی تعلیم کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے نازل ہوا۔

تعلیم کسی بھی قوم کے لیے ترقی کا سب سے اہم اور بنیادی عنصر ہے۔ جو قوم میں علم حاصل کرنے میں کمال پیدا کرتے ہوئے اس کی روشنی سے استفادہ کرتی ہیں وہی قومیں سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں ترقی کر کے دنیا پر حکمرانی کے خواب کو شرمندہ تعبیر کرتی ہیں۔

دورِ حاضر میں مسلمانوں میں تعلیمی پسماندگی کا گراف تشویش ناک ہے۔ ۷۵ آزاد اور خود مختار اسلامی ممالک کی آبادی دنیا کی مجموعی آبادی کا تقریباً سوا ارب ہے اس آبادی کا تقریباً ۴۰ فی صد حصہ اُن پڑھ ہے۔ تمام اسلامی ممالک میں موجود ۲۰ فی صد یونیورسٹیز کی تعداد تقریباً ۳۵۰ ہے۔ جن میں نمایاں طور پر جامعہ الازہر (قاہرہ مصر ۱۹۷۰ء)، پنجاب یونیورسٹی (لاہور ۱۸۸۲ء)، تہران یونیورسٹی (دانش گاہ تہران ۱۸۵۱ء)، انڈونیشیا یونیورسٹی (جکارتہ ۱۹۵۰ء)، جامعہ ملک سعود (ریاض ۱۹۵۷ء) وغیرہ شامل ہیں۔ ان یونیورسٹیوں سے سالانہ ایک ہزار افراد پی ایچ ڈی کرتے ہیں۔

سائنس اور ٹیکنالوجی کے شعبوں میں ان اسلامی ممالک کی مجموعی افرادی قوت صرف ۸۰ لاکھ کے قریب ہے۔ جو ان شعبوں میں مصروف عالمی آبادی کا تقریباً ۴ فی صد ہے۔ دنیا بھر میں ہر سال ایک لاکھ سے زائد سائنسی کتب اور ۲۰ لاکھ سے زائد سائنسی مقالات شائع ہوتے ہیں۔ جب کہ اسلامی ممالک سے شائع ہونے والی سائنسی اور تحقیقی کتب اور مقالات کی سالانہ تعداد ایک ہزار سے بھی کم ہے۔ اور یہ سب عصری تعلیم میں مسلمانوں کی تشویش ناک پسماندگی کا ایک ثبوت ہے۔

مختلف اخباری رپورٹوں کی بنیاد پر کیا گیا درج بالا تجزیہ اُن اسلامی ممالک کا مجموعی حال ہے۔ جن کی آزاد ملکیتیں زمین کے تقریباً تین کروڑ مربع کلومیٹر پر محیط ہیں۔ یہ وہ ملکیتیں ہیں جو دنیا میں موجود تیل کے مجموعی ذخائر کے تین چوتھائی حصے کی مالک ہیں اور

جنہیں بے پناہ قدرتی وسائل سے استفادے کی سہولت میسر ہے۔ باوجود اس کے عصری تعلیم میں مغرب سے مقابلہ کرنے کی بجائے غفلت اور تساہلی نے اسلامی ممالک کو ترقی کی دوڑ میں بہت پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ افسوس ناک پہلو تو یہ ہے کہ مسلمان آج عصری تعلیم میں تو پسماندگی کے شکار ہیں ہی ساتھ ہی ساتھ دینی تعلیم میں بھی مسلمانوں کی ترقی قابلِ ذکر نہیں ہے۔

وطنِ عزیز ہندوستان کے مسلمانوں کی تعلیمی کیفیت بھی بڑی دگرگوں اور حد درجہ تشویش ناک ہے۔ مسلمانوں کی زندگی کے جملہ شعبہ جات سے متعلق تحقیقی جائزہ لینے کے لیے حکومت ہند نے ۲۰۰۴ء میں جسٹس راجندر سچر کی نگرانی میں ایک کمیٹی تشکیل دی۔ جس نے بڑی عرق ریزی اور جاں فشانی سے ہندوستانی مسلمانوں کی اقتصادی، تعلیمی، سماجی اور دیگر شعبوں سے متعلق جو رپورٹ پیش کی وہ نہایت چشم کشا اور المیہ انگیز ہے۔

سچر کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق بہ حیثیت مجموعی مسلمان ہندوستان میں نہایت پسماندہ ہیں، نہ تو معاشی طور پر مضبوط ہیں اور نہ ہی سماجی طور پر دیگر قوموں کے مقابلہ میں بلند معیار ہیں، رہا مسئلہ تعلیم کا تو تعلیم کے علمبردار ہونے کے باوجود مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی نہایت درجہ تشویش ناک ہے۔ مسلمانوں کے بارے میں عموماً یہ تصور عام رہا ہے کہ وہ اپنے بچوں کو زیادہ تر مذہبی تعلیم ہی دلواتے ہیں۔ لیکن سچر کمیٹی نے اس حقیقت کو بھی واشگاف کیا کہ مسلمانوں کے صرف چار فی صد بچے ہی دینی مدارس میں تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ یہ اعداد و شمار صرف عام لوگوں کے لیے ہی نہیں بلکہ خود مسلمانوں کے لیے بھی کسی المیہ سے کم نہیں کہ ہندوستان میں صرف چار فی صد مسلم بچے دینی تعلیم کے حصول میں کوشاں ہیں جب کہ آبادی کے تناسب سے یہ اعداد و شمار کم از کم ۵۰ فی صد تو ہونے چاہئیں۔ لیکن مسلمان عصری تعلیم تو کجا، دینی تعلیم میں بھی پسماندگی کا شکار ہیں۔

سچر کمیٹی کی رپورٹ میں مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی کے اجزا کا جب ہم تحلیل جائزہ لیتے ہیں تو ہم پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں۔ ہندوستان کی مجموعی آبادی کے لحاظ سے عصری درس گاہوں، اسکولس، کالجز اور یونیورسٹیز میں ہماری تعداد انگلیوں پر گنے جانے کے لائق ہے۔ ہندوستان کی مجموعی شرح خواندگی حالیہ مردم شماری کے مطابق ۶۵ فی

صد ہے۔ مسلمانوں میں یہ شرح ۵۹ فی صد ہے جب کہ ہندو ۶۵ فی صد، عیسائی ۸۰ فی صد، سکھ ۶۹ فی صد، بدھ ۷۲ فی صد اور چین ۹۴ فی صد کے ساتھ تعلیمی میدان میں سب سے آگے ہیں۔ مسلمانوں میں مردوں کی شرح خواندگی ۶۸ فی صد اور عورتوں کی شرح خواندگی ۵۰ فی صد ہے، جو کہ متذکرہ بالا شمار کرائے گئے دیگر مذاہب کی شرح خواندگی سے بہت ہی کم ہے۔ جس مذہب مہذب کی بنیاد ہی تعلیم و تعلم پر ہے، اور جس کے مقدس پیغمبر معلم کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین اور ان پر نازل شدہ قرآن کریم کی بے شمار آیات تعلیم کی اہمیت کو اجاگر کرے، آخر کیوں اُسی مذہب کے ماننے والے تعلیم کے میدان میں افسوسناک حد تک دیگر مذاہب سے اس قدر پیچھے ہوئے ہیں کہ الامان والحفیظ!!

مسلمانوں کا شان دار ماضی بس ایک قصہ پارینہ بن کر رہ گیا ہے۔ اب تو حالات اس قدر سنگین ہو چکے ہیں کہ اپنی علمی فتوحات سے بھی ہم ناواقف ہوتے جا رہے ہیں۔ ہندوستانی مسلمانوں کی دورِ حاضر میں تعلیمی پسماندگی ہمارے لیے سامانِ عبرت ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اس کی ذمہ داری حکومت کے سر نہ ڈالتے ہوئے اپنا احتساب کریں کہ ہم اپنی اور اپنی قوم کی تعلیمی ترقی کے لیے کیا کر رہے ہیں۔ مسلمانوں میں امیر طبقہ کو چاہیے کہ وہ غریبوں کے تعلیمی اخراجات برداشت کرنے کے لیے اپنے تئیں اسکا لرشپ اور وظائف کا نظم کرے تاکہ مسلم قوم کا تعلیمی میدان میں جاری جمود پر کنٹرول کیا جاسکے۔

تعلیمی پسماندگی کے اس عبرت ناک اور تشویش ناک منظر نامے پر خانقاہِ عالیہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کے صاحبِ سجادہ حضرت اقدس پروفیسر ڈاکٹر سید محمد امین میاں صاحب قبلہ دام ظلہ کے قول: ”آدھی روٹی کھائیے بچوں کو پڑھائیے“ پر سنجیدگی کے ساتھ عمل کرنے کی ضرورت ہے۔ دینی و عصری تعلیم سے دوری کے سبب پیدا شدہ پسماندگی کے اس عالمی تناظر میں باوقار زندگی گزارنے کے لیے تعلیم کا حصول نہایت اہم اور ضروری ہے۔ مسلم اُمہ کو اپنا کھویا ہوا وقار واپس لانے کے لیے دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ عصری تعلیم کے میدان میں کامرانیوں کا علم بلند کرنا بے حد اہمیت کا حامل ہے۔ عصری تعلیم کے حصول کے بغیر ہم ترقی یافتہ قوموں کے شانہ بہ شانہ ہرگز نہیں چل سکتے۔

عصری تعلیم کے فوائد۔ دورِ حاضر میں:

دورِ حاضر میں عصری تعلیم کے بے پناہ فوائد ہیں۔ زندگی کے ہر شعبہ جات میں آج عصری تعلیم کی رنگا رنگی نظر آتی ہے۔ قوموں کی قیادت، سیاستِ مدن اور تدبیرِ منزل جیسے اوصاف عصری تعلیم کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کے برق رفتار عہد میں عصری تعلیم کے حصول کے بغیر باوقار زندگی گزارنے کا تصور محال سا نظر آتا ہے۔ دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ جب ہمارا نوجوان جدید عصری تعلیم سے بھی آراستہ ہوگا تو وہ دورِ حاضر کے مختلف مسائل اور چیلنجز کا نہ صرف سامنا کرے گا بلکہ اُن کا سختی سے ڈٹ کر مقابلہ بھی کر سکتا ہے۔ عصری تعلیم سے روزگار اور آمدنی کے ذرائع بھی وا، ہوں گے جس سے غربت، افلاس اور تنگ دستی جیسے مسلم معاشرے کے مسائل کا خاتمہ ہونے میں بھی مدد ملے گی۔ آج ہمارے سماج کو عالمِ باطل اور مفتیانِ کرام کے ساتھ ساتھ اچھے ڈاکٹرز، انجینئرز، قانون دانوں، فلاسفرز اور سائنس دانوں کی بھی اشد ضرورت ہے اور یہ سب عصری تعلیم کے حصول کے بغیر ناممکن ہے۔

دورِ حاضر کے تقاضوں سے آگاہی کے بغیر ہم اپنا کاروانِ حیات کامیابی و کامرانی سے آگے نہیں بڑھا سکتے اور اس کا شعور و ادراک دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ عصری تعلیم کے حصول ہی سے ممکن ہوگا۔ ہاں! اس نکتے کو بھی ذہن نشین رکھنا نہایت ضروری ہے کہ عصری تعلیم کے جہاں بہت سے فوائد ہیں وہیں بہت سے نقصانات بھی ہیں۔ جن میں سب سے نمایاں مغربی افکار سے مرعوبیت اور اپنی تہذیب و تمدن کو ترک کر کے مغربی کلچر کو اپنانا ہے۔ لہذا آج ہمارے لیے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ عصری تعلیم سے قبل اپنے بچوں کو اس قدر دینی تعلیم سے مزین کر دیں کہ وہ عصری دانش گاہوں کے مغرب زدہ ماحول میں جا کر وہاں کے رنگ میں نہ رنگتے ہوئے دوسروں کو اپنے رنگ میں ڈھال لیں۔ تب ہی عصری تعلیم کے صحیح معنوں میں فوائد حاصل ہوں گے اور عصری تعلیم سے متعلق منفی رویوں میں تبدیلی آئے گی۔ دورِ حاضر میں مسلمانوں کی عبرت ناک تعلیمی پسماندگی کے تناظر میں عصری تعلیم کے کچھ فوائد ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

(۱) معاشی و اقتصادی فوائد:

آج عالمی منظر نامے پر چند ایک اسلامی ممالک کو چھوڑ کر بقیہ ممالک میں بسنے

والے مسلمان؛ چاہے وہ اکثریت میں ہوں یا اقلیت میں، معاشی اور اقتصادی لحاظ سے پسماندگی کا شکار ہیں اور غربت، افلاس اور تنگ دستی ہمارے معاشرے کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں۔ جب ہم ان کے اسباب و علل پر نگاہ ڈالتے ہیں تو اس پسماندگی کا سب سے نمایاں سبب تعلیم سے دوری ہی سمجھ میں آتا ہے۔ لہذا اس اہم مسئلے کے تدارک کے لیے عصری تعلیم کا حصول ضروری ہو جاتا ہے۔

معاشیات اور اقتصادیات کے میدان میں ترقی کے لیے ان علوم پر مبنی مختلف کورسز کیے جاسکتے ہیں۔ دسویں کے بعد کامرس فیکلٹی میں داخلہ لے کر ہمارے نوجوان بی کام، ایم کام، ایم بی اے اور چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ جیسی ڈگریاں حاصل کر کے مسلم معاشرے کو معاشی و اقتصادی لحاظ سے تقویت پہنچا کر غربت اور تنگ دستی کے خاتمے کا سبب بن سکتے ہیں۔ اسی طرح انجینئرنگ کے تمام شعبہ جات تجارتی اور اقتصادی اور نقطہ نظر سے اہمیت رکھتے ہیں۔ جیسے میکینیکل، انسٹرکشن، پروڈکشن، الیکٹریکل اور الیکٹرانکس، کمپیوٹیشن انجینئرنگ وغیرہ کے ساتھ ساتھ میڈیکل، پیرامیڈیکل، ایم فارم، بی فارم، ڈی فارم، ایسرے ٹیکنیشن، آپریشن تھیٹر ٹیکنیشن، سی ٹی اسکین ایکسرے، کمپیوٹر سائنس، انفارمیشن ٹیکنالوجی، ٹیکسٹائل انجینئرنگ، ٹیکسٹائل ٹیکنالوجی، سول سروسز وغیرہ غرض یہ کہ عصری تعلیم سے منسلک ہر قسم کے کورسز کی تکمیل سے مسلم معاشرہ معاشی و اقتصادی پسماندگی سے نکل سکتا ہے۔ دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ عصری تعلیم کے حصول سے روزگار کے درواہوں گے اور آمدنی کے ذرائع پیدا ہوں گے۔ ملازمت نہ بھی ملی تو عصری تعلیم یافتہ افراد اپنا ذاتی کاروبار بھی کامیابی کے ساتھ استادہ کر سکتے ہیں۔

(۲) سماجی و سیاسی فوائد:

ہمارے ملک ہندوستان کی زیادہ تر آبادی دیہاتوں پر مشتمل ہے۔ جہاں کارہن سہن، رسم و رواج اور دیگر امور اب تک قدامت پسندانہ طرز کا ہی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اب بعض دیہی بستیوں میں لائف اسٹائل تبدیل ہو رہا ہے۔ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد بھی دیہاتوں میں آباد ہے۔ جہاں اُن کی تعلیم کا مناسب بندوبست نہ ہونے کے سبب وہ

طرح طرح کے سماجی مسائل کا شکار ہوتے ہیں۔ کہیں کہیں لیڈی ڈاکٹر نہ ہونے کے سبب بھی عورتوں کے مخصوص امراض سے متعلق بڑی بڑی پیچیدگیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ مسلم معاشرے کی باغیرت خواتین کا بروقت علاج نہ ہونے کے سبب وہ مشکلات میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔ لہذا مسلم خواتین اگر میڈیکل کے شعبے میں قدم رکھتی ہیں تو ایک طرح سے مسلم معاشرے میں درپیش بعض سماجی مسائل کا کما کھٹ تدارک ہو سکتا ہے۔ تعلیم یافتہ نوجوان بھی سماجی ترقی کے لیے مفید ثابت ہوتے ہیں۔ معاشرے میں پائے جانے والے طرح طرح کے سماجی مسائل عدم مساوات، ذات پات، اونچ نیچ، رنگ و نسل وغیرہ کے امتیازات تعلیم میں بیداری سے ختم کیے جاسکتے ہیں۔

اسی طرح سیاست کے میدان میں بھی جہلا کی بہ نسبت اگر تعلیم یافتہ افراد حصہ لیتے ہیں تو وہ مسلم مسائل کو صحیح طریقے سے حکومت کے ایوانوں تک نہ صرف پہنچانے میں معاون ہوں گے بلکہ ان کے حل کی کوشش بھی کریں گے۔ محض دینی تعلیم حاصل کرنے سے سیاسی شعور کی بالیدگی ممکن نظر نہیں آتی، عصری تعلیم میں اگر مختلف زبانوں کا علم حاصل ہو جائے تو سیاسی میدان میں مسلم مسائل کی بہتر نمایندگی انجام دی جاسکتی ہے۔ اقتدار میں شرکت اور مفادات میں حصہ داری جیسے تصور کی تکمیل عصری تعلیم کے بغیر ممکن نظر نہیں آتی۔ عصری تعلیم کے تحت سماجی و سیاسی فوائد کے حصول کے لیے ہم (BSW) پیچلر آف سوشل ورک/ٹیچر/ڈاکٹر، (MSW) ماسٹر آف سوشل ورک/سائیکولوجسٹ، ایونٹ مینجمنٹ، ڈسٹرکٹ مینجمنٹ، ہوٹل مینجمنٹ اینڈ کیٹرنگ ٹیکنالوجی، میڈیکل، پیرامیڈیکل، فائننس، لاء، جرنلزم، گریجویٹیشن ان پالیٹکس، سوشولوجی، ادب تاریخ، فلسفہ جیسے کورسز کیے جاسکتے ہیں۔ یو پی ایس سی، ایس ایس سی، آئی اے ایس، آئی آر این اور ملکی و ریاستی سطح کے دیگر مقابلہ جاتی امتحانات سے بھی ہمارے مسلم نوجوان سماجی اور سیاسی فوائد کما کھٹ حاصل کر سکتے ہیں۔

(۳) زرعی و تجارتی فوائد:

مسلمانوں کی ایک بڑی آبادی زراعت پیشہ ہے۔ کاشت کاری کے پرانے طریقوں پر عمل کرنے سے پیداوار میں اضافہ ممکن نہیں ہوتا۔ آج اگیری کچر شعبے میں اس

قدر ترقی ہو چکی ہے کہ زمین کی زرخیزی متاثر ہوئے بغیر پیداوار کی شرح بڑھائی جا رہی ہے۔ مختلف قسم کے اعلیٰ بیجوں اور کھاد کے استعمال سے زرعی میدان میں جو قابل لحاظ تبدیلی آئی ہے وہ بھی عصری تعلیم کی بدولت ہی ہے۔ زراعت سے متعلق مختلف کورسز کی تکمیل کرتے ہوئے ہم اپنے کھیتوں کی صحیح طور پر حفاظت بھی کر سکتے ہیں۔ کھیتی باڑی اور اس کے لیے لگنے والے دیگر جدید لوازمات کے استعمال کے طریقے اور زمین کی زرخیزی برقرار رکھتے ہوئے پیداوار میں اضافہ کا تصور عصری تعلیم سے ہی ممکن ہے۔

علاوہ ازیں کھیتوں میں تیار شدہ فصلوں، اناج اور دیگر پیداواروں کو بازار میں مناسب اور صحیح طریقے سے تجارت کے جدید اصولوں کو مد نظر رکھ کر ہم اُسی وقت فروخت کر سکتے ہیں جب ہم جدید تجارتی تعلیم سے آراستہ ہوں گے۔ لہذا زرعی اور تجارتی ترقی کے لیے بھی عصری تعلیم بے حد ضروری ہے۔ اس سے ہماری پیداوار میں بھی اضافہ ہوگا اور نفع و نقصان کا شعور بھی بیدار ہوگا۔ اس طرح عصری تعلیم سے ہمارے معاشرے کو زرعی و تجارتی فوائد ملیں گے۔ اس کے لیے ڈیری صنعت سے متعلق کورسز ڈیری و پلو مہ / ڈگری، ایگری کلچر و پلو مہ / ڈگری، شوگر ٹیکنالوجی، کنفییکیشنری (کیک، پیسٹری، بیکری) و پلو مہ / ڈگری، نینو ٹیکنالوجی، ٹرانسپلائنیشن (حیوانات و نباتات)، میڈیکل ٹرانسکریپشن (حیوانات و نباتات) اور اسی نوعیت کے دیگر پیشہ وارانہ کورسز کے ذریعے ہم خود اپنی چھوٹی موٹی کمپنی یا فیکٹری کم بجٹ میں جاری کر سکتے ہیں۔ یہ کورسز زراعت سے منسلک ہونے کے ساتھ ساتھ تجارتی نقطہ نظر سے بھی اہم ہیں۔ ان کی مدد سے ہم معاشی و اقتصادی ترقی بھی حاصل کر سکتے ہیں۔

(۴) ادبی و لسانی فوائد:

ہر قوم کی اپنی زبان اور اپنا ادب ہوتا ہے۔ جو اُس کا تشخص اور شناخت کہلاتا ہے۔ برصغیر ہندو پاک میں بسنے والے مسلمانوں کی زبان و ادب اردو، پنجابی، بنگلہ، پشتو، سندھی وغیرہ پر مشتمل ہے۔ لیکن ان زبانوں میں سب سے نمایاں اردو زبان و ادب ہی ہے۔ گو کہ اب انگریزی ذریعہ تعلیم میں کثرت کے ساتھ لوگ اپنے بچوں کو داخل کرانے

میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ لیکن ماہرین تعلیم کا اس امر پر اتفاق ہے کہ بچوں کی ہمہ جہت ترقی اور نشو و نما کے لیے اُن کی ابتدائی تعلیم مادری زبان ہی میں کرنا بہتر ہے۔ یہ بھی ایک سچائی ہے کہ اردو زبان و ادب آج مدارس اسلامیہ کے سبب برصغیر میں زندہ و سلامت ہے۔

عصری تعلیم کے حصول سے ہمارے اندر اپنی زبان اور اپنے ادب سے محبت کا جذبہ بیدار ہوگا، اور اس کے تحفظ و بقا کا احساس پروان چڑھے گا۔ آج آرٹ فیکلٹی کو بدقسمتی سے کچھ لوگ کج نگاہی سے دیکھتے ہیں جب کہ سچائی تو یہ ہے کہ آرٹ فیکلٹی سے تعلق رکھنے والے طلبہ سماج اور معاشرے کے لیے بے حد فائدے مند ثابت ہوتے ہیں۔

اچھا ادب صالح معاشرے کی تشکیل کا سبب بنتا ہے اور اچھے ادب کی تخلیق بھی عصری تعلیم کے حصول کے بغیر ممکن نہیں۔ مادری زبان کے علاوہ اگر ہم دیگر زبانوں سے واقف ہیں اور ان کا لٹریچر بھی ہماری نگاہوں کے سامنے ہے تو ہم اُن کی اچھائیوں کو اپنے ادب میں ڈھال کر ایک نیا رنگ و آہنگ پیدا کر سکتے ہیں۔

دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ عصری تعلیم کی تحصیل ہمیں اپنے ادب اور مادری زبان کے استحکام کے لیے مفید ثابت ہوگی۔ اس ضمن میں زبان و ادب کی ترقی کے لیے مختلف تحقیقی کام کیے جاسکتے ہیں، جن کی تکمیل سے معاشی و اقتصادی بد حالی پر بھی کنٹرول کیا جاسکتا ہے۔

(۵) تہذیبی و ثقافتی فوائد:

آج پوری دنیا میں تہذیب و ثقافت کی ایک سرد اور غیر محسوس جنگ جاری ہے۔ مغربی تہذیب کی یلغار نے انسانوں کو بے حیائی، بے راہ روی، نفس پرستی، ہوس رانی، رشوت ستانی اور روحانی کرب و بے چینی میں مبتلا کر کے رکھ دیا۔

آج ہر قوم کے سامنے اُس کے اپنے تشخص کے تحفظ و بقا کا مسئلہ درپیش ہے۔ ان کی تہذیب، اُن کی ثقافت نذر مغرب ہوتی جا رہی ہے۔ ایسے ماحول میں دینی و اخلاقی تعلیم کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ اگر ہم عصری تعلیم کے میدان میں بھی کامیاب ہوتے ہیں تو اچھائی اور برائی کی تمیز کا جذبہ پروان چڑھے گا۔

جس کے سبب ہم دیگر اقوام کے سامنے اُن کی مادی تہذیب کی خامیوں اور اپنی روحانی تہذیب کی اچھائیوں کو پیش کر کے مذہب کی تبلیغ کا ایک غیر محسوس کارنامہ انجام دے سکتے ہیں۔ لہذا عصری تعلیم کے حصول سے تہذیبی و ثقافتی فوائد بھی حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ عصری تعلیم کے حصول کی مدد سے ہم اپنی تہذیب و ثقافت کو محفوظ بھی رکھ سکتے ہیں۔ اس ضمن میں مختلف شعبوں میں تحقیقی کام کے علاوہ جیو گرافی، اوشنیو گرافی، آثار قدیمہ، ماحولیات، فارینسک، ادب، تاریخ، فلسفہ، سماجیات اور عمرانیات پر مبنی کورسز کیے جاسکتے ہیں۔ جن کی بدولت ہمیں تہذیبی و ثقافتی فوائد بھی ملیں گے ساتھ ہی معاشی و اقتصادی بھی۔

(۶) قومی و ملی فوائد:

عصری تعلیم کے قومی و ملی فوائد بھی بے شمار ہیں۔ نوجوان، قوم و ملت کے لیے ایک عظیم سرمایہ ہوتے ہیں۔ قوم و ملت کی ہمہ جہت ترقی اور فلاح و بہبود کے لیے نوجوانوں کا کردار بڑی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ اگر نوجوان غیر تعلیم یافتہ ہوں گے یا محض دینی تعلیم ہی کے شرف سے مشرف ہوں گے تو وقت کے جدید تقاضوں سے نا آشنا کی کے سبب دورِ حاضر کے مختلف چیلنجز کا مقابلہ کس طرح کریں گے۔ لہذا قوم و ملت کی ہمہ گیر ترقی کے لیے عصری تعلیم کا حصول بے حد ضروری ہے۔ عصری تعلیم سے آراستہ نوجوان ملک و ملت کے لیے ہر اعتبار سے فائدے مند ثابت ہوتے ہیں۔ اگر اُن کی تعلیم صحیح رخ پر ہوگی تو وہ کبھی بھی ملک مخالف سرگرمیوں میں ملوث نہیں ہوں گے اور نہ ہی کسی قسم کی دہشت پسندانہ کارروائیوں کا حصہ بنیں گے۔ اُن کے اندر اپنے ملک و ملت کے لیے وفاداری کا جذبہ بیدار ہوگا۔ وہ ملک کے تحفظ و استحکام اور سالمیت کے لیے عملی طور پر سرگرم ہوں گے اور ملک دشمن عناصر سے ملک کو پاک کرنے کی حتی المقدور سعی بھی کریں گے۔ اس طرح عصری تعلیم کے نفع بخش حصول سے قومی و ملی فوائد میسر آئیں گے۔

ماحول:

تعلیم کا حصول چاہے وہ دینی ہو یا عصری؛ ہر لحاظ سے ہمہ گیر ترقی و بقا کے لیے

بے حد ضروری ہے۔ قرآن میں رب تبارک و تعالیٰ نے علم اور تعلیم کی اہمیت کا بار بار ذکر فرمایا۔ پیغمبر اسلام معلم کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بہ کثرت احادیث بھی تعلیم و تعلم کی ضرورت، اہمیت اور فوائد کو اجاگر کرتی ہیں۔ تعلیم کے دونوں جز دینی و عصری تعلیم اگر ساتھ ساتھ چلتے رہیں تو ملک و قوم کو ایک ہمہ گیر و ہمہ فکر اچھے شہری میسر آئیں گے جو ہر لحاظ سے ملک و قوم کے تحفظ و استحکام کا سبب بنیں گے۔ لہذا ضروری ہو جاتا ہے کہ ہم دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ عصری تعلیم کے حصول کی طرف بھی توجہ مرکوز رکھیں۔ عصری تعلیم کوئی شجر ممنوعہ نہیں کہ اس سے مکمل طور پر اعراض و روگردانی کی جائے۔ ماضی میں مسلمانوں کی ترقی کا راز یہی تھا کہ وہ اپنے دور کے تقاضوں کو سمجھ کر اُس عہد میں رائج عصری علوم کو بھی سیکھا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہر میدان میں کامیاب و کامران تھے۔ دورِ حاضر میں ہماری تعلیمی کیفیت بڑی تشویش ناک اور عبرت ناک ہے۔ ہم عصری تعلیم میں تو پیچھے ہیں ہی، ساتھ میں دینی تعلیم میں بھی ہماری کارکردگی اطمینان بخش نہیں ہے۔ اس لیے اپنے کھوئے ہوئے وقار کو واپس لانے اور باعزت زندگی بسر کرنے کے لیے خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کے صاحبِ سجادہ حضرت اقدس پروفیسر ڈاکٹر سید محمد امین میاں قبلہ دام ظلہ کے قول: ”آدھی روٹی کھائیے بچوں کو پڑھائیے“ پر عمل کرنا ہمارے لیے بے حد ضروری ہے۔ اگر ہم دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ عصری تعلیم کے حصول کی طرف توجہ نہیں دیتے ہیں تو آنے والا کل ہمارے لیے بڑی آزمائش اور ابتلا کا ہوگا۔

وقت کے امراء اور رؤساء مکلف تھے۔

اس کے برعکس دور حاضر کے نظام تعلیم میں علم اور ہنر میں گہرا تعلق ہے اور دونوں ایک ہی تعلیمی نظام کا حصہ ہیں اور اس کی وجہ بھی موجودہ صنعتی سماج کی معیشت میں پنہاں ہے۔ صنعتی سماج کی معیشت سائنس اور ٹیکنالوجی پر منحصر ہے جو ملک اور قوم جتنا زیادہ سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی یافتہ ہے اس کی معیشت اتنی ہی مستحکم اور مقدم ہے۔ اس کے لئے ضروری ہنرمند انسانی وسائل (Skilled Human Resource) کی فراہمی ہے۔ سرمایہ داری اور عالمگیریت (Globalisation) کے اس دور میں انسانی وسائل کو فروغ دینا، معیشتی ترقی کو یقینی بنانا اور نئے تکنیکی ایجادات کرنا عصری تعلیم کا غالب مقصد بن چکا ہے۔ عالمگیریت کے زیر اثر موجودہ دور کے لیبر مارکیٹ (Labour Market) مختص ہوتے جا رہے ہیں۔ سرکاری اور غیر سرکاری تجارتی سیکٹر میں ماہر ہنرمندوں کی مانگ دن بدن بڑھتی جا رہی ہے۔ اس کے پیش نظر ووکیشنل کورسز کو حکومتوں کی جانب سے فروغ دیا جا رہا ہے۔ حکومت ہند اس کے لیے سرکاری ادارے قائم کر رہی ہے اور غیر سرکاری تنظیموں کے ذریعہ سے بھی اس کو بڑھاوا دیا جا رہا ہے۔ ووکیشنل کورسز ٹائٹل درجے کے بعد ادارہ ٹیکنالوجی (Technical Institute) اور کمیونٹی پالیٹیکنک کے ذریعے سے مہیا کرایا جاتا ہے۔ بیسویں صدی میں ووکیشنل ایجوکیشن کافی وسیع ہو چکی ہے۔ تعلیم ہنر کی مانگ روایتی پیشہ اور گھریلو صنعت میں بڑھ گئی ہے۔ بیسویں صدی کے اواخر میں عالمگیریت کے اس سخت مقابلہ آرائی کے دور میں حکومت ہند نے اپنے معاشی مفاد کو بچانے اور بڑھانے کی غرض سے ووکیشنل کورسز کو ترجیح دے رہی ہے۔ موجودہ حکمت ہند نے ہنر مندی کو فروغ دینے کے لیے اسکل انڈیا (Skill India) پروگرام کا آغاز کیا ہے۔

ہندوستانی تعلیمی نظام میں تعلیم ہنرمندی:

ہندوستان کا جدید تعلیمی نظام مجموعی اعتبار سے دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے پہلے حصے کو اسکول کی تعلیم اور دوسرے کو اعلیٰ تعلیم کہتے ہیں۔ ہنرمندی کی تعلیم، تعلیم کے دونوں

ووکیشنل کورسز (ہنرمندی) اور ان کی افادیت

پروفیسر عبدالوحید

شعبہ عمرانیات (سوشیالوجی)، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

عام طور سے علم اور ہنر میں تفریق کی جاتی ہے اور دونوں ایک دوسرے سے علیحدہ سمجھے جاتے ہیں لیکن موجودہ صنعتی سماج اور عصری نظام تعلیم میں ہنر کو علم سے قطعی طور پر علیحدہ نہیں کیا جاسکتا دونوں کے مابین ایک گہرا تعلق ہے۔ علم کو ہنر سے یا ہنر کو علم سے جدا سمجھنے کا جواز غیر صنعتی سماج میں غالب تھا اور اس جواز کی جڑیں غیر صنعتی سماج کے معاشی اور تعلیمی نظام میں پنہاں تھیں۔ غیر صنعتی سماج کی معیشت زیادہ تر کاشت کاری اور مویشی پالنے پر منحصر تھا اس معیشت میں انسان بذات خود یا اپنے جانوروں کی مدد سے روزمرہ کی زندگی کی ضروری اشیاء کو پیدا کرتا تھا۔ ان اشیاء کو پیدا کرنے اور بنانے کے لیے درکار تکنیکی ہنر کو انسان اپنے گھروں میں سیکھتا تھا جس کو عام فہم زبان میں ہنرمندی کہتے ہیں۔ غیر صنعتی سماج میں انسانوں کے گروہ یا خاندان کا اپنا ایک خاص موروثی پیشہ ہوتا تھا۔ جس کو نسل در نسل منتقل کیا جاتا تھا۔ جیسے کہہاری، لوہاری، بڑھئی، درزی اور حکیمی کا پیشہ۔ ان ہنر کے لئے کوئی منظم درس گاہیں یا مربوط کورسز موجود نہیں تھیں اور کہیں تھیں بھی تو وہ برائے نام۔ ان وجوہات سے ہنر کو علم سے الگ سمجھا جاتا تھا اور غیر صنعتی سماج کے نظام تعلیم کا حصہ نہیں تھا۔ اس سماج میں علم سے مراد علم فلسفہ، مذہب، ادب، ریاضی، اور دیگر علوم تھے جسے آج ہم بنیادی علوم (Fundamental Science) کے نام سے منسوب کرتے ہیں اور اس سماج میں علم ذریعہ معاش کے لیے حاصل نہیں کیا جاتا تھا۔ علماء کی کفالت ان کے خاندان کے ذمہ تھی یا

حصوں میں شامل ہے اسکولی تعلیم کی ابتداء عام طور سے درجہ ایک سے شروع ہو کر درجہ بارہ پر مکمل ہوتی ہے، جب کہ درجہ چھ سے آٹھ تک کی تعلیم کو ایڈ پرنامری ایجوکیشن کہا جاتا ہے اور دونوں کو مشترکہ طور پر الیمینٹری ایجوکیشن (ابتدائی تعلیم) کہا جاتا ہے۔ درجہ نو اور دس کی تعلیم کو سینڈری جبکہ درجہ گیارہویں اور بارہویں کو سینئر سینڈری کہا جاتا ہے۔

حکومت ہند کی وزارت تعلیم جسے ”وزارت فروغ انسانی وسائل“ کہا جاتا ہے کہ اعداد و شمار کے مطابق ۱۴-۲۰۱۳ء میں تقریباً 7,90,640 پرائمری اسکول اور اپر پرائمری کی تعداد 401079 اور سینڈری اسکول کی تعداد 131287 جبکہ سینئر سینڈری کی تعداد 102558 تھی۔ حکمت کی پالیسی سرو سکچا ابھیان کے تحت ہر ایک کلومیٹر کے دائرے میں پرائمری اور اپر پرائمری اسکول قائم کرنا سرکار کی ذمہ داری ہے۔ ۲۰۰۹ء میں درجہ ایک سے درجہ آٹھ تک کی تعلیم کو ہر شہری کا بنیادی آئینی حق تسلیم کیا گیا اور مزید حکومت کو پابند کیا گیا کہ ۱۴ سال تک کی عمر کے بچوں کو درجہ ۸ تک کی تعلیم کو مفت فراہم کی جائے۔

آزادی کے بعد سے ہندوستان نے تعلیمی میدان میں نمایاں کامیابی حاصل کی ہے اور تعلیمی ترقی کی رفتار بیسویں صدی کی آخری دہائی سے بہت تیز ہوئی ہے۔ یہ وہ دور ہے جس میں گلوبلائزیشن کا آغاز ہوتا ہے اور جس کے باعث ملکی معیشت، سماج، تہذیب اور تمدن میں روز بروز نئی تبدیلیاں رونماں ہو رہی ہیں۔ مقابلہ آرائی میں خانگی اور خارجی سطح پر شدید اضافہ ہوا ہے۔ ملکی معیشت عالمی سطح پر جڑ چکی ہے۔ اس شدید مقابلہ آرائی کے عہد میں ملکوں کی ترقی کے لیے تعلیم بالخصوص سائنس اور ٹیکنالوجی کی تعلیم کو فروغ دینا ناگزیر ہو گیا ہے۔ اس لیے حکومت ہند نے ۱۹۹۰ء کے بعد سے تعلیمی میدان میں ترقی کے لئے نئے نئے منصوبے بنائے ہیں اور نئی اسکیموں کا آغاز کیا ہے۔ حالانکہ ہندوستان میں ہنر کی تعلیم کو فروغ دینے کے قوانند ۷۷-۱۹۷۶ء میں شروع کر دیئے گئے تھے۔

ان سب اقدامات کے باوجود ملک کی ایک تہائی آبادی ناخواندہ ہے اور ناخواندگی کی شرح مسلمانوں میں زیادہ پائی جاتی ہے۔

اعلیٰ تعلیم (Higher Education):

وزارت برائے فروغ انسانی وسائل نے ۲۰۱۳ میں کل ہند ہائر ایجوکیشن سروے کیا جس کے تحت اعلیٰ تعلیم کے اداروں کو تین قسموں میں منقسم کیا گیا۔ پہلی قسم کو یونیورسٹی کہا گیا اور دوسری قسم کے تحت کالج کہا گیا جبکہ تیسری قسم کو اسٹینڈ الون (Stand Alone) ادارہ بتایا گیا۔

یونیورسٹی وہ تعلیمی ادارہ ہے جس کو ڈگری فراہم کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ سروے کے اعداد و شمار کے مطابق کل سرکاری اور غیر سرکاری یونیورسٹی کی تعداد 621 پائی گئی۔

کالج ان اداروں کو کہتے ہیں جو خود ڈگری فراہم نہیں کر سکتے بلکہ یہ کسی نہ کسی یونیورسٹی سے ملحق ہوتے ہیں۔ اعداد و شمار کے مطابق کالج کی تعداد 39974 تھیں۔

اسٹینڈ الون (Stand Alone) ان اداروں کو کہا گیا جن کا الحاق کسی یونیورسٹی سے نہیں ہوتا بلکہ ان کا الحاق حکومت ہند کے مختلف تعلیمی کاؤنسلز سے ہوتا ہے۔ اسٹینڈ الون اداروں کو پانچ قسموں میں منقسم کیا گیا۔ جو مختصر ادرج ذیل ہیں۔

(۱) ڈپلومہ لیول کے ٹیکنیکی ادارے جیسے (Politechnic) جو آل انڈیا کاؤنسل فار ٹیکنکل ایجوکیشن (AICTE) سے تسلیم شدہ ہے۔

(۲) ڈپلومہ لیول کے ٹیچر ٹریننگ ادارے اور ڈسٹرک انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشن اور ٹریننگ (DIET) جو نیشنل کاؤنسل فار ٹیچرس ٹریننگ (NCTE) سے تسلیم (Recognised) شدہ ہے۔

(۳) ڈپلومہ درجہ کے نرسنگ انسٹی ٹیوٹ جس کی سند انڈین نرسنگ کاؤنسل فراہم کرتی ہے۔

(۴) پوسٹ گریجویٹ ڈپلومہ ان مینجمنٹ (PGDM) جس کی سند آل انڈیا کاؤنسل فار ٹیکنکل ایجوکیشن (AILTE) کی جانب سے فراہم کی جاتی ہے۔

(۵) وہ ادارے جو براہ راست مرکزی وزارتوں کے ذریعہ چلائے جاتے ہیں۔

ان اداروں کی تعداد اعداد و شمار کے مطابق 11000 بتائی گئی ہے۔ 2013 کے مذکورہ بالا سروے کے اعداد و شمار کے مطابق اعلیٰ تعلیم میں (مذکورہ بالا تینوں قسموں کے اداروں میں) طلبہ، (جیسے بی۔ اے، بی۔ کام، بی۔ ایس۔ سی) طلبہ کی تعداد 27500000 بتائی گئی جن کی ۸۰ فیصدی روایتی کورسز میں زیر تعلیم ہیں جب کہ 1600000 (تقریباً 5.80) (۱۵ اعشاریہ ۸ فیصدی طلبہ اسٹینڈالون اداروں میں زیر تعلیم تھے)۔

ہنرمندی کی تعلیم:

اعلیٰ تعلیمی نظام میں ہنرمندی کی تعلیم زیادہ تر اسٹینڈالون اداروں کے ذریعہ سے فراہم کی جاتی ہے۔ ان اداروں میں مختلف قسم کے ہنرمندی کے کورسز پڑھائے جاتے ہیں۔ جن میں داخلے کے لیے دسویں یا بارہویں اور کچھ کورسز کے لیے گریجویٹیشن کی تعلیم حاصل کرنا ضروری ہوتا ہے۔ مثلاً پالیٹیکنک کے تین سالہ ڈپلومہ کورس کے لیے دسویں سے فراغت مطلوب ہے۔ جبکہ کچھ ڈپلومہ کے لیے بارہویں جماعت کی تعلیم مکمل کرنا لازمی ہوتا ہے۔ ان اداروں کے علاوہ ہنرمندی کی تعلیم (آئی ٹی آئی ایس) اور (ITCs) کے ذریعہ بھی فراہم کی جاتی ہے، ITIs وہ ادارے ہیں جن کو حکومت چلاتی ہے جبکہ ITCs کو غیر سرکاری تنظیمیں چلاتی ہیں۔ ان اداروں کے لیے عام طور سے دسویں جماعت کی تعلیم مکمل کرنا ضروری ہوتا ہے۔ یہ کورسز دو سال کے اندر مکمل کئے جاتے ہیں ان کے علاوہ ہنرمندی کے لاکھ سینٹرس ہیں جو ہنر کی تعلیم کا سرٹیفیکٹ فراہم کرتے ہیں۔ یہ ادارے حکومت ہند کی بیس وزارتوں کے تحت یا اس کی نگرانی میں چلتے ہیں۔

ہنرمندی کا سرٹیفیکٹ حاصل کرنے کے لیے کم از کم آٹھویں جماعت پاس ہونا

ضروری ہے۔

کچھ کورسز کے نام، مطلوبہ تعلیم، مدت اور فیس مندرجہ ذیل ہیں۔

Course (کورس)	Eligibility (اہلیت)	Duration (مدت)	Course Fee (کورس کی فیس)
Certificate in Videography	8th Pass	3 Months	Rs. 900/-
Certificate in Mass Communication	8th Pass	3 Months	Rs. 900/-
Certificate in Introduction to Computer	8th Pass	3 Months	Rs. 900/-
Certificate in Maintenance Attendant Chemical Plant	10th Pass	1 Year	Rs. 900/-
Diploma in Journalism & Mass Communication	10th Pass	3 Years	Rs. 1000/-
Certificate in Maintenance & Field Operation of Seed Drill	8th Pass	6 Months	Rs. 1000/-
Diploma in Baking Confectionery & Cake Art	8th Pass	6 Months	Rs. 1000/-
Certificate in Safety & General Awareness in Chemical Industry	10th Pass	1 Year	Rs. 1000/-

Certificate in Sugar Chemical Control	10th Pass	1 Year	Rs. 1000/-
Diploma in Industrial Chemical Manufacturing Attend	10th Pass	2 Years	Rs. 1000/-
Diploma in Technical & Analytical Chemistry	10th Pass	2 Years	Rs. 1000/-
Certificate in Rixin Goods Manufacturing	10th Pass	1 Year	Rs. 1000/-
Diploma in Automobile Photography	10th Pass	1 Year	Rs. 1000/-
Diploma in Refrigeration & Air Conditioning	8th Pass	2 Years	Rs. 1000/-

پنڈت سندر لال شرما مرکزی ادارہ برائے وکیشنل ایجوکیشن (Psscive) نے

لگ بھگ ۱۰۵ ہنرمندی کے کورس مرتب کیے ہیں۔ جو چھ شعبوں پر محیط ہیں۔

- (۱) ذراعت کے پیشے سے متعلق۔
- (۲) تجارت اور کامرس سے متعلق۔
- (۳) ثقافتی سرگرمیوں سے متعلق۔
- (۴) روایتی دست کاری سے متعلق (Texbile Related)۔
- (۵) صحت کے شعبے سے متعلق۔
- (۶) انجینئرنگ سے متعلق۔

اس حقیقت کا ذکر کرنا ضروری ہے کہ سرکاری اور غیر سرکاری تنظیموں میں اندرون

اور بیرون ملک روزگار حاصل کیا جاسکتا ہے جس کے لیے ہنرمندی کی تعلیم کا کم از کم سرٹیفیکٹ ضروری ہے۔

ہندوستانی مسلمانوں کے لیے ہنرمندی کی تعلیم کی افادیت:

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے خطہ ہند میں مسلم حکمران سات یا آٹھ صدی تک اقتدار پذیر رہے جن کے زیر نگرانی دوسری قوموں کے ساتھ مسلم قوم ترقی کی راہ پر گامزن رہی۔ وہ وقت کے بہترین ادیب، تاجر، علماء، معلم اور دوسرے قائد رہے، مگر انگریزی سامراجی حکومت کے تسلط کے باعث مسلم قوم دوسری قوموں کے مقابلے میں پیچھے ہو گئی۔ برطانوی حکومت قصداً مسلمانوں کو حاشیے پر پہنچاتی رہی۔ اس زبوں حالی کو مولانا حالی نے اپنے اشعار میں یوں بیان فرمایا ہے۔

نہ اہل حکومت کے ہمراز ہیں ہم

نہ درباریوں میں سرفراز ہیں ہم

نہ علموں میں شایانِ عزت ہیں ہم

نہ صنعت میں حرفت میں ممتاز ہیں ہم

نہ رکھتے ہیں کچھ منزلت نوکری میں

نہ حصہ ہمارا ہے سوداگری میں

انیسویں صدی کے وسط میں تقسیم ہند کے سانحہ نے مسلمانوں پر بہت برا اثر ڈالا۔ مسلمانوں کے اہل علم، اہل تجارت، علماء زمین دار اور اہل ثروت کی ایک کثیر تعداد پاکستان میں قیام پذیر ہو گئی۔ ہندوستان میں رہنے کا فیصلہ کرنے والے مسلمانوں کی اکثر تعداد غریبوں، مزدوروں، چھوٹے کاشتکاروں اور عصری تعلیم سے محروم لوگوں پر مشتمل تھی۔ ہندوستان میں رہنے والے مسلمان آبادی کا تعلق ان برادریوں سے ہے جو موروثی پیشہ اور دستکاری میں مصروف ہیں۔ جو تیزی سے محدود ہوتی جا رہی ہے۔

روایتی پیشوں سے بے دخل کئے جانے کے سبب اپنے ذرائع معاش سے محروم ہوئے ہیں۔ اور ان میں اقتصادی پسماندگی آئی ہے۔ آج ہند میں ہر طرف زبردست اقتصادی ابھار کے چرچے ہیں مگر اس کے باوجود ہندوستانی مسلمانوں کی اقتصادی نرم کاری سے پیدا ہونے والی نام نہاد مقابلے کی قوموں سے سیدھے وار سہنے پڑ رہے ہیں۔ اندرونی اور بیرونی نرم کاری بے روزگاری اور کارکنان کی برطرف کی صورت میں خاصی بھاری قیمت اٹھانی پڑ رہی ہے۔ یہ کارکن تیز تر برآمداتی کمپنیوں کے ہاتھوں روزگار سے محروم کر دیئے گئے ہیں۔ مسلمان زیادہ تر معیشت کے غیر منظم زمرے میں ہیں جہاں کبھی بھی کسی قسم کا کوئی تحفظ نہیں ہوتا اور اسی لئے نرم کاری کے منفی اثرات بھی ان کے لئے شدید تر رہے ہیں۔

روایتی پیشے اور کاروبار مثلاً ریشم اور ریشم کے کیڑے پالنے کی صنعت، ہنڈ لوم، پاور لوم، چمڑے کی صنعت، ملبوسات کے کاروبار وغیرہ نرم کاری (مندی) کے چلتے تباہ ہو رہے ہیں تیار ملبوسات کی صنعت نے بہت سے دریوں کا کاروبار جن میں بیشتر مسلمان ہیں ٹھپ کر دیا ہے۔ ان کاریگروں کو نئے پیداواری سلسلوں کا حصہ بن جانا چاہئے تھا۔ بشرط یہ کہ ان کے پاس مناسب ساز و سامان دستیاب ہوتا۔ حکومت کی اسکیموں کے تحت محض سلائی مشینوں کی فراہمی بے سود رہی اس کے ساتھ ہنر بھی فراہم کیا جاتا۔

ایسی آبادی کو خود مختار و برسر روزگار بنانے کے لیے ضروری ہے کہ اس کو بنیادی (اسکولی تعلیم) کے بعد ہنر کی تعلیم مہیا کی جائے جس سے کم وقت میں اور کم خرچ میں روزگار حاصل ہو جائے۔ اس کے لیے ووکیشنل ایجوکیشن کے ادارے قائم کرنا مسلمانوں کے لیے اشد ضروری ہے۔ مسلمانوں نے تعلیمی ادارے قائم کئے ہیں جو بیشتر روایتی تعلیم جسے بی۔ اے، بی۔ کام، بی۔ ایس سی، ایم۔ بی۔ اے، میڈیکل، انجینئرنگ کے کورسز ہیں، یہ کوششیں قابل ستائش تو ہیں لیکن زیادہ تر مسلمانوں کی ضرورت اور لیاقت کے مطابق نہیں ہیں، غریب اور روایتی طور پر تعلیم سے محروم مسلمانوں کے لیے بہت مشکل ہے کہ وہ اعلیٰ تعلیم میں کامیابی حاصل کر سکیں۔ ان کے لیے ایسی تعلیم کا انتظام کیا جائے جو کم سے کم وقت میں مکمل ہو اور زیادہ سے زیادہ روزگار حاصل کرنے کے مواقع فراہم ہو، اس لیے سردست تقاضہ ہنر

کی تعلیم کا ہے۔

دوئم: اعلیٰ تعلیم کے مقابلے میں ہنرمندی کی تعلیم حاصل کئے طالب علموں کو با آسانی روزگار دستیاب ہے۔ بہت سے طلبہ ایم۔ اے۔ اور پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کر کے بھی روزگار حاصل نہیں کر پاتے۔

سوئم: سرکاری ملازمتیں روز بروز کم ہوتی جا رہی ہیں اور مسلمانوں کی حصہ داری برائے نام ہے۔ مسلمانوں کے خلاف مذہبی تعصب بڑھتا جا رہا ہے ایسے ماحول میں حصہ داری بڑھانے کی زیادہ توقع کرنا غیر مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اب نوکریاں غیر سرکاری حلقوں میں ہیں جہاں لیاقت کو ترجیح دی جاتی ہے۔

چہارم: ہندوستان میں ووکیشنل ایجوکیشن کا تناسب بہت ہی کم ہے یا یوں کہا جائے کہ ہنر کی تعلیم کی خاطر خواہ ترقی ہی نہیں ہوئی۔ ہنرمندی کی تعلیم %5.86 طلبہ ہی ہنر کی تعلیم میں داخل تھے۔

یہ حقیقت حکومت ہند شدت کے ساتھ محسوس کر رہی ہے کیونکہ بغیر تعلیم ہنر کے معیشت کی ترقی محال ہے۔ اس لیے حکومت ہند مختلف طریقے کی پالیسی اور پروگرام کو فروغ دینے میں مصروف ہے۔

لہذا مسلمانان ہند کے لیے یہ بہترین موقع ہے کہ وہ تعلیم و ہنر سے آراستہ ہوں اور اپنی اور ملک کی ترقی کو فروغ دیں۔ فی الحال نوجوانوں میں فکر معیشت کے لیے خلیجی ملکوں میں ہجرت کا زور ہے ایسے میں تعلیم ہنر کی افادیت دو چند ہو جاتی ہے۔

ہندوستان میں مسلمانوں کے عصری علوم و فنون

کے ادارے

ڈاکٹر فصیح راغب گوہر

شعبہ علم قانون، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

تاریخی پس منظر:

ہندوستان میں مسلمانوں کے دور حکومت میں درس و تدریس کا انحصار حکمرانوں، امراء اور نوابین کی داد و دہش پر رہا۔ تعلیمی اداروں کے مصارف کی ذمہ داری عوام شاہی خزانے پر رہی۔ علما و مدرسین کو معاش کی جانب سے بے فکری رہی۔ لہذا مختلف قسم کی ہزاروں درسگاہیں، خانقاہیں اور تربیت گاہیں قائم تھیں جہاں متفرق مضامین بالخصوص قرآن و حدیث، فقہ، اصول فقہ، منطق، کلام اور تصوف وغیرہ کی تعلیم کا نظم تھا۔ باضابطہ اداروں کے علاوہ علما و فضلا شخصی طور پر بھی اپنے اپنے مستقل پر تعلیم و تعلم کی خدمات انجام دیا کرتے تھے۔

مسلمانوں کا یہ نظام تعلیم ۱۸۵۷ء تک قائم و دائم رہا۔ اس کے بعد جب مسلمانوں کا اقتدار چھین گیا اور انگریزوں کا تسلط قائم ہو گیا تو یہ نظام بھی درہم برہم ہو گیا۔ نئی حکومت کی پالیسی یہ طے پائی کہ اب اس طرح کا تعلیمی نظام رائج کیا جائے کہ اس ملک کا تعلیم یافتہ طبقہ انگریزی سرکار کے دفاتروں کا کام انجام دے سکے۔ عدالت میں فارسی کی جگہ انگریزی زبان نے پہلے ہی لے لی تھی اور تمام اہم اداروں اور عہدوں کے دروازے مسلمانوں کے لیے بند ہو چکے تھے۔

ان حالات میں مسلم مفکرین و مدبرین کی دو جماعتیں ابھر کر سامنے آئیں۔ ایک

جماعت کی نظر میں مسلمانوں کی چوڑی زبوں حالی کا علاج جدید علوم و فنون کی حصول یابی تھا۔ اس جماعت کا زور اس پر تھا کہ مسلمانوں کو جدید سائنس اور فلسفے سے لیس کیا جائے تاکہ بدلتے نظام اور حالات کا سامنا کر سکیں۔ سماجی اور اقتصادی اصلاح ہو اور ان کا خود پر اعتماد بحال ہو۔ اس جماعت کے سربراہ سر سید احمد خاں تھے۔ ان کے فکر و عمل کی سخت مخالفت ہوئی لیکن وہ اسی راہ پر گامزن رہے۔ اپنے ویژن اور مشن کی وضاحت سر سید نے ان الفاظ میں کی:

”فلسفہ ہمارے دامن ہاتھ میں ہوگا۔ نیچرل سائنس بائیں ہاتھ میں اور اللہ اللہ محمد رسول اللہ ﷺ کا تاج سر پر ہوگا۔“

مفکرین اسلام کی دوسری جماعت کا نظریہ یہ تھا کہ اب ہندوستان میں اسلام و مسلمان کی بقا کا واحد ذریعہ اسلامی تعلیمات ہیں۔ لہذا دینی درسگاہیں اور اسلامی ادارے قائم کیے جائیں۔ آج کل ہندوستان میں مسلمانوں کے جو دینی و دنیاوی ادارے اور تعلیم گاہیں قائم ہیں وہ انہیں دونوں نقطہ نظر کی ترجمان ہیں اور اپنے اپنے نظریے کے مطابق مسلمانوں کی علمی، دینی اور دنیوی تعمیر و ترقی میں مصروف عمل ہیں۔ اب ان میں سے کسی ایک کو درست اور دوسرے کو غلط قرار دیا جائے تو بجائے اتحاد و اتفاق کے انتشار و خلفشار ہوگا۔ دونوں ہی قسم کے ادارے اہمیت کے حامل ہیں۔

جہاں تک دینی اداروں، خانقاہوں و تربیت گاہوں کی خدمات کا تعلق ہے اسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ مثلاً انہیں مدارس کے فارغین میں وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے اپنی دورانہ نشی اور بالغ نظری کا ثبوت دیتے ہوئے مسلمانوں کے عصری تعلیم کے اسکول و کالج اور یونیورسٹی کی بنیاد رکھی۔ چنانچہ جامعہ ملیہ اسلامیہ کی بنیاد شیخ الہند مولانا محمود الحسن نے رکھی تھی۔ مولانا محمد علی جوہر نے اس ادارے کی نشوونما میں اہم رول ادا کیا۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے لیے علامہ شبلی نعمانی کی عظیم خدمات کو تاریخ نظر انداز نہیں کر سکتی۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے علماء ہیں جنہوں نے نہ صرف مسلمانوں کی دینی تعلیم کی طرف توجہ دی بلکہ ان کو عصری تعلیم سے بھی آراستہ کرنے کے لیے ادارے قائم کیے۔ عصر حاضر میں مفکر ملت پروفیسر سید محمد امین میاں قادری صاحب نے جو البرکات ایجوکیشنل انسٹی ٹیوشنز کے نام سے جو ادارہ قائم کیا ہے وہ اپنے عزائم و مقاصد کی طرف کامیابی کے ساتھ رواں دواں ہے۔

اس ادارے کی مزید تفصیلات آگے بیان کی گئی ہے۔ ایک بہت اہم بات جو یہاں قابل ذکر ہے وہ یہ کہ یہ ادارہ اپنے انفراسٹرکچر کا استعمال دوپہر کے بعد غریب بچوں کے لیے بھرپور طریقے سے کرتا چلا آ رہا ہے۔

ملک کی آزادی کے حوالے سے دیکھا جائے تو اس میں بھی مدرسوں کا ایک اہم کردار سامنے آتا ہے۔ چنانچہ ہندوستان کو آزاد کرانے میں جن مسلمانوں نے نمایاں کردار ادا کیا ہے ان میں سے ایک بڑی تعداد مدارس کے علماء و فضلاء کی تھی۔

مدارس کے تعلیمی نصاب کے ساتھ عصری/جدید مضامین کے اضافے کی پیش کش کو جو لوگ ناپسند کرتے ہیں یا مدارس سے منسلک لوگوں کے عصری علوم کی تعلیم گاہوں کے قیام کی کوشش کو شبہ کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ان کو یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ اسلام نے عصری علوم کے حصول سے منع نہیں کیا ہے بلکہ ان علوم کو بھی حاصل کرنے کی ترغیب دی ہے۔ ہاں البتہ یہ بات ضروری ہے کہ عصری تعلیم گاہوں میں بنیادی دینی تعلیم کا نصاب بھی شامل کر لیا جائے تاکہ دین دار ڈاکٹر، دین دار انجینئر، دین دار منیجر اور دین دار وکیل اور جج بن کر یہاں کے فارغین مختلف شعبوں میں اسلامی فکر و عمل کی ترجمانی کریں۔

تعلیمی شعبے میں مسلمانوں کی شرح:

ہندوستان میں مسلمان زندگی کے دیگر شعبوں کی طرح تعلیم کے میدان میں دیگر ابنائے وطن کے مقابل بہت پیچھے ہیں۔ اعلیٰ تعلیم کے شعبے میں مسلم طلبہ کے اندراج کی شرح قومی شرح ۲۳.۶ فیصد سے بہت کم ۲۰۰۰ سے ۲۰۱۰ء کے ختم تک اعلیٰ تعلیم کے شعبے میں مسلم طلبہ کے ناموں کے اندراج کی فیصد ۵.۲ سے بڑھ کر ۱۳.۸ فیصد ہوئی۔ اس کے برعکس دیگر پسماندہ طبقات کا تناسب ۲۲.۱ فیصد، درج فہرست ذاتوں کا ۱۸.۵ فیصد رہا۔ صرف درج فہرست قبائل ہی ۵.۵ کے ساتھ مسلمانوں سے پیچھے ہیں۔

جہاں تک خواندگی کی شرح کا سوال ہے مسلمانوں میں یہ ۵۹.۱ فیصد، درج فہرست ذاتوں میں ۵۴.۷ فیصد اور درج فہرست قبائل میں ۴۷.۱ فیصد ریکارڈ کی گئی ہے۔ آبادی کے تناسب میں دیکھا جائے تو مسلمانوں کی حالت درج فہرست ذات و قبائل سے بدتر ہے۔

مسلم مرد اور خواتین میں بھی کافی تعلیمی تفاوت پایا جاتا ہے۔ ابتدائی سطح پر مسلم خواتین کا تناسب غیر مسلم خواتین سے ۱۱ فیصد کم ہے۔ مڈل کی سطح پر یہ فاصلہ مزید بڑھ جاتا ہے۔ ۱۹/۱۰ اور ۳۵ کے درمیان پہنچ جاتا ہے۔

ہندوستانی مسلمانوں کی زبوں حالی مختلف رپورٹوں اور کمیشنوں کے حوالے سے بیان کی جاتی رہی ہے۔ حالیہ برسوں میں سچر کمیٹی اور رنگنا تھن کمیشن کی رپورٹ سامنے آچکی ہیں۔ جن میں تعلیمی، معاشی، معاشرتی اور دیگر سطحوں پر مسلمانوں کی پسماندگی بیان کی جا چکی ہے۔ دونوں کمیٹیوں کو کانگریس کی قیادت والی ترقی پسند اتحاد حکومت نے قائم کیا تھا لیکن اس پر صدق دل سے عمل نہ ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کو اس کا فائدہ نہیں پہنچا پایا۔

آزاد ہند کے ۶۹ سال میں اس حکمران قوم کا مقام ملک کے درج فہرست قبائل اور درج فہرست ذاتوں کے مماثل ہو گیا ہے۔ دراصل تعلیمی اعتبار سے حکومت نے یہ کیا کہ جہاں جہاں مسلمانوں کی آبادی زیادہ ہے وہاں اسکول و کالج کے قیام سے اجتناب برتا گیا۔ پیشہ ورانہ کالج اور تکنیکی ادارے وہاں نہیں کھولے گئے۔ اس کے علاوہ ترقی کا رخ ہمیشہ ان علاقوں سے موڑا گیا۔ جہاں مسلمان کثیر تعداد میں رہتے ہیں۔ مسلمانوں کے کسی محلے اور کسی علاقے میں اگر تھوڑی بہت خوش حالی نظر آتی ہے تو بیشتر وہ لوگ ہیں جو خلیج میں رہتے ہیں یا ان کا کوئی رشتہ دار بیرون ممالک میں رہتا ہے۔

سچر کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں یہ بھی انکشاف کیا تھا کہ ہندوستان بھر میں میڈل اسکول کی تعلیم مکمل کرنے والے نصف سے زیادہ مسلم بچے سکندری اسکول کو دوران تعلیم ترک کر دیتے ہیں۔ ان حقائق پر غور کرنے کے بعد اس کا اعتراف بھی ضروری ہے کہ مسلمانوں کی جہالت تعلیمی پسماندگی، معاشی ابتری اور معاشرتی زوال کے لیے جہاں حکومت ذمہ دار ہے وہیں مسلمانوں کی لیڈر شپ بھی کم ذمہ دار نہیں۔ مسلم لیڈرز نے مسلمانوں کی ترقی کے بارے میں سنجیدگی سے سوچا ہی نہیں۔

حکومت کی تعلیمی پالیسی اور ذمہ داری:

آزادی کے بعد ملک کی ترقی کے لیے مختلف شعبوں کے لیے پالیسی مرتب کی

گئی۔ پالیسی کی بنیاد دستور بنا اور ملک کے کچھڑے غریب اور سماج کے سب سے کمزور طبقہ کو دھیان میں رکھتے ہوئے ترقی کا ماڈل طے کیا گیا۔

سبھی حکومتوں نے یہ تسلیم کیا کہ بغیر تعلیمی ترقی کے ملک کی ترقی ممکن نہیں ہے۔ اس کے باوجود جو صورت حال ہے وہ اوپر ذکر کیے گئے اعداد و شمار سے ظاہر ہے۔

ہندوستان کے آئین کے وجود میں آنے سے قبل ۱۹۳۸ء میں رادھا کرشنن کمیٹی کی تشکیل دی گئی تھی۔ اس نے بھی تعلیم کے بنیادی اصول مرتب کیے تھے آزادی کے بعد کوٹھاری کمیشن نے بھی تعلیمی حالت کا احاطہ کر کے نئی تعلیمی پالیسی طے کی تھی۔ اس دوران آپریشن بلیک بورڈ چلایا گیا لیکن نتیجہ کوئی خاص برآمد نہیں ہو سکا۔

تعلیمی ترقیاتی رپورٹ کے مطابق شمالی ہند کی تین ریاستیں یوپی، بہار اور جھارکھنڈ ملک کی دیگر ریاستوں کے مقابلے میں کافی پیچھے ہیں۔

ورلڈ بینک کے ذریعے چلنے والی ”اسکول چلو“ کی مہم بھی صرف کاغذوں تک محدود رہی۔ مڈے میل کی اسکیم بھی تعلیم عام کرنے میں ناکام ثابت ہوئی۔ کچھ متر کا تصور

بھی احتجاج اور مظاہروں کا شکار ہوا۔

رنگنا تھن اور سچر کمیٹی کی رپورٹ اور سفارشات پر بھی آج تک توجہ نہیں دی گئی۔ سچر کمیٹی کی رپورٹ کا ایک اور سچ غور طلب ہے کہ مدارس میں کل ۴ فیصد مسلم بچے ہی زیر تعلیم ہیں۔ حالانکہ اس شرح پر سب لوگ اتفاق نہیں کرتے۔ اگر حقیقتاً مدارس میں زیر تعلیم بچوں کی تعداد اتنی قلیل ہے تو مدارس کے نصاب کے ساتھ چھیڑ چھاڑ مناسب نہیں۔ یہ خالصتاً مذہبی فریضہ انجام دینے پر کاربند رہیں تو بہتر ہے۔

Knowledge Commission Report. 2006 (KCR) جس نے سیم پٹروڈا کی صدارت میں اپنی رپورٹ پیش کی کہ ہندوستان میں تعلیم عام کرنے کے لیے بڑے پیمانے پر اسکول و کالج قائم کرنے کی ضرورت ہے۔ اس رپورٹ کے مطابق ملک میں ۵۰۰ یونیورسٹی کا قیام اب تک عمل میں آچکا ہے۔ ہزاروں کالج اور لاکھوں اسکول ہیں۔ لیکن مسلمانوں کے ادارے پر اس میں کوئی خصوصی بحث نہیں موجود ہے۔

نیشنل کمیشن فار مائنارٹیز ایجوکیشنل انسٹیٹیوٹس نے جسٹس ایم ایس اے صدیقی کے زیر صدارت ظہور پذیر ہوئی اس نے ملک بھر کے تمام مدارس کو ایک مرکزی مدرسہ بورڈ کے اندر لانے کی پیش کش کی ہے اس یقین دہانی کے ساتھ کہ بنیادی مذہبی کردار کو نہیں چھیڑا جائے گا۔ ورلڈ کانفرنس آن ایجوکیشن فار آل، تھائی لینڈ ۱۹۹۰ء کے پیش نظر آئین کے آرٹیکل

۲۵ کی روشنی میں The child right for free education Act. 2009 وجود میں آیا اس کے مطابق چھ سے چودہ سال کے بچوں کی تعلیم حکومت کی ذمہ داری ہے۔ مختصر یہ کہ قوانین اور اسکیموں کی کمی نہیں ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ نفاذ مستعدی سے ہو۔ مسلمانوں کو بھی متفقہ طور پر اپنی تعلیم کے حق کے لیے مہم چلانا چاہیے۔

عصری تعلیم کے مراکز اور خدمات:

مسلمانوں کے عصری تعلیم کے مراکز سینکڑوں کی تعداد میں ملک بھر میں ہیں لیکن جن کی بہت نمایاں حیثیت ہے اُن کا بیان نیچے کیا گیا ہے۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ:

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی صرف ایک تعلیمی ادارہ نہیں بلکہ ایک مستقل تحریک ہے جس کی بنیاد سرسید اور ان کے رفقاء نے ۱۸۵۷ء کے غدر کی ناکامی کے بعد شروع کی تھی۔ یہ بات حقیقت ہے کہ تعلیم کے اس چراغ کی لو آج مدھم ہو چکی ہے پھر بھی ملک کی یہ واحد یونیورسٹی ہے جو بہت بڑے پیمانے پر مسلمانوں کی تعلیمی ضروریات کو پورا کرنے میں سرگرم عمل ہے۔ عصری علوم و فنون کے شعبہ جات کے علاوہ یہاں دنیوی تعلیم کا شعبہ بھی موجود ہے اور اپنی روایتی مشن کے ساتھ اسلامی اقدار کو بحال رکھنے پر کاربند ہے۔ اس کا قیام سرسید نے آکسفورڈ اور کیمبرج یونیورسٹی کے پٹرن پر کیا تھا۔ مدرسۃ العلوم کے نام سے اس کی بنیاد رکھی گئی جس نے مجڈن اینگلو اور نیشنل کالج کی شکل اختیار کی۔ شروع میں اس کا الحاق یونیورسٹی آف کولکاتا سے ہوا پھر الہ آباد یونیورسٹی سے الحاق ۱۸۸۵ء میں ہوا۔ ۱۹۲۰ء میں اسے یونیورسٹی کا درجہ ملا۔ آج اس میں ۱۳ فیکلٹیز، ۹۸ شعبے اور ۱۵ سینٹرز ہیں۔ اس کے تین سینٹرز ملا پورم، مرشد آباد اور کشن گنج میں واقع ہیں۔ اس کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ تقریباً چالیس

ہزار طلبہ اور اسٹاف مختلف ہالوں اور کوارٹرز میں رہ رہے ہیں۔

جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی:

ملک کی دار الحکومت دہلی میں واقع یہ یونیورسٹی عصری علوم و فنون کا گہوارہ ہے۔ اس کا قیام ۱۹۲۰ء میں علی گڑھ میں خلافت موومنٹ کے دوران عمل میں آیا۔ اس کی نشوونما میں ڈاکٹر ذاکر حسین کا بڑا نمایاں کردار رہا ہے۔ ۱۹۹۸ء میں ایکٹ آف پارلیمان کے تحت اسے مرکزی یونیورسٹی کا درجہ مل گیا۔ اس کے اقلیتی کردار کو حکومت ہند نے تسلیم کیا لیکن عدالت میں چیلنج بھی کیا جا چکا ہے۔ معاملہ زیر سماعت ہے۔

عالیہ یونیورسٹی، کلکتہ:

اس کی تاریخ ۲۳۵ سالہ ہے۔ انگریزی حکومت کے دور میں اس کا قیام عمل میں آیا۔ اس کا سفر بھی مدرسہ سے شروع ہوا۔ فارسی، عربی اور دینی مطالعے کے مراکز کے علاوہ یہاں علم حیات، علم کیمیا، علم طبیعیات، ریاضیات، علم خلائیات اور طب کی تعلیم کا بھی نظم ہے۔ اس ادارے کو یونیورسٹی کا درجہ یو جی سی نے ۲۰۰۷ء میں دیا۔

جامعہ ہمدرد، دہلی:

اعلیٰ عصری تعلیم کا یہ ایک مشہور اور معروف ادارہ ہے۔ اس میں اسلامی تہذیب و تمدن کی فضا بھی قائم ہے اور جدید تقاضوں کو بھی پورا کرتی ہے۔ اس کو ۱۹۸۹ء میں ٹوبی یونیورسٹی کا درجہ ملا۔ مسلم اقلیت کی فلاح میں اس نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ ۱۹۶۴ء میں ہمدرد نیشنل فاؤنڈیشن نے اس کی بنیاد رکھی تھی۔ یہ یونانی طب، اسلامی تعلیمات، با یوسائنسز، فارمیسی اور زسنگ کی ٹریننگ کے لیے مشہور ہے۔ کمیوٹراپیکیشن، بزنس مینجمنٹ، فیزیوتھریپی کے شعبہ جات بھی نہایت قابل قدر ہیں۔

مہاراشٹر اکوسموپولیشن ایجوکیشن سوسائٹی، پونے:

۱۹۲۸ء میں مرحوم عبدالقادر خاں نے اس کی بنیاد پسماندہ طبقوں کی ضرورتوں کے پیش نظر رکھی۔ آج کل ماہر تعلیم پیر پاشا حسینی انعام دار کے زیر نگرانی یہ ادارہ بحسن خوبی

تعلیمی فریضہ انجام دے رہا ہے۔ جدید دور کے سارے اہم ترین کورسز یہاں چل رہے ہیں۔ مسلم اقلیت کا یہ ایک قابل فخر ادارہ ثابت ہو چکا ہے۔

مولانا محمد علی جوہر یونیورسٹی، رامپور:

اس ادارے کا قیام ۲۰۰۶ء میں ایکٹ آف اسٹیٹ لیجسلیچر آف اتر پردیش کے تحت عمل میں آیا ہے۔ موجودہ یو پی گورنمنٹ کی کابینہ کے وزیر اعظم خاں اس یونیورسٹی کے چانسلر ہیں۔ بہت کم عرصے میں اس یونیورسٹی نے ترقی کی۔ ۳۵۰ ایکڑ کی اراضی پر پھیلا ہوا یہ ادارہ پسماندہ طبقات اور مسلم اقلیت کے لیے ایک اہم تحفہ ہے جو موصوف کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ بہت جلد یہاں میڈیکل انسٹی ٹیوٹ جوہر انسٹی ٹیوٹ آف میڈیکل سائنسز (J.I.S.M) شروع ہونے والا ہے۔

البرکات ایجوکیشنل انسٹی ٹیوشنز، علی گڑھ:

یہ ادارہ البرکات ایجوکیشن سوسائٹی کی نگہداشت میں قائم و دائم ہے۔ عصری علوم و فنون کے نظم و نسق کے علاوہ یہاں روحانیت کی فضا و زوال سے موجود ہے۔ اس سوسائٹی کا قیام ۱۹۹۵ء میں فارسی اور ہندی کے صوفی شاعر سید شاہ برکت اللہ مرحوم و مغفور کی یاد میں عمل میں آیا۔ مذکورہ سوسائٹی مارہرہ شریف ایٹھ، یو پی کی خانقاہ برکاتیہ کے بزرگان دین سے فیض اور تحریک حاصل کرتی ہے اور اس کی صدارت حضرت امین میاں قادری کے ذمہ ہے۔ مینجمنٹ ایجوکیشن، کمپیوٹر ایجوکیشن اور بزنس اسٹڈیز کے انسٹی ٹیوٹ کے علاوہ بچوں اور بچیوں کے اسکول بھی اس کے اندر موجود ہیں جس میں کمزور طبقے کے بچوں کو مفت تعلیم فراہم کی جاتی ہے۔ اس سوسائٹی کے زیر اہتمام تمام اداروں میں طلبہ و طالبات کی شخصیت سازی اور کردار سازی پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔

مذکورہ اداروں کے علاوہ ملک بھر میں مسلم اقلیت کے زیر انتظام چلنے والے عصری علوم و فنون کے متعدد ادارے موجود ہیں جن کی تفصیل بیان کیے بغیر ایک مختصر فہرست کورسز کے اعتبار سے پیش کی جا رہی ہے تاکہ مسلم طلباء و طالبات اپنے شوق اور ضرورت کے مطابق ان سے رجوع کر سکیں اور اپنے کیریئر کو خوب سے خوب تر بناسکیں۔

میڈیکل کالج

- ۱- ڈیکن کالج آف میڈیکل سائنس
- ۲- ڈاکٹروی آرکے ویمنس میڈیکل کالج
- ۳- فاطمہ انسٹی ٹیوٹ آف میڈیکل سائنسز
- ۴- شاہ انسٹی ٹیوٹ آف میڈیکل سائنسز
- ۵- کٹیہار میڈیکل کالج
- ۶- خواجہ بندہ نواز انسٹی ٹیوٹ آف میڈیکل سائنسز
- ۷- الامین میڈیکل کالج
- ۸- عزیز میڈیکل کالج
- ۹- الاظہر میڈیکل کالج
- ۱۰- ہمدرد انسٹی ٹیوٹ آف میڈیکل سائنسز اینڈ ریسرچ

انجینئرنگ کالج

- ۱- یونس سلطان کالج آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی
- ۲- الحبیب کالج آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی
- ۳- قبا کالج آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی
- ۴- مولانا آزاد کالج آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی
- ۵- مدنیہ کالج آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی
- ۶- الفلاح اسکول آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی
- ۷- ایس ایس ام کالج آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی
- ۸- انجمن انسٹی ٹیوٹ آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی
- ۹- الہیہ کالج آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی
- ۱۰- انجمن اسلام کلیسیک ٹیکنیکل کیمپس

ضلع

- ۱- حیدرآباد
- ۲- عزیزنگر
- ۳- کڈپا
- ۴- کڈپا
- ۵- کٹیہار
- ۶- گلبرگہ
- ۷- گلبرگہ
- ۸- کولم
- ۹- ایدوکی
- ۱۰- دلی

ضلع

- ۱- آرا
- ۲- آرا
- ۳- نیلور
- ۴- پٹنہ
- ۵- پورنیہ
- ۶- فریدآباد
- ۷- بارہ مولہ
- ۸- بھٹکل
- ۹- موہوت پوزہا
- ۱۰- ممبئی

صوبہ

- ۱- آندھرا پردیش
- ۲- آندھرا پردیش
- ۳- آندھرا پردیش
- ۴- آندھرا پردیش
- ۵- بہار
- ۶- کرناٹک
- ۷- کرناٹک
- ۸- کیرل
- ۹- کیرل
- ۱۰- دلی

صوبہ

- ۱- آندھرا پردیش
- ۲- آندھرا پردیش
- ۳- آندھرا پردیش
- ۴- بہار
- ۵- بہار
- ۶- ہریانہ
- ۷- جموں و کشمیر
- ۸- کرناٹک
- ۹- کیرل
- ۱۰- مہاراشٹر

میمنجٹ کالج

- ۱- البرکات انسٹی ٹیوٹ آف بزنس اسٹڈیز
- ۲- حیدرآباد اسکول آف میمنجٹ
- ۳- منار کالج آف میمنجٹ
- ۴- سیوان انجینئرنگ اینڈ ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ
- ۵- اقبال انسٹی ٹیوٹ آف میمنجٹ
- ۶- ملک دینار انسٹی ٹیوٹ آف میمنجٹ اسٹڈیز
- ۷- صاحب انسٹی ٹیوٹ آف میمنجٹ اینڈ ریسرچ
- ۸- رضوی انسٹی ٹیوٹ آف میمنجٹ اینڈ ریسرچ
- ۹- جمال احمد کالج
- ۱۰- اے سی این کالج آف بزنس

کمپیوٹر سائنس کالج

- ۱- مہتمم جاہ کالج آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی
- ۲- مولانا مختار احمد ندوی ٹیکنیکل کیمپس
- ۳- سہارنپور انسٹی ٹیوٹ آف ایڈوانسڈ اسٹڈیز
- ۴- ایم اے ایم کالج آف انجینئرنگ
- ۵- مولانا آزاد ایجوکیشنل ٹرسٹ، ٹوم پیٹرک انسٹی ٹیوٹ
- ۶- آف کمپیوٹر سائنس اینڈ ٹیکنالوجی
- ۷- پونہ انسٹی ٹیوٹ آف میمنجٹ سائنسز اینڈ ٹریڈنگ
- ۸- برنداون کالج
- ۹- محمد صادق کالج آف آرٹس اینڈ سائنس
- ۱۰- عالم محمد صالح کالج آف انجینئرنگ

ضلع

- ۱- علی گڑھ
- ۲- حیدرآباد
- ۳- تمام
- ۴- سیوان
- ۵- جموں و کشمیر
- ۶- کاسرگود
- ۷- اندور
- ۸- ممبئی
- ۹- تیروچیلپلی
- ۱۰- علی گڑھ

صوبہ

- ۱- آندھرا پردیش
- ۲- مہاراشٹر
- ۳- یوپی
- ۴- تمل ناڈو
- ۵- اورنگ آباد
- ۶- پونہ
- ۷- بنگلور
- ۸- شولنگ نلور، چنئی
- ۹- اتاسلائی
- ۱۰- کوڈی کوڈ

طب یونانی کالج

۱-	ڈاکٹر عبدالحق یونانی میڈیکل کالج و ہسپتال	کتور	آندھرا پردیش	صوبہ
۲-	گورنمنٹ طبی کالج	پٹنہ	بہار	
۳-	نظامیہ یونانی میڈیکل کالج ہسپتال	گیا	بہار	
۴-	محسن ملت میڈیکل کالج ہسپتال	رائے پور	چھتیس گڑھ	
۵-	کشمیر طبیہ کالج ہسپتال اینڈ ریسرچ سینٹر	سری نگر	جموں و کشمیر	
۶-	الفاروق یونانی طبی کالج	اندور	مدھیہ پردیش	
۷-	احمد غریب یونانی میڈیکل کالج اینڈ السلام ہسپتال	اکل کودا	مہاراشٹرا	
۸-	آیور ویدیا اینڈ یونانی طبی کالج	دلی	دلی	
۹-	راجپوتانہ آیور ویدیا اینڈ یونانی طبی کالج	جے پور	راجستھان	
۱۰-	علی گڑھ یونانی میڈیکل کالج اینڈ ہسپتال	علی گڑھ	اتر پردیش	

موجودہ خدشات اور امکانات:

کچھ لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ عصری تعلیم سے دین اور اسلام کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ تو یہ ایک مفروضہ ہے جو سراسر غلط ہے۔ اسلام کی تاریخ میں ایک سے بڑھ کر ایک سائنس داں اور فلسفی حکیم اور طبیب پیدا ہوئے۔ ان میں سے چند نام بطور مثال پیش کیے جاسکتے ہیں۔ خالد بن یزید، ابراہیم الفزری، الخوارزمی، الفرغانی، الفارابی، ابوسعید الجرجانی، ابونصر منصور، ابن الہیثم، عمر خیام، الخرنی، شمس الدین شرنقدی، جابر ابن حیان، ناصر الدین طوسی، ابن خلدون، ابن سینا، الکندی، ابوریحان البیرونی، الحازم، ابوالحسن الطہری وغیرہ وغیرہ۔ لہذا عصری علوم کو نظر انداز کرنا اس حقیقت کو نظر انداز کرنے کے مترادف ہوگا۔ لہذا آج ضرورت ہے سرسید کے مشن کی مستحکم انداز میں پیروی کی جائے۔

جہاں تک اسلامی درسگاہوں کی بقاء و سلامتی کا سوال ہے اس کے تعلق سے رائٹ ٹو ایجوکیشنل ایکٹ ۲۰۰۹ء کے امکانات اور خدشات پر غور و فکر کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ قانون کا نفاذ اگر مکمل طور پر ہو جائے تو روایتی اداروں کے لئے بڑی مشکلیں پیدا ہو

جائیں گی۔ یہ ایکٹ تعلیم کو عام کرنے کی غرض سے لایا گیا لیکن اس کے اندر ایک پہلو یہ بھی ہے کہ یہ ان اداروں کو Recognize بھی کرنے کی بات کرتا ہے۔ لیکن کچھ شرائط کو الٹی اور اسٹنڈ رائزیشن کے پیش نظر آتا ہے۔ مثلاً اسکول مینجمنٹ کمیٹی، طلباء و اساتذہ کا تناسب، نصاب کا تعین، اساتذہ کی تقرری کا طریقہ کار، درس و تدریس کا طریقہ کار وغیرہ۔ آنے والے وقت میں تعلیم یافتہ وہی کہلائے گا جس نے Recognize کیے ہوئے ادارے سے تعلیم حاصل کی ہو۔ اور مسلم اداروں کے لئے Recognition حاصل کرنا ایک چیلنج ہوگا۔

مڈڈے میل جیسی اسکیمیں اور غریب بچوں اور ان کے والدین کا رُخ مدارس کے بجائے دیگر اسکولوں کی طرف موڑ سکتی ہیں۔ حکومت کی ان اسکیموں کے باوجود مدارس میں دلچسپی بنائے رکھنا ایک مجاہدہ ہے۔

آج Privatization اور Commercialization کا زور و شور زندگی کے ہر شعبے پر ہے۔ تعلیمی نظام بھی اس سے دوچار ہے۔ ظاہر ہے اس کے نتائج پسماندہ طبقوں اور اقلیتوں کے لیے ناسازگار ہوں گے۔

موجودہ دور میں پٹنہ، رانچی، کانپور، الہ آباد اور کوٹہ میں کوچنگ سینٹر ایک انڈسٹری کی شکل اختیار کر چکے ہیں ہر لحاظ سے حکومت بھی ان سینٹرز کو سہولیات فراہم کرتی ہے ایسے میں مسلم طلباء کو ان کا فائدہ اٹھانے کے لئے تیار کرنا ہوگا۔ اس کے لئے کوئی لائحہ عمل تیار کرنا ہوگا۔ آج شمالی ہند میں تعلیمی اداروں کا فقدان ہے۔ ایسے میں بڑی تعداد میں طلباء جنوبی ہند کا سفر کرنے پر مجبور ہیں۔ جنوبی ہند کی تین ریاستیں تمل ناڈو، کرناٹک اور آندھرا پردیش میں تعلیمی ادارہ میں داخلہ کے لیے ایڈمیشن کنسلٹیو سیکٹروں کی تعداد میں کھلے ہیں۔ ایسے بے شمار مسائل ہیں جن سے واقفیت ضروری ہے تاکہ ان کا حل تلاش کیا جاسکے۔

جہاں تک حکومت کی ذمہ داری کا سوال ہے حکومت نے مسلمانوں کی تعلیم کو سنجیدگی سے کبھی نہیں لیا بلکہ اسے بوجھ سمجھا گیا۔ ایسی صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لیے مسلمانوں کو دیگر کچھ طبعوں کے ساتھ مل کر ایک مہم چلانی ہوگی تاکہ حالات کو سازگار بنایا جاسکے اور کھویا ہوا اعتماد بحال کیا جاسکے۔

ہندوستان میں عصری علوم کے اداروں کے قیام کا تاریخی پس منظر

مولانا توفیق احسن برکاتی، ممبئی (مہاراشٹرا)

تعلیم کی اہمیت:

تعلیم کی اہمیت ہر زمانے میں مسلم رہی ہے، علم وہ جوہر ہے جو قوموں کی تقدیریں سنوارتا ہے، علم جہاں زندگی کی کلید ہے، علم کے دامن میں پنہا لینے والی قوم فاتح زمانہ کہلاتی ہے اور علم سے بے پروا قوم ہمیشہ دنیا کی ٹھوکروں میں رہتی ہے، علم سے بندہ اپنے خالق و مالک تک پہنچتا ہے اور معرفت حق کی دولت سے مالا مال ہوتا ہے۔ علم شعور و آگہی سکھاتا ہے، علم جینے کا سلیقہ دیتا ہے، علم سے دنیا بنتی ہے اور علم ہی سے آخرت سنورتی ہے۔ علم ایک روشنی کا نام ہے جس سے دل و دماغ میں اجالا پیدا ہوتا ہے، علم اچھے بُرے کی تمیز دیتا ہے، کھرے کھوٹے کی پہچان کراتا ہے، علم نہ ہو تو بندہ حق و باطل میں امتیاز نہ کر پائے، سفید و سیاہ کا فرق نہ سمجھے۔ اللہ عز و جل نے دنیا کو جہان اسباب بنایا ہے، یہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے، یہاں بندہ جو بوئے گا وہی کاٹے گا، دنیا میں کی گئی نیکیاں عقبیٰ میں کام آنے والی ہیں، دنیا میں کاشت کیے گئے اعمالِ حسنہ بروز قیامت مفید ثابت ہوں گے۔ ایک بندہ مومن ہر روز یہ دعا کرتا ہے: ”ربنا اتنا فی الدنیا حسنة و فی الآخرة حسنة و قنا عذاب النار.“ (اے اللہ! ہمیں دنیا کی بھلائی عطا فرما، آخرت کی بھلائی عطا فرما اور جہنم کے عذاب سے محفوظ فرما۔) بندوں کو یہ دعا قرآن مجید میں ارشاد فرمائی گئی ہے، یہ بہت بڑا ثبوت ہے کہ ہمیں اپنی دنیا کے متعلق بھی سوچنا ہے اور عقبیٰ کو دھیان میں رکھنا ہے اور دونوں جہان کی بھلائی اور کامیابی کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہمہ وقت دعا گورہنا ہے۔ دینی

تعلیم سے مذہب کی آگہی ملتی ہے، قرآن و حدیث کا علم حاصل ہوتا ہے جو دنیا میں سرخ روئی کا سبب اور عقبیٰ میں کامیابی کی کلید ہے، کہ اس کے بغیر ہم شریعت پر عمل کے مجاز نہیں ہو سکتے اور عصری دنیاوی تعلیم سے ہمیں دنیاوی شعور ملتا ہے کہ اس کے بغیر ہم اپنے مذہب پر عمل کرنے کا حق حاصل نہیں کر سکتے۔

ہندوستان کی قدیم دانش گاہیں:

ملک عزیز ہندوستان میں روایتی مدارس کا قیام سلطان محمود غزنوی کے دور سے ہوا، علم دوستی اور علمانوازی اس بادشاہ کے محبوب مشاغل تھے، اس کے دربار میں علما و فضلا کی ایک جماعت حاضر رہا کرتی تھی، اسی با اثر صحبت نے اسے قیام مدارس اور تعمیر مساجد کا شوق بخشا اور اس نے اپنی تمام تر توجہات اس اہم کام کی جانب ملتفت کر لیں۔ ۴۰۹ھ میں فتح قنوج سے واپسی کے بعد سلطان محمود غزنوی نے ایک شان دار، دیدہ زیب مسجد تعمیر کرائی پھر اسی کے کنارے ایک مدرسہ بھی قائم ہوا، جہاں تعلیم و تربیت کا عمدہ اور منظم کام کا آغاز ہوا، ارباب حکومت اور والیان مملکت نے بھی اس عمل خیر میں بھرپور تعاون دیا، سلطان کے بعد اس کے بیٹے نے اس پیش رفت کو دل و جان سے قبول کیا اور اپنی حدود ملکیت میں بہت سے مدارس قائم کیے اور فروغ علم و اشاعت حق کے سلسلہ کو آگے بڑھایا، غزنیوں کے آخری دور تک ملک کے طول و عرض میں لاتعداد مدارس اسلامیہ قائم ہو چکے تھے اور اپنے مشن پر کام کر رہے تھے، جنہوں نے نور علم و عرفان سے ہندوستانی فضاؤں کو نور بار کرونوں کی آماج گاہ بنا دیا۔ جب سلطان قطب الدین ایبک نے دہلی فتح کیا اور اسے تمام مقبوضہ شہروں میں دارالسلطنت منتخب کرنے کی باری آئی تو اس نے اسی شہر دہلی کو دارالحکومت کا درجہ دیا، جہاں اسلامی علوم و فنون کی قدیلیں پہلے ہی سے روشن تھیں، سلطان ایبک نے اسے مزید رنگ و روغن سے نوازا، جس سے اس شہر کی علمی مرکزیت میں چار چاند لگ گئے، قطب الدین ایبک کے دور میں ہی یہاں مدرسوں کے قیام کا سراغ ملتا ہے۔

عہد التمش میں دو بلند پایہ مدرسوں ”معزئیہ“ اور ”ناصریہ“ کے نام ملتے ہیں، عہد در

عہد قیام مدارس کا سلسلہ دراز ہوتا رہا، علم کی روشنی پھیلتی رہی، حق کا بول بالا ہوتا رہا، خاندانِ خلجی اور تغلق کے عہد حکومت میں بھی ان کے قیام پر خاص توجہ دی گئی، درحقیقت یہ سب اچھوں کی صحبت کا فیضان تھا، تاریخ بتاتی ہے کہ خاندانِ تغلق کا پہلا بادشاہ سلطان غیاث الدین اور پھر فیروز شاہ تغلق کو علما و فقہا کی صحبت سے خاص لگاؤ تھا، ان کی مجالس منعقد کی جاتیں، مذہبی و دینی معاملات زیر غور آتے، مذاکرے ہوتے اور اہم امور پر تبادلہٴ خیال بھی ہوتا، جس کا اثر یہ ہوا کہ علما کی صحبت کے اثرات مدارس کے قیام، مساجد کی تعمیر کی شکل میں نمودار ہونے لگے۔ محمد بن تغلق کے زمانے میں صرف دہلی میں ایک ہزار مدرسے تھے، فیروز شاہ کے دور حکومت میں اس زمانے کا قائم شدہ ”مدرسہ فیروز شاہی“ ہندوستان کا سب سے اچھا اور ممتاز مدرسہ تھا۔ عہد مغلیہ میں بھی قیام مدارس کے سلسلہ کو آگے بڑھانے پر کافی توجہ دی گئی، گرچہ اکبر آبادشاہ اپنی کم علمی اور جہالت کی وجہ سے گمرہی کے دلدل میں پھنس گیا، تاہم فروغِ دانش اور قیام مدارس میں کافی سرمایہ خرچ کیا، فتح پور سکری میں اکبر بادشاہ نے ایک بڑا مدرسہ قائم کیا تھا۔

اکبری دور میں ہر روز ایک نیا طوفان اٹھ کھڑا ہوتا تھا، ہر صبح ایک نئی بات سننے کو ملتی، ایک انقلاب نمودار ہوتا مگر اس مشکل گھڑی میں علمائے اہل سنت نے ان طوفانوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، انقلاب کا سرکچل کر رکھ دیا، مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی، شیخ محدث دہلوی، ملا عبدالحکیم سیال کوٹی، ملا جمال تلوی، علامہ بدایونی اور سلطان الملک نے اپنا خون جگر ڈال کر طوفان کی زد پر علم و فن کے چراغ جلانے، اس عمل کی پاداش میں اگرچہ انھیں سزائیں ملیں، ان پر تشدد کیا گیا، مگر ان کے پایہ ثبات میں لغزش نہ آئی، ایسے نازک وقت میں بھی انھیں مدارس کی فکر رہی اور ان کے ذریعہ انھوں نے علوم عقلیہ و نقلیہ کی ترویج و تدریس کا انتظام سنبھال لے رکھا۔

اکبری دور میں بہت سے مدارس رافضیوں اور ہندوؤں کے دباؤ سے بند ہو گئے تھے، جہاں گیر نے از سر نو انھیں آباد کیا، اس کے علاوہ جدید مدارس کا قیام عمل میں آیا، جن کے فضلاء نے دینی اور تبلیغی خدمات میں کافی اچھا رول ادا کیا۔ جہاں گیر کا بیٹا شاہ جہاں بھی

انھیں جذبات کا فرد فرید ثابت ہوا، اس نے بھی برصغیر میں اسلامی روایات اور علوم و فنون کی اشاعت میں کافی شوق و ذوق دکھایا، مدارس، مساجد اور مقابر بنوائے، اگرچہ اس نے فضول خرچی کرتے ہوئے خاصا سرمایہ تاج محل کی تعمیر میں لگا دیا، تاہم دانش گاہوں کے قیام کے سلسلے میں اس کی خدمات سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

اس کے بعد حضرت اورنگ زیب عالمگیر کا دور حکومت آتا ہے، جو خود زبردست عالم و فاضل تھے، انھوں نے تمام شہروں میں، صوبوں میں مدارس و مکاتب کا جال بچھا دیا، علما کو خوب نوازا، مشائخ کی کافی قدر کی، حتیٰ کہ ممتاز مفسر قرآن حضرت ملا احمد چوہن ایٹھوی علیہ الرحمہ کی شاگردی اختیار کی اور علوم و فنون کی اشاعت کے سلسلے میں ان کے گراں قدر مشوروں پر عمل کرتے رہے۔ یہ ان کی علم دوستی اور علما نوازی ہی ہے کہ آج بھی ہمارے درمیان عربی میں ایک عظیم ضخیم اور مستند فقہی جزییات کا انسائیکلو پیڈیا ”فتاویٰ عالمگیری“ موجود ہے جو فقہ حنفی کا بے مثل شاہکار تسلیم کیا جاتا ہے۔ عہد عالمگیری کے علما میں مولانا نظام الدین لاہوری کا نام بڑا اہم نام مانا جاتا ہے۔ آپ نے لاہور میں ایک عظیم الشان مدرسہ قائم کیا اور اس کے ذریعہ علم کو فروغ دیا، حق کی آواز دور تک پہنچائی، اس عہد میں ملک کے اندر بے شمار مدارس قائم ہوئے، ہندوستانی تاریخ میں اس عہد کو زریں عہد سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس درخشندہ عہد کے ختم ہوتے ہی ملک کا شیرازہ بکھرنے لگا، حرص و ہوس کے جراثیم نے مغل بادشاہوں پر اپنی پکڑ مضبوط کرنی شروع کر دی اور دین و دانش، علم و حکمت کی ساری بہاریں خزاں کی نذر ہو گئیں۔

عہد وسطی کے تعلیمی ادارے:

برطانوی استعماری دور سے قبل کے تعلیمی اداروں میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا مدرسہ رحیمیہ، فرنگی محل کا مدرسہ نظامیہ اور شاہ وجیہ الدین علوی گجراتی کا مدرسہ علویہ قابل ذکر ہیں، ایک دلی کی سرزمین پر علم و دانش کا چراغ جلانے ہوئے تھا، دوسرا لکھنؤ میں موجود تھا اور تیسرا دکن کے علاقے کا ممتاز تعلیمی ادارہ تھا اور علوم و فنون کی اشاعت میں منہمک تھا۔ ان

کے علاوہ ہندوستان بھر میں واقع خاندانوں سے متعلقہ مدارس میں روایتی تعلیم کا نظم تھا، جہاں کے فارغین مذہبی معاملات میں اہل اسلام کی رہبری کیا کرتے اور فتویٰ نویسی کا فریضہ نبھاتے تھے اور کچھ سلطنت کے انتظامی شعبہ میں اعلیٰ منصب پر فائز تھے۔ اب تک جن دانش گاہوں کا تذکرہ کیا گیا وہ بیک وقت شرعی علوم کی آماج گاہ تھے اور عقلی علوم کے ماہرین بھی وہاں سے فارغ ہوتے تھے جو حکومت کے مختلف شعبوں میں دفتری امور انجام دیتے تھے یعنی وہاں روایتی دینی علوم بھی پڑھائے جاتے تھے اور دنیاوی فنون کا نصاب بھی رائج تھا۔ جب فرنگیوں نے ہندوستان میں اپنے پیرجمانے شروع کیے اور آہستہ آہستہ انھیں غلبہ حاصل ہونے لگا تو انھوں نے روایتی مدارس کا ناطقہ بند کرنے کی ہمہ دم کوششیں شروع کر دیں، اس لیے کہ ان تعلیمی اداروں میں علما کی وہ جماعت پروان چڑھ رہی تھی جس سے ان کی حکومت کو سخت خطرات لاحق تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۸۵۷ء کی ناکام جنگ آزادی میں انھیں علما کو چن چن کر انگریزوں نے پھانسیاں دی تھیں یا انھیں قید و بند میں ڈال دیا گیا تھا۔

دور استعمار میں انگریزوں نے عصری علوم کے اداروں کی بنیاد ڈالی، سماجی و عقلی علوم کو نصاب میں شامل کیا اور مغربی فلسفہ تعلیم کو رواج دیا۔ علاقہ بمبئی میں بطور خاص تعلیم کا نظم بہتر بنایا گیا، عیسائی مشنریوں نے بھرپور سرگرمی دکھائی، علاقہ بمبئی میں جدید تعلیم کو فروغ دینے کی غرض سے خود حکومت نے ۱۸۱۵ء میں ”بامبے ایجوکیشن سوسائٹی“ کی بنیاد رکھی۔ ۱۸۲۱ء میں پونے میں سنسکرت کالج قائم کیا گیا۔ ۱۸۵۱ء میں اس کا نام بدل کر ”پونہ کالج“ کر دیا گیا۔ ۱۸۲۴ء میں ممبئی میں ”ایلفسٹن ہائی اسکول“ اور ۱۸۳۴ء میں ”ایلفسٹن کالج“ کی بنیاد پڑی۔ ۱۸۴۰ء میں علاقہ بمبئی میں تعلیم کو فروغ دینے کے لیے ”بورڈ آف ایجوکیشن“ کی بنیاد رکھی گئی۔ ۱۸۵۵ء میں ممبئی میں حکومت نے شعبہ تعلیمات قائم کیا۔ ۱۸۷۵ء میں کلکتہ اور مدراس یونیورسٹیوں کے ساتھ ساتھ ممبئی میں بھی ”بامبے یونیورسٹی“ کا قیام عمل میں آیا۔ کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج شروع کیا گیا۔ یہیں سے روایتی مذہبی تعلیم اور عصری دنیاوی تعلیم میں تفریق کا نظریہ سامنے آیا، مدارس میں دی جانے والی تعلیم سے مذہبی اصولوں اور عقائد کی تفہیم کا راستہ ہموار ہوتا تھا اور عصری تعلیم سے روزگار کا مسئلہ حل کیا جانے

لگا۔ چوں کہ عصری تعلیم میں مغربی نظام و نصاب کا عمل دخل زیادہ تھا، اس لیے اہل مدارس اور دینی تعلیم کے حامیان کو عصری تعلیم میں اپنے مذہبی عقائد اور اسلامی اقدار کو زک پہنچنے کا اندیشہ ستانے لگا تو وہ شد و مد سے اس کی مخالفت کرنے لگے، نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں تعلیمی اداروں میں دوریاں بڑھنے لگیں اور جب مسلمانوں کا رشتہ عصری اداروں سے ٹوٹنے لگا تو سرکاری ملازمت اور اقتصادی امور میں ان کی حصہ داری کو سخت نقصان پہنچا، جس کا سلسلہ آج تک قائم ہے۔ عصری تعلیمی اداروں سے مسلمانوں کا معاندانہ رویہ برطانوی نظام حکومت کے خلاف ایک احتجاج بھی تھا، اگرچہ اس میں کوئی دم خرم نہ تھا مگر اس عمل کو بعد میں تحریک ترک موالات سے جوڑ کر دیکھا جانے لگا، جس تحریک کے زیر اثر انگریزی ملازمتوں سے استعفیٰ دینے کا رجحان زور پکڑنے لگا جس کے منفی نتائج معاشی و اقتصادی زبوں حالی کی شکل میں سامنے آئے اور مسلمانوں کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑا، البتہ انگریزوں کا کچھ نہیں بگڑا، بلکہ مسلمانوں کے حوالے ان کی نفرت میں اضافہ ہوا۔ ہاں جن مسلمان چہروں کو وہ اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرنا چاہتے تھے ان سے ہمدردی کا اظہار اور ان کی مالی امداد بھی کرتے رہے اور انھیں تحفظ فراہم کرتے رہے۔ اگرچہ سرسید احمد خان نے ”اسباب بغاوت ہند“ لکھ کر عام مسلمانوں کے تئیں انگریزوں کی نفرت و بیزاری کو کم کرنے کی کوشش کی اور عصری تعلیم کے انتظام کی راہ ہموار ہوئی۔

استعماری دور کے ابتدائی ایام میں برطانوی نظام تعلیم اور انتظامی اداروں کے تئیں ہندوستانی مسلمانوں کا جو معاندانہ رویہ تھا اس میں کمی آچکی تھی اور کئی تعلیمی ادارے اسی طرز پر خود انگریزوں نے قائم کیے، اگرچہ ان اداروں کے قیام میں ان کا اپنا مفاد پوشیدہ تھا۔ جن میں مدرسہ عالیہ، کلکتہ کو کافی اہمیت حاصل ہے، جسے ۱۷۸۰ء میں اس وقت کے گورنر جنرل وارن ہیسٹنگ نے قائم کیا تھا۔ یہ ادارہ کئی مرتبہ بند ہوا، جاری ہوا۔ ۱۹۴۷ء میں آزادی کے بعد تقسیم ہند سے اس ادارے کو کافی نقصان پہنچا اور ایک فیصلے کے مطابق اس کی ساری منقولہ جائیداد اور لائبریری کی ہزاروں کتابیں ڈھا کہ مدرسہ میں منتقل کر دی گئیں اور یہ مدرسہ بند ہو گیا۔ مغربی بنگال کے سرکردہ افراد اور مولانا ابوالکلام آزاد کی کوششوں سے

۱۹۴۹ء میں مدرسہ ازسرنو کھولا گیا۔ ۲۰۰۷ء میں مغربی بنگال کی قانون ساز اسمبلی نے عالیہ یونیورسٹی ایکٹ کو منظوری دی اور ۲۰۰۸ء میں اسے عملاً نافذ بھی کر دیا گیا ہے۔ فی الحال یہ یونیورسٹی اپنے تین کیمپس میں تعلیم کے مواقع فراہم کرتی ہے۔

اسی طرح مغل شہنشاہ اورنگ زیب عالم گیر کے جرنل غازی الدین خان فیروز جنگ اول ۱۶۹۶ء میں قائم کردہ مدرسہ غازی الدین خان کو برطانوی حکومت نے ۱۸۲۸ء میں اودھ کے نواب اعتماد الدولہ کی مالی معاونت سے ترقی دینے کا فیصلہ کیا اور اس کا نام اینگلو عربک کالج رکھا۔ بعد میں یہ ادارہ بند ہو گیا، ۱۸۶۷ء میں اس کی نشاۃ ثانیہ کی گئی اور اسے دہلی کالج کا نام دیا گیا۔ پھر ۱۹۷۵ء میں اس کالج کو ڈاکٹر ذاکر حسین کے نام پر رکھا گیا جو تاحال ڈاکٹر ذاکر حسین کالج اور اینگلو عربک سینٹر سیکنڈری اسکول کی شکل میں موجود ہے، کالج میں آرٹس، سائنس اور کامرس گریجویٹ اور پوسٹ گریجویٹ کورسز کی تعلیم دیتا ہے اور جدید تعلیم، اردو اور اسلامی علوم و فنون کی تعلیم کا بھی نظم رکھتا ہے اور دہلی یونیورسٹی سے ملحق ہے۔

شہر ممبئی میں واقع انجمن اسلام مسلمانان ممبئی کا ممتاز تعلیمی ادارہ ہے، جو ۱۸۷۷ء میں قائم کیا گیا، یہ ادارہ جسٹس بدر الدین طیب جی اور ناخدا محمد علی روگھے دوم کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے۔ اس کا بنیادی مقصد مسلمانان ممبئی میں ثانوی تعلیم کا فروغ تھا۔ ۱۸۹۷ء میں عبداللہ دھرمسی کے زمانے میں جب وہ انجمن اسلام کے سکریٹری تھے، انجمن اسلام ہائی اسکول کی عالی شان عمارت کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ یہ پرشکوہ عمارت ایک مثالی یادگار ہے، جسے ممبئی میں ہیری ٹیج بلڈنگ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اس ادارے نے اپنی شاندار روایت کو برقرار رکھتے ہوئے عصری تعلیم کی جانب کافی پیش قدمی کی ہے، لڑکوں کی تعلیم کے ساتھ ساتھ تعلیم نسواں کی جانب بھی دھیان دیا ہے۔ ۱۹۰۳ء میں اس ادارے سے ملحق ”کریبی لائبریری“ قاضی عبدالکریم پور بندری مالک کریبی پریس و مطبع الکریم نے اپنے مرحوم بیٹے کی یاد میں قائم کیا۔ ۱۹۴۷ء میں ”انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ“ کے نام سے ایک تحقیقی ادارے کی بنیاد پڑی۔

برطانوی استبداد کے دور آخر یعنی ۱۸۵۷ء کے انقلاب میں چوں کہ ہندوستانیوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا، انگریزوں کو یہ بھی معلوم تھا کہ اس ناکام جنگ آزادی میں مسلمانوں نے کافی دم دکھایا تھا اور کافی قربانیاں دی تھیں، اس جنگ کو انگریز بغاوت کا نام دیتے ہیں جس کی قیادت مسلمانوں نے کی تھی، اس لیے انھیں انگریزی جبر و استبداد کا زیادہ شکار بنایا گیا، یہی نہیں بلکہ برٹش گورنمنٹ نے تعلیم اور ملازمت کے میدان میں مسلمانوں کے ساتھ امتیازی سلوک برتنا شروع کیا اور اس کے بالمقابل ہندوؤں کو اور ان کے تعلیم اداروں کو بڑھاوا دیا جانے لگا۔ ان روح فرسا حالات میں کچھ مسلم افراد نے حکومت وقت کے ساتھ تعاون کی وکالت کی اور اکثر نے اس طرح کی کسی حمایت و تعاون کو غلط ٹھہرایا۔ اول الذکر افراد میں سر سید احمد خان کا نام سرفہرست نظر آتا ہے جنھوں نے سرکاری عہدوں پر ملازمت کے لیے عصری تعلیم اور انگریزی زبان سیکھنے پر زور دیا اور اس کے لیے بقاعدہ مہم چلائی، جس کا نتیجہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی شکل میں ہمارے سامنے ہے جس کے قیام کے مقاصد میں جدید سائنس، معاشرتی علوم اور انگریزی تعلیم کا حصول اہم مانا گیا ہے۔ فی الحال مذکورہ یونیورسٹی میں روایتی اور جدید علوم و فنون میں تین سو سے زیادہ کورسز میں تعلیمی اور تربیتی سہولیات موجود ہیں اور پوری دنیا میں اسے قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

قومی تحریک سے وابستہ کچھ مسلم رہنماؤں کو علی گڑھ تحریک کے سیاسی موقف سے اختلاف تھا، ان میں مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، ڈاکٹر ذاکر حسین، مختار احمد انصاری، حکیم اجمل خان، پروفیسر محمد مجیب وغیرہم سرفہرست تھے، ان حضرات کے باہمی تعاون سے ۱۹۲۰ء میں علی گڑھ میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کی بنیاد رکھی گئی اور ۱۹۲۵ء میں اس کو دہلی کے کرول باغ علاقے میں منتقل کیا گیا۔ ۱۹۳۹ء میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کو ایک سوسائٹی کے طور پر رجسٹرڈ کیا گیا۔ ۱۹۶۲ء میں یونیورسٹی گرانٹ کمیشن نے جامعہ کو مجوزہ یونیورسٹی کا درجہ دیا اور ۱۹۸۸ء میں پارلیمنٹ کے ایک خصوصی ایکٹ کے تحت جامعہ ملیہ اسلامیہ کو مرکزی یونیورسٹی کا درجہ دیا گیا۔ جامعہ کی نو فیکلٹیز اور کئی مراکز ہیں جہاں گریجویٹ اور پوسٹ گریجویٹ کورسز کا مکمل نظم ہے۔ یہ تعلیمی ادارہ بھی عصری علوم و فنون کا ایک اہم ادارہ

تسلیم کیا جاتا ہے اور اس کے کئی شعبہ جات پوری علمی و تحقیقی دنیا میں کافی شہرت رکھتے ہیں۔ ”مکتبہ جامعہ“ اسی سے ملحق ایک بڑا تاریخی طباعتی و نشریاتی ادارہ ہے جس کی کئی شاخیں ممبئی، دہلی اور علی گڑھ میں انتہائی فعال ہیں اور اس کی مطبوعات اہل علم کے نزدیک قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔

آزادی ہند سے قبل کے عصری تعلیمی اداروں میں عثمانیہ یونیورسٹی کا جلی حروف میں مرقوم ہے، اس کے قیام کا پس منظر یہ ہے، ۱۹۱۷ء میں حیدرآباد میں اس وقت کے ایجوکیشن منسٹر کے نام ایک میمورنڈم پیش کر کے ایک ایسی یونیورسٹی کے قیام کی ضرورت کا احساس دلایا گیا، اس کے جواب میں ایک فرمان جاری ہوا اور ۱۹۱۸ء میں قدیم و جدید اور مشرقی و مغربی علوم و فنون کو باہم مربوط کر کے یہ ادارہ قائم ہوا، ۱۹۲۸ء تک یونیورسٹی میں ذریعہ تعلیم اردو تھی، اسی دور میں کئی شعبہ جات قائم کیے گئے اور کئی کورسز شروع ہوئے، کئی مراکز کھلے۔ ۱۹۲۸ء سے ۱۹۶۸ء تک کا دور عثمانیہ یونیورسٹی کی تاریخ میں بہت ہی اہم ہے، اس دور میں حیدرآباد کو آزاد ہندوستان میں شامل کیا گیا۔ اب اردو زبان کی جگہ انگریزی کو ذریعہ تعلیم قرار دیا گیا، جواب تک بہ حیثیت زبان لازمی تھی۔

عہد جدید کے تعلیمی ادارے:

۱۹۴۷ء میں برطانوی تسلط سے ہندوستان آزاد ہوا اور پھر تقسیم ہند عمل میں آئی، اس عہد کو ہم نے عہد جدید کا نام دیا ہے، اگرچہ تقسیم کے نتائج بڑے لرزہ خیز اور دہشت ناک تھے، سرحد اندر، باہر خون ریزی اور تشدد کا ایک طوفان بد تمیزی برپا تھا، جو کسی طرح تھا تو پاکستان میں دہشت گردی اور ہندوستان میں فرقہ واریت نے اپنے پیرپارے تو آج تک کوئی ملک ان ناگفتہ بہ حالات سے باہر نہیں نکل سکا ہے۔ لیکن اب ہندوستانی مسلمان اپنے نئے جمہوری قانون کے اجالے میں تعلیم و تدریس کے نظم کے لیے آزاد تھے۔ آزاد ہندوستان میں عصری تعلیمی اداروں کے قیام کی تاریخ کا آغاز دہلی میں واقع ”جامعہ ہمدرد“ سے ہوتا ہے جو ہندوستان کی ایک نامی یونیورسٹی ہے، جہاں جدید علم طب، علم الادویات، انفارمیشن

ٹیکنالوجی، کمپیوٹر اپلی کیشنز، بزنس مینجمنٹ، فزیوتھیراپی وغیرہ کورسز میں گریجویٹ اور پوسٹ گریجویٹ کی تدریس کا انتظام ہے۔ اس کے بانی حکیم عبدالحمید ہیں جنہوں نے اپنے رفقا کے ساتھ کئی مرحلوں میں اسے ایک طبی یونیورسٹی کی شکل دی۔ ۱۹۳۸ء میں ایک عوامی خیراتی ادارے کی شکل میں قائم کیا گیا۔ ۱۹۶۲ء میں انسٹی ٹیوٹ آف ہسٹری آف میڈیسن اینڈ میڈیکل ریسرچ کی بنیاد رکھی گئی۔ مطالعات ثقافت اسلامی کو فروغ دینے کی غرض سے انڈین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز کا قیام عمل میں آیا۔ ۱۹۶۳ء میں ہمدرد طبی کالج پرانی دہلی میں قائم ہوا۔ ۱۹۷۲ء میں ہمدرد کالج آف فارمیسی قائم ہوا، ۱۹۸۹ء میں حکومت ہند کی وزارت برائے فروغ انسانی وسائل نے جامعہ ہمدرد کو ایک مجوزہ یونیورسٹی کا درجہ دیا۔

۱۹۹۸ء میں حیدرآباد کی سرزمین پر ”مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی“ کو پارلیمنٹ کے ایک ایکٹ کے ذریعے ایک مرکزی یونیورسٹی کے طور پر حکومت ہند نے قائم کیا تھا۔ اس کے قیام کے کئی مقاصد تھے، بنیادی مقصد اردو زبان کو فروغ دینا، پروفیشنل مضامین کی تعلیم و تدریس اور فاصلاتی نظام تعلیم کا انتظام کرنا تھا، ساتھ ہی ساتھ تعلیم نسواں پر بھی توجہ دینا تھا۔ فی الحال یہاں اردو، ہندی، عربی، فارسی، انگریزی، بزنس مینجمنٹ، ماس کمیونیکیشن، پولیٹیکل سائنس اینڈ پبلک ایڈمنسٹریشن، ایجوکیشن اینڈ ٹریننگ، ٹرانسلیشن، تعلیم نسواں، سائنس اینڈ انفارمیشن ٹیکنالوجی کے شعبے چل رہے ہیں، مزید کئی مراکز بھی قائم ہیں اور قیامی تعلیم کے ساتھ فاصلاتی سسٹم بھی رائج ہے، فاصلاتی نظام تعلیم مولانا آزاد نیشنل یونیورسٹی کا امتیازی وصف ہے۔

جامعہ ہمدرد اور مولانا آزاد نیشنل یونیورسٹی کے علاوہ کچھ پرائیویٹ اور کچھ گورنمنٹی تعلیمی اداروں کے قیام کی سنجیدہ کوششیں نظر آتی ہیں، جن میں مسلم اقلیت کے تعلیمی مسائل کے حل پر زور دیا گیا ہے۔ ان میں الامین ایجوکیشنل سوسائٹی، بنگلور (۱۹۶۶ء)، البرکات ایجوکیشنل سوسائٹی، علی گڑھ (۱۹۹۵ء)، مولانا مظہر الحق عربک اینڈ پشین یونیورسٹی، پٹنہ (۱۹۹۸ء)، مولانا محمد علی جوہر یونیورسٹی، رام پور (۲۰۰۶ء)، بی، ایس، اے عبدالرحمن یونیورسٹی، مدراس (۲۰۰۸)، خواجہ غریب نواز عربک، اردو، پشین یونیورسٹی، لکھنؤ (۲۰۰۹ء)،

مولانا آزاد یونیورسٹی، جودھ پور، (۲۰۱۳ء)، محسن ملت میڈیکل کالج، چھتیس گڑھ اور اکبر پیر بھائی کالج، پونہ قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ ہندوستان کے کئی شہروں میں انگریزی میڈیم اور پروفیشنل کورسز کے کئی اسکولز، کالجز اور تعلیمی مراکز کا قیام عمل میں آیا ہے جہاں عصری علوم و فنون کی باقاعدہ تعلیم و تدریس کا انتظام ہے، جن کے تفصیلی ذکر سے یہ مضمون طویل ہو جائے گا، اس لیے اس پر آئندہ کسی مضمون میں گفتگو ہوگی۔ حاصل کلام یہ کہ ہندوستان کے مسلمانوں میں اب شعور بیدار ہوا ہے کہ وہ روایتی تعلیم کے ساتھ عصری علوم کی تحصیل پر بھی دھیان دیں اور پروفیشنل کورسز کی اسناد حاصل کریں تاکہ سرکاری نوکریوں میں اپنی حصے اداری مستحکم کریں اور عصری تناظر میں تبلیغ حق کا فریضہ کما حقہ نبھاسکیں اور یہی دانش مندی بھی ہے۔

قومی تعلیمی پالیسی ۲۰۱۶ء کا مسودہ - خلاصہ اور تجزیہ

ڈاکٹر فہیم عثمان صدیقی کوآرڈینیٹر، البرکات ایجوکیشنل انسٹی ٹیوشنز	ڈاکٹر شمینہ فاضلی پرنسپل، البرکات انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشن
--	---

ہندوستانی تاریخ کا بغور مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا کہ یہاں تعلیم کو ہمیشہ بڑی اہمیت حاصل رہی ہے، خواہ آزادی سے پہلے ہو یا آزادی کے بعد، جس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ ہندوستانی تعلیمی نظام کا شمار دنیا کے تمام ترقی پذیر ممالک میں پہلے نمبر پر ہوتا ہے۔ لیکن غور طلب امر یہ ہے کہ آزادی کے بعد سے ہندوستان میں تعلیم سب سے اہم مسئلہ رہا ہے۔ اسی لیے آزادی کے بعد سے تعلیمی معیار کو بڑھانے اور اس کی طرف رغبت دلانے کے لیے حکومت ہند کے ذریعہ بہت سے کمیشن اور تعلیمی پروگرام کا قیام عمل میں آیا، جن کا مقصد تعلیم کے لیے پالیسیاں بنانا تھا۔ جیسے: 49 - 1948 میں یونیورسٹی ایجوکیشن کمیشن (University Education Commission)، 1952-53 میں سینڈری ایجوکیشن کمیشن (Secondary Education Commission) اور 1964-66 میں کوٹھاری کمیشن (Kothari Commission) وغیرہ۔

ایجوکیشن کمیشن کی سفارشات کی بنیاد پر 1968 میں نیشنل پالیسی آن ایجوکیشن (National Policy on Education) کا قیام عمل میں آیا جس کا مقصد بڑے پیمانے پر تعلیمی نظام میں تبدیلی لانا تھا تاکہ ہر سطح پر تعلیمی معیار بلند ہو سکے۔ اسی طرح سائنس و ٹیکنالوجی کو فروغ دینا، اخلاقی و سماجی اقدار میں اضافہ کرنا، نیز تعلیم اور زندگی کے درمیان مضبوط رشتہ قائم کرنا وغیرہ بھی اس کے مقاصد میں شامل تھے۔

1986 اور 1992 میں اس پالیسی میں نظر ثانی اور ترمیم کی گئی تھی، جس میں تعلیم میں برابری، مساوی حقوق اور تعلیمی معیار کو بڑھانے پر خصوصی توجہ دی گئی تھی تاکہ رنگ و نسل، ذات پات اور جنسی تفریق کے بغیر ہر ایک کو یکساں طور پر تعلیم فراہم کی جاسکے۔

آزادی کے بعد ستر (۷۰) سالوں میں ہندوستان نے تعلیمی میدان میں بہت سے مراحل طے کیے۔ جیسے: ابتدائی تعلیم کی سہولت میں سو (۱۰۰) فیصد سے زیادہ جی۔ اے۔ آر۔ (Gross Enrollment Ratio)، ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کی دیگر سہولیات کے ساتھ ساتھ تیزی سے بڑھنا، لڑکیوں کے اندراج میں اضافہ اور تعلیم کا ہر سطح پر حق تعلیم (Right To Education) اور منڈے میل (Mid- Day Meal) وغیرہ۔ لیکن آج بھی ہم انھیں صحیح تعلیم فراہم نہیں کر پا رہے ہیں اور آج ہم جن دو بڑے مسائل سے دوچار ہیں، وہ ہیں صحت اور تعلیمی معیار کا فقدان۔ اگر ہم ان دونوں شعبوں میں اصلاح کر لیں تو مستقبل میں معاشی اور سرمایہ کاری کے اعتبار سے ہم سپر پاور بن سکتے ہیں؛ کیوں کہ ہماری آبادی کا ۶۵ فیصدی حصہ ۳۵ سال کی عمر سے کم کا ہے۔ اسی مسئلہ کو حل کرنے کے لیے حکومت ہند نے قومی تعلیمی پالیسی 2016ء (National Education Policy 2016) بنانے کی پہل کی ہے۔ یہ مقالہ HRD Ministry کے ذریعہ ان کی ویب سائٹ پر فراہم کی گئی قومی تعلیمی پالیسی اور اس پر کیے گئے تبصروں کا خلاصہ ہے اور اس کا مقصد معتمد اور اعلیٰ کارکردگی والے تعلیمی نظام کا قیام ہے جس کے ذریعہ بچوں کو تعلیم، فنکاری کی مہارت، روایات اور اخلاقی اقدار سے آگاہی ہو سکے، جو ثمر آور زندگی، ملک کی ترقی میں شرکت، تیزی سے بدلتے ہوئے حالات، عالمی مطالبات اور معاشی و سماجی بنیاد پر بنائی گئی تعلیم میں کارآمد ہو سکے، اس پالیسی کی پوری توجہ تعلیمی معیار بڑھانے اور تعلیمی نظام کے اعتماد کو بحال کرنے پر مرکوز ہے۔

شعبہ تعلیم کے اہم مسائل (Key Challenges in Education Sector):

تعلیم پر بنائی گئی سابقہ پالیسیوں میں بہت سے اغراض و مقاصد بیان کیے گئے

تھے لیکن ان سے ابھی تک مکمل طور پر استفادہ نہیں کیا گیا ہے۔ ہندوستان نے ہر سطح کی تعلیم میں رسائی کے لیے اہم پیش رفت کی ہے تاہم ملک میں تعلیمی ترقی کی مجموعی تصویر ملی جلی ہے اور تعلیم میں رسائی و شرکت، موجودہ تعلیم کا معیار، مہارت و روزگار، غیر جانب داری، نصاب و تشخیص، ذرائع ابلاغ ٹیکنالوجی (ICT - Information and Communication Technology) اساتذہ کی ترقی و انتظامات، نظام کارکردگی، نظم و ضبط، تحقیق و ترقی اور عالمی دنیا سے وابستگی میں مالی مشکلات جیسے شعبوں میں مستقل تشویش ابھی موجود ہے۔

اب تک کے بجٹ رپورٹ سے یہ واضح ہے کہ مرکزی اور ریاستی حکومتوں نے تعلیم پر نسبتاً کم توجہ دی ہے۔ تعلیمی میدان میں اگر اہم مقام حاصل کرنا ہے تو اس بجٹ میں تبدیلی کرنی ہوگی۔ نئی قومی تعلیمی پالیسی (The New National Policy on Education- NPE) یہ پالیسی ایک ایسا ماحول بنانے کی کوشش ہے جس سے درس و تدریس اور امتحانات کے معیار کو بڑھانے اور تعلیمی انتظامات میں شفافیت کو فروغ دینے میں مدد مل سکے۔

قومی تعلیمی پالیسی ۲۰۱۶ء کے وسیع مقاصد (Broad Objectives of National Policy on Education 2016):

اس پالیسی کا بنیادی مقصد اطلاعات، تعلیم، ہنر اور اخلاقی اقدار فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ سماجی روایات بھی ذہنوں میں محفوظ کرانا ہے جو طالب علم کو اچھا انسان، قابل فخر شہری بننے اور ملک کی ترقی میں حصہ لینے کا اہل بنائے۔ یہ پالیسی معیاری تعلیم کے علاوہ اس بات پر بھی زور دیتی ہے کہ ہندوستانی تاریخ، تہذیب و تمدن، احترام مذاہب اور قومی یکجہتی میں دلچسپی کو فروغ دیا جائے۔ اور اس میں تعلیم کے ذریعہ سماجی لگاؤ اور قومی یکجہتی کی اہمیت لوگوں کو بتائی گئی ہے، جو ملک کی ترقی کے لیے انتہائی ضروری ہے۔ نئی ٹیکنالوجی کے دور میں جب طلبہ نئی ترسیل اور ٹیکنالوجی (Technology) کے مختلف ذرائع سے واقف ہوں گے تو یہ پالیسی ان کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے ہر سطح کی تعلیم کو فروغ دینے کے لیے اس کے استعمال کا ارادہ رکھتی ہے۔ نئی قومی تعلیمی پالیسی (National Policy on Education-NPE)

کا خاص مقصد متحرک اور نوجوان نسل کی حقیقی صلاحیتوں کو ابھارنا اور ہندوستان کی ترقی میں بامقصد شرکت کے لیے انھیں تیار کرنا ہے۔

نیچے آنے والے صفحات میں NPE کی طرف سے تیار کیا گیا عملی ڈھانچہ پیش کیا گیا ہے۔

۱- ابتدائی تعلیم (Pre School Education):

عالمی طور پر یہ بات مسلم ہے کہ بچوں کی ذہنی اور جسمانی ترقی میں بچپن کے ابتدائی سالوں کا اہم رول ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود ماضی میں ابتدائی تعلیم پر ضروری توجہ نہیں دی گئی اور سرکاری اسکولوں میں ابتدائی تعلیم کا انتظام نہیں ہے۔ اس لیے اس کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے وزارت برائے خواتین و بچوں کی بہبود (Ministry of Women and Child Development) کے پروگرام Integrated Child Development Services کے تحت ابتدائی تعلیم مہیا کرانے کا ارادہ کیا گیا اور اس کے لیے مندرجہ ذیل تجاویز پیش کی گئیں۔

۱- چار سے پانچ سال کے بچوں کے لیے پری اسکولوں اور آنگن واڑیوں میں ابتدائی تعلیم کا پروگرام شروع کیا جائے۔

۲- آنگن واڑیوں میں ابتدائی تعلیم کو مضبوط کرنے کے لیے ریاستی حکومتیں ایک سال کے اندر اس کا نصاب تیار کرائیں، تعلیمی سرگرمیوں کو فروغ دیں اور آنگن واڑی عملہ کے لیے تربیت کا انتظام کریں۔

۳- ریاستی حکومتیں ابتدائی تعلیم کے اساتذہ کی ایک جماعت تیار کریں اور نوکری سے قبل اور نوکری میں رہتے ہوئے ان کی تربیت کے لیے خصوصی سہولیات مہیا کرائیں اور آنگن واڑی کی پری پرائمری اسکول میں منتقلی بتدریج اور معقول طریقے سے ہو اور اس کے لیے وقت کی تعیین کا فیصلہ ریاستی حکومتوں کی صواب دید اور مرضی پر موقوف رہے۔

۴- غیر سرکاری پری پرائمری اسکولوں کے لیے مناسب انضباطی اور نگرانی والے قوانین بنائے جائیں۔

۲- بچوں کے حقوق کی حفاظت اور نوعمر بچوں کی تعلیم (Protection of)

(Right of the Child & Adolescent Education):

اسکولوں کی منظوری اور الحاق کی اہلیت کے تعلق سے ایک پالیسی بنائی گئی ہے جس کا مقصد بچوں کی سلامتی اور حفاظت کو یقینی بنانا اور سازگار ماحول کی تشکیل ہے جو بچوں کے حقوق کے لیے حساس اور موثر بھی ہو۔ بچوں کی حفاظت کے ساتھ ساتھ ان کے حقوق کی پاسداری بھی انتہائی ضروری ہے اور اس میں جسمانی سزاؤں کی روک تھام، جذباتی اور جسمانی ایذا دہی کو ختم کرنا، اسکولی سرگرمیوں کے دوران چوٹ کے خلاف احتیاطی تدابیر، محفوظ عمارتیں، بچوں کے موافق زبان اور کام کا استعمال، غیر جانب داری، جسمانی بدسلوکی، گالی گلوچ اور ایذا رسانی وغیرہ بھی شامل ہیں۔ بچوں کی جذباتی اور جسمانی حفاظت کو یقینی بنانے کے لیے بچوں کے حقوق کی خلاف ورزی بالکل برداشت نہ کی جائے۔ موجودہ پالیسی میں اس کے تحت یہ ضوابط پیش کیے گئے ہیں:

۱- اسکول کی حفاظت اور بچوں کی سلامتی کو یقینی بنانے کے لیے اس کی منظوری اور الحاق کی اہلیت کے تعلق سے ایک گائڈ لائن تیار کی جائے۔

۲- اسکول کے تمام اراکین مثلاً صدر مدرس و دیگر اساتذہ کو بچوں کے حقوق کے متعلق تمام قوانین و ضوابط کی معلومات فراہم کرنے کے لیے ایک ضابطہ بنایا جائے اور اسے ان کی تربیتی پروگرام میں بھی شامل کیا جائے۔

۳- کم سن بچوں کا تعلیمی پروگرام (Adolescent Education Programme) اور قومی آبادی تعلیمی پروگرام (National Population Education Programme-NPEP) دونوں اسکول کے نصاب میں شامل کیے جائیں۔

۴- نوعمر بچوں کی تعلیم کو ثانوی اسکول کے اساتذہ کے لیے نوکری سے پہلے اور نوکری

میں رہتے ہوئے تربیتی پروگرام کا حصہ بنایا جائے۔

۵- والدین، اساتذہ اور بچوں کے فائدے کے لیے بچوں کے حقوق پر آن لائن پروگراموں کو ترقی دی جائے۔

۶- اسکولوں میں تربیت یافتہ صلاح کاروں کی بھرتی ہونی چاہیے جو والدین اور اساتذہ کو نو عمر لڑکے اور لڑکیوں کو درپیش مسائل کے بارے میں مشورے دیں۔

۳- اسکولی تعلیم کے تدریسی نتائج (Learning outcomes in School Education):

ابتدائی تعلیم میں تدریسی نتائج کا بہتر نہ آنا مستقل طور پر تشویش کا باعث ہے۔

سروے سے پتہ چلتا ہے کہ طلبہ دوران تعلیم پڑھنے، لکھنے اور حساب کی بنیادی چیزوں سے بھی ناواقف ہوتے ہیں، اس لیے مرکزی اور ریاستی حکومتوں کو چاہیے کہ ابتدائی تعلیم کا معیار بڑھانے اور تدریسی نتائج کو بہتر بنانے کے لیے درج ذیل تجاویز پر عمل کریں۔

۱- حق تعلیم (Right to Education-RTE) ایکٹ کے تحت عمارتوں کو منظوری دینے کے متعلق جو اصول بنائے گئے ہیں اسی طرح تدریسی نتائج کے تعلق سے بھی اصول بنائے جائیں اور سرکاری اور غیر سرکاری اسکولوں میں یکساں طور پر نافذ کیے جائیں۔

۲- ریاستی حکومتوں کو مقامی حالات کے مطابق بنیادی ڈھانچے کا منصوبہ تیار کرنے کا اختیار حاصل ہو۔

۳- فیل نہ کرنے کی موجودہ پالیسی صرف پانچویں جماعت تک محدود ہو اور اس سے اوپر کی جماعتوں میں ترقی نہ دینے کی پالیسی کو دوبارہ لاگو کیا جائے کیوں کہ طلبہ کی تعلیمی کارکردگی پر اس کا بہت گہرا اثر پڑتا ہے۔

۴- اسکولوں میں تعلیمی معیار کو بڑھانے، مخصوص تعلیمی وظائف کے ذریعے بچوں کی امداد کرنے کے لیے اصول بنانے، تعلیمی اعتبار سے کمزور طلبہ کے لیے مفید اصلاحی

ہدایات دینے اور حصول علم کے مختلف اسباب اور آن لائن ذرائع مہیا کرنے کے لیے موثر اقدامات کیے جائیں۔

۴- اسکولی تعلیم (School Education)

عالمی ابتدائی تعلیم (Universal Elementary Education-UEE)

کے حقیقت بننے کے ساتھ ہی ثانوی تعلیم کا پھیلاؤ حتمی اور یقینی ہو جاتا ہے۔ قابل اور باصلاحیت طلبہ کی مناسبت سے ثانوی اسکولی نظام کو بہتر بنانے کی ضرورت ہے۔ اس راہ میں سب سے بڑی دشواری ثانوی سطح تک طلبہ کی منتقلی اور برقراری کی شرح بڑھانے میں ہے۔ امتحان کا موجودہ نظام بہت سی بیماریوں اور بدعنوانیوں سے بھرپڑا ہے جس میں اصلاح کی سخت ضرورت ہے۔ اس لیے مندرجہ ذیل اقدامات کیے جائیں۔

۱- ہر ریاست اپنے تمام اسکولوں کا تفصیلی جائزہ لے اور کم اندراج اور نا کافی ڈھانچوں والے اسکولوں کی نشان دہی کرے اور RTE ایکٹ کے دفعات کی خلاف ورزی کیے بغیر انضمام والحق کے لیے ریاستی حکومتوں کی جانب سے جو قوانین بنائے گئے ہیں ان کی مدد سے ناکارہ اسکولوں کو جامع اسکولوں میں تبدیل کرے تاکہ انسانی وسائل، عمارتوں کے ذرائع، بہتر تعلیمی کارکردگی اور موثر انتظامی کاروائیوں کا اچھا استعمال ہو سکے۔

۲- معاشی طور پر پسماندہ طبقوں میں محسوس کی جانے والی ذمہ داریوں اور ضرورتوں کے پیش نظر RTE ایکٹ کے دفعہ (c) (۱) کو حکومت سے ملحق شدہ تعلیمی اقلیتی اداروں میں نافذ کیا جائے۔

۳- RTE ایکٹ کو ریاستی حکومت اس عمر تک لاگو کر دے جس سے ثانوی تعلیم کا بھی احاطہ ہو جائے۔

۴- اسکولی تعلیم کے سبھی سطحوں پر سہولتوں اور طلبہ کے تدریسی نتائج کے لیے ایک معیاری پیمانہ بنالیا جائے۔

- ۵- کیندریہ ودیالہ (Kendriya Vidyalayas -KVS)، جواہر نوودیہ ودیالہ (Jawahar Navodaya vidyalaya-JNVS) اور کستوربا گاندھی بالیکا ودیالہ (Kasturba Gandhi Balika vidyalayas-Kgbvs) کو تعلیمی پسماندہ علاقوں میں پھیلا یا جائے اور انھیں ثانوی سطح کی تعلیم تک ترقی دی جائے اور ان کی کامیابی کی وجوہات تلاش کرتے ہوئے ان کا استعمال دیگر تعلیمی اداروں میں کیا جائے۔
- ۶- اسکول چھوڑ چکے طلبہ (Dropouts) اور کام کرنے والے بچوں کو رسمی اسکولوں میں کل وقتی حاضری کے بغیر اپنی تعلیم جاری رکھنے کے لیے غیر رسمی تعلیم کی سہولیات فراہم کی جائیں۔
- ۷- مختلف مراحل میں بچوں کی تعلیمی لیاقت جانچنے کے لیے امتحانات کا انتظام کیا جائے تاکہ طلبہ اپنی فطری صلاحیتوں اور دلچسپی والے علمی میدانوں کو جان سکے اور ناکامی، مایوسی اور پریشانی سے بچ سکے۔ پیشہ ورانہ صلاح کاروں کی اسکول میں بھرتی کی جائے، جو ناکامی کے اسباب کو دور کریں، معذور بچوں کی شناخت کریں، تعلیم میں سست رو اور صلاحیت کے مطابق کارکردگی نہ دکھانے والے طلباء کی مدد کریں اور اس کے ساتھ کسی پیشہ پر مشتمل کورس کا صحیح انتخاب کرنے میں تعاون پیش کریں اور ثانوی و اعلیٰ تعلیم کے طلبہ کو نوکری کے مناسب مواقع کی طرف رہنمائی کریں۔

۵- نصاب کی تجدید اور امتحانات کی اصلاحات (Curriculum)

(Renewal and Examination Reforms)

عالمی منظر نامے پر ابھرنے والے تعلیمی اثرات، اقتصاد اور معاشرے پر مبنی تعلیم کے مطالبات، طلبہ کے مختلف جماعتوں کی علمی ضروریات کو معلوم کرنے، تعلیم کو صنعت و حرفت اور کام کی دنیا سے جوڑنے، پائیدار ترقی کے متعلق فکر پیدا کرنے، تعلیمی و تدریسی انتظامات جو انفرادیت اور لچیلے پن کی طرف بڑھ رہی ہے، اس کا خیال رکھنے اور ان جیسی

چیزوں پر زور دینے کے لیے آج ہر سطح کی تعلیم میں تجدید و ترمیم کی ضرورت ہے۔ نصاب ایسا ہو، جو طلبہ کو علمی میدان میں اعلیٰ مقام حاصل کرنے کے لیے مواقع فراہم کرے، تاکہ وہ عالمی بڑے اداروں میں تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کے ہم پلہ ہو سکیں۔ تعلیمی میدان میں بدلتی ہوئی امیدوں کے پیش نظر نصابی اصلاحات ناگزیر ہیں۔

انٹرنیٹ کی آمد اور ویب سائٹس کی فراہمی کی وجہ سے آج اطلاعات اور علوم و فنون سے آگاہی کے لیے لائبریریوں کی خاک چھاننے کی ضرورت نہیں، بلکہ ایک بٹن کلک کرنے پر تمام اطلاعات ہمارے سامنے آ جاتی ہیں، تو اس ترقی یافتہ دور میں اس بات کی ضرورت ہے کہ اطلاعاتی پر مبنی تعلیم کو اقدار پر مبنی تعلیم میں منتقل کر دیا جائے اور زندگی میں کار آمد ہنر سکھائے جائیں، جس سے انسانیت اور ملک کی تعمیر میں حصہ لینے کی صلاحیت بچوں میں پیدا ہو سکے۔

موجودہ پالیسی کے تحت نصاب میں تجدید کے لیے مندرجہ ذیل تجاویز فراہم کی گئی ہیں۔

- ۱- تعلیمی میدان میں پیدا ہونے والی امیدوں کو پورا کرنے کے لیے نصابی اصلاحات کیے جائیں اور سماجی لگاؤ، ہم آہنگی، مذہب دوستی اور قومی یکجہتی کے مقاصد کو ایک صف میں لایا جائے تاکہ بڑھتے ہوئے ٹیکنالوجی کے ماحول میں طلباء کی صلاحیتیں ابھر کر سامنے آسکیں۔ اور تمام طلباء کو بنیادی حقوق اور ذمہ داریوں کی تعلیم دی جائے تاکہ وہ ملک اور بیرون ملک میں ایک ذمہ دار شہری بن سکیں۔
- ۲- اسکولی تعلیم کے گرتے معیار کو دھیان میں رکھتے ہوئے NCERT کو چاہیے کہ نصاب میں معیاری تجدید کرے اور طریقہ تعلیم کو تبدیل کرے تاکہ بچوں میں رٹنے کے بجائے سمجھنے اور سوچنے کی قوت پیدا ہو سکے۔
- ۳- NCERT کے ذریعہ سائنس، حساب اور انگریزی کے لیے ایک عام قومی نصاب تیار کیا جائے، جبکہ دیگر فنون میں کچھ موضوعات پورے ملک میں یکساں رکھے جائیں اور کچھ موضوعات ریاستوں کے حساب سے طے کیے جائیں۔

- ۴- چھٹی کلاس سے ICT کو الگ فن کے طور پر شامل کیا جائے اور ہر سطح کی تعلیمی نصاب میں باقی رکھا جائے، تاکہ وہ بچوں کے لیے قابل استعمال بن جائے۔
- ۵- چھٹی کلاس سے سائنسی مضامین کی تعلیم لیبارٹری کے ذریعہ دی جائے کیوں کہ اس سے سمجھنا اور سمجھانا دونوں آسان ہوتا ہے۔
- ۶- سماجی امتیازات سے بچنے کے لیے ایسا نصاب تیار کیا جائے، جو سماجی انصاف اور قانونی اقدامات کے مسائل کا احاطہ کرے۔ نصابی کتابوں کی نشریاتی ایجنسیوں کے ذریعہ ملک میں ہم آہنگی اور بھائی چارہ کے فروغ کو یقینی بنایا جائے۔ شہریت کی تعلیم، امن کی تعلیم، کردار کی تعمیر، قانونی، آئینی اور مالیاتی خواندگی، ماحولیاتی پائیداری اور دیگر مرکزی خوبیوں کو ہر طرح کے مضامین کے ذریعہ فروغ دیا جائے۔
- بچوں کے تعلیمی نتائج کو بہتر بنانے کے لیے امتحان کے طریقوں میں اصلاح کی ضرورت ہے۔ زیادہ تر درسی امتحانات علمی مواد، دوبارہ لکھنے کی صلاحیت آزمانے پر مبنی ہوتی ہے اس لیے پورے تشخیصی عمل کو از سر نو بہتر بنانے کی ضرورت ہے جس سے بچوں کی علمی اور غیر علمی شخصیت کا وسیع اندازہ لگایا جاسکے۔
- اس کے لیے مندرجہ ذیل اقدامات پر عمل کیے جائیں۔
- ۱- بیداری، ذہانت، فہم و ادراک، اور مسائل حل کرنے کی صلاحیت آزمانے کے لیے امتحانات ڈیزائن کیے جائیں، ان کا مقصد فقط کتابی مواد کو از سر نو لکھ دینے کی قابلیت کو آزمانا نہ ہو۔
- ۲- امتحان میں لچیلپاپن لانے اور سالانہ امتحان سے کچھ بوجھ ہلکا کرنے کے لیے حکومت ایک ایسا امتحان بورڈ متعارف کرائے جو طالب علم کی خواہش ظاہر کرنے پر امتحان لے۔
- ۳- بچوں کے لیے یہ لازم ہو کہ دسویں جماعت کا امتحان بورڈ سے دے اور یہ امتحان دسویں کے مکمل نصاب کو محیط ہو۔
- ۴- دسویں جماعت میں حساب، سائنس اور انگریزی میں بچوں کی ناکامی کی شرح کم

- کرنے کے لیے ان تینوں مضامین (subjects) کا امتحان دو سطح پر ہو، ایک اعلیٰ اور دوسرا ادنیٰ سطح پر۔ جو طالب علم آگے بھی ان مضامین کو جاری رکھنا چاہتا ہو اس کے لیے ضروری ہو کہ اعلیٰ درجے کا امتحان پاس کرے۔
- ۵- ماہرین علوم کی ایک ٹیم تیار کی جائے جو مختلف بورڈوں کی طرف سے دی جانے والی اسناد کا جائزہ لے اور آپسی اتفاق سے ایک باقاعدہ قانون بنائے کہ پورے ملک میں ایک ہی طرح کی سند دی جائے اور تمام اسناد کی قبولیت یکساں ہو۔
- ۶- جامع تعلیم اور طلباء کا تعاون (Inclusive Education and Student Support):
- موجودہ نظام تعلیم خاص طور سے دیہی علاقوں میں سماجی اعتبار سے پسماندہ طبقوں اور جسمانی طور پر معذور بچوں کی ضروریات کا انتظام کرنے کے لیے متنوع ماحول نہیں بنایا پارہا ہے۔ حالیہ دہائیوں میں اگرچہ دیہی علاقوں تک تعلیم کی رسائی ہو گئی ہے لیکن آج بھی سماجی اور معاشی اعتبار سے کمزور حصوں سے آنے والے طلباء اور جسمانی طور پر معذور بچے تعلیمی مواقع میں عدم مساوات اور تفریق کا سامنا کر رہے ہیں جو کہ موجودہ سماج اور ماحول کا ہی نتیجہ ہے، اس لیے نصاب تعلیم میں سماجی انصاف، ہم آہنگی اور آئینی اقدامات کے مسائل کا احاطہ کرنے کے لیے ایک قانون بنانے کی ضرورت ہے جس کے ذریعہ سماجی بھید بھاؤ اور نسلی امتیازات سے بچا جاسکے۔ قبائلی علاقوں میں رہائش پذیر بچوں کی شرح خواندگی میں کمی، اندراج میں گراؤٹ، ڈراپ آؤٹ کی کثرت اور قبائلی بچوں کی زوال پذیری وغیرہ اہم مسائل ہیں، جن پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ مرکزی اور ریاستی حکومتوں کی ہزار کوششوں کے باوجود جن میں وظیفہ فراہم کرنا بھی شامل ہے، دیہی علاقوں کی صورت حال نہیں بدلی۔ قبائلی علاقوں میں اساتذہ کا نہ ملنا اور غیر قبائلی اساتذہ کی راہ میں زبان اور ترسیل کی پریشانی کا ہونا، ان کی ترقی میں بڑی رکاوٹ ہے۔ لہذا ان رکاوٹوں کو دور کرنے کے لیے پالیسی میں کچھ تجاویز پیش کی گئی ہیں ان پر عمل کیا جائے۔

- ۱- کام کرنے والوں کی عزت و احترام کا خیال رکھا جائے اور ان کے حق میں مثبت رویے کو فروغ دیا جائے۔
- ۲- بچوں میں فنی مہارت پیدا کرنے کے لیے ابتدائی دور سے ہی نصاب کے اندر ابتدائی طرز کی پیشہ وارانہ سرگرمیاں شامل کی جائیں۔
- ۳- پسماندہ طبقوں سے آنے والے بچوں کی صلاحیتوں کی حوصلہ افزائی اور عدل و انصاف کے قیام کے غرض سے قومی رفاقت فنڈ (National Fellowship Fund) کی شروعات کی جائے، جو کہ شروعاتی دور میں تقریباً دس لاکھ بچوں کی ٹیوشن فیس، تعلیمی مواد اور زندگی کے اخراجات کو پورا کر سکے اور ساتھ ہی ملکی سطح کا متعینہ امتحان پاس کرنے والے سبھی زمرے کے باصلاحیت طلبہ کے لیے دسویں جماعت کے بعد National Talent Scholarship Scheme کا آغاز کیا جائے۔
- ۴- آئرم شالاولوں اور آس پاس کے ثانوی اسکول / اعلیٰ ثانوی اسکول / کینڈریہ و دیالہ / نوودیہ و دیالہ کے بیچ ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کی جائے، تاکہ وہ آپسی صلاح و مشورہ کے ذریعہ اجتماعی اور تعلیم میں بہتری پیدا کر سکیں۔
- ۵- National Skill Development Corporation کے ساتھ مل کر کام کے اوقات کے بعد قبائلی علاقوں کے طلباء کے لیے اسکولوں میں زیادہ سے زیادہ ہنر پرستی کورسز کی تشکیل دی جائے۔
- ۶- حسب ضرورت قبائلی بچوں کے لیے جنہیں علاقائی زبان میں پڑھنے اور سمجھنے میں دشواری ہوتی ہو، ان کے لیے مختلف لسانیاتی تعلیم کو متعارف کرایا جائے۔
- ۷- مختلف صلاحیتوں والے، معذور بچوں کی تعلیمی ضروریات معلوم کرنے اور پڑھائی میں ناکام بچے، جو خاص طور سے چھوٹے شہروں اور گاؤں میں واقع اسکولوں کے اندر سماجی بے توجہی، گھر پر عدم تعاون کا نظام، مناسب سہولیات اور مفید آلات کی کمی جیسی مختلف پریشانیوں کا سامنا کر رہے ہیں ان کے مسائل کو دور کرنے کے لیے خصوصی اقدامات کیے جائیں۔

- ۸- مرکز کے تحت معذور بچوں کے لیے چلنے والی اسکیموں کو جاری رکھا جائے اور ان کے حدود اور سرمایہ کاری میں اضافہ کیا جائے۔
- ۹- مقامی سطح پر بچوں کے طبی مسائل کے ماہرین اور ماہر نفسیات کی عارضی کمیٹی تشکیل دی جائے، جن کے پاس حسب ضرورت کوئی بھی اسکول یا ضلعی تعلیمی افسر، تشخیص اور مشورے کے لیے مقدمات بھیج سکے۔
- ۱۰- جنسی امتیازات اور تشدد کو بالکل برداشت نہ کیا جائے۔ سماجی اور معاشی اعتبار سے پسماندہ طبقوں سے آنے والے نادار بچوں کے لیے اضافی کوچنگ اور اصلاحی سہولیات مہیا کرائی جائیں۔
- ۱۱- مرکزی حکومت پڑھنے میں ناکام بچوں کے لیے ایک دیر پا منصوبہ بنائے اور تحقیق و تربیت کے لیے سرمایہ فراہم کرے۔
- ۱۲- مقامی عدم توازن کو نظر میں رکھتے ہوئے الگ الگ جگہوں کے لیے الگ پالیسیاں بنائی جائیں۔

۷- خواندگی اور تا عمر تعلیم (Literacy and Lifelong Learning)

قومی تعلیم بالغاں پروگرام (National Adult Education Programme - NAEP) کی شروعات ۲ اکتوبر ۱۹۷۸ء کو بالغوں کی خواندگی پر زور دینے کے لیے کی گئی اور گزشتہ چالیس سالوں میں بہت سے پروگرام بنائے گئے جیسے دیہاتی علاقوں کے لیے Rural Function Literacy Program - RFLP) قومی خواندگی میشن (National Literacy Mission - NLM) اور ساکشر بھارت ابھیان وغیرہ، لیکن ان تمام کوششوں کے باوجود ہندوستان میں ابھی بھی ۲۸ کروڑ سے زیادہ بالغ افراد ناخواندہ ہیں جو پوری دنیا کی بالغ شرح ناخواندگی کا ایک تہائی حصہ ہے۔ تعداد کا اتنی مقدار میں ہونا اس بات کی طرف متنبہ کر رہا ہے کہ ہم بالغ ناخواندگی کے مسئلے پر خصوصی توجہ دیں۔

خواندگی کا مطلب ہے کہ انسان جس معاشرے اور سماج میں زندگی گزارتا ہے،

اس کے مطابق پڑھنے، لکھنے، حساب و کتاب، اور فنی مہارتوں کی صلاحیت اس کے اندر ہو۔ معاصر دنیا میں زندگی بھر کی تعلیم کو تعلیم یافتہ معاشرے کا روح رواں سمجھا جاتا ہے۔ زندگی بھر کی تعلیم آج جس قدر انسانیت اور معاشی ترقی کے لیے اہم ہے اتنا ہی انسان کی طرز زندگی کو بہتر بنانے اور دائمی زندگی کے حصول کے لیے بھی ضروری ہے۔ اگر ہندوستان تعلیم میں عالمی برابری اور ترقی یافتہ ملک کے طور پر ابھرنا چاہتا ہے تو اسے وسیع اور دائمی تعلیمی پالیسیوں اور پروگراموں کے ذریعہ انسانی وسائل کے معیار کو ترقی دینی پڑے گی۔ ناخواندہ لوگوں کی شرح میں اضافہ، معاشی تعلیم کا ابھرنا، عالمی مطالبات، جدید ذرائع ابلاغ کا بے انتہا پھیلاؤ اور مدت زندگی میں درازی وغیرہ بالغوں کی تعلیمی پروگرام میں بڑی تبدیلی کو دعوت دے رہی ہیں۔

مختلف تہذیب و ثقافت پر مشتمل ہندوستانی معاشرے میں تعلیم سے لوگوں کو قریب کرنے کے لیے نصاب میں لچیل پن، غیر مرکزیت، روزگار سے جوڑنا، لوگوں کی دلچسپی کا خیال اور ترقیاتی تبدیلیاں وغیرہ کرنی ہوں گی۔ اس کے لیے ان تجاویز کو عمل میں لایا جائے۔

۱- Universal Youth and Adult Literacy کو حاصل کرنے کے لیے مقامی تنظیموں، NGOs، سرکاری اسکول / کالج / تعلیمی اداروں، نوجوان اور عورتوں کی تنظیموں کو ساتھ میں لے کر تعلیم کے موجودہ ڈھانچے کو مضبوط کیا جائے اور دیگر مفید منصوبہ جات کو شامل کر کے نصاب کی تجدید کی جائے۔

۲- عالمی خواندگی کے مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے ملکی سطح پر نیشنل لٹریسی میشن اتھارٹی (NLMA) صوبائی سطح پر اسٹیٹ لٹریسی میشن اتھارٹی (State Literacy Mission Authorities) ضلعی سطح پر لوک سکشا (Lok Shiksha Samitis)، گرام پنچایت (Gram Panchayat) وغیرہ اور اسی طرح دیگر امدادی تنظیموں میں تجدید و ترمیم اور انھیں مضبوط کرنے کی ضرورت ہے۔

۳- حکومت ماہرین کی ایک اعلیٰ ٹیم بنائے جو Adult Education کے پروگرام کی تجدید اور اسے بہتر بنانے کی کاروائی کرے ساتھ ہی بالغ افراد کی خواندگی،

ہنر کی ترقی سابقہ تعلیم کی تصدیق کے ساتھ یکساں اسناد کا تعین کرنے کے لیے ایک سائنسی طرز نظر کا آغاز جس سے سیدھے رسم تعلیم میں داخلہ مل جائے۔ NLMA مشہور ایجنسیوں کے ساتھ مل کر سابقہ تعلیم کی منظوری اور بالغ تعلیمی اہلکاروں کو پیشہ وارانہ ترقی فراہم کرنے کا کام انجام دے گی۔

۴- بالغوں کی تعلیمی پروگرام میں فنی ترقی، تکنیکی، ڈیجیٹل، معاشی اور آئینی خواندگی بھی شامل ہو۔

۸- **تعلیم میں مہارت اور نوکری کے امکانات (Skills in Education and Employability)**

ترقی یافتہ ممالک میں نوجوانوں کی تعداد تیزی سے گھٹتی جا رہی ہے، لیکن ہندوستان کا شمار دنیا کے ان ممالک میں ہوتا ہے جن میں نوجوانوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ ہندوستان کی چوں فیصدی آبادی ۲۵ سال سے کم کی ہے۔ یہ اندازہ لگایا جا رہا ہے کہ ۲۰۲۲ء تک دس کروڑ سے زیادہ نئے لوگ کام کی دنیا سے جڑیں گے جنہیں مہارت کی ضرورت ہوگی، تاہم تکنیکی اور پیشہ وارانہ تعلیمی پروگراموں کو عمل میں لانے کے لیے ہمارے پاس ادارتی انتظامات ناقص اور نا کافی ہیں۔

حالیہ دنوں میں مہارت کی ترقی کو پیشے کے میدان سے جوڑنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ ایک میدان سے دوسرے میدان میں منتقلی آسان ہو سکے۔ اور نوکریاں بڑھانے کے لیے تعلیم اور مہارت دونوں کو یکجا کرنا انفرادی اور معاشی دونوں طرح کی ترقی کے لیے اہم ہے۔ عزت و احترام اور سماجی پسندیدگی کو اعلیٰ درجے تک پہنچانے کے لیے پیشہ وارانہ تربیت پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

اس کے لیے درج ذیل اقدامات کیے جائیں۔

۱- اسکول اور اعلیٰ تعلیمی نظام میں موجود فنی ترقی والے پروگراموں میں تجدید و ترمیم کی جائے تاکہ طلباء کو اچھی نوکریاں ملنے کے ساتھ ساتھ ان کی کاروباری

صلاحیت میں بھی اضافہ ہو۔

- ۲- ۲۰۱۵ کے نیشنل اسکیل ڈیولپمنٹ اینڈ انٹرپرائز شپ (National Skill Development and Entrepreneurship) کی تجویز کے مطابق فنی مہارت والے پروگراموں کو ۲۵ فیصدی اسکولوں اور اعلیٰ تعلیم گاہوں میں شامل کر دیا جائے۔
- ۳- اہم ضلعوں میں فنی اسکول کھولنے کا ایک تفصیلی منصوبہ تیار کیا جائے تاکہ ثانوی اسکول کے طلباء کے لیے نوکری کے مواقع میں اضافہ ہو جائے۔
- ۴- ثانوی، اعلیٰ اور تکنیکی تعلیم میں موجود مہارت پر مبنی پروگراموں کو نیشنل اسکیل کو اپلیکیشن فریم ورک (National Skills Qualifications- Framework NSQF) کے تحت مرکزی تعلیم کے ساتھ جوڑ دیا جائے، جس سے اعلیٰ سماجی قبولیت کے ساتھ برابری یا ترقی کے ساتھ تبادلے میں آسانی پیدا ہوگی۔ ایک سے زیادہ داخلی اور خارجی اختیارات، کریڈٹ بینک سسٹم، کریڈٹ بینک کے لیے ادارتی تعاون اور National Occupational Standards جس کی بنیاد قومی منظوری اور نتائج پر مبنی تشخیص پر ہے، ان کے ذریعہ مہارت کی تصدیق کے لیے ادارتی اصول بنائے جائیں۔
- ۵- اب تک سابقہ تعلیم کی منظوری (Recognition of Prior Learning) اور تشخیص کے لیے کوئی اصول نہیں بنایا جاسکا ہے، اس خلا کو ختم کرنے کے لیے ایک سال کے اندر مرکزی حکومت ہنر اور صلاحیت کی تصدیق و تشخیص کے لیے اصول بنائے تاکہ جن لوگوں کے پاس سرکاری تعلیم و تربیت کی کوئی سند نہیں ہے لیکن اس کے بغیر ان کے پاس صلاحیت موجود ہے، ان کی تعلیم میں رسائی آسان ہو سکے۔
- ۶- Sector Skill Council اور اسکول / کالج کے حکام کے ذریعہ مشترکہ سند جاری کی جائے تاکہ طلباء کو وقتی اور عارضی ملازمت کی اجرت لینے یا اپنا کاروبار

ر شروع کرنے میں مدد مل سکے۔

۹- تعلیم میں جدید ذرائع ابلاغ کا استعمال (Use of Information and Communication Technology in Education):

۱۹۸۶ء اور ۱۹۹۲ء کی سابقہ پالیسی کے بعد تعلیمی میدان میں ایک اہم ترقی اطلاع اور ترسیل (ICT) کے جدید ٹیکنالوجی کا ابھرنا ہے، جس نے تعلیمی میدانوں میں بڑی گنجائش پیدا کر دی ہے اور مختلف کاموں میں اس ٹیکنالوجی کے استعمال کے لیے جدید امکانات پیدا ہو گئے ہیں۔ اس سے صرف کسی شعبہ کو چلانے میں ہی نہیں بلکہ درس و تدریس کے معیار کو بلند کرنے، تعلیمی مواقع کو بڑھانے اور تعلیمی منصوبہ بندی اور انتظامی امور کو بڑھانے میں بھی پوری مدد ملتی ہے۔ ICTs کا استعمال تعلیم میں تجدید، اساتذہ کی تربیت، بالغ افراد کی خواندگی کا پروگرام، فنی تعلیم، اعلیٰ تعلیم کے لیے اہل تدریس اور اسی طرح نظم و ضبط اور انتظامی امور کے لیے ذریعہ کے طور پر استعمال کیا جاسکتا ہے۔ موجودہ دور میں IT کی بنیاد پر بنی اپلیکیشن بچوں کی کارکردگی اور اسکول کی نگرانی کے لیے اور اسی طرح اسکولی انتظام کے لیے بہت سی ریاستوں میں استعمال کیا جا رہا ہے۔ ہندوستان میں ICT کے استعمال کے ذریعہ تعلیم کو بہتر بنایا جاسکتا ہے اور اس کے لیے صرف ایک اچھی اور مربوط حکمت عملی کی ضرورت ہے۔

- اس کے لیے اس پالیسی میں مندرجہ ذیل تجاویز پیش کیے گئے ہیں۔
- ۱- ICT کو ہر سطح کی تعلیم کا لازمی حصہ بنانے کے لیے متحدہ کوشش کی جائے۔
- ۲- تدریسی تعلیم کو بہتر کرنے کے لیے ICT کو اساتذہ کے تعلیمی نصاب کا جزو لازم بنایا جائے۔
- ۳- داخلہ سے لے کر اسکول چھوڑنے تک بچوں کے تماریکارڈز کو آن لائن محفوظ کرنا ضروری قرار دیا جائے۔
- ۴- IT کی بنیاد پر بنی اپلیکیشن اساتذہ اور طلباء کی حاضری، اسکول کے اراکین اور

- اساتذہ کی کارکردگی کی پیمائش، طلباء کی کارکردگی کے ساتھ ہی تمام انتظامی امور جیسے تمام ریکارڈ اور اکاؤنٹ کی حفاظت کو کنٹرول کرنے کے لیے استعمال کیا جائے۔
- ۵- اسکول کے بہتر انتظامات اور کارکردگی کے لیے IT کا رپورٹنگ نظام ایک بہترین ذریعہ ثابت ہو سکتا ہے اس لیے جتنی جلدی ہو سکے مرکزی اور ریاستی حکومتیں ایسا ہی ایک پروگرام اسکولوں میں شروع کر دیں۔
- ۶- ہندوستان جیسے ملک میں جہاں بجلی مسئلہ پیدا کر سکتا ہے تو ICT کو پھیلانے کے لیے سول انرجی کی اہمیت سمجھتے ہوئے اسے پروگرام کا اہم حصہ بنایا جائے۔
- ۷- کم قیمت میں ثانوی اور اعلیٰ تعلیم تک رسائی کے لیے بڑے پیمانے پر کھولے گئے آن لائن کورسز (Massive Open Online Courses-MOOCs) جو ICT کا ایک دوسرا اپلیکیشن ہے، استعمال میں لایا جائے۔
- ۸- پہلے سے ترقی یافتہ اپلیکیشن کے علاوہ مختلف قسم کے سافٹ ویئر، موبائل ایپس کے استعمال کو بڑھا دیا جائے تاکہ اساتذہ اور طلباء کی مقامی ضرورتیں پوری ہو سکے۔
- ۱۰- اساتذہ کی تدریسی ترقی اور انتظامات (Teacher Development and Management):
- اساتذہ کی قابلیت اور ان کی تحریک تعلیمی معیار کو بڑھانے کے لیے لازمی ہے۔ اسکولی تعلیم کے ہر سطح پر اساتذہ کی کمی کو دور کرنے کے لیے بہت سے اقدامات کیے گئے ہیں۔ تعلیم کے میدان میں جو اہم مسائل درپیش ہیں وہ یہ ہیں۔ حساب، سائنس اور زبان و ادب میں ثانوی اسکول کے اساتذہ کی کمی، نوکری میں رہتے ہوئے اور نوکری سے قبل اساتذہ کے تربیتی پروگرام میں بہتری کی گنجائش، پیشہ کے طور پر تدریسی معیار میں سدھار کی ضرورت، تعلیمی نتائج یقینی بنانے کا مسئلہ، مدرسین کو متحرک اور ذمہ دار بنانے کی حاجت اور اساتذہ کی تربیتی اداروں اور مرہن کو ترقی دینے کی ضرورت ہے۔ اس لیے تعلیمی معیار اچھا بنانے کے لیے بڑا ہدف سامنے رکھتے ہوئے چند مؤثر اقدامات کرنے ہوں گے اور وہ اقدامات یہ ہیں۔

- ۱- ریاستی حکومتوں سے مشاورت کے بعد صلاحیت کی بنیاد پر اساتذہ، صدر مدرس اور تعلیم سے جڑے لوگوں کی بھرتی کو آسان کرنے کے لیے (Independent Teacher Recruitment Commissions) کا قیام عمل میں لایا جائے اور شفافیت اور صلاحیت کی بنیاد پر اساتذہ کی نئی بھرتی کے لیے اصول اور گائڈ لائن تیار کی جائے۔
- ۲- تعلیمی اداروں میں اساتذہ، صدر مدرس کی خالی جگہوں کو پر کیا جائے اور صدر مدرس کے لیے قیادت کی تربیت لازم کی جائے۔
- ۳- اساتذہ کی مناسب اور منصفانہ بھرتی میں عوامی سطح پر اشتہار کے لیے واضح اصول بنائے جائیں۔ دور دراز اور مشکل علاقوں میں نوکری کے لیے مقامی اساتذہ کی بھرتی کو ترجیح دی جائے۔
- ۴- ریاستی حکومتوں کے ذریعہ سلسلہ وار تمام ریاستوں میں اساتذہ کی ضرورتوں کو معلوم کرنے کے لیے اور ایک متعین مدت میں غیر تربیت یافتہ اساتذہ کی تربیت کے لیے مضبوط منصوبہ بنایا جائے، اور بتدریج منظور شدہ عہدوں پر قابل اساتذہ کی بھرتی کر کے عارضی اور معاہدہ والے اساتذہ کی چھٹی کی جائے۔
- ۵- اساتذہ کی غیر حاضری اور ذمہ داری کے متعلق مسائل کو مضبوط سیاسی اتفاق رائے کے ساتھ حل کیا جائے۔ غیر حاضری اور بد نظمی کو حل کرنے کے لیے ابتدائی تعلیم گاہوں میں اسکول انتظامیہ کمیٹی کو اور ثانوی اور اعلیٰ تعلیم گاہوں میں صدر مدرس کو خصوصی اختیارات دیے جائیں۔ اور ان کاروائیوں کے لیے جدید ٹیکنالوجی مثلاً موبائل ایپس اور بائیومیٹرک ڈیوائسز کا سہارا لیا جائے۔
- ۶- اساتذہ کی تدریسی پروگراموں کو اور مؤثر بنانے کے لیے مدت، طریقہ کار، نصاب اور اس میں موجود خامیوں کو دور کرنے کے لیے تجدید و ترمیم پر زور دیا جائے۔
- ۷- ملکی سطح پر ایک اساتذہ کا تعلیمی ادارہ (Teacher Education University) کا قیام ہو جو شعبہ کی ترقی اور تدریس کے مختلف پہلوؤں کو محیط ہو۔ NCERT

کے تحت مقامی ادارے کو ترقی دی جائے اور اسے مقامی سطح پر اساتذہ کی تعلیم و تربیت کی یونیورسٹی میں تبدیل کر دیا جائے۔

۸- اساتذہ کی تمام تربیتی ادارے مثلاً DIETs اور B.Ed. کالج کا منظور شدہ ہونا ضروری قرار دیا جائے۔

۹- اساتذہ کی ترقی والے پروگراموں میں وہ تمام اشیا شامل ہوں جو اساتذہ کے اندر غیر علمی سرگرمیوں خاص طور سے ہنرمندی، اخلاقی تعلیم، ورزش، آرٹ اور صنعت کی اہمیت کو ابھاریں۔ اور ان چیزوں کو تربیتی مراحل میں بھی ضرور شامل کیا جائے۔

۱۰- ملکی سطح کے ساتھ ساتھ ریاستی اور ضلعی سطح پر اساتذہ کو تعلیمی سرگرمیوں کی بنیاد پر ایوارڈ دیے جانے کی منظوری دی جائے اور ایوارڈ کے لیے اسکول انتظامیہ کمیٹی اساتذہ کے ناموں کا انتخاب کرے۔

۱۱- نوکری کر رہے اساتذہ کی مفید ٹیکنالوجی کے ذریعہ تربیت کے لیے مرکزی اور ریاستی حکومتیں مناسب اور موزوں انتظامات کریں۔ تمام اساتذہ کے لیے لازم ہو کہ کم سے کم تین سالوں میں ایک مرتبہ تربیتی پروگرام میں ضرور شامل ہوں۔

۱۲- سرکاری اور غیر سرکاری اسکولوں میں اساتذہ کی میعاد کی تشخیص کو لازم کر دیا جائے اور اسے مستقبل میں ترقی اور تنخواہ میں اضافہ کی درخواست کے لیے ضروری قرار دیا جائے۔ اور وہ ہر پانچ سال میں تجزیاتی امتحان میں شامل ہوں تاکہ ان کا طریقہ تعلیم، مہارت اور فنی علوم کا اندازہ لگایا جاسکے۔

۱۳- تمام ریاستوں میں ماہرین تدریس کی ایک ٹیم تیار کی جائے اور SCERTs اور DIETs اور دیگر تعلیمی اداروں میں اچھی خاصی سیٹیں مختص کی جائیں۔

۱۱- تعلیم میں زبان اور تہذیب (Language and Culture in Education):

ہندوستان میں بسنے والے مختلف تہذیب و تمدن اور رنگ و نسل کے لوگ الگ

الگ زبانیں بولتے ہیں اس لیے زبان کی اہمیت کسی پر مخفی نہیں اسی وجہ سے تین زبانوں والے فارمولے کی تجویز ریاستوں کی اتفاق رائے سے حکومت ہند نے پیش کی تھی اور اسے 1968 National Education Policy Resolution میں بیان کیا گیا اور ۱۹۸۶ء اور ۱۹۹۲ء کی پالیسی میں برقرار بھی رکھا گیا، اگرچہ بہت سی ریاستوں میں اس فارمولے پر اب تک عمل نہیں کیا گیا ہے۔ زبان اتنا جذباتی مسئلہ ہے کہ ایک تجویز سے ہر کسی کو مطمئن کرنا ممکن نہیں۔ حالات تبدیل ہونے کے ساتھ ہی ریاستی حکومتوں نے عوامی امنگوں اور خواہشوں کو ترجیح دیتے ہوئے لسانیاتی فن کو ترقی فراہم کی تاکہ ریاست کے اندر اور ملک و بیرون ملک لوگ آسانی سے تبادلہ اور نقل و حرکت کر سکیں۔ جہاں ایک طرف بچے اپنی مادری زبان میں زیادہ مؤثر انداز میں سیکھتے ہیں اور وہیں دوسری طرف انگریزی کو عالمی زبان کا درجہ ملنے کی وجہ سے انگریزی زبان سیکھنے اور انگریزی میڈیم اسکول کھولنے کے مطالبات بڑھ رہے ہیں۔ تعلیم کا مقصد طلباء میں ہندوستان کی گراں قدر روایت، شاندار ماضی، عظیم روایات اور مختلف تہذیبوں کے متعلق بیداری پیدا کرنی ہے جن کے ذریعہ بچوں کو ہر طرح کے اقدار کا علم ہوتا ہے اور جن کی مدد سے ذمہ دار شہری، امن، برداشت، جمہوریت، قومی یکجہتی، سماجی لگاؤ اور مذہبی رواداری کے ساتھ ہی عالمی اقدار، عالمی شہریت اور پائیدار ترقی کو مدد ملتی ہے۔

اس کے لیے پالیسی میں یہ تجاویز پیش کی گئی ہیں۔

۱- تمام ریاستی اداروں کو چاہیے کہ اسکولوں میں درجہ پانچ تک مادری، مقامی یا علاقائی زبان میں تعلیم مہیا کرائے۔

۲- انگریزی تعلیم طلباء کی ملکی اور غیر ملکی نقل و حرکت میں اہم رول ادا کرتی ہے اور عالمی علوم تک رسائی کراتی ہے اس لیے بچوں کو انگریزی پڑھنے اور لکھنے میں ماہر بنانا ضروری ہے۔ پرائمری سطح تک مادری، مقامی یا علاقائی زبان میں اگرچہ تعلیم دی جائے لیکن انگریزی کو دوسری زبان کی حیثیت سے شامل رکھا جائے اور ابتدائی اور ثانوی تعلیم کے بعد آئینی دفعات کو مد نظر رکھتے ہوئے تیسری زبان کا اختیار تمام ریاستوں کو

- دی جائے۔
- ۳- تمام اعلیٰ تعلیمی ادارے خاص طور سے تکنیکی اور پیشہ وارانہ ادارے تمام طلباء کو ہندوستان کی مالا مال وراثت، لسانیاتی و تہذیبی تنوعات اور تعلیمی نظام کے تعلق سے آگاہی کا موقع فراہم کریں۔
- ۴- ہندوستانی تہذیب، مقامی اور روایتی علوم کو اسکولی تعلیم میں مناسب جگہ دی جائے۔ طلباء میں مساوات، عدل، سماجی انصاف، بھائی چارہ، جمہوریت، رائے دینے کی آزادی، مذہبی آزادی، قومی یکجہتی جیسی اخلاقی چیزوں کے متعلق بیداری پیدا کرنے کے لیے ہر سطح کی تعلیم میں اخلاقی تعلیمات شامل کی جائیں۔
- ۵- سنسکرت کی ہندوستانی زبانوں کی ترقی، ملک کی تہذیبی اتحاد میں حصہ داری کی خصوصی اہمیت کو نظر میں رکھتے ہوئے اسکول اور یونیورسٹیوں میں اختیاری طور پر سنسکرت پڑھانے کے لیے سہولیات مہیا کرائی جائیں۔
- ۶- تعلیمی ادارے طلباء کے اندر شہریت والی سوچ، ادب و تہذیب، اوقات کی پابندی، صفائی ستھرائی، اچھا طور طریقہ، بہترین چال چلن، ضعیفوں اور پسماندہ طبقوں سے ہمدردی، عورتوں کا احترام اور انسانیت سے پیار کرنے کا جذبہ پیدا کریں۔
- ۱۲- جامع تعلیم کے ذریعہ شخصی ترقی (Self-Development through Comprehensive Education):

تعلیم کا بنیادی مقصد صرف علمی حصولیابی نہیں بلکہ علم و آگہی کے ساتھ جسمانی، سماجی اور جذباتی ترقی ہے۔ اسی لیے تعلیمی ترقی کے ساتھ ساتھ دیگر تمام پہلوؤں کی حصولیابی کا جائزہ لینا بھی ضروری ہے۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ ایک صحت مند طالب علم ہی موثر انداز میں تعلیم حاصل کر سکتا ہے۔ اور اچھی صحت ہی بہتر تعلیم کی راہ ہموار کر سکتی ہے۔ یہ باعث تشویش ہے کہ بہت سے بچے غذا کم اور صحت کی خرابی کی وجہ سے حصول تعلیم میں مشکلات کا سامنا کر رہے ہیں۔ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لیے چند پالیسیاں بنائی گئی ہیں۔ اور وہ یہ ہیں:

- ۱- بچوں کے جسمانی تعلیم کی مکمل ترقی کے لیے یوگا، کھیل کود، نیشنل کیڈٹ کور (National Cadet Corps - NCC) قومی سروس اسکیم (National Service Scheme - NSS)، فنی تعلیم، بال سسند، مقامی فنکاری، دستکاری، صنعت و حرفت، ادب و ہنر اور دیگر غیر علمی سرگرمیاں نصاب اور اسکول کا لازمی حصہ بنایا جائے۔ اسکولوں کی منظوری کو ان تمام چیزوں کی سہولیات سے مشروط کر دیا جائے۔
- ۲- حکومت اور اسکول انتظامیہ کے ذریعہ تمام غیر علمی سرگرمیوں کے لیے فنڈ کی نشان دہی کر دی جائے۔
- ۳- ڈیجیٹل انڈیا کا حصہ ہونے کی حیثیت سے تمام بچوں کی صحت اور معیار کو محفوظ رکھنے کے لیے موبائل ایپس کو بڑھاوا دیا جائے۔
- ۴- مڈے میل اسکیم (Mid-day Meal Scheme-MDMS) غذا فراہم کرنے اور سماجی مساوات کو بڑھانے میں مددگار ثابت ہوگی۔ اسی لیے DMM پروگرام کو ثانوی اسکول کے طلبہ تک پہنچایا جائے۔ کھانا پکانے اور اس کی تقسیم کی ذمہ داری اساتذہ پر نہ ڈال کر کسی مشہور تنظیم کو کھانا پکانے اور بانٹنے کی ذمہ داری دی جائے۔
- ۱۳- اسکول کی تشخیص اور اس کا نظم و ضبط (School Assessment and Governance):

اسکولوں کا نظام بہتر بنانے کے لیے کمیونٹی کی شرکت اور والدین کی شمولیت اہم کردار ادا کرتی ہے۔ یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ گاؤں کے اسکول اسی وقت موثر طریقے سے کام کریں گے جب مقامی کمیونٹی سرگرم رہے گی اور اسکول کی کارکردگی میں حصہ لے گی۔ اسکول میں بہتر نظام اور نظم و ضبط قائم کرنے کے لیے ضلعی سطح پر تعلیم کے افسران کے ساتھ ساتھ سینئر اساتذہ کی تربیت اور انہیں بہتر انتظامی طریقوں سے آشنا کرانے، اسکول کی بہتر کارکردگی اور اس کی نگرانی کو بہتر بنانے کے لیے اعداد و شمار کا استعمال کرنے، کمیونٹی و ذرائع

کو متحرک کرنے اور اسکول کی کارکردگی کو بہتر بنانے کی کوشش کرنے کی ضرورت ہے۔ اسکول کے معیار کا اندازہ لگانے کے لیے اس کے سارے پہلوؤں پر نظر رکھنا بہت ضروری ہے بشمول تعلیم و تربیت کا بنیادی ڈھانچہ، استاذ کا انتظام، اسکول کی قیات، تدریسی نتائج، طلبہ اور ان کے والدین کو مطمئن کرنا وغیرہ۔

اس پالیسی کے تحت درج ذیل تجاویز پیش کیے گئے ہیں:

۱- اس پالیسی کے ذریعہ اس بات کی پہل کی جا رہی ہے کہ اسکولوں کے نظام اور ان کی کارکردگی کو جانچ کر ان کے معیار کو بہتر بنانے کے لیے ایک ایسا ڈھانچہ بنایا جائے جس کے ذریعہ پورے ملک کے اسکولوں کی کارکردگی کا اندازہ لگایا جاسکے مثلاً اسکول کے معیار، اساتذہ کی صلاحیت، اسکول کی قیادت اور اس کا نظام اور ساتھ ہی اسکول کو اپنی کارکردگی پیش کرنے کا موقع فراہم کیا جائے۔ جو اسکول بورڈز کے ایکریڈیشن کو ایک ترکیب فراہم کرے گا۔

۲- مرکزی اور صوبائی حکومتوں کے ذریعہ RTE ACT کی ہدایات کے تحت اسکول انتظامیہ کمیٹی (School Managment Committee) تمام اسکولوں کے لیے نافذ کیا جائے۔ SMC کو بہتر بنانے کے لیے اس کی نگرانی کے طور پر ریاستی حکومتیں انتخابی عمل، کثرت، مدت ملازمت، کردار و ذمہ داریوں اور اس کے طریقہ کار پر واضح ہدایات فراہم کریں۔ ریاستی حکومت SMC کی تربیت کے لیے تجویز پیش کرنے کی کوشش کرے گی اور اس بات کو یقینی بنائے گی کہ اسکول اپنے عطیات وقت پر حاصل کر سکے، تاکہ مؤثر طریقے سے اسکول کے ترقیاتی منصوبے نافذ کیے جاسکیں۔

۳- واضح رہے کہ پرنسپل/صدر کی قیادت اسکول کی کارکردگی پر گہرا اثر ڈالتی ہے۔ اس لیے صدر المدرسین کو چاہیے کہ اسکول کی تعلیمی کارکردگی اور اس کی ترقی کا محاسبہ کرتے رہیں، جو ترقی یافتہ اسکولی نظام کا ڈھانچہ بنانے میں مدد کرے گا۔ اس میں اسکول کے رہنما کا کردار اور اس کی ذمہ داریوں کی وضاحت، اسکول

کے رہنما کی واضح مہارت، پرنسپلز اور ہیڈ اساتذہ کے انتخاب کا شفاف اور مضبوط عمل متعارف کرانا، اسکول کے رہنماؤں کے لیے تعیناتی پروگرام کرانا اور زندگی کی ترقی کے واضح اور ہمور راستوں کے ساتھ پیشہ ورانہ ترقی کو جاری رکھنے کے مواقع فراہم کرنا وغیرہ شامل ہیں۔

۱۴- اعلیٰ تعلیم میں حکومتی اصلاحات (Governance Reforms in Higher Education):

حالیہ برسوں میں ہندوستان میں اعلیٰ تعلیمی شعبوں میں ایک بے مثال اور واضح توسیع کے ساتھ تنوع کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔ شعبوں کے غیر منصوبانہ توسیع، اعلیٰ تعلیم کے بندوبست کو بڑھانے اور اس کو برقرار رکھنے میں رکاوٹ پیدا کر رہی ہے۔ لہذا اعلیٰ تعلیم کے بندوبست کو یقینی بنانے کے لیے موثر پالیسیوں کو مرتب کرنا اشد ضروری ہے۔ اس کے تحت درج ذیل اقدامات عمل میں لائے جائیں:

۱- HRD Ministry کے تحت یہ فیصلہ لیا گیا ہے کہ پانچ سال کے لیے ماہرین تعلیم پر مشتمل ایک ایسا Education Commission قائم کیا جائے جو علاقہ میں جدید علوم اور نظم و ضبط کی شناخت کرانے کے ساتھ ساتھ عالمی منظر نامے اور قومی توقعات پر کھڑے اترے، اور حسب ضرورت درس و تدریس، نصاب اور ادارے کی تشخیص میں اصلاحات بھی کرے۔

۲- اعلیٰ تعلیمی اداروں کے منتظمین کی ٹیم اس طور پر بنائی جائے کہ اس میں تعلیم سے جڑے ہر طرح کے لوگ مثلاً اساتذہ، فارغین، اسکول انڈسٹری کے لوگ اور سماج کے سرکردہ لوگوں کی نمائندگی ہو۔ اور اس کے انتخاب اور تشکیل کے لیے واضح ہدایات موجود ہوں۔

۳- مختلف شعبہ جات پر مشتمل یونیورسٹی نظام بنانے کی کوشش کی جائے جس میں UG، PG اور ڈاکٹریٹ کے متعلق بھی تعلیمات فراہم کی جاتی ہوں، کیونکہ یہ

تعلیم و تحقیق میں معاون و مددگار ثابت ہوگا۔ 1968/86/92 کی سابق پالیسیوں کی طرح موجودہ پالیسی بھی ہندوستانی تعلیمی خدمات (Indian Education Service) کے نفاذ پر زور دے رہا ہے۔ IES کے وجود میں آنے تک ریاستی حکومتوں کے ذریعے UPSE کی طرف سے خصوصی انتخابی کارروائی کے لیے عارضی اقدامات کیے جائیں۔

۴- سابق ہائی کورٹ جج کے ذریعہ بنایا ہوا ایک خصوصی تعلیمی نظام مرکز اور ریاستوں میں قائم کیا جائے تاکہ سرکاری اور غیر سرکاری اسکولوں کی بد نظمی کے خلاف عوام کی شکایات اور قانونی چارہ جوئی کا صحیح حل پیش کیا جاسکے۔

۵- حکومت طلبہ یونین کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے ان کے جمہوری نظام اور نظم و ضبط کو مضبوط بنانے اور جمہوریت کے مفادات کو آگے بڑھانے کے ساتھ بحث و مباحثہ اور مختلف سوچوں کو اہمیت دینے کی اہلیت پر ان کی حوصلہ افزائی کی جائے اور ایسے طلبہ پر پابندی عائد کرے جو ایک ہی کورس میں کئی سال گزار دیتے ہیں۔ اور تعلیمی سرگرمیوں میں انتشار پیدا کرتے ہیں اور ہاسٹل میں رہ کر اس کی فراہم کردہ سہولیات کا غلط استعمال کرتے ہیں۔

۶- تمام اعلیٰ تعلیمی ادارے (HEIs) شکایات کو دور کرنے کا ایک موثر طریقہ پیش کریں اور ہمیشہ طالب علم، شعبہ اور تنظیم کے خلاف کارروائی کرنے سے پہلے قدرتی انصاف کے اصول و ضوابط کی پیروی کریں۔

۷- موجودہ الحاق کا نظام جاری رکھا جائے لیکن یونیورسٹی اور کالج کے معیار کو برقرار رکھنے کے لیے اس کے الحاق کی تعداد سو (۱۰۰) تک محدود ہو۔ تمام عوامی ادارے اپنے انتظامی ذمہ داریوں اور معاشی اختیارات کو یقینی بنانے کے لیے مخصوص اہداف اور اوقات مقررہ کے ساتھ خاص منصوبہ تیار کریں۔

۱۵- اعلیٰ تعلیم کے اصول و ضوابط: (Regulation in Higher Education)
ایک ادارے کے قانونی ڈھانچے سے دوسرے ادارے کے ڈھانچے میں

انفرادیت اس لیے پائی جاتی ہے کہ زیادہ تر قومی ادارے الگ الگ وقت میں مختلف ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے بنائے گئے ہیں۔ اعلیٰ تعلیمی شعبوں میں یہ نئی پیش رفت کی گئی ہے کہ ان کے نظام اور طریقہ کار پر نظر ثانی کی جائے۔ اور خود مختاری و جواب دہی کے مابین ایک توازن قائم کر کے اعلیٰ تعلیمی نظام کی موجودہ اور مستقبل کی ضرورت کو پوری کرنے کی سعی کی جائے۔ ریاستی حکومتیں اور یونیورسٹیاں بھی اپنے دائرہ اختیار میں اعلیٰ تعلیمی ادارے کو بہتر بنانے میں اہم کردار ادا کر سکتی ہیں۔

اس کے تحت مندرجہ ذیل تجاویز پیش کیے گئے ہیں:

۱- نیشنل ہائر ایجوکیشنل فیلوشپ پروگرام کے انتظام کے لیے ایک آزاد طریقہ کار اپنایا جائے۔

۲- مرکزی ڈیٹا کلیکشن کے طور پر ایک تعلیمی شماریاتی ایجنسی کا مرکز قائم کیا جائے جہاں امکانی تجربہ، افرادی منصوبہ بندی اور کورس کے مستقبل کو بہتر بنانے کے لیے اچھے اور اعلیٰ معیار کے انتظامیہ موجود ہوں۔

۳- اعلیٰ تعلیم کے ریاستی کونسل کی طرف سے کالج اور یونیورسٹیز کی نگرانی پرکڑی نظر رکھی جائے تاکہ تعلیمی معیار کو بہتر بنایا جاسکے اور اس سلسلے میں منظور شدہ ایجنسیوں سے بھی صلاح و مشورہ لیا جائے۔

۴- ہر تعلیمی ادارے کے پاس ایک ویب سائٹ ہونا چاہیے جس میں واضح طور پر ہر چیز کا بیان موجود ہو، مثلاً داخلہ کے بارے میں معلومات، داخلہ فیس، شعبہ، پروگرام، امتحانات، نتائج، طلبہ کی ملازمت، نظم و ضبط، مالی اخراجات، بزنس اور تعلیمی و تربیتی سرگرمیوں پر ایک رپورٹ موجود ہو۔ اسی طرح ادارے کی دیگر ضروری اطلاعات بھی ویب سائٹ کے ذریعہ فراہم کی جائیں۔

۱۶- اعلیٰ تعلیم میں معیار کی ضمانت: (Quality Assurance in Higher Education)

ہندوستان میں اعلیٰ تعلیم کا گرتا ہوا معیار مختلف چیزوں پر منحصر ہے۔ مثلاً ناکافی

بنیادی ڈھانچہ اور سہولیات، اساتذہ کی کمی، شعبوں کا گرتا معیار، پرانا طرز تد ریس اور زوال پذیر تحقیقی معیار وغیرہ نیز اس کے علاوہ شعبوں میں بڑے پیمانے پر جغرافیائی، جنسی اور سماجی عدم توازن موجود ہے۔ اعلیٰ تعلیمی معیار قائم کرنے کے لیے اداروں کو قومی کونسل برائے منظوری و تشخیص (National Assessment and Accreditation Council- NAAO) اور قومی بورڈ برائے منظوری (National Board of Accreditation-NBA) کی طرف سے منظوری حاصل کرنا ضروری ہے۔

حال ہی میں اعلیٰ تعلیمی اداروں کی درجہ بندی کے لیے HRD نے رینٹنگ اور فریم ورک کے قومی ادارے (National Institute of Ranking & Framework) NIRF، کا آغاز کیا ہے، جس میں انجینئرنگ، مینجمنٹ، فارمیسی اور فن تعمیر کی یونیورسٹیز اور کالجز بھی شامل ہیں۔

اس پالیسی میں درج ذیل ضوابط پیش کیے گئے ہیں:

- ۱- اس پالیسی کے ذریعہ اس بات کی پہل کی جارہی ہے کہ ماہرین کی ایک ایسی کمیٹی تشکیل دی جائے، جو عالمی منظر نامے میں اکیڈمیشن کے نظام کا مطالعہ کرے، تاکہ اچھی کارکردگی کرنے والے ممالک کا نظام اور ان کے بہترین طریقہ کار کو اپنایا جاسکے۔ اور ان کو مد نظر رکھتے ہوئے NAAC اور NBA میں بنائے گئے نئی تشریح کے طریقے، پیرامیٹرز اور معیار کی تشکیل نو کی تجویز پیش کی جاسکے۔
- ۲- ہر ادارہ کی تشخیص اور منظوری کی تفصیلات ایک ویب سائٹ پر موجود ہوں تاکہ تعلیم سے جڑے تمام لوگ ادارے کی کارکردگی سے باخبر رہیں۔

۱۷- غیر رسمی اور فاصلاتی تعلیم اور MOOCs

(Open and Distance Learning & Massive Open Online Courses)

تعلیم و تعلم ایک زندگی بھر چلنے والا عمل ہے۔ اس کے تین طریقے ہیں، (۱) رسمی، (۲) غیر رسمی، (۳) فاصلاتی

فاصلاتی تعلیم آزاد طرز تعلیم ہے آزاد طریق تعلیم کو مہارت و صلاحیت کی تعمیر،

تربیت، روزگار، زندگی بھر سیکھنے اور بہتر رسائی حاصل کرنے کے ایک اہم طریقہ کی حیثیت سے قبول کیا گیا ہے۔ اس وقت اندرا گاندھی نیشنل اوپن یونیورسٹی اور صوبائی یونیورسٹیاں طلبہ کی ضروریات پوری کرنے میں نمایاں خدمات انجام دے رہی ہیں۔ اور اب تک تقریباً چالیس لاکھ سے زائد طلبہ اس طرز تعلیم سے فیض یاب ہو چکے ہیں، جبکہ فاصلاتی تعلیم کے قومی ادارے (National Institute of Open Schooling - NIOS) اسکولی تعلیم کے میدان میں نمایاں کارنامے انجام دے رہے ہیں۔ تاہم فاصلاتی تعلیم میں کچھ ایسے مسائل ہیں جن میں اصلاح کی ضرورت ہے۔

اعلیٰ تعلیم کو عوام الناس تک پہنچانے کے لیے بڑے پیمانے پر آن لائن کورسز کی شروعات کی گئی ہے، جن کا مقصد کم قیمت میں اعلیٰ تعلیم فراہم کرنا ہے۔ مختلف اعلیٰ تعلیمی ادارے اور یونیورسٹیاں آزاد رینٹنگ پلیٹ فارم کے ذریعہ آن لائن کورسز جاری کر رہی ہیں۔ اور آنے والے وقت میں جیسے جیسے لوگوں میں علم کی خواہش و تجسس اور معرفت و آگہی کا ذوق بڑھتا جائے گا، ان آزاد آن لائن کورسز کی اہمیت و معنویت اور زیادہ ہوتی جائے گی۔ MHRD نے نوجوان اور مشتاق ذہنوں کو تعلیم فراہم کرنے کے لیے ایک اعلیٰ پیمانے کی ویب سائٹ لانچ کرنے کا منصوبہ بنایا ہے جہاں مختلف موضوعات پر آن لائن کورسز موجود ہوں گے۔

اس پالیسی کے ذریعہ مندرجہ ذیل تجاویز پیش کی گئی ہیں:

- ۱- ایک ایسی خود مختار ٹیم بنائی جائے جو تعلیمی معیار کو بہتر بنائے، اس کو فروغ دے سکے اور MOOCs کے ذریعہ حاصل شدہ کریڈٹس، ایوارڈس (انعامات) اور ڈگریوں کی منظوری کے لیے ایک بہترین طریقہ بنائے۔
- ۲- ODL اور MOOCs کے ذریعہ کورسز اور پروگرامز فراہم کرنے والے تمام اداروں کو چاہیے کہ خود مختار جماعت (Autonomous) body کے ذریعہ مقرر کردہ ہدایات کی بنیاد پر قومی اور مقامی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے کورسز کا معیار بہتر سے بہتر بنائے۔

- ۳- ODL یا MOOCs کے ذریعہ تعلیم فراہم کرنے والے تمام ادارے اور یونیورسٹیوں میں اپ گریڈیشن کا نظام بنایا جائے تاکہ ان کا معیار عمدہ بنایا جاسکے اور ان کے فراہم کردہ کورسز اور پروگرامز میں حسب ضرورت ترمیم و تبدیلی کا امکان باقی رہے۔
- ۴- تمام فاصلاتی اداروں کی طرف سے طلبہ کے لیے امدادی خدمات فراہم کیے جائیں۔ مثلاً: نصاب تیار کرنا، آزاد تعلیمی وسائل، ٹیوشن اور مشاورت کی خدمات، بحث و مباحثہ کا فورم، لائبریری کی سہولیات، ای لرننگ ماڈل، (E-Learning Model) آن لائن پروگرام، تفویضی خدمات کی رائے فراہمی، آن لائن نتائج کا اعلان اور شکایات کے ازالہ وغیرہ۔

۱۸- بین الاقوامی تعلیم (Internationalization of Education)

- جدید علوم، ان کے تقاضے اور گلوبلائزیشن کے دور میں عالمگیریت اعلیٰ تعلیم کا ایک ناگزیر نقطہ نظر ہے۔ آفاقیت طلبہ، اساتذہ، علماء، شعبہ کی نقل و حرکت، تعلیمی نظام اور تہذیب و ثقافت کی درآمدیا برآمد، تحقیق میں تعاون، ترسیل علم و صلاحیت کی تعمیر، نصاب اور سیکھنے کے نتائج کی عالمگیریت، عارضی نقل و حرکت اور ڈیجیٹل لرننگ پر مشتمل ہے۔
- اعلیٰ تعلیم کی عالمگیریت بہت سارے مواقع فراہم کرتی ہے، جیسے قومی اور بین الاقوامی مشاہدات کا موقع، اعلیٰ تعلیم کی فراہمی، طلبہ کی بہتر رسائی، تعلیم میں مالی امداد، ڈبل ڈگریوں میں اضافہ، اختلاف اور جدید تعلیمی ماحول کو دیکھنے کا موقع۔ یہ سب اس میں شامل ہیں۔
- اس پالیسی کے تحت درج ذیل اقدامات عمل میں لایا جائیں:
- ۱- پوری دنیا کے ٹاپ ۲۰۰ (دوسو) یونیورسٹیز میں سے منتخب غیر ملکی یونیورسٹیز کو ہندوستان میں ہندوستانی یونیورسٹیز کے تعاون سے اپنا طرز تعلیم جاری کرانے کے لیے ان کی حوصلہ افزائی کی جائے اور حسب ضرورت ایسے قانونی اقدامات کئے جائیں جن سے غیر ملکی یونیورسٹیز کو یہ اختیار حاصل ہو کہ وہ ہندوستان میں تعلیم حاصل کرنے والے ہندوستانی طلبہ کو ایسی ڈگریاں فراہم کریں جو ان کے ملک میں

- بھی قابل قبول ہوں۔
- ۲- نصاب کی جامعیت کو دنیا کے سب سے معیاری اداروں کے ساتھ مقابلہ کرنے پر ابھارا جائے، تاکہ بیرون ممالک ہندوستانی طلبہ کی مقبولیت میں اضافہ ہو اور ہندوستانی طلبہ غیر ملکی طلبہ کو اپنی جانب مائل کر سکیں۔ بہت سے غیر ملکی طلبہ ہندوستانی تہذیب و ثقافت اور اس کے متعلق تاریخی معلومات حاصل کرنے کے لیے ہندوستان کا رخ کرتے ہیں۔ ایسے علاقے کے طلبہ غیر ملکی طلبہ کی صلاحیتوں کو دیکھ کر ترقی کر سکتے ہیں۔
- ۳- اعلیٰ تعلیمی ادارے غیر ملکی طلبہ کے لیے برج کورسز (Bridge Courses) اور ہندوستانی لسانیات کی تعلیم کا انتظام کرے، تاکہ وہ اپنے اندر سے لسانی کمیوں کو دور کر سکیں اور نصاب اعلیٰ معیار پر مشتمل ہونے کے سبب درپیش پریشانیوں سے نبرد آزما ہو سکیں۔
- ۴- ہندوستان کے اعلیٰ تعلیمی اداروں میں شامل غیر ملکی اداروں کے اصول و ضوابط پر نظر ثانی کی جائے تاکہ ہندوستان کے اداروں میں زیادہ سے زیادہ غیر ملکی شعبہ جات شامل کیے جاسکیں اور غیر ملکی طلبہ کی بنیادی پریشانیاں جیسے ویزا، رہائش کی مدت اور ٹیکس کے اصول و ضوابط وغیرہ کا ازالہ کیا جاسکے۔ عالمگیریت کو فروغ دینے والے ہندوستانی اعلیٰ تعلیمی اداروں کو حکومت کی جانب سے مالی امداد فراہم کی جائے۔
- ۵- حکومت متعدد ممالک کی یونیورسٹیز سے اس سلسلے میں بات کرے کہ وہ خواندگی کے پروگرام اور اعلیٰ تعلیمی معیار کے اداروں کی منظوری کے لیے ایک مضبوط موثر اور قابل اعتبار نظام وضع کریں۔ چند ممالک پر مشتمل ایسی ٹیم تشکیل دی جائے جن کا آپس میں یہ معاہدہ ہو کہ ان کے ماتحت چلنے والے اعلیٰ تعلیمی اداروں سے حاصل شدہ سندوں کو ہر ایک یکساں طور پر قبول کرے۔ اور سالانہ منظوری کو کریڈٹ بیس کی منظوری کی جانب منتقل کرنے کی طرف پیش رفت کی جائے۔

۱۹-

اعلیٰ تعلیم میں مدرسین کی ترقی (Faculty Development in Higher Education)

اعلیٰ تعلیمی نظام کو بہتر بنانے کے لیے تدریس اور مدرسین کے معیار کو ترقی دینا اشد ضروری ہے۔ درس و تدریس کے پیشے کی خوبی اور پیشہ وارانہ ترقی کو بنائے رکھنے کے لیے نئے مدرسین کی تقرری سے پہلے ان کی ابتدائی تیاریوں کو یقینی بنانے کی جانب توجہ دی جانی چاہیے تاکہ تعلیم کے معیار کو فروغ دیا جاسکے۔ ایک یونیورسٹی کا بہترین انتظام بہت حد تک سینئر اہلکاروں کی صلاحیت اور انتظامی مہارت پر منحصر ہوتا ہے۔ وائس چانسلر، رجسٹرار اور دیگر سینئر اسٹاف کی تقرری کا موجودہ نظام بہت سے ایسے مسائل پیدا کر رہا ہے جو اعلیٰ تعلیمی اداروں کے معیار کو متاثر کر رہے ہیں۔ تعلیمی شعبوں میں دشوار گزار، انتظامی امور کو سنبھالنے والے ایسے افراد کی ضرورت ہے جن کے اندر قائدانہ صلاحیت اور خود اعتمادی موجود ہو۔

اس کے تحت درج ذیل تجاویز فراہم کی گئی ہیں:

۱- ماہرین تعلیم پر مشتمل ایک ٹاسک فورس (Task Force) تشکیل دی جائے جو بین الاقوامی شہرت یافتہ یونیورسٹیز اور اداروں کی طرف سے اپنائے گئے تقرری کے اصول کو فروغ دینے اور برقرار رکھنے کے طریقہ کار کا مطالعہ کرے اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں تعلیمی خوبیوں کو ترقی دینے کے اقدامات کا مشورہ دے۔

۲- باصلاحیت نوجوانوں کو تدریسی پیشہ سے جوڑنے کے لیے ایک قومی مہم چلائی جائے، ایم فل اور پی ایچ ڈی جیسے شعبوں کے ریسرچ اسکالرس کی کریئر (Career) کو ترقی دی جائے اور انھیں اکیڈمک اسٹنٹ (Academic assistant) یا اکیڈمک ایسوسی ایٹ (Academic Associate) کی حیثیت سے نامزد کیا جائے۔

۳- نئی بھرتی فیکلٹی کی خاطر (۶-۳) تین سے چھ ماہ کا تعارفی پروگرام منعقد کرنے کے لیے قومی اور ریاستی سطح پر تربیتی اکیڈمیاں قائم کی جائیں۔ اعلیٰ تعلیمی اداروں میں تدریس کے فرائض انجام دینے سے پہلے نئے اساتذہ کے لیے تدریسی سرٹیفکیٹ

حاصل کرنا لازمی قرار دیا جائے۔ یہ پروگرام تدریس اور تحقیق کے طریقہ کار، ICT کے استعمال، نصابی ڈھانچہ، جنسی اور سماجی تنوع کی حساسیت، پیشہ وارانہ اخلاقیات، بہترین طریقوں کو عام کرنے اور تعلیمی میدان میں انھیں فروغ دینے وغیرہ پر مشتمل ہوگا۔

۴- فیکلٹی کی تعلیمی کارکردگی کے تجزیہ کے لیے ایک بہترین پینل بنایا جائے، تاکہ سرکاری اداروں میں علمی احتساب کو یقینی بنایا جاسکے۔

۵- مناسب انتخاب اور تقرری کی پالیسیوں کی رعایت کرتے ہوئے ماہرین کی صنعت و حرفت اور حکومتی کاموں جیسے دیگر میدانوں سے تدریس کی طرف نقل و حرکت کو ہموار اور یقینی بنانے کے لیے ایک موزوں طریقہ کار بنایا جائے، تاکہ تدریسی اور غیر تدریسی میدانوں میں آپسی تبادلہ خیال کو فروغ دیا جاسکے۔

۶- معروف اعلیٰ تعلیمی اداروں کے سینئر اساتذہ اور منتظمین کے لیے کم مدتی قیادتی پروگرام کا انعقاد کیا جائے، جو اعلیٰ سطح کے قیادتی مرتبے کے انتخاب کے لیے ضروری ہو۔

۲۰- تحقیق، جدت اور جدید علوم (Research, Innovation and New Knowledge)

(New Knowledge)

اگرچہ دنیا میں ہندوستان کے تحقیقی مطبوعات کی شرح میں مجموعی طور پر اضافہ ہوا ہے، لیکن اس کے تحقیقی معیار میں کوئی قابل ذکر تبدیلی رونما نہیں ہوئی ہے۔ تحقیقی ذہن کے حامل طلبہ اور اساتذہ بیرون ممالک کا رخ کرنے کو ترجیح دیتے ہیں، کیوں کہ انھیں ہمارے موجودہ اداروں میں تحقیق کے لیے موافق فضا میسر نہیں ہے۔ اعلیٰ معیار کے تحقیقی رجحانات کو فروغ دینے کے لیے ہمارے ملک میں سازگار ماحول پیدا کیے جانے کی ضرورت ہے۔ ملک کے لیے ضروری ہے کہ وہ مکمل انتظامی اور تعلیمی ماحول پیدا کر کے نئے انکشافات اور تحقیق کے رجحانات کو فروغ دے۔ اس تناظر میں، جبکہ ہندوستان تحقیقات و انکشافات کے میدان میں دیگر ملکوں سے کافی پیچھے ہے۔ سماج میں تحقیق اور درس و تدریس کے نئے

طریقے فراہم کرنے کے لیے درج ذیل اقدامات کیے جانے کی ضرورت ہے۔

- ۱- آنے والے سالوں میں جدید تحقیقی علوم کو فروغ دینے کے لیے سرکاری اور غیر سرکاری اداروں میں پرائیویٹ ٹرسٹس (private trusts)، اہل خیر حضرات اور فاؤنڈیشن کے ذریعہ کم از کم ۱۰۰ (سو) مراکز قائم کیے جائیں۔
- ۲- زمینی سطح پر بنیادی مسائل کی عکاسی کا کام شروع کرنے کے لیے قومی تعلیمی منصوبہ بندی اور ایڈمنسٹریشن یونیورسٹی (University of National Educational Planning and Administration UNEPA) کے ریسرچ ایجنڈے میں واضح تبدیلی کی جائے۔
- ۳- جدید علوم اور ان کے تقاضوں کے اعتبار سے اعلیٰ تعلیمی اداروں کے نصاب میں تبدیلی لانے کے لیے ایسے اقدامات کیے جائیں جن کے ذریعہ ہندوستان اپنے آپ کو ایک ایسے ملک کی حیثیت سے پیش کر سکے جو جدید تکنیک سے مالا مال ہو۔
- ۴- آنے والے پانچ سالوں میں اعلیٰ تعلیمی اداروں میں تخلیقی صلاحیتوں، ایجادات و انکشافات اور جدت کے رجحانات کو فروغ دینے کے لیے سو سے زائد تربیتی مراکز کا قیام عمل میں لایا جائے۔
- ۵- جدید علوم کے حصول کے لیے جدت اور نئے علوم پر زور دیتے ہوئے انسانی وسائل اور نئے روابط پیدا کیے جائیں۔

۲۱- تعلیم میں سرمایہ کاری (Financing Education)

ہندوستان میں تعلیم کو عوامی ترقی کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ اس شعبہ میں عوامی سرمایہ کاری کی بڑی ضرورت محسوس کی جا رہی ہے؛ کیوں کہ کچھ ایسے شواہد ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جن ممالک میں پرائیویٹ ایجوکیشن سسٹم موجود ہے، وہ اقتصادی اور سماجی طور پر ترقی یافتہ نہیں ہیں، جبکہ جن ممالک میں تعلیم، عوامی ترقی کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے، وہ تعلیم کے ذریعہ زیادہ سماجی فائدہ اٹھاتے ہیں 1968/86/92 کی حالیہ پالیسیوں میں علیحدہ طور پر

قومی تعلیمی معیار کو بلند کرنے کے لیے مجموعی ملکی پیداوار Gross Domestic Product (GDP) کی چھ فیصد کی سفارش کی تھی۔ تاہم تعلیم میں سرمایہ کاری ہمیشہ سے اس کی سطح سے نیچے رہی ہے۔ حالیہ برسوں میں یہ 3.5 فیصد کے ارد گرد تھے۔ یہ پالیسی مطلوبہ ہدف تک پہنچنے کے لیے تعلیمی شعبے میں سرمایہ کاری کے اضافہ کرنے کی طرف توجہ مبذول کراتی ہے۔

اس پالیسی کے تحت مندرجہ ذیل اقدامات ناگزیر ہیں:

- ۱- حکومت فوری طور پر بہت دنوں تک زیر التوا ہدف کی تکمیل کے لیے تعلیمی سیکٹر میں GDP، کی کم از کم چھ (۶) فیصد سرمایہ کاری کے لیے اقدامات کرے۔
- ۲- حکومت مختلف پالیسیوں کے ذریعہ خدمت خلق اور سماجی تعاون کے طور پر تعلیم میں نجی شرکت اور سرمایہ کاری کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کرے۔
- ۳- موجودہ بجٹ سے نئے اداروں کے قیام کے بجائے حکومت موجودہ اداروں کی توسیع کو ترجیح دے۔
- ۴- سرکاری اعلیٰ تعلیمی اداروں کے لیے ضروری ہے کہ وہ دیگر کارگزار گزرائے کو بروئے کار لا کر اپنی آمدنی میں اضافہ کرنے کے نئے طریقے تلاش کریں۔ مثلاً سابق طلبہ کی امداد (Alumni Funding)، اینڈوومنٹ فنڈنگ، پسماندہ طبقات کے لیے فیس چھوٹ کے ساتھ ساتھ، ٹیوشن فیس بڑھانے اور نجی سرمایہ کاری۔
- ۵- اقتصادی طور پر پسماندہ طبقات کے لیے تعلیمی قرضوں کی موجودہ اسکیم کو مزید فعال بنانے کے لیے سال بہ سال اس میں متوازی، کم شرح سود، اور طویل مدت کی مہلت دینے کے لیے ترمیم کی جائے۔
- ۶- ذاتی کمالات اور تعلیمی لیاقت کو سراہنے کے لیے اعلیٰ تعلیمی اداروں کی کارگزاری سے منسلک فنڈ مہیا کرایا جائے۔

نفاذ و نگرانی (Implementation and Monitoring)

2016 کی قومی تعلیمی پالیسیوں میں بہت سی ایسی چیزیں شامل کی گئی ہیں، جو سابقہ 1968/86/92 کی تعلیمی پالیسیوں میں بھی موجود تھیں۔ اس کی اہمیت کو بیان کرنے کے لیے اتنا کہ دینا کافی ہے کہ نفاذ کے لیے موثر طریقہ نہ اپنانے کی وجہ سے گذشتہ پالیسیوں کی سفارشات بے وقت ہو کر رہ گئیں ہیں۔ مطلوبہ مقاصد اور قابل عمل منصوبوں کو حقیقت میں بدلنے کے لیے مرکز اور ریاستوں کو آپسی تعاون کے جذبہ سے سرشار ہو کر مشترکہ طور پر کام کرنا ہوگا اور تمام صوبوں اور مرکز کے تحت علاقوں (Union Territories-UT) کے لیے ضروری ہے کہ وہ عملی ڈھانچہ (Framework For Action-FFA) تیار کریں جو ان کے علاقائی، سماجی اور ثقافتی لوازمات کے عین موافق ہو۔ اور یہ متعینہ مقاصد اور مطلوبہ نتائج کے حصول کے لیے نمایاں کارکردگی کے ساتھ انتظامی امور کو آگے بڑھانے اور ادارے کے انتظامات کے کاموں میں مدد و معاون ثابت ہو۔

مالی وسائل ہمیشہ سے کارکردگی کے نتائج کو محدود کرنے والا چیلنج رہے ہیں۔ تعلیمی وسائل کی فراہمی کی ذمہ داری حکومتی مشینری، نجی شعبے اور حکومتی ایجنسیوں کے ساتھ ساتھ پورے ملک کے سر ہوگی۔ تعلیمی نظام کی کارکردگی سرمایہ داری اور جواب دہی پر منحصر ہوگی۔ نفاذ کا خاکہ تیار کرنے کے دوران تعلیم اور یکساں نتائج کے حصول کی خاطر تعلیم اور بچوں کی نگرانی، غذائیت، کھیل کود، صفائی ستھرائی

اور آبی وسائل وغیرہ جیسے دیگر متعلقہ خدمات کے درمیان ربط پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔ مختلف اداروں اور ان کے اہلکاروں کے مابین نیز تعلیم اور دیگر شعبوں کے درمیان ایک بڑے اتحاد کی ضرورت محسوس کی جا رہی ہے، تاکہ اس کے مطابق ایک مناسب اتحاد کا طریقہ فروغ پاسکے۔

گذشتہ تجربات کے مطابق ہر شعبے کے لیے نگرانی کا ایک مناسب طریقہ اور نظام قائم کرنے کی کوشش کی جائے تاکہ ہر قابل مواخذہ نقطہ کے نتائج کے حصول کے لیے ایک

میعادی تجزیہ اور تشخیص کا طریقہ سامنے آسکے۔ اور اسے مرکزی اور ریاستی دونوں سطحوں پر مکمل طور سے نافذ کیا جاسکے۔ یہ نظام ایک ایسا با اختیار اور با اصول طریقہ فراہم کرے گا، جس سے متوقع نتائج کے لیے نافذ کیے گئے حکمت عملی میں نظر ثانی اور ترمیم کیا جانا ممکن ہو، ساتھ ہی مطلوبہ مقاصد تک نہ پہنچ پانے کی صورت میں نفاذ و نگرانی میں ترمیم کی گنجائش بھی باقی رہے۔

ہر چند کہ مذکورہ بالا پالیسیوں کا واضح طور پر بیان ہو گیا لیکن ملک میں مختلف تہذیب و ثقافت، تعلیمی ضروریات اور بدلتے حالات کے اعتبار سے بہت سارے چیلنجز سامنے آئیں گے، جن کی وجہ سے پالیسی میں نظر ثانی اور ترمیم کی ضرورت محسوس ہوگی۔ اسی لیے قومی اور بین الاقوامی منظر نامے کو مد نظر رکھتے ہوئے مذکورہ پالیسی میں ہر پانچ سال بعد حسب ضرورت نظر ثانی اور ترمیم کی جائے گی۔

قومی تعلیمی پالیسی ۲۰۱۶ء پر کیے گئے تبصرے

اس تعلیمی پالیسی کا مطالعہ کرنے کے بعد ملک کے ماہرین اور دانشوروں نے اپنے بیش قیمت خیالات کا اظہار فرمایا ہے جو اس پالیسی کی قدر پیمائی کے لیے بہت کارآمد ہے۔ گوکہ موجودہ ڈرافٹ پر تفصیلی تجزیہ کیا گیا ہے مگر یہ ممکن نہیں ہے کہ تمام تجزیوں کا اس مقالے میں ذکر کیا جاسکے، اس لیے چند اہم مشوروں کو شامل اشاعت کیا جا رہا ہے۔

۱۔ ملک کی تعمیر و ترقی میں اقلیتوں کی خدمات اور حصہ داریوں کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے مجوزہ تعلیمی پالیسی کا مسودہ قدیم ہندوستان کی ویدک تعلیم کے علمی فتوحات سے شروع ہو کر اچانک جدید ہندوستان کے ذکر پر ختم ہو جاتا ہے اور ملک کی تعمیر میں اقلیتوں کی جو خدمات ہیں جیسے عیسائیوں کی صحت اور تعلیم کے میدان میں کی جانے والی ترقیاتی خدمات؛ مسلمانوں کے تعمیراتی کارنامے، زبان و ادب اور شاعری، فنِ ذائقہ وغیرہ میں حصہ داری؛ امن و امان قائم رکھنے کے لیے جین اور بدھ مذہب کو ماننے والوں کی کوششیں؛ پارسی سماج کی دوراندیشی اور عالمی درجے کی

اندسٹری کی سوغات کے ساتھ اعلیٰ وکالت کے ذریعہ دستور کی حفاظت و پاسداری اور سکھوں کی بہادری اور بے لوث خدمات سے بالکل بے توجہی برتی گئی ہے۔

۲- موجودہ مسودہ گروکل تعلیم کی ترجیح سے شروع ہوتا ہے جو کہ اساتذہ پر مبنی تعلیم کو فوقیت دیتا ہے، جو جمہوری اقتدار پر غیر مرکزیت والے تعلیمی نظام کے برخلاف ہے، جس میں پوری توجہ بچوں پر مرکوز ہوتی ہے۔

۳- پالیسی میں دستور ہند کے جمہوریت اور سیکولرزم کے متضاد تبصرے موجود ہیں۔ جیسے گروکل تعلیم کو بڑھاوا دینا جو کہ ایک خالص مذہبی مسئلہ ہے۔

۴- اس مسودے میں بار بار اقتدار کی بات کی گئی ہے مگر ان قدروں کی وضاحت نہیں کی گئی، جن کی تعلیم اسکولی سطح پر دی جانی چاہیے۔ یہ عالمی منظر نامے میں باعث تشویش ہے۔

۵- اس پالیسی میں ہندوستانی تعلیمی تاریخ کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کی گئی ہے اور ساتھ ہی اس کی تصویر کشی میں تقلیدوں کے خدمات کے تعلق سے تنگ نظری کا مظاہر کیا گیا ہے۔

۶- تعلیمی پالیسی کا مسودہ جس طرح منظر عام پر لایا گیا اور سرکار کی طرف سے دعویٰ کیا گیا کہ لوگوں کی رائے جاننے کے لیے پانچایت اور بلاک سے لے کر قومی سطح تک ڈھائی لاکھ لوگوں سے مشاورت کی گئی ہے، مگر اس تعلق سے جو شکایتیں درج کرائی گئی ہیں ان سے پتا چلتا ہے کہ مشورہ لینے کے بجائے ان سے باتیں منوائی گئی ہیں۔

۷- میڈیا نے اس بات کی تصدیق کر دی ہے کہ NEP کے ذریعہ سرکار اپنے خفیہ ایجنڈے پر عمل کرانے کی کوشش کر رہی ہے۔ کیوں کہ جہاں سبرامنیم کمیٹی نے اس بات کا دعویٰ کیا تھا کہ انہوں نے پانچ سو سے زیادہ لوگوں سے مشورہ لیا ہے، وہیں سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ انہوں نے کسی بھی اقلیتی یا پسماندہ طبقے کے لوگوں کی رائے نہیں لی اور نہ ہی وزیر برائے فروغ انسانی وسائل (HRD Minister) نے اس سلسلے میں کوئی بات کی۔

۸- موجودہ مرکزی وزیر پرکاش جاؤڈیکر نے Idea Exchange Programme میں نئی تعلیمی پالیسی کے تعلق سے کہا کہ اس کے پانچ ستون ہیں: رسائی (Accessibility) برابری (Equity)، معیار (Quality)، ذمہ داری (Accountability) اور استطاعت (Affordability) لیکن تعلیمی مسودے میں Equity اور Affordability کا بالکل ذکر نہیں کیا گیا حالانکہ یہ دونوں مسلمانوں اور پسماندہ طبقوں کے لیے انتہائی اہمیت کے حامل ہیں۔

۹- تعلیمی سروے کے مطابق نہ صرف تعلیم سے محروم رہنے والے بلکہ درمیان میں ہی اسکول کو خیر آباد کہنے والوں میں مسلمانوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ اس کی وجہ اسکولوں تک ان کی عدم رسائی اور ان کے علاقوں میں تعلیمی اداروں کی قلت ہے۔ موجودہ پالیسی میں کم اندراج والے اسکولوں کو بند کر کے ایک جامع اسکول میں تبدیل کرنے والی جو تجویز ہے وہ ان کی تعلیمی ترقی کی راہ میں بڑی رکاوٹ بن سکتی ہے۔

۱۰- یہ پالیسی اقلیتوں، SC, ST اور خواتین کی تعلیم سے کنارہ کشی کرتی نظر آتی ہے۔

۱۱- موجودہ تعلیمی پالیسی میں پسماندہ طبقوں کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا ہے، حالانکہ ان کے تعلیمی معیار کو بڑھائے بغیر ترقی کی بات کرنا بے معنی ہے۔

۱۲- موجودہ مسودے میں کئی جگہوں پر تعلیم کو غیر سرکاری (Privatized) بنانے کی بات کی گئی ہے جو کہ خود اس پالیسی کے خلاف ہے۔ ایک جگہ یہ اس بات کو اجاگر کرتی ہے کہ تعلیم کو غیر سرکاری رکھنے والے بہت سے ممالک اقتداری اور سماجی طور پر ترقی نہیں کر پاتے وہیں دوسری طرف یہ غیر سرکاری تعلیم کو بڑھاوا دیتی نظر آتی ہے۔

۱۳- سنسکرت اور یوگا کو موجودہ دور سے بغیر کسی واضح مناسبت کے اسکولی تعلیم میں ہی شامل کر دیا گیا ہے۔

۱۴- فنی تعلیم پر دیگر علوم کی بہ نسبت زیادہ توجہ دی گئی ہے۔

۱۵- اس میں پیشہ وارانہ، تکنیکی تعلیم، انجینئرنگ، مینجمنٹ، میڈیکل، پیرامیڈیکل، ایگر

یکلچر اور کالت وغیرہ کی تعلیم پر کوئی توجہ نہیں دی گئی ہے، جس کی وجہ سے اسے مکمل نہیں مانا جاسکتا۔

تعلیمی پالیسی کے متعلق ماہرین کے چند اہم مشورے:

- ۱- بین الاقوامی تعلیم کو ہندوستان میں عام کرنے کی جو تجویز پیش کی گئی ہے اس کو عمل میں لانے سے زیادہ موجودہ صورت حال میں اس بات کی ضرورت ہے کہ پسماندہ طبقات کے بچوں کے لیے RTE کو صحیح طور پر نافذ کیا جائے تاکہ ہر ایک کو یکساں طور پر تعلیم حاصل کرنے کا موقع فراہم ہو سکے۔
- ۲- کثیر تعداد میں مزید سرکاری وغیر سرکاری اسکول کھولے جائیں تاکہ RTE پر صحیح طور پر عمل کیا جاسکے۔
- ۳- غیر سرکاری اداروں کی تعلیمی فیس کم کی جائے۔
- ۴- سرکاری ملازمین کے لیے لازم قرار دیا جائے کہ اپنے بچوں کو سرکاری اسکولوں میں تعلیم دلانیں تاکہ اسکولوں کا معیار اونچا ہو اور اندراج میں بھی اضافہ ہو۔ ساتھ ہی سرکاری اسکولوں میں تعلیم دلانے والے والدین کے لیے ٹیکس میں چھوٹ کا اہتمام کیا جائے۔
- ۵- تعلیمی معیار بڑھانے کے لیے اس مسودہ میں GDP کو چھ فیصد تک بڑھائے جانے کی مانگ کی گئی ہے، تاکہ تعلیمی شعبوں میں درپیش مسائل کا سامنا کیا جاسکے۔ لیکن موجودہ صورت حال میں اسے نو فیصد کرنے کے ساتھ شروعاتی سالوں میں ہر سال ایک فیصد بڑھانے کی تجویز ماہرین نے پیش کی ہے۔
- ۶- تعلیمی نصاب میں ہر پانچ سال کے بعد حسب ضرورت ترمیم کی جائے۔
- ۷- سروے سے پتا چلتا ہے کہ تمام اقلیتوں میں تعلیمی اعتبار سے سب سے زیادہ پسماندہ طبقہ مسلمانوں کا ہے اس لیے SC اور ST پر جس طرح توجہ دی جاتی ہے اور ان کی ترقی کے لیے جیسی اسکیمیں لاگو ہیں ویسے ہی اقدامات مسلمانوں

کے لیے بھی کیے جائیں۔

اس مقالے کا اختتام ماہرین کے ان ہی تجزیوں اور مشوروں پر کیا جا رہا ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ ان کو مد نظر رکھتے ہوئے اصل تعلیمی پالیسی میں حسب توقع ترمیم کی جائے گی اور ایک خوش آئند ہندوستان کی تعمیر ہو سکے گی۔

حوالہ جات (References)

1. www.mhrd.gov.in
2. www.righttoeducation.in
3. www.minorityaffairs.gov.in
4. www.ignou.ac.in
5. http://mhrd.gov.in/declaration-list-selected-blocks-rashtriya-adarsh-vidyalaya-thorough-public-private-partnership-rfq
6. http://mhrd.gov.in/sites/upload_files/mhrd/files/inputs Draft NEP 2016
7. http://mhrd.gov.in/nep-new
8. http://nuepa.org
9. http://static.mygov
10. http://indianculturalforum.in

تعلیم - سماج اور معاشی برتری کا واحد حل

ڈاکٹر خوشتر نورانی

مدیر، جام نور، دہلی

علامہ اقبال نے ”متاع کارواں“ کے لٹنے سے زیادہ ”احساس زیاں“ کے فقدان پر نوہ کیا ہے کہ احساس زیاں اگر ہو تو متاع کارواں پھر لایا جاسکتا ہے اور منزل کی طرف پیش قدمی کی جاسکتی ہے، مگر لٹنے کا احساس ہی مٹ جائے تو منزل کی طرف کبھی جادہ پیمائی نہیں کی جاسکتی۔ اقلیم زندگی کی سطح پر مسلمانوں کے مذہبی، جماعتی، علمی، فکری، معاشی، سیاسی تعلیمی اور سماجی زوال کے بنیادی سبب کو اس فلسفے میں دیکھا جاسکتا ہے۔

ہندوستان میں مسلمانوں کے زوال کی تاریخ ڈیڑھ سو سالوں پر محیط ہے، انقلاب ۱۸۵۷ء برپا کرنے کے جرم کی پاداش میں مسلمانوں کو زندگی کے ہر شعبے میں جس طرح بے دست و پا کیا گیا، اس کے بعد سے آج تک وہ سنبھل نہیں سکے ہیں، مگر اس سے بھی زیادہ دل خراش حقیقت یہ ہے کہ انہیں ابھی تک اپنے زوال کے بنیادی سبب کا ادراک نہیں ہو سکا ہے، مسلمان ڈیڑھ سو برس پہلے اپنے دور اقتدار کے تحکمانہ مزاج کے ساتھ آج بھی جی رہا ہے جس کے پاس ”حقوق کی ادائیگی“ اور ”ذاتی محاسبے“ کی فرصت نہیں بلکہ حقوق طلبی، احتجاج، جذباتی نعرے اور شکایتوں کا ایک لامتناہی دفتر ہے جن کے ذریعے وہ اپنے عہد رفتہ کی طرف لوٹنا چاہتا ہے، مگر آج تک نہیں لوٹ سکا۔

آزادی سے قبل ۱۸۸۵ء میں ہندوستان کی منتشر قوم کو ایک سیاسی پلیٹ فارم پر مجتمع کرنے کے لیے انڈین نیشنل کانگریس کا قیام عمل میں آیا، کانگریس کے اکثر رہنما

ہندو تھے اور ان کی خدمات کا دائرہ ہر دور میں ہندوؤں تک ہی رہا، اس کے ساتھ یہ حقیقت ہے کہ یہ کوئی سوچی سمجھی حکمت عملی کے تحت نہیں تھا بلکہ اس دور کے حالات ہی ایسے تھے کہ تعلیم و ترقی کے ہر اول دستے میں ہندو ہی پیش پیش تھے۔ گو کہ اس کی تحریک بحیثیت قوم تھی مگر اس پر ہندو رنگ غالب تھا، جب کہ کانگریس کے بالمقابل خالص مسلمانوں کی سیاسی اور سماجی نمائندگی کے لیے ۳۱ دسمبر ۱۹۰۶ء کو ڈھا کہ میں آل انڈیا مسلم لیگ تشکیل دی گئی۔ ۱۸۵۷ء کے بعد ہندوؤں کے پیش نظر صرف سیاسی آزادی اور قیادت کا مسئلہ تھا لیکن مسلمانوں کے سامنے سیاسی آزادی اور قیادت کے ساتھ مذہبی تعلیمی، سماجی، معاشی اور سیاسی کچھڑے پن پر قابو پانے کی جدوجہد اور اپنے کھوئے ہوئے حقوق کی بازیافت بھی شامل تھی۔ ہندو مسلم اہداف کا یہی فرق مسلم لیگ کی تشکیل کا موجب بنا، یہی فرق کانگریس اور مسلم لیگ کو ایک مرکز پر مجتمع نہ کر سکا اور اسی فرق نے مملکت خداداد کی بنیاد ڈالی۔

جون ۱۹۳۸ء میں مسلم لیگ اور کانگریس کے سمجھوتے اور ہندو مسلم مفاہمت کے لیے کی گئی مشترکہ میٹنگ میں بانی پاکستان محمد علی جناح نے کانگریس کے سامنے گیارہ مطالبے رکھے تھے، ان میں سے چند یہ ہیں:

۱- ترانہ وندے ماترم نہیں گایا جائے گا، ۲- مسلمانوں کے ذریعے گاؤ کشی پر پابندی نہیں عائد کی جائے گی، ۳- مسلمانوں کی مذہبی سرگرمیاں اور اذان وغیرہ کے حقوق میں کسی طرح کی مداخلت نہیں کی جائے گی، ۴- مسلم پرسنل لاء اور مسلم تہذیب کو دستوری سطح پر تحفظ فراہم کیا جائے، ۵- ملکی مناصب اور عہدوں میں قانونی طور پر مسلمانوں کی واضح حصہ داری کو متعین کیا جائے، ۶- دستوری سطح پر یہ ضمانت دی جائے کہ اردو کا استعمال کم نہیں ہوگا۔ تقسیم ہند کے بعد مملکت خداداد کے قیام کی صورت میں مسلم لیگ نے یہ تمام جزوی مطالبات تو حاصل کر لیے، لیکن ہندوستان میں یہ مطالبات نہ اس وقت تسلیم کیے گئے تھے اور نہ آج تک یہ مطالبات پورے ہو سکے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ ان گیارہ مطالبات میں مسلمانوں کی ترقی اور بقا کا کوئی دائمی فارمولہ یا مطالبہ نہیں تھا جو مذکورہ جزوی مطالبات کو ہمیشہ تحفظ فراہم کرتا رہتا، وہ دائمی فارمولہ ”تعلیم“ ہو سکتا تھا، اس تحکمانہ اور فرسودہ سوچ

نے پاکستان کو آزادی کے ساٹھ سال کے بعد بھی حقیقی جمہوریت سے محروم کر رکھا ہے اور سیاسی انارکی، ہتھیار بند تحریکوں اور عوامی انتشار نے اسے معاشی، سماجی اور تعلیمی ترقیات کی بین الاقوامی دوڑ میں میدان سے باہر کر دیا ہے، جب کہ ہندوستان میں آزادی کے بعد آج تک مطالبات کی اس جزوی لسٹ کو جیب میں لیے گھومنے کی وجہ سے ہندو اور ہندوستان کی برتری کے باوجود آج تک مسلمان زوال سے دوچار ہیں اور وقفے وقفے سے ان کے مذکورہ مطالبات پر خطرے کا گدھ منڈلاتا رہتا ہے۔ اگر مسلمان اپنا محاسبہ کر کے زوال کی اصل بنیاد معلوم کر لیں اور اس بنیاد کو ختم کرنے کی کوشش کریں تو مذکورہ مطالبات کو دائمی تحفظ فراہم ہو سکتا ہے۔

زوال کا بنیادی سبب:

نئے عہد اور حالات میں اپنے ذہن و مزاج کو تبدیل کر کے ترقی کے نئے آفاق تلاش کرنا فراموش مومنانہ ہے جب کہ ذہن و فکر کا انجام داور زمانے کے ساتھ بے ربطگی زوال کی علامت، زندگی کے ہر شعبے میں اس کلیے کے مظاہر دیکھے جاسکتے ہیں۔ انقلاب ۱۸۵۷ء سے قبل مسلمان اقتدار میں تھے، ریاستیں اور جاگیریں ان کے قبضے میں تھیں، اردو اور فارسی رابطے کی زبان تھی، حکومت کے اعلیٰ مناصب پر یہی فائز تھے، تعلیم کے نام پر دینی علوم ہی مروج تھے اور حکومت و مناصب کے لیے اعلیٰ تعلیمی لیاقت شرط نہیں تھی۔ انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد مسلمانوں کی زندگی کا کارواں لٹ پٹ گیا اور حالات یکسر تبدیل ہو گئے، اب نہ زمام اقتدار مسلمانوں کے ہاتھوں میں تھی اور نہ ریاستیں اور جاگیریں، اردو فارسی کی بجائے انگریزی رابطے کی زبان ہو گئی، معاشی خوش حالی اور اعلیٰ مناصب کے لیے تعلیمی لیاقت اور مقابلہ جاتی امتحانات میں کامیابی اولین شرطیں مان لی گئیں اور عصری تعلیم کے لیے بڑے پیمانے پر اسکول و کالج کھول دیے گئے۔

ان بدلے ہوئے حالات میں مسلمانوں نے مواقع سے فائدہ اٹھا کر ترقی کی نئی راہیں تلاش کرنے کی بجائے صرف شکایات اور احتجاجات کرتے رہے، تعلیم سے یہی بے توجہی اور بیزاری ان کے زوال کا بنیادی سبب بن گئی، تعلیم سے لاپرواہی نے صرف معاشی میدان میں ہی ان کی گرفت کو کمزور نہیں کیا بلکہ سیاسی، سماجی اور علمی شعبوں سے بھی ان کی

گرفت ڈھیلی پڑ گئی، اس کے برخلاف ہندوؤں نے نئے عہد و حالات کے مطابق اپنے آپ کو ڈھال کر مواقع سے فائدہ حاصل کرنا شروع کر دیا، زندگی کی دوڑ میں ان کے اس اقدام نے انھیں کل بھی آگے رکھا اور آج بھی وہی آگے ہیں جب کہ مختلف عہد کی تبدیلیوں کے باوجود مسلمانوں کے مزاج میں کوئی خاطر خواہ تبدیلی واقع نہیں ہوئی، بلکہ مسلمانوں کی نااہل قیادت اس کمزور سوچ کی ہمیشہ ملح سازی کرتی رہی اور انہیں ایشوز سے ہٹا کر نان ایشوز پر لگائے رکھا۔

۱۸۵۷ء کے بعد مسلمانوں کی ابتر حالت پر تبصرہ کرتے ہوئے The Times لندن نے ۱۴ اکتوبر ۱۸۷۱ء کی اشاعت میں لکھا کہ ”اگر مسلمان چاہیں تو ان کے لیے اسکولوں کے دروازے کھلے ہوئے ہیں جہاں وہ عصری علوم سے آگاہی حاصل کر سکتے ہیں، اس طرح اگر وہ چاہیں تو مقابلے کے امتحانات میں بھی شرکت کر سکتے ہیں، اگر انہیں انتظامی عہدوں سے محروم رکھا گیا ہے تو محض اس لیے کہ امتداد زمانہ کے ہاتھوں وہ کچھڑ گئے اور ہم ان پر سبقت لے گئے۔“ (ہندوستانی سیاست میں مسلمانوں کا عروج و ص: ۳۴)

برطانوی دور حکومت میں سرکاری مناصب اور عہدوں کے لیے انگریزی سے واقفیت ضروری تھی اور مسلمان اس زبان سے بے بہرہ تھے، اس کا اندازہ اس دور کے ہر تعلیمی اعداد و شمار سے ہوتا ہے۔ ۲/۱۸۷۱ء کے تعلیمی سال میں بمبئی پریسیڈنسی کے مختلف سرکاری اداروں میں زیر تعلیم ہندو اور مسلمان طلبہ کے اعداد و شمار حسب ذیل تھے:

ہندو	مسلمان	ڈویشن
۳۳۹	۲۱	سنٹرل (مرکزی)
۴۹	شمالی مشرقی
۱۴۹	۱۳	شمالی
۱۶۰	۱۱	جنوبی
۳۹	۳۲	سندھ
۷۳۶	۷۷	میزان

اس تعلیمی پچھڑے پن کی وجہ سے مسلمان سماجی اور معاشی سطح پر نہایت کمزوری کی حالت میں تھے۔ اس صورت حال سے دل برداشتہ ہو کر سرسید (۱۸۹۸ء/۱۸۱۷ء) نے ۲۶ مئی ۱۸۷۵ء کو عظیم آباد (پٹنہ) کے مسلم قائدین کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا تھا:

”اب آپ تمام ہندوستان پر نگاہ دوڑائیے اور اس کے مختلف اداروں کو پیش نظر رکھیے، سرکاری محکموں کو لیجیے، کارخانوں یا محکمہ یاریلوے کو لیجیے، چھوٹی چھوٹی دکانوں سے لے کر بڑے بڑے تجارتی مراکز کو دیکھیے یا کسی بھی قسم کے خانگی کاروبار کو لے لیجیے اور پتہ چلائیے کہ ان تمام جگہوں پر ملازمت پانے والوں میں مسلمان کتنے ہیں؟ میں یہ کہنے کی جسارت کرتا ہوں کہ ان کا تناسب ہزار میں ایک سے بڑھ کر نہیں ہوگا۔“ (سرسید: لکچروں کا مجموعہ (اردو) ص: ۸۶)۔

مسلمانوں کی سماجی اور معاشی ابتری پر ۱۵ جولائی ۱۸۸۵ء میں حکومت نے ایک مفصل قرارداد بھی جاری کی جس میں اس نے کہا:

”ماضی میں مسلمانوں کی ترقی کی راہ میں جو چیز سب سے زیادہ حائل رہی وہ یہ تھی کہ یا تو مسلمانوں میں سرکار کے مروجہ نظام تعلیمی سے بھرپور استفادہ کرنے کی صلاحیت ہی نہیں تھی یا یہ کہ وہ دانستہ طور پر اس کے لیے آمادہ نہیں تھے۔“

تاریخ کی بے شمار کتابوں میں ہمارے زوال کے بنیادی سبب کو مختلف حیثیتوں سے ذکر کیا گیا ہے، مگر مسلمانوں نے تعلیم سے اپنا رشتہ اس طرح منقطع کر لیا ہے کہ انہیں ان حقائق کو پڑھنے کی فرصت بھی نہیں، اس کے برخلاف وہ کل بھی صدائے احتجاج بلند کرتے رہے، عرضداشتیں پیش کرتے رہے، حکومت سے شکایتیں کرتے رہے اور آج بھی یہی کر رہے ہیں۔ ہندوؤں کے ساتھ مسلمانوں نے آزادی کے لیے بے شمار قربانیاں اس لیے دی تھیں تاکہ وہ آزاد ہندوستان میں خوش حال زندگی گزار سکیں، مگر مسلمانوں کی مجموعی حالت جیسی آزادی سے قبل تھی ویسی آج بھی ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ کل ان کا ٹکراؤ اور ان کی شکایتیں انگریز حکومت سے تھیں آج آزادی کے بعد ہر اس حکومت سے ہیں جو برسرِ اقتدار ہے۔

مسلم قیادت نے مسلمانوں کی خستہ حالی کا ٹھیکرہ ہمیشہ حکومت وقت کے سر پھوڑا

ہے، بد قسمتی سے یہ منفی سوچ خود مسلم عوام میں سرایت کر گئی اور پوری قوم بشمول قائدین اپنی کمیوں کا محاسبہ کر کے ترقی کرنے کی بجائے ہمیشہ حکومت وقت کی طرف آس لگائے دیکھتے رہے، حکومت نے بھی مسلمانوں کی اس کمزوری کا فائدہ اٹھا کر آزادی سے قبل بھی اور بعد بھی مسلمانوں کی پریشان حالی کا ڈانٹا پیش کر کے اسے دور کرنے کا وعدہ کیا اور مسلم ووٹ بینک کو اپنے قبضے میں کرتی رہی۔

برطانوی منتظم مونسٹورٹ الفنسٹن (Monstuart Elphinston) نے ۱۹۳۵ء کے ایکٹ میں برطانوی انتظامیہ کے زیرِ اہتمام مسلمانوں کی زبوں حالی پر ایک رپورٹ پیش کی تھی اور انہیں ریزرویشن دے کر سماج کے مکھیہ دھارا (Mainstream) سے جوڑنے کی کوشش کی تھی۔ اسی طرح تقریباً ۲۵ سال قبل اندرا گاندھی نے بھی اپنے دورِ اقتدار میں مائناٹیز کی اہم صورت حال کو صحیح کرنے کے لیے ڈاکٹر گوپال سنگھ کی قیادت میں ۱۰ افراد پر مشتمل ایک پینل تشکیل دیا تھا، جس نے ۱۴ جون ۱۹۸۳ء کو اپنی رپورٹ پیش کی تھی، گوپال سنگھ کی سفارشات پر کوششیں بھی کی گئیں مگر وہی ڈھاک کے تین پات۔ اور اب نومبر ۲۰۰۶ء میں ممنوہن سرکار کی طرف سے مسلمانوں کی مفلوک الحالی پر جسٹس راجندر سچر کمیٹی نے اپنی رپورٹ پیش کی ہے، جس میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ مسلمان ہر شعبے میں کس قدر پچھڑے پن کا شکار ہے، اس رپورٹ کے آتے ہی کچھ دنوں تک سیاسی بازار میں ہلچل رہی، مسلم قیادت آستین چڑھا کر اپنا حق لینے کے لیے میڈیا میں بیان دیتی رہی اور حکومت کو کوستی رہی، میڈیا مختلف جہتوں سے تجزیاتی تحریریں شائع کرتا رہا اور پھر کچھ دنوں کے بعد یہ تمام شور شرابے ختم ہو گئے اور اپنے آپ ہی سب کچھ نارمل ہو گیا، جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ یعنی مسلمان پہلے جس حال میں تھا اب بھی ویسا ہی ہے۔

ڈیڑھ سو برس کے اس طویل عرصے میں مختلف حادثات و واقعات سے باشعور مسلمانوں کو سمجھ لینا چاہیے تھا کہ جب تک وہ اپنی صورت حال کی تبدیلی کے لیے خود کچھ نہیں کرتے، کوئی ناخدا انہیں اس بھنور سے نکال نہیں سکتا اور اس طوفان سے نکلنے کا سہارا صرف تعلیم ہے۔ مسلمان اگر اعلیٰ تعلیم سے لیس ہوں گے تو کوئی مقابلہ جاتی امتحان یا تعصب

انہیں زندگی کے کسی بھی شعبے میں آگے بڑھنے سے نہیں روک سکتا اور ان کے سماجی اور مذہبی حقوق پر سینہ نہ نہیں لگایا جاسکتا۔

بنیادی مطالبے کا نتیجہ:

امریکہ کے شمالی حصے میں بوسٹن شہر آباد ہے، موجودہ عہد کی دو عظیم تعلیمی درسگاہیں یہاں موجود ہیں، ہارورڈ یونیورسٹی اور ایم آئی ٹی۔ یہاں تعلیم حاصل کرنے اور پڑھانے والے ہر دم نئی لکھنشاؤں کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں۔ ۱۹۴۷ء کے بعد جب مغربی دنیا نے ہندوستان پر مہربان ہو کر اس کی مدد کرنا چاہی تو اس وقت کے وزیراعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے فوراً ایم آئی ٹی کی طرح ٹیکنالوجی کی تعلیم دینے والے چھ اداروں کا مطالبہ کر دیا، دھیرے دھیرے بنگلور میں ایک کے بعد ایک یہ تمام ادارے نہ صرف وجود میں آئے بلکہ ان اداروں میں نہایت اعلیٰ سطحی معیار تعلیم کا انتظام بھی کر دیا گیا۔ اب ان اداروں میں داخلہ لینے والوں کے جنون کا یہ حال ہے کہ پچھلے سال (۲۰۰۶ء/۲۰۰۵ء) ایک لاکھ اٹھتر ہزار امیدواروں نے اس کے مقابلہ جاتی امتحان میں حصہ لیا جس میں سے صرف ساڑھے تین ہزار کو داخلہ مل سکا۔ آج ان اداروں کی وجہ سے بنگلور کو نہ صرف کیلی فورنیا کی سیلی کون وادی (جوانفارمیشن ٹیکنالوجی کی صنعت میں سرفہرست ہے) کے برابر لاکھڑا کیا بلکہ سیلی کون وادی میں ایک اندازے کے مطابق اس وقت ایک لاکھ بیس ہزار ماہرین کام کر رہے ہیں۔ جب کہ بنگلور میں ان کی تعداد ڈیڑھ لاکھ ہو گئی ہے۔ ہندوستان شعبہ کمپیوٹر میں خدمات (I.T. Service) کی برآمد سے اب سات ارب ڈالر کمارہا ہے۔ اس شعبے کی معروف مشاورتی فرم مکنزے Mckinsey نے اندازہ لگایا ہے کہ ۲۰۰۸ء تک ہندوستان آئی ٹی برآمدات سے دس ارب سے زائد ڈالر کمارہا ہوگا۔

برسوں پہلے پنڈت نہرو کے ایک تعلیمی مطالبے نے آج پوری دنیا میں ہندوستان کو تعلیمی اور معاشی سطح پر اس قدر مستحکم کر دیا ہے کہ ایشیائی ممالک میں اپنے مجموعی ڈیولپمنٹ کی وجہ سے پوری دنیا میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جا رہا ہے، پوری دنیا بالخصوص یورپ و امریکہ میں I.T. سیکٹر کے اندر ہندوستانی ماہرین کی بے حد مانگ ہے۔ نہرو چاہتے

تو مغرب سے کچھ اور بھی مانگ سکتے تھے مگر اس کی حیثیت جزوقتی ہوتی جس پر دائمی ترقی کا محل نہیں کھڑا کیا جاسکتا تھا۔

زوال سے سبق:

مغربی دنیا میں تعلیم کا تناسب نوے سے سو فیصدی کے درمیان ہے، کیوں کہ انہیں احساس ہے کہ ملکی اور عوامی خوشحالی اور ترقی کی بنیاد تعلیم ہی ہے۔ تعلیم کے میدان میں انگلینڈ بھی صدیوں تک صف اول میں رہا ہے، مگر اب کئی دہائیوں سے ان میں یہ احساس سرایت کر گیا ہے کہ وہ بہتر سے بہتر اور خوب سے خوب تر کی دوڑ میں کہیں پیچھے رہ گئے ہیں، خلاف واقعہ اس کچھڑے پن کا احساس ان میں اتنا شدید تھا کہ ٹونی بلیئر نے اقتدار سنبھالتے ہی سب سے پہلے یہ اعلان کیا کہ ”میری ترجیحات میں تعلیم، تعلیم اور تعلیم سرفہرست ہوگی۔“

دوسری عالمی جنگ سے پہلے جاپانی قوم امریکی نفرت پر اٹھی اور دسمبر ۱۹۴۱ء میں انہوں نے امریکہ کے بحری اڈہ ہاربر پر حملہ کر کے اس کو بر باد کر دیا، جواہی کاروائی میں امریکہ نے جاپان کے ہیروشیما کو نشانہ بنایا اور اسے تباہ کر ڈالا، دونوں ملکوں کے درمیان برسوں تک جنگ چھڑی رہی بالآخر ۱۹۴۵ء میں جاپان کی شکست پر جنگ ختم ہوئی۔ احساس شکست کے نتیجے میں ایک صورت تو یہ تھی کہ جاپانی حکومت اور قوم امریکہ کے خلاف مزید نفرت پیدا ہوتی اور ان میں انتقامی کاروائی کا جذبہ فزوں تر ہوتا مگر ان کے مدبرین جانتے تھے کہ ایسے جذبے سے سوائے بربادی اور زوال کے کچھ نہیں ہاتھ آئے گا، انہوں نے اس کے برعکس امریکہ اور ان تمام ملکوں سے مفاہمت کا طریقہ اختیار کیا جو دوسری عالمی جنگ میں اس سے متصادم تھے اور اپنی اس پالیسی کو عمل معکوس Reverse Course کا نام دیا۔ ان کی موافقت میں اس نے اپنی تمام توجہ تعلیم اور ٹیکنالوجی پر رکھی آج اس کا نتیجہ ہے کہ جو ملک دوسری عالمی جنگ میں شکست کھا کر نکلا تھا وہ دنیا کے سامنے آج فاتح بن کر کھڑا ہے، جاپانیوں نے ٹیکنالوجی میں آج وہ مہارت حاصل کر لی ہے کہ قدرتی وسائل نہ ہونے کے باوجود انہوں نے صنعتی میدان میں سب کو شکست دے دی ہے۔

یہ دونوں حقائق دراصل تمثیلی علامات ہیں ہم مسلمانوں کے لیے جنہوں نے

۱۸۵۷ء کے بعد اپنی مسلسل شکست و ریخت سے سبق حاصل نہیں کیا اور آج تک اپنے زوال کا بنیادی سبب تلاش کر کے اس کا مداوا نہیں کر سکے۔ زوال امت کے اسباب کے حوالے سے اہل علم و دانش کی اب تک مختلف تحریریں میری نظر سے گزر چکی ہیں، میرا اندازہ ہے کہ اکثر اصحاب رائے اس مسئلہ میں افراط و تفریط کے شکار ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ امت آج ہر سطح پر زوال سے دوچار ہوئی ہے، اب جو شخص جس شعبے سے متعلق ہے اسی میں زوال و پسماندگی کو زوال امت کی بنیادی وجہ قرار دیتا ہے اور دوسرے شعبوں میں زوال کو وہ اہمیت نہیں دیتا۔ میری گزارشات کا تعلق امت کے سماجی و معاشی انحطاط سے ہے، اس لیے امت کی سماجی و معاشی سطح کی بلندی کے لیے ہمیں تعلیم، تعلیم اور صرف تعلیم کو ہی اپنا مشن بنانا ہوگا۔

تعلیم نسواں کی معنویت: مسائل اور امکانات

احمد رضا صابری

انسانی عظمت و شرافت اور دارین کی تمام سعادتوں سے بہر مند ہونے کا اعلیٰ ترین ذریعہ علم ہی ہے بلکہ انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کا شرف اور خالق کائنات کی جانب سے عطا کردہ تخلیقی اور فطری قوتوں کو بروئے کار لا کر خود رب کائنات اور اپنے مقصد تخلیق کو سمجھنے کا بہترین ذریعہ علم ہی ہے۔ انسانیت کی تمام اعلیٰ ترین قدریں حصول علم ہی سے جڑی ہیں۔ علم ہی نے انسان کو عظمت انسانیت سے روشناس کرایا۔ رب کائنات نے حضرت آدم علیہ السلام کو شرف آدمیت ”وَعَلَّمَكُم مَّا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُونَ“ فرما کر ہی عطا کیا تھا۔ ادراک و آگہی کی بدولت ہی انسان کو کائنات کی وسعتوں اور پستیوں میں اپنی موجودگی اور حاکمیت کا احساس دلایا۔ بلاشبہ کائنات کی تخلیق کے لیے خلاق کائنات کا لفظ ”کن“ ہی کافی تھا، لیکن انسان نے اپنے علم کی بدولت ہی چٹیل میدانوں، سنگلاخ وادیوں اور وسعت کائنات کو شادابی عطا کی ہے۔ زمینوں اور موجیں مارتے سمندروں کے سینوں کو چیر کر معدنیات کے لاتعداد ذخائر نکالے، آسمان کی وسعتوں کو پار کر کے ایجادات و انکشافات کے نئے دروازے کھولے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے حیات ظاہری میں رب کائنات کا اولین مخاطب لفظ ”اقْرَأْ“ سے ہی ہوا تھا۔ وادی حرامیں لفظ ”اقْرَأْ“ اس شان سے گونجا کہ جہالت و تاریکی کے در و بام لرزا ٹھے۔ پھر پیغمبر اسلام اور ان کے جاں نثروں نے اس لفظ کو اس شان سے عروج بخشا کہ ”انا فصح العرب“ کہنے والی عربی قوم بھی اس کی

نظیر ڈھونڈنے سے قاصر نظر آنے لگی۔ خالق کائنات نے قرآن مقدس میں بار بار عالم و جاہل کے درمیان فرق کے بیان اور جگہ جگہ حصول علم کی ترغیب کے ذریعے اس کی قدر و منزلت کو بڑھایا؛ چنانچہ قرآن کریم میں علم کا ذکر اسی بار اور علم سے مشتق شدہ الفاظ کا ذکر سیکڑوں دفعہ آیا ہے، اسی طرح عقل کی جگہ ”الباب“ (جمع لب) کا تذکرہ سولہ دفعہ اور ”عقل“ سے مشتق الفاظ اٹھارہ جگہ اور ”فقه“ سے نکلنے والے الفاظ اکیس مرتبہ مذکور ہوئے ہیں، لفظ ”حکمت“ کا ذکر بیس دفعہ اور ”برہان“ کا تذکرہ سات دفعہ ہوا ہے، غور و فکر سے متعلق صیغے مثلاً: ”دیکھو“، ”غور کرو“ وغیرہ، یہ سب ان پر مستزاد ہیں۔

قرآن مقدس کے بعد اسلام میں سب سے مستند، معتبر اور معتمد علیہ احادیث نبویہ کا وہ عظیم الشان ذخیرہ ہے، جسے امت کے باکمال جیالوں نے اپنے اپنے عہد میں انتہائی دقت نظری، دیدہ ریزی اور جگر کاوی کے ساتھ اکٹھا کرنے کا ناقابل فراموش کارنامہ انجام دیا ہے، جب ہم اس عظیم الشان ذخیرے کا مطالعہ کرتے ہیں، تو ہمیں قدم قدم پر نبوی زبان مقدس علم کی فضیلت، حاملین علم کی فضیلت اور اس کے حصول کی تحریض و ترغیب میں سرگرم نظر آتی ہے، چنانچہ تمام کتب حدیث میں علم سے متعلق احادیث کو علیحدہ ابواب میں بیان کیا گیا ہے۔

اسلام میں خواتین کی تعلیم کی اہمیت:

یہ بھی حقیقت ہے کہ کسی بھی قوم کو مجموعی طور پر دین سے روشناس کرانے، تہذیب و ثقافت سے بہرہ ور کرنے اور خصائل فاضلہ و شمائل جمیلہ سے مزین کرنے میں اس قوم کی خواتین کا اہم، بلکہ مرکزی اور اساسی کردار ہوتا ہے اور قوم کے نو نہالوں کی صحیح اٹھان اور صالح نشوونما میں ان کی ماؤں کا اہم رول ہوتا ہے؛ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ ماں کی گود بچے کا اولین مدرسہ ہے؛ اس لیے شروع ہی سے اسلام نے جس طرح مردوں کے لیے تعلیم کی تمام تر راہیں وارکھی ہیں ان کو ہر قسم کے مفید علم کے حصول کی نہ صرف آزادی دی ہے؛ بلکہ اس پر ان کی حوصلہ افزائی بھی کی ہے، جس کے نتیجے میں قرن اول سے لے کر آج تک ایک

سے بڑھ کر ایک کج کلاہ علم فن اور تاجور فکر و تحقیق پیدا ہوتے رہے اور زمانہ ان کے علوم بے پناہ کی ضیا پاشیوں سے مستنیر و مستفیض ہوتا رہا، بالکل اسی طرح اس دین حنیف نے خواتین کو بھی تمدنی، معاشرتی اور ملکی حقوق بہ تمام و کمال عطا کرنے کے ساتھ ساتھ تعلیمی حقوق بھی اس کی صنف کا لحاظ کرتے ہوئے مکمل طور پر دیے؛ چنانچہ ہر دور میں مردوں کے شانہ بہ شانہ دختران اسلام میں ایسی باکمال خواتین بھی جنم لیتی رہیں، جنہوں نے اطاعت گزار بیٹی، وفا شعار بیوی اور سراپا شفقت بہن کا کردار نبھانے کے ساتھ ساتھ دنیا میں اپنے علم و فضل کا ڈنکا بجایا اور ان کے دم سے تحقیق و تدقیق کے لاقعد اخر من آباد ہوئے۔

خواتین کی تعلیم سے متعلق روایات:

- (۱) ایک صحابیہ حضرت شفاء بنت عدویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تعلیم یافتہ خاتون تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ: ”تم نے جس طرح حصہ کو نملہ“ (پھوڑے) کا رقیہ سکھایا ہے، اسی طرح لکھنا بھی سکھا دو۔“
- (۲) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی عورتوں کی تعلیم کا اہتمام فرماتے تھے اور ان کی خواہش پر آپ ﷺ نے باضابطہ ان کے لیے ایک دن مقرر کر دیا تھا، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے: ”قَالَتِ النِّسَاءُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”غَلَبَنَ عَلَيْكَ الرَّجَالُ فَاجْعَلْ لَنَا يَوْمًا مِنْ نَفْسِكَ فَوَعَدَهُنَّ يَوْمًا لَفِيَهُنَّ فِيهِ، فَوَعَظَهُنَّ وَأَمَرَهُنَّ۔“

- (۳) حضرت اسماء بنت یزید بن السکن انصاریہ رضی اللہ عنہا بڑی متدین اور سمجھدار خاتون تھیں، انھیں ایک دفعہ عورتوں نے اپنی طرف سے ترجمان بنا کر آپ ﷺ کے پاس بھیجا کہ آپ ﷺ سے دریافت کریں کہ: ”اللہ نے آپ ﷺ کو مرد و عورت ہر دو کی رہ نمائی کے لیے مبعوث فرمایا ہے؛ چنانچہ ہم آپ پر ایمان لائے اور آپ ﷺ کی اتباع کی، مگر ہم عورتیں پردہ نشیں ہیں، گھروں میں رہنا ہوتا ہے، ہم حتی الوسع اپنے مردوں کی ہر خواہش پوری کرتے ہیں، ان کی اولاد کی پرورش و پرداخت

ہمارے ذمے ہوتی ہے، ادھر مرد مسجدوں میں باجماعت نماز ادا کرتے ہیں، جہاد میں شریک ہوتے ہیں، جس کی بنا پر انھیں بہت زیادہ ثواب حاصل ہوتا ہے؛ لیکن ہم عورتیں ان کے زمانہ غیبیہ بیت میں ان کے مال و اولاد کی حفاظت کرتے ہیں، اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت اسماء کی بصیرت افروز تقریر سن کر صحابہ کی طرف رخ کیا اور ان سے پوچھا: ”اسماء سے پہلے تم نے دین کے متعلق کسی عورت سے اتنا عمدہ سوال سنا ہے؟“ صحابہ نے نفی میں جواب دیا، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسماء سے فرمایا کہ: ”جاؤ اور ان عورتوں سے کہہ دو کہ: ”اِنَّ حُسْنَ تَبَعْلٍ اَحَدُكُنَّ لِرِزْوَجِهَآ، وَطَلَبُهَا لِمَرْضَاتِهٖ وَاتِّبَاعُهَا لِمُؤَافَقَتِهٖ، يَّعْدِلُ كُلُّ مَا ذَكَرْتَ لِلرَّجَالِ“۔ آپ ﷺ کی زبان مبارک سے یہ عظیم خوش خبری سن کر حضرت اسماء کا دل خوشی و مسرت کے نغمے گانے لگا اور تکبیر و تہلیل کہتی ہوئی واپس ہو گئیں اور دیگر عورتوں کو بھی جا کر سنایا۔ تاریخ اسلامی کی ان چند جھلکیوں سے بہ خوبی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے زمانے میں عورتوں کے اندر حصول علم کے تئیں کس قدر شوق اور جذبہ بے پایاں پایا جاتا تھا اور آپ ﷺ بھی ان کے شوق طلب اور ذوق جستجو کی قدر کرتے ہوئے، ان کی تعلیم و تربیت کا کتنا اہتمام فرماتے تھے۔

چنانچہ یہی وجہ تھی کہ جماعت صحابیات میں بلند پایہ اہل علم خواتین کے ذکر جمیل سے آج تاریخ اسلام کا ورق و ورق درخشاں و تاباں ہے۔ یہ امر محقق ہے کہ امہات المؤمنین میں حضرت عائشہ و حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما فقہ و حدیث و تفسیر میں رتبہ بلند رکھنے کے ساتھ ساتھ تحقیق و درایت کے میدان کی بھی شہ سوار تھیں، حضرت ام سلمہ کی صاحبزادی زینب بنت ابوسلمہ جو آپ ﷺ کی پروردہ تھیں، ان کے بارے میں تاریخ کا بیان ہے کہ: ”كانت أفقه نساء أهل زمانها“ اسدیہ کے بارے میں لکھا ہے کہ: ”وہ زبردست عالمہ تھیں، عمر دراز پائیں، بازاروں میں جا کر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیا کرتی تھیں اور لوگوں کو ان کی بے راہ روی پر کوڑوں سے مارتی تھیں۔“

پھر یہ زریں سلسلہ دور صحابیات تک ہی محدود نہیں رہا؛ بلکہ تابعیات اور بعد کی خواتین کے زمانوں میں بھی ہمیں اس طبقے میں بڑی بڑی عالمہ، زاہدہ اور امت کی محسنہ و باکمال خواتین ملتی ہیں؛ چنانچہ مشہور تابعی، حدیث اور فن تعبیر الروایا کے مستند امام حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کی بہن حفصہ نے صرف بارہ سال کی عمر میں قرآن کریم کو معنی و مفہوم کے ساتھ حفظ کر لیا تھا۔ یہ فن تجوید و قرأت میں مقام امامت کو پہنچی ہوئی تھیں؛ چنانچہ حضرت ابن سیرین علیہ الرحمہ کو جب تجوید کے کسی مسئلے میں شبہ ہوتا تو شاگردوں کو اپنی بہن سے رجوع کرنے کا مشورہ دیتے۔

حضرت نفیسہ جو حسن بن زید بن حسن بن علی بن ابی طالب کی صاحبزادی اور حضرت اسحاق بن جعفر کی اہلیہ تھیں، انھیں تفسیر و حدیث کے علاوہ دیگر علوم میں بھی درک حاصل تھا، ان کے علم سے خواتین کے ساتھ ساتھ مردوں کی بھی معتد بہ تعداد نے سیرابی حاصل کی، ان کا لقب ”نفیۃ العلم والمعرفہ“ پڑ گیا تھا، حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ جیسے رفیع القدر اہل علم دینی مسائل پر ان سے تبادلہ خیال کرتے تھے۔

اہل مغرب کے تعلیمی نظام کی تباہ کاریاں:

مذکورہ حقائق سے یہ بات تو واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام جس طرح صنف لطیف کو دیگر حقوق بخشے میں بالکل عادلانہ؛ بلکہ فیاضانہ مزاج رکھتا ہے، ویسے ہی اس کے تعلیمی حقوق کو نہ صرف تسلیم کرتا ہے؛ بلکہ عملی سطح پر انھیں عطا کرنے کا بھی حد سے زیادہ اہتمام کرتا ہے۔ لیکن جہاں تک بات ہے خواتین کے موجودہ نظام تعلیم کی جسے Co-education سے یاد کیا جاتا ہے، جو مغرب سے درآمد Import کردہ ہے اور جو دراصل مغرب کی فکر گستاخ کا عکاس، خاتون مشرق کو لیلائے مغرب کی طرح ہوس پیشہ نگاہوں کی لذت اندوزی کا سامان بنانے کی ہمہ گیر اور گھناؤنی سازش اور اس کی چادر عصمت و عفت کو تار تار کرنے کی شیطانی چال ہے، اس کی مذہب اسلام تو کبھی بھی حوصلہ افزائی نہیں کر سکتا، نیز عقل دانا بھی اس سے پناہ مانگتی ہوئی نظر آتی ہے۔

مخلوط تعلیم: ایک جائزہ:

مخلوط تعلیم کے حوالے سے دو پہلو نہایت ہی توجہ اور انتہائی سنجیدگی سے غور کرنے کی دعوت دیتے ہیں:

- ۱- یہ کہ لڑکوں اور لڑکیوں کا نصاب تعلیم ایک ہونا چاہیے یا جدا گانہ؟
- ۲- گرچہ کچھ امور ایسے ہیں، جو دونوں کے مابین مشترک ہیں اور ان کا نصاب لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے یکساں رکھا جاسکتا ہے مثلاً زبان و ادب، تاریخ، معلومات عامہ (General knowledge)، جغرافیہ، ریاضی، جزل سائنس اور سماجی علوم (Social science) وغیرہ؛ لیکن کچھ مضامین ایسے ہیں جن میں لڑکوں اور لڑکیوں کے درمیان فرق کرنا ہوگا، مثلاً انجینئرنگ کے بہت سے شعبے، عسکری تعلیم، اور ٹیکنیکل تعلیم؛ کیونکہ ان کی لڑکیوں کو قطعاً ضرورت نہیں؛ البتہ میڈیکل تعلیم کا اچھا خاصہ حصہ خواتین سے متعلق ہے؛ اس لیے ”امراض نسواں“ زمانے سے طب کا مستقل موضوع رہا ہے، یہ لڑکیوں کے لیے نہایت ضروری ہے، اسی طرح لڑکیوں کی تعلیم میں امور خانہ داری کی تربیت بھی شامل ہونی چاہیے، کہ یہ ان کی معاشرتی زندگی میں انتہائی اہمیت رکھتی ہیں، سلائی، کڑھائی، پکوان کے مختلف اصول اور بچوں کی پرورش کے طریقے بھی ان کے نصاب تعلیم کا حصہ ہونے چاہئیں، ان سے نہ صرف لڑکیاں گھریلو زندگی میں بہتر طور پر متوقع رول ادا کر سکتی ہیں؛ بلکہ ازدواجی زندگی کی خوش گواری، اہل خاندان کی ہر دل عزیزی اور مشکل اور غیر متوقع صورت حال میں اپنی کفالت کے لیے یہ آج بھی بہترین وسائل ہیں، ساتھ ہی لڑکیوں کے لیے ان کے حسب حال آداب معاشرت کی تعلیم بھی ضروری ہے؛ کیونکہ ایک لڑکی اگر بہترین ماں اور فرماں بردار بیوی بن سکے تو سماج کو اس سے کوئی فائدہ نہیں؛ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ (جیسا کہ ذکر ہوا) عورتوں کی تذکیر کے لیے علیحدہ دن مقرر فرمایا تھا، جس میں عورتیں جمع

ہوتیں اور آپ ﷺ انھیں ان کے حسب حال نصیحت فرماتے؛ چنانچہ ایک دفعہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ”خواتین کی دل بہلائی کا بہترین مشغلہ سوت کا تنا ہے“ کیونکہ سوت کا تنا اس زمانے میں ایک گھریلو صنعت تھی؛ بلکہ آج سے نصف صدی پیشتر تک بھی بہت سے گھرانوں کا گزراں معیشت اسی پر تھا۔

غور کیجیے! جب قدرت نے مردوں اور عورتوں میں تخلیقی اعتبار سے فرق رکھا ہے، اعضاء کی ساخت میں فرق، رنگ و روپ میں فرق، قوائے جسمانی میں فرق، مزاج و مذاق، حتیٰ کہ دونوں کی پسند اور ناپسند میں بھی تفاوت ہے، پھر اسی طرح افزائش نسل اور اولاد کی تربیت میں بھی دونوں کے کردار مختلف ہیں، تو یہ کیوں کر ممکن ہو سکتا ہے کہ معاشرے میں دونوں کے فرائض اور ذمہ داریاں بھی الگ الگ نہ ہوں؟ اور جب دونوں کی ذمہ داریاں علیحدہ ٹھہریں، تو ضروری ہے کہ اسی نسبت سے دونوں کے تعلیمی و تربیتی مضامین بھی ایک دوسرے سے مختلف ہوں، اگر تعلیمی نصاب میں دونوں کے فطری اختلاف کو ملحوظ نہ رکھا جائے اور تعلیم کے تمام شعبوں میں دونوں صنفوں کو ایک ہی قسم کے مضامین پڑھائے جائیں تو جہاں یہ طریقہ تعلیم انسانی معاشرے پر منفی اثر ڈالے گا، وہیں خود عورت پن کے رخصت ہونے کا بھی انتہائی منجوس سبب ہوگا؛ لہذا صنفِ نازک کی فطری نزاکت کے لیے یہی زیب دیتا ہے کہ وہ وہی علوم حاصل کرے، جو اسے زمرہ نسواں ہی میں رکھے اور اس کے فطری تشخص کی محافظت کرے، نہ کہ وہ ایسے علوم کی دل دادہ ہو جائے جو اسے زن سے نازن بنا دے۔

قرآن کریم میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۚ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبْنَ ۚ وَاسْأَلُوا اللَّهَ مِنْ فَضْلِهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا“ (اللہ تعالیٰ نے تم میں سے ایک دوسرے کو جو فطری برتری عطا فرمائی ہے، اس کی تمننا مت کرو! مردوں کے لیے ان کے اعمال میں حصہ ہے اور عورتوں کے لیے ان کے اعمال میں اور اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل و کرم مانگتے رہو، بے شک اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔)

یہ آیت دراصل معاشرتی زندگی میں آب زر سے لکھنے کے قابل ہے، اس میں یہ

حقیقت سمجھائی گئی ہے کہ اللہ نے انسانی سماج کو اختلاف اور رنگارنگی پر پیدا کیا ہے، کسی بات میں مردوں کو فوقیت حاصل ہے، تو کسی معاملے میں وہ عورتوں کے تعاون کا دست نگر ہے، قدرت نے جو کام جس کے سپرد کیا ہے، اس کے لیے وہی بہتر ہے اور اسی کو بجالانا اس کی خوش بختی ہے؛ کیوں کہ خالق سے بڑھ کر کوئی اور مخلوق کی ضرورت اور فطرت و صلاحیت سے واقف نہیں ہو سکتا، یہ مغربی ہوس کاروں کی خود غرضی اور دنائیت ہے کہ انھوں نے عورتوں سے ”حق مادری“ بھی وصول کیا اور ”فرائض پداری“ کے ادا کرنے پر بھی ان بے چاریوں کو مجبور کیا، پھر جب انھوں نے اپنی ذمہ داری کا بوجھ عورتوں پر لادنے کی ٹھان لی، تو ایسا نظام تعلیم وضع کیا، جس میں عورتوں کو مرد بنانے کی پوری صلاحیت موجود ہو، پیغمبر اسلام ﷺ نے خوب ارشاد فرمایا کہ: ”تین افراد ایسے ہیں، جو کبھی جنت میں داخل نہ ہوں گے“ اور ان تینوں میں سے ایک کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ”الرَّجُلَةُ مِنَ النِّسَاءِ“ یعنی عورتوں میں سے مرد، دریافت کیا گیا: ”عورتوں میں سے مرد سے کون لوگ مراد ہیں؟“ تو آپ ﷺ نے فرمایا ”وہ عورتیں، جو مردوں کی مماثلت اختیار کریں“ جیسا کہ بخاری کی روایت ہے: ”وَالْمُتَشَبِّهَاتُ مِنَ النِّسَاءِ بِالرِّجَالِ“ علماء نے ایسی عورتوں کو جو مردوں والی تعلیم و تربیت اختیار کرتی ہیں اور پھر عملی زندگی میں مردوں کی ہم صف ہونا چاہتی ہیں، اس وعید کا مصداق قرار دیا ہے۔

فرنگی نظام تعلیم پر اقبال کی تشویش:

بیسویں صدی کے عظیم مفکر و فلسفی، سوز دروں سے سرشار، اسرار خودی و رموز بے خودی کو واشگاف کرنے والے اور تاحیات حجازی لے میں نغمہ ہندی گنگنانے والے شاعر اسلام، جو خود عصری تعلیم گاہ کے پرداختہ تھے اور مغربی نظام تعلیم کا انتہائی قریب سے اور عمیق مطالعہ کیا تھا، انھیں عورتوں کے حوالے سے مغرب کے پرفریب نعروں پر جن کی صدائے بازگشت اسی وقت مشرق میں بھی سنی جانے لگی تھی، کافی بے چینی اور اضطراب تھا، ان کی نظر میں ان نعروں کا اصل مقصد یہ تھا کہ مشرقی خاتون کو بھی یورپی عورتوں کی طرح بے حیائی و عصمت باختگی پر مجبور کر دیا جائے اور مسلم قوم بھی مجموعی طور پر عیش و عشرت کی بھینٹ چڑھ

جائے اور مسلمانوں کی روایتی خصوصیات شجاعت و مردانگی، حمیت و ایثار، مروت اور خدا ترستی، مدہوشی کی حالت میں دم توڑ جائیں؛ تاکہ وہ یورپ کی غلامی کے شکنجے سے کبھی بھی رہائی نہ پاسکیں؛ اس لیے انھوں نے اپنی مثنوی ”اسرار و رموز“، ”جاوید نامہ“، ”ارمغان حجاز“ اور ”ضربِ کلیم“ میں متعدد مقامات پر مخلوط سوسائٹی اور مخلوط طریقہ تعلیم کے تئیں انتہائی نفرت و بیزاری کا اظہار کیا ہے؛ چنانچہ ”ضربِ کلیم“ میں کہتے ہیں۔

جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن

کہتے ہیں اسی علم کو اربابِ نظر موت

بیگانہ رہے دیں سے اگر مدرسہ زن

ہے عشق و محبت کے لیے علم و ہنر موت

ایسے پر آشوب اور ہلاکت خیز ماحول میں بھی اگر ہوش کے ناخن نہ لیے گئے، اور لڑکوں کے ساتھ لڑکیوں کو بھی ”متقف“ اور ”روشن خیال“ بنانے کا مخلوط طریقہ کاریوں ہی برقرار رہا، تو ہر نیا طلوع ہونے والا سورج بہت حوا کی عزت و ناموس کی پامالی کی خبر نو لے کر آئے گا اور پھر دنیا بے چشمِ عبرت دیکھے گی کہ وہ مقامات، جو انسان کو تہذیب و شائستگی اور انسانیت کا درس دینے، قوم و وطن کے جاں سپار خادم اور معاشرے کے معزز و کامیاب افراد تیار کرنے کے لیے منتخب کیے گئے تھے؛ محض حیوانیت و بہیمیت اور شہوت رانی و ہوس کاری کے اڈے بن کر رہ گئے۔ (لَا قَدَّرَ اللَّهُ ذَلِكَ)

خواتین کو تعلیم دی جائے، اسلام قطعاً اس کی مخالفت نہیں کرتا؛ بلکہ وہ تو اس کی حد درجہ تاکید کرتا ہے، جیسا کہ ماقبل میں بتایا گیا؛ لیکن یہ ملحوظ رہے کہ ان کی تعلیم وہی ہو، جو ان کی فطرت، ان کی لیاقت اور ان کی قوتِ فکر و ادراک کے مناسب ہو اور ان کی عفت کی حفاظت میں مدد و معاون ہو، نہ کہ ایسی تعلیم، جو انھیں زمرہٴ نسواں ہی سے خارج کر دے اور شیاطینِ الانس کی درندگی کی بھینٹ چڑھا دے، اللہ تعالیٰ سود و زیاں کی صحیح فہم کی توفیق بخشے۔ (آمین)

تعلیم نسواں - امت مسلم کے لیے قابل غور پہلو

مولانا محمد نور نبی یوسفی

خواتین انسانیت کا نصف حصہ ہیں۔ وہ نصف جس سے ماں کی ممتا، بیٹی اور بہن کی محبت اور بیوی کا سکون ملتا ہے۔ جو انسانیت کے لیے تسکین دل و جان ہے۔ (لتسکینو الیہا) [الرؤم: ۲۱] اور جو اس رنگارنگ کائنات میں اصحاب دل و نگاہ اور ارباب ایمان و صلاح کی نظر میں ”خیر من متاع الدنیا“ کا مصداق ہے۔ شاید اسی حقیقت کی طرف اقبال مرحوم نے اشارہ کیا ہے کہ

وجود زن سے ہے کائنات میں رنگ

اگر عورت ایک طرف صنف نازک اور جنس لطیف ہے اور اس لیے شریعت نے اس کو بہت سے فرائض و واجبات سے بری الذمہ اور ذمہ داریوں سے فارغ رکھا ہے تو دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ فطرت نے اس کے اندر اثر انداز ہونے کی غیر معمولی صلاحیت و دیعت فرمائی ہے، اسی لیے عورت جو سماج جذام اور معاشرہ کا ایک عضو نا کارہ سمجھی جاتی تھی، اسلام نے اس کو سماج میں ایک بلند مقام دیا اور اس کی صلاحیتوں کو سماج کی تعمیر میں صرف کرنے کی راہ نکالی، اس کے فعال و مؤثر کردار فراہم کیا اور اس نے عورت کے وجود کو ”مستقل حیثیت“ دی۔ (نسائی: ۱۲۳)

اس نے عورت کو اظہار رائے کی ایسی آزادی عطا کی کہ ایک معمولی خاتون خلیفہ وقت کا برسر عام محاسبہ کر سکتی تھی۔ اس نے عورت کے لیے تعلیم کا راستہ کھولا اور خود پیغمبر اسلام ﷺ نے ہفتہ میں ایک دن اور مقام ان کے لیے متعین فرما دیا، جہاں وہ جمع ہوتیں اور آپ

ﷺ ان کو دین کی تعلیم دیا کرتے۔ باوجود کہ شریعت میں عورتوں کے لیے ایسے مقام پر جانا عمومی طور پر پسند نہیں کیا جاتا جہاں لوگوں کا اجتماع ہو، مگر عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے موقع پر آپ ﷺ نے خواتین کو عید گاہ میں جمع ہونے کا حکم فرمایا، تاکہ وہ بھی آپ ﷺ کی تعلیمات سے مستفیض ہو سکیں اور خود صحابیات میں طلب علم کی ایسی چنگاری آپ نے سگادی تھی کہ وہ اس میں حیا کو بھی حجاب بننے نہ دیتی تھیں۔ اس سلسلہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خواتین انصار کی تعریف کی کہ ”خواتین انصار بہترین عورتیں ہیں کہ حیا کو دین کے سمجھنے میں رکاوٹ نہیں بننے دیتیں۔“ (بخاری: کتاب العلم)

لڑکیوں کی طرف آپ ﷺ کی توجہ خاص کا یہ حال تھا کہ باندیوں تک کو علم سے آراستہ کرنے کی ترغیب دی اور فرمایا:

”جو اپنی باندی کی بہتر تربیت کرے اور اچھی تعلیم دے، پھر اسے آزاد کر دے اور اس سے نکاح کر لے، اس کو دو ہزار اجر ملے گا۔“

حضرت ابو وائل رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں بیٹی کی تربیت کرنے کی صراحت موجود ہے۔

اس ترغیب نے قرن اول ہی میں خواتین میں ایک تعلیمی انقلاب پیدا کر دیا، علوم اسلامی میں سب سے اہم فن حدیث کا ہے، حدیثیں جن لوگوں سے ایک ہزار سے زیادہ مروی ہیں وہ مکثرین کہلاتے ہیں، علامہ سخاوی کی تحقیق کے مطابق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی احادیث کی تعداد (۲۲۱۰) اور مکثرین میں دوسرا نام انہیں ام المؤمنین کا ہے۔ تفسیر میں جن صحابہ کو ید طولیٰ حاصل تھا، ان میں ایک اہم نام حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بھی ہے، جن کی طرف اکابر صحابہ علمی تشنگی بھگانے کے لیے رجوع کرتے تھے۔ اور اساطین امت نے ان کی گرفت کو قبول کیا ہے۔

فقہ و افتائیں ابن قیم نے کثرت و قلت کے لحاظ سے جو تین درجات قائم کیے ہیں، ان میں اول درجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، دوسرے درجہ میں ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور تیسرے درجہ میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا، حضرت صفیہ رضی اللہ

عنها، حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا، حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا، اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا، حضرت ام میمونہ رضی اللہ عنہا، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، حضرت قیس رضی اللہ عنہا، حضرت زینب بن سلمہ رضی اللہ عنہا، حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کے اسماء گرامی موجود ہیں۔ بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فوجیوں کے لیے گھر سے باہر رہنے کی جو مدت مقرر کی اس میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی رائے پر فیصلہ کیا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں سے متعلق مسائل میں خواتین اہل افتا کی رائے کو ترجیح دی جاسکتی ہے۔

کتابت سے مکہ میں بہت کم لوگ واقف تھے، اہل تاریخ نے ۱۳۹۹ھ اور ۳۰ھ کی تعداد بتائی ہے جو تحریر سے واقف تھے۔ لیکن عہد رسالت میں نہ صرف مرد بلکہ عورتوں میں بھی کتابت کا ذوق پیدا ہوا، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے شفا بنت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کتابت سیکھی۔ حضرت اسماء بنت مخزومہ رضی اللہ عنہا عطر فروخت کرتی تھیں اور ادھار رقم کا کھاتہ لکھ لیا کرتی تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا شاید کتابت سے واقف نہ تھیں لیکن تحریریں پڑھتی تھیں، چنانچہ انھوں نے اپنے غلام ابولولس سے قرآن کے نسخہ کی کتابت کروائی۔

حفظ قرآن مجید کا ذوق بھی خواتین میں عام تھا، ام ورقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ملتا ہے کہ وہ باضابطہ حافظہ تھیں، علوم اسلامی سے اس دلچسپی نے صحابیات میں ادبی ذوق اور زبان شناسی بھی پیدا کی، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی جامع الصفات ذات اس باب میں ممتاز تھیں ان کے بعض شاگردوں کا بیان ہے کہ میں نے ان سے زیادہ فصیح نہیں دیکھا۔ خود حضور ﷺ کے سراپا کا حضرت ام امعبد نے جو لطیف اور حقیقت ترجمان نقشہ کھینچا ہے وہ عربی ادب کا ایک نمونہ ہے۔ خواتین صرف تعلیم حاصل ہی نہیں کرتی تھیں، بلکہ علوم اسلامی کی امانت عظمیٰ دوسروں تک بھی پہنچاتی تھیں۔ صرف مسند احمد ہی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دو شاگردوں کا ذکر موجود ہے۔

علاوہ دینی علوم کے عورتوں کے حسب حیثیت دوسرے ضروری علوم کی بھی قدردانی کی جاتی تھی، چرخہ کا تنے کی آپ ﷺ نے خود ترغیب دی ہے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا خنجر بناتی تھیں، حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ کی ذاتی صنعت و

کاری گری اور اس کی کمائی سے اپنے علاوہ اپنے شوہر اور بچوں کی کفالت کرتی تھیں۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا پکوان ممتاز تھا شوہر کے پیسے صحیح طور پر خرچ کرنے اور بچوں کی نگہداشت پر توجہ دینے کی خود آپ ﷺ نے خواتین کو ترغیب دی ہے، یہ گویا علوم خانہ داری کی اساس تھی، طب و علاج سے خواتین دلچسپی لیتی تھیں، غزوات میں خواتین نے مجاہدین کی مرہم پٹی کی ہے، ہشام بن عروہ کا بیان ہے کہ میں نے کسی کو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بڑھ کر ماہر طب نہیں پایا، خود حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنی ان طبی معلومات کی بابت فرمایا جب آپ ﷺ بیمار رہتے تو اطباء عرب آتے تھے، میں ان کے نسخے یاد کر لیتی تھی۔

اور یہ کچھ عہد رسالت ہی پر موقوف نہیں، بعد کے ادوار میں بھی خواتین اسلام میں اہل فضل کی ایک طویل فہرست ملتی ہے، ابن قیم نے عہد اسلام کی افاضل روزگار خواتین کا ذکر کیا ہے جن میں چند ہی صحابیات ہیں، باقی بعد کی ہیں۔ ان میں بشر حافی کی بہن سخہ جیسی متورع خاتون بھی ہیں، جو امام احمد سے دریافت کرتی ہیں کہ میں چراغ میں بھی سوت کا قاتی ہوں اور چاندنی کی روشنی میں بھی تو کیا مجھے فروخت کرتے ہوئے ان دونوں کی بابت فرق بھی واضح کر دینا ضروری ہے؟ حفصہ بنت سیرین جیسی یگانہ روزگار محدثہ بھی ہیں جن کو بجا طور پر اہل زمانہ ابن سیرین کا علمی جانشین تصور کرتے تھے، امۃ الواحد سیکینہ بھی ہیں، دارقطنی جیسے محدث جن کے تلامذہ میں تھے اور ان کے احسان شناس خاص اور فضل و علم کے معترف تھے اور جو بہ قول ابن جوزی ”احفظ الناس للفقہ علی مذهب الشافعی“ تھیں۔ عمر رضا کمال جیسے صاحب نظر فاضل نے خواتین اسلام و عرب کا مجموعہ تیار کیا ہے، وہ چوبیس سو سے زیادہ فاضل و ممتاز خواتین کے ذکر سے مزین ہے، یہ سب کچھ اس نبی امی ﷺ کا فیض ہے جس نے عرب کی جہالت کی زمین میں علم کی روح پھونکی اور علم و نظر کو ایسی جاودانی بخشی کہ انسانیت کا کوئی طبقہ اس کے فیض علم سے محروم نہ رہا۔

آپ ﷺ کا دور نبوت علم کا دور ہے اور یہ جوں جوں آگے سفر کرتا جائے علم کی نئی نئی راہیں کھلتی جائیں گی، اور علم کی اشاعت و ابلاغ کے نت نئے وسائل و ذرائع پیدا ہوتے

جائیں گے، اس دور نے خواتین میں علم کی نئی لہر پیدا کی ہے، اور چوں کہ علماء و زعماء پے بہ پے پیش آنے والے واقعات کی گرہ کشائی میں اس طرف توجہ نہ کر سکے، اس لیے جن مسلم گھرانوں نے خواتین کی تعلیم کی موجودہ تحریک میں حصہ لیا ان کے لیے مخلوط و آزادانہ فضا کی درس گاہوں کو قبول کرنے کے سوا چارہ نہ تھا، گواہر ایک دودھائی سے اب لڑکیوں کے علاحدہ اسکول قائم ہوئے ہیں، لیکن تربیت اور ذہن سازی کی کیفیت کے اعتبار سے ان دونوں میں کوئی بڑا فرق نہیں ہے، اس نے خواتین کی ایک ایسی نسل تیار کر دی ہے جو مغرب کے نعرہ آزادی کی دلدادہ، مغربی تہذیب کی اسیر اور اسلامی تعلیم اور مشرقی اخلاق و اقدار کے احساس سے عاری ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ مسلم سماج کا مضبوط حصار آڑے نہ آئے تو اس سماج میں بہت سی ”تسلیمہ نسرين“ منظر عام پر آ جائیں۔ ان حالات میں لڑکیوں کی دینی تعلیم و تربیت پر غور اور علمی اقدام غالباً اسی قدر ضروری ہے جتنا ضروری اپنے زمانہ میں لڑکوں کی درس گاہوں کا قیام تھا، اس لیے لڑکیوں کی دینی تعلیم کی طرف توجہ وقت کی اہم اور اولین ضرورت ہے۔

تعلیم نسواں کی معنویت اور افادیت ہر زمانے میں محسوس کی جاتی رہی ہے۔ عصر حاضر میں تعلیم نسواں کی اشد ضرورت ہے۔ اس لیے کہ بچے والد سے زیادہ والدہ کی بات مانتے ہیں اور تعلیم نسواں سے ایک گھر نہیں بلکہ پورا سماج فائدہ اٹھاتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ بچوں کی اچھی پرورش میں ماں کا اہم رول ہوتا ہے۔ باپ کو وقت کہاں کہ بچوں پہ دھیان دے انھیں تو کمانے اور گھر چلانے کی فکر سرچڑھ کر بولتی ہے ماں ہر طور سے بچوں کا خیال اور ان پہ نگاہ رکھتی ہے وقت پہ پڑھنے بٹھانا اور ان کے اسباق کا مشاہدہ بھی کرنا اور ان کی اچھی تربیت کا خیال بھی رکھنا سب ماں کی ذمہ داری ہوتی ہے اس لیے کہا گیا ہے کہ ماں کی گود اولین درس گاہ ہے اس لیے شرعی حدود میں رہ کر تعلیم نسواں پہ خوب خوب دھیان دینا زمانے کا تقاضہ ہے اور وقت کی اہم ضرورت بھی۔ اسی لیے آقائے دو جہاں ﷺ فرماتے ہیں ”جو اپنی باندی کی اچھی تربیت کرے اور اچھی تعلیم دے پھر اسے آزاد کر دے اور اس سے نکاح کر لے تو اس کو دو ہراجر ملے گا۔“ (بخاری)

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے سوزِ دروں پیدا
جب عورت پڑھی لکھی نہ ہو تو تصویر کائنات میں رنگ بے رنگ رہ سکتا ہے۔ اس لیے تعلیم نسواں وقت کی اہم ضرورت ہے لڑکیوں کو جاہل اور ان پڑھ رکھنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی پر بہار درخت ساری عمر پھول اور پھل سے محروم رہ گیا ہو۔ ایک لڑکی کی تعلیم سے پورا خاندان روشن ہو جاتا ہے اس لیے وقت کا تقاضا ہے کہ تعلیم نسواں پہ دھیان دیا جائے۔

تعلیم عورتوں کو بھی دینی ضروری ہے
جو لڑکی بے پڑھی ہو وہ بے شعور ہے
ایسی معاشرت میں سراسر فتور ہے
اور اس میں ماں باپ کا بے شک قصور ہے

خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کا تعلیمی مشن

ڈاکٹر احمد مجتبیٰ صدیقی

شعبہ جغرافیہ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

سرزمین ہند کی بہت سی خصوصیات میں سے ایک اہم خصوصیت یہاں کے صوفیائے کرام اور اولیائے عظام کا تشریف لانا اور اسلام کی اشاعت میں سرگرم رہ کر مذہب اسلام اور تعلیمات نبوی کی عکاسی کرنا ہے۔ ان صوفیاء کے کردار و عمل ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ آج مسلمانان ہند کے ساتھ اہل وطن کا ایک بڑا طبقہ ان درگاہوں اور خانقاہوں سے گہری وابستگی پر رکھتا ہے۔

خانقاہی نظام میں رائج روایات تو سر آنکھوں پر ہیں لیکن اصلاح معاشرہ اور تزکیہ نفس کے لئے جو کام ہونا چاہئے اس میں کہیں کہیں کچھ کمی محسوس ہوتی ہے۔ الاما شاء اللہ۔ خانقاہ برکاتیہ مارہرہ شریف کے ذمہ داران نے اس حوالے سے منفرد شناخت قائم کرنے کی کوشش کی۔ اس سے نہ صرف معاشرے کو فائدہ پہنچا بلکہ دوسروں کو بھی ترغیب ملی۔ خانقاہ برکاتیہ میں شریعت کے دائرے میں رہ کر خانقاہی رسومات کا منعقد ہونا تو قدیم زمانے سے اب تک طرہ امتیاز تو ہے ہی لیکن تعلیم کو عام کرنے اور اسے عملی طور سے بروئے کار لانے کا جو کام خانقاہ مارہرہ مطہرہ کے ذریعے ہوا وہ ایک امتیاز ہے۔ خانقاہ برکاتیہ سے ایک ایسا انقلابی نعرہ بلند ہوا ”آدھی روٹی کھائیے۔ بچوں کو پڑھائیے“ جس کے بہت اچھے اور سودمند نتائج سامنے آئے۔ خانقاہ برکاتیہ کے سجادہ نشین شیخ المشائخ حضور احسن العلماء سید شاہ مصطفیٰ حیدر حسن میاں رحمۃ اللہ علیہ نے اسی حوالے سے بصیرت اور بصارت کے

ساتھ خانقاہی نظام میں مثبت اور سودمند تبدیلیاں کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ انہوں نے علم کی اہمیت کو رائج کرنے کا عزم فرمایا اور اس کے لئے عملی اقدامات بھی فرمائے۔ اپنے صاحبزادگان کو عصری علوم کے زیور سے آراستہ کیا۔ ان کے تمام صاحبزادگان نہ صرف اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں بلکہ دنیاوی لحاظ سے بھی اعلیٰ مناصب پر فائز ہیں۔ موجودہ صاحب سجادہ پروفیسر امین ملت سید محمد امین میاں قادری صاحب، شعبہ اردو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں۔ معروف افسانہ نگار و ادیب سید محمد اشرف صاحب (IRS) چیف کمشنر انکم ٹیکس جن کو ابھی حکومت ہند نے ان کی دو سال سروس کو بڑھاتے ہوئے Income Tax Settlement Comission کا ممبر منتخب کیا ہے جو اپنے آپ میں ایک بڑا منصفی اعزاز ہے۔ تیسرے صاحبزادے سید محمد افضل صاحب (IPS) Addiotional Director Journal Police ہیں۔ چوتھے صاحبزادے سید نجیب حیدر نوری سجادہ نشین ہونے کے ساتھ ساتھ مارہرہ ایجوکیشنل سوسائٹی کے زیر اہتمام چلنے والے اداروں کے صدر ہیں۔

خانقاہ برکاتیہ کے ذمہ داران نے ”آدھی روٹی کھائیے۔ بچوں کو پڑھائیے“ کے اس نعرہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ملک گیر پیمانے پر تعلیمی اور تبلیغی دورے کئے۔ مذہبی جلسوں میں تعلیم کے اس مشن کو متعارف کرایا گیا۔

ہمارے مشائخ روحانیت کے علم بردار ہونے کے ساتھ ساتھ علم کے فروغ کے حامی تھے۔ صاحب تصانیف کثیرہ تھے جنہوں نے ثقافت اسلامی کو خوب مالا مال کیا۔ حضور احسن العلماء سید شاہ مصطفیٰ حیدر حسن میاں قدس سرہ نے علی گڑھ میں تعلیمی ادارہ قائم کرنے کا خواب دیکھا تھا۔ جس کو ان کے لائق فرزندان گرامی نے شرمندہ تعبیر کیا۔ ۱۸۵۷ء سے لے کر اب تک مسلمانان ہند تعلیم کے حصول کے مسائل سے دوچار ہیں۔ عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ اگر وسائل موجود بھی ہیں تو تعلیم کی طرف کوئی رغبت نہیں اور اکثریت کے پاس وسائل ہیں ہی نہیں تو پھر تعلیم حاصل کرنے کا جذبہ کیسے بیدار ہوگا۔ خانقاہ برکاتیہ کے ذمہ داران نے اس ضرورت کو سمجھا اور تعلیمی ادارے کی بنیاد ڈالی جس میں تعلیم کے ساتھ ساتھ طلباء و طالبات کو تربیت کے زیور سے بھی آراستہ کرنے کا عزم رکھا اور تاکہ طلبہ کے اندر وہ

تمام اقدار موجود ہوں جو ایک ایمان دار، خوش اطوار، وطن سے محبت کرنے والے شہری میں ہوتی ہیں۔ ہمارا مشاہدہ ہے کہ اب دنیا ایک گلوبل ویلج کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ تعلیمی ادارے کثرت سے کل رہے ہیں۔ لیکن پھر بھی تعلیم یافتہ لوگوں میں اچھی اقدار کا فقدان ہے جو ماضی کے تعلیم یافتہ لوگوں میں بدرجہ اتم تھا۔ لہذا ایسے اداروں کا وجود میں آنا بہت ضروری ہے جو اپنے تعلیمی نظام، نصاب اور تربیت کے ذریعہ طلباء کی شخصیت سازی و کردار سازی میں اہم کردار ادا کر سکیں۔ لہذا ۱۹۹۵ء میں حضرت امین ملت پروفیسر سید شاہ محمد امین میاں صاحب قادری مدظلہ العالی کی صدارت اور حضرت شرف ملت سید محمد اشرف میاں صاحب کی نیابت، حضرت سید محمد افضل میاں صاحب اور رفیق ملت حضرت سید نجیب میاں صاحب کی نیابت میں البرکات ایجوکیشنل سوسائٹی وجود میں آئی۔ ۲۰۰۰ء میں اس کے نصاب کے تعین کے لیے علمائے کرام و دانشوران قوم کے مشورے حاصل کیے گئے۔ ۲۰۰۲ء میں البرکات کے اداروں کی عمارتوں کا سنگ بنیاد رکھا گیا اور جب سے تعمیر و تعلیم مسلسل جاری ہے۔

کارگزاریاں و حصولیابیاں:

ہم تعمیری ترقیوں کا ذکر کریں تو لگ بھگ ۱۴ سال کے عرصے میں ۱۵ وسیع و عریض عمارتیں البرکات کیمپس میں تعمیر ہوئیں مزید دو عمارتوں کا خاکہ تیار ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کس رفتار سے یہاں تعمیر کا سلسلہ جاری ہے۔ تعمیری حسن کے بارے میں کہنے سے کیا فائدہ دیکھنے والوے اس کی گواہی دیں گے۔ ایشیاء کے نامور و معروف نقشہ نویس آئی ایم قادری صاحب جو ٹاٹا کے پرمائنٹ نقشہ نویس ہیں۔

حضرت شرف ملت نے ایک روز راقم سے فرمایا کہ ہم نے یہاں عمارتیں اتنی دراز قامت، وسیع اور کھلی کھلی اس لیے ہیں کہ یہاں رہنے والے طلباء کے فکر و فہم کا دائرہ بھی اتنا ہی وسیع ہو اور ذہنیت میں کھلا پن پیدا ہو۔ کیوں کہ کھلی اور کشادہ جگہ میں رہنے کا اثر انسانی نفسیات پر گہرائی کے ساتھ پڑتا ہے۔

یہ تو رہی تعمیر کی بات، اب اگر ہم تعلیمی معیار کی بات کریں تو کسی بھی تعلیمی ادارے کا معیار کا اندازہ وہاں سے تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کی صلاحیتوں اور کامیابیوں سے لگایا جاتا ہے جن کی عکاسی ان کی تعلیم کے نتائج سے برآمد ہوتی ہے۔ ہمارے البرکات پبلک اسکول کے دسویں اور بارہویں کلاسوں کے C.B.S.E بورڈ کے نتیجے اسکول کے قیام سے لے کر اب تک امتیازی رہے۔ سارے بچے اول مقام حاصل کرتے ہیں۔ بلکہ ہمارا رزلٹ علی گڑھ کے قدیم معیاری اسکولوں کے مقابلے میں کسی کسی سال سبقت لے جاتا ہے۔ اردو اور انگریزی بولنے اور لکھنے کا شعور آ جانا، اسپورٹس اور ادبی و ثقافتی سرگرمیوں میں اول آنا، بڑوں کا ادب، چھوٹوں کا لحاظ، شعار اسلامی کی پابندی اور خوش اخلاقی ہم اپنے بچوں میں پیدا ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ اس پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔ یہ اپنے آپ کسی تعلیمی ادارے کے لئے خود بڑا کارنامہ ہے۔

ایک بہت بڑی کامیابی یہ حاصل ہوئی کہ ہمارے سبھی اداروں کو مرکزی حکومت کی جانب سے اقلیتی ادارے کا درجہ حاصل ہوا جس کے بہت دور رس فائدے ہیں جن کے براہ راست نفع ہمارے یہاں داخل ہونے والے طلباء اٹھا رہے ہیں۔ بڑی تسلی کی بات یہ ہے کہ بہت قلیل مدت میں شہر علی گڑھ اور بیرون علی گڑھ البرکات نے اپنا ایک مقام بنالیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کے مختلف صوبوں کے طلباء و طالبات ہمارے یہاں زیر تعلیم ہیں۔ یہاں تک کہ انڈمان نکوبار، آسام اور منی پور تک کے طلبہ یہاں زیر تعلیم ہیں۔ ایک اور بات جسے میں امتیاز تصور کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہم ان طلباء کی تعلیمی صلاحیتیں ابھارنے میں کامیاب ہوئے جو اگر یہاں نہ آتے تو شاید وہ ایسے نہ ہوتے جیسے بن کر نکلے ہیں۔ بہت زیادہ پڑھے لکھے والدین کے بچوں یا متمول گھرانے کے بچوں کو تو کوئی بھی ادارہ تعلیم دے سکتا ہے لیکن ایسے طلباء کو جن کے یہاں کبھی تعلیم کا ماحول نہ رہا ہو ان کو تعلیمی طور سے مضبوط بنا کر اعلیٰ تعلیم کے لیے تیار کر دینا جیسا کہ یہاں ہو رہا ہے اس کو البرکات کا امتیاز سمجھتے ہیں۔ البرکات ایجوکیشنل سوسائٹی کی منتظمہ کمیٹی کی میٹنگ میں اس مسئلہ پر پورے شد و مد کے ساتھ غور و خوض کیا جا رہا ہے کہ البرکات مستقبل میں یونیورسٹی کا درجہ حاصل کرے لیکن اس

میں ابھی مزید وقت درکار ہے۔ موجودہ اداروں کو پوری طرح سے استحکام حاصل ہو جائے اور پوری طرح سے خود کفیل ہو جائیں، معیار کے اعتبار سے مضبوط اور اطمینان بخش ہو جائیں۔ تب انشاء اللہ اس کی پہل کی جائے گی۔

جامعہ البرکات کے مختلف ادارے:

(۱) البرکات پبلک اسکول (۲) البرکات قادر یہ گرلز اسکول، (۳) البرکات پلے اینڈ لرن سینٹر (۴) البرکات انسٹی ٹیوٹ آف مینجمنٹ اسٹڈیز (ایم بی اے کا ادارہ) (۵) البرکات انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشنل (بی ایڈ کی تعلیم کا ادارہ) (۶) البرکات کالج فار گریجویٹ اسٹڈیز (۷) البرکات سید حامد کمیونٹی کالج (۸) البرکات اسلامک ریسرچ اینڈ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ (۹) البرکات سینٹر فار کمپیوٹر سائنس اینڈ لیگلو سٹجز (NCPUL, New Delhi) سے الحاق۔

البرکات ایجوکیشنل انسٹی ٹیوشنز میں جو بھی ادارے ہیں ان کا نصاب تعلیم ان یونیورسٹیز کے مطابق ہے جن سے ہمارے مختلف اداروں کا الحاق ہے۔ اسکول کا نصاب سی بی ایس سی کے قانون کے مطابق ہے لیکن ہم نے اس میں دینیات کا اضافی گھنٹہ رکھا ہے اور ساتھ ہی اردو کی تعلیم پر خاص توجہ دیتے ہیں۔ اس بار دسویں کلاس کے امتحان میں طلبہ نے اردو میں امتیازی نمبر حاصل کیے۔ اسکول میں دینیات کی تعلیم کے لیے علمائے کرام کا تقرر کرتے ہیں تاکہ کہیں کوئی کمی نہ رہ جائے۔ نسواں اسکول میں ان سب کے علاوہ سلائی، کڑھائی، بنائی اور کرافت کے کاموں کے لیے بھی الگ سے کلاسز کا انتظام ہے تاکہ وہ امور خانہ داری میں بھی اس تربیت سے استفادہ کریں۔

اسکول میں رائج دینی تعلیمات اور اسلامی تربیتی کلاسز کی پابندی اور طلبہ پر اس اسلامی تربیت سے مرتب ہونے والے اثرات نے ادارے کو نہ صرف ہندوستان بلکہ بیرون ہند بھی معروف کیا۔ الحمد للہ تعلیم کا ایسا پختہ معیار ہے کہ ۲۰۱۵ کلاس پاس کر کے طلبہ و طالبات کا انتخاب ہر سال M.B.B.S اور Engineering کے علاوہ دیگر اچھے

Professional Courses میں ہو رہا ہے۔ اسکول انتظامیہ انگریزی، اردو اور دینیات میں طلبہ کو امتیازی بنانے میں بہت سنجیدگی کے ساتھ مسلسل کوشش کر رہی ہے۔

البرکات اسکول کے علاوہ البرکات انسٹی ٹیوٹ آف مینجمنٹ اسٹڈیز (MBA)، البرکات انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشن (B.Ed)، البرکات کالج آف گریجویٹ اسٹڈیز (BBA & BCA) کے ادارے بھی اپنے تعلیمی معیار کے حوالے سے امتیاز قائم کیے ہوئے ہیں۔ ان اداروں میں بھی الحمد للہ اسلامی تربیت کے لیکچر اور ادبی محفلیں منعقد کراتے ہیں۔ راقم کو اس بات کا مشاہدہ بذات خود ہے کہ یہاں کے طلبہ کو جو اسلامی تربیت دی جا رہی ہے وہ اور جگہ عقاب ہے۔

قوم کے کم تعلیم یافتہ طلبہ کے لیے ابھی قائم ہوئے ادارے البرکات سید حامد کمیونٹی کالج میں ہائی اسکول پاس طلبہ کو Professional Certificate Courses کے ذریعے ہنرمندی اور معاش کے عمدہ ذرائع فراہم کرانے کی البرکات ایجوکیشنل سوسائٹی سعی کر رہی ہے۔ اس ادارے میں طلبہ پر ہونے والے زیادہ تر اخراجات سوسائٹی کے ذمے ہیں۔ انشاء اللہ اس سال دو کورسز مزید شروع کئے ہیں Certificate in Mobile Repairing اور Certificate in A/C & Refrigeration ہم بہت کم فیس پر ان طلبہ کو تعلیم فراہم کر رہے ہیں۔ پہلے سے جنرل ڈیوٹی اسٹنٹ کا کورس یہاں سے جاری ہے۔ جس میں Nursing سکھائی جاتی ہے۔

البرکات سوسائٹی نے غریب طلبہ و طالبات کے لئے ایک بہت معیاری البرکات آف فزنون اسکول قائم کیا ہے جس میں بچے صرف ۱۰۰ روپے ماہانہ فیس دے کر تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ ان طلبہ کو ڈریس، کتابیں، کاپیاں اور دیگر سہولتیں اسکول کی طرف سے بلا کسی معاوضہ کے مہیا کرائی جاتی ہیں۔ علی گڑھ کے وہ والدین جو مالی کمزوری کی وجہ سے اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلانے سے قاصر تھے وہ آج اس اسکول سے مستفید اور مستفیض ہیں۔ البرکات ایجوکیشنل سوسائٹی کی یہ خدمت ایک قابل تحسین کارنامہ ہے۔

مدارس اسلامیہ سے فارغ علمائے کرام کے لئے البرکات اسلامک ریسرچ اینڈ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ جیسا ممتاز ادارہ بھی اس سوسائٹی کی دین کے تئیں خدمات میں سے ایک ہے۔ اس ادارے میں علمائے کرام کو جدید سماجی و تعلیمی رجحانات سے واقف کرایا جاتا ہے۔ جدید عربی، انگلش، کمپیوٹر کی تعلیم، سماجی علوم، فنِ قرأت، تحریری و تقریری مہارت، فنِ ترجمہ، کھیل کود ورزش مختصراً یہ کہ علمائے کرام کے لئے یہ ایک طرح کا MBA Course ہے۔ جس کا بنیادی مقصد علمائے کرام کی شخصیت سازی ہے۔ علماء کو تمام سہولتوں کے ساتھ ساتھ یہاں دو ہزار روپے ماہانہ وظیفہ بھی دیا جاتا ہے۔ اس انسٹی ٹیوٹ کے پہلے Batch سے فارغ تحصیل طلبہ ماشاء اللہ فارغ ہو کر باوقار مقام پر اپنی معاشی زندگی کو بہتر بنانے کے ساتھ ساتھ خلوص دل سے دین کا کام کر رہے ہیں۔

ان اداروں اور قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، دہلی کے فاصلاتی کورسز کے سینٹر سے بھی بہت سارے کورس اس ادارے میں بحسن و خوبی چل رہے ہیں جیسے۔

1. Diploma in Repairing of Electronic Appliances & Maintenance
2. Diploma in Computer Applications, Business Accounting and Multilingual DTP
3. Diploma in Calligraphy and Graphic Designing
4. Diploma in Arabic Language
5. Diploma in Urdu Language

حالاں کہ یہ تمام کورسز فاصلاتی تعلیم کے ہیں لیکن ہم نے ایسا انتظام کیا ہے کہ الحمد للہ اس میں داخلہ لینے والے طلبہ Regular چلنے والے اداروں ہی کی طرح کلاس کرتے ہیں۔ انتظامیہ کی نیک نیتی اور اساتذہ کی محنت اور طلبہ کی کارکردگی سے البرکات کے اس سینٹر کو NCPUL, New Delhi ملک کا Best Centre تصور کرتی ہے۔ البرکات کے اس سینٹر کو NCPUL نے شمالی ہند کا عربی، اردو اور فارسی کی کاپی چیکنگ سینٹر بنایا ہے۔

ہمارے MBA اور B.Ed کے پاس طالب علم اللہ کے شکر و احسان سے ملک کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے ہیں۔ بلکہ اکثریت سے بیرون ہند میں بھی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ پچھلے تین سالوں میں البرکات پبلک اسکول سے ۱۲ جماعت کے ۱۰۰/۱۰۰ سے زیادہ طلبہ و طالبات میڈیکل اور انجینئرنگ کورسز میں داخل ہوئے ہیں اس میں وہ طلبہ بھی شامل ہیں جو اگر اس ادارے میں وسائل کی کمی کی وجہ سے نہ آ پاتے تو شاید اس کامیابی سے محروم رہ جاتے۔

حضرت امین ملت اور ان کے برادران ذی وقار کا اب صرف ایک ہی مقصد ہے کہ اب قوم و معاشرے کی اصلاح تعلیم سے کی جائے۔ البرکات ایجوکیشنل سوسائٹی کا ”راحت پروجیکٹ“ اب صرف تعلیم کے پھیلاؤ ہی کا کام کرنے کے لیے سرگرم ہو گیا ہے۔ ہم نے ملک گیر سطح پر لڑکیوں کی تعلیم کا سروے کیا اور صورت حال یہ ہے کہ ابھی لڑکیوں کی تعلیم پر بہت کام کرنے کی ضرورت ہے اور ہم اس پر بہت سنجیدگی کے ساتھ غور کر رہے ہیں کہ اپنی قوم کی بچیوں کا مستقبل بہتر بنائیں اور ان کو اسلامی اور اخلاقی قدروں کے ساتھ تعلیم دیں یہ سلسلہ انشاء اللہ علی گڑھ کے باہر بھی جاری ہوگا۔ ملک بھر میں انشاء اللہ وقت کے ساتھ تعلیمی ادارے کھولے جائیں گے۔ متمول مریدین اور متوسلین کو اپنے اپنے شہروں میں تعلیم کی اہمیت کا احساس دلا کر تعلیمی ادارے کھولنے کے لئے راغب کیا جائے گا تاکہ ایک طرف تعلیم کی ترویج بھی ہو اور قوم کے افراد کے لیے روزگاری فراہمی بھی۔ حضرت امین ملت کا ایک دیرینہ خواب ہے کہ علی گڑھ میں وہ ایک بہت معیاری Medical College کھولیں تاکہ قوم کو اس سے فائدہ پہنچے۔ اور اس کام کے لئے وہ دن رات خلوص سے کام کر رہے ہیں۔

البرکات ایجوکیشنل سوسائٹی ایک Non-Profitable سوسائٹی ہے اس کا سارا نفع یا تو ہم تعمیر میں خرچ کرتے ہیں یا پھر Free Education اور فلاحی کاموں میں۔ جیسے جیسے آمدنی زائد ہو رہی ہے ہم اسی حساب سے Free Education کے ادارے بڑھاتے جا رہے ہیں یہی نہیں بلکہ اگر کوئی تعلیم کا کام شروع کر رہا ہے تو اس کو ایک اچھا

ادارہ چلانے کے لئے کیا کیا کام کرنا چاہئے۔ اس کام کے لئے مفید تجویزات بھی فراہم کرانے کو ہم تیار ہیں۔ ہم ان تمام حضرات سے اپیل کرتے ہیں کہ براہ کرم اپنے نیک منصوبوں سے ہمیں آگاہ کریں اور ہماری کسی بھی مدد کی ضرورت ہو تو ہمیں بتائیں، ہم ہر ممکن کوشش کر کے اس کام میں اعانت کریں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ ہمارے سرپرست صرف سوسائٹی کے فنڈ سے نہیں بلکہ اپنی جیب خاص سے بھی ان طلبہ کی ہمیشہ سے مدد کر رہے ہیں جو باصلاحیت ہیں اور وسائل کی کمی کی وجہ سے تعلیم کو حاصل کرنے میں قاصر ہیں۔ نہ جانے کتنے طالب علم اس فیضان برکاتیت سے سرفراز ہیں الحمد للہ رب العالمین۔

ہمارے بڑے انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد تمام خانقاہوں کے سجادہ نشینوں اور متولیان سے رابطہ کرنے کی کوشش کریں گے اور ان کے ساتھ بیٹھیں گے اور گزارش کریں گے کہ خانقاہ برکاتیت کی طرح وہ حضرات بھی تعلیم کے پھیلاؤ کے کام کو عام کریں۔

ہماری قوم کی فلاحی تنظیموں سے جڑے نوجوان حکومت کے ذریعے دی جانے والی مالی امداد کے ذرائع تلاش کریں اور ضرورت مندوں کو اس کی معلومات فراہم کرائیں۔ ہمارے قوم کے افراد NGOs چلائیں اور اپنے اپنے صوبوں، ضلعوں اور قصبوں میں اس طرح کے کام کو آگے بڑھائیں۔

اب ابابیلوں کے لشکر نہیں آنے والے

اپنے کعبے کی حفاظت ہمیں خود کرنی ہے

ہمیں بیدار ہونا ہے۔ ہمیں اپنے تشخص کی حفاظت ہاتھ میں قلم لے کر خود کرنی ہے۔ اصحاب صفہ سے جو سلسلہ دراز ہوا تھا اس کو بخیر و خوبی احسن طریقے سے روز افزوں کرنا ہے۔ حکومت بھی انہیں لوگوں کی طرف توجہ کرتی ہے جو بیدار و ہوشیار اور اپنے حق کا مطالبہ کرنے والے ہوتے ہیں۔ لہذا متحد ہو کر اب معاشرہ سازی کے کام کے لئے آگے بڑھئے اور اپنی کھوئی ہوئی شناخت کو واپس لائیے۔

خانقاہ برکاتیت کے ذریعے مارہرہ شریف میں جامعہ احسن البرکات حبیبانہ ہی علوم کا ادارہ مع اقامت گاہ کے قائم ہونے کی امید قوی ہے کہ انشاء اللہ آنے والے وقتوں

میں باوقار، باصلاحیت اور اپنی شخصی خوبیوں میں مکمل علمائے کرام اس ادارے سے نکل کر قوم و ملت کی خدمت کریں گے۔ آج بھی طالب علمی کے دور سے ہی ان احسنی طلبہ نے اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ تقریر و تحریر سے کرنا شروع کر دیا ہے۔

جامعہ احسن البرکات کے تعلیمی معیار کی باقاعدہ نگرانی جامعہ اشرفیہ کے سابق شیخ الجامعہ علامہ محمد احمد مصباحی صاحب یہاں تشریف لا کر فرماتے ہیں۔ ساتھ ہی حضرت نجیب میاں بچوں کی تعلیم اور ان کے کھانے پینے کی سہولتوں کا خیال اپنے بچوں ہی کی مانند کرتے ہیں۔ آج اسی تربیت کا نتیجہ ہے کہ یہاں کے فارغ التحصیل حفاظ اور عالم دین ان کو دل و جان سے چاہتے ہیں۔

مارہرہ شریف میں مارہرہ ایجوکیشنل سوسائٹی کا قیام عمل میں آیا۔ حضور صاحب پروفیسر سید محمد امین میاں صاحب کے برادر خورد و صاحب سجادہ سید نجیب حیدر نوری صاحب نے قصبہ میں ایک نہایت معیاری انگلش میڈیم اسکول مارہرہ پبلک اسکول کے نام سے کھولا ہے جس میں قرب و جوار کے ۱۰۰۰ طالب علم تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

مارہرہ پبلک اسکول میں تعلیم کا ایسا معیار ہے کہ یہاں کے بچوں کا Selection علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے مقابلہ جاتی امتحانات میں ہو رہا ہے۔ اس اسکول کے کھانے کے بعد مارہرہ اور اس کے اطراف میں اور بہت اسکول کھلے بھی جس سے قصبہ کا تعلیمی معیار بہتر ہوا۔ ایک طرح سے مارہرہ پبلک اسکول ایک تعلیمی تحریک کی طرح بھی اس علاقے میں ثابت ہوا۔ حضرت رفیق ملت کی کوشش سے قومی کاؤنسل برائے فروغ اردو زبان کے کورسز بھی یہاں شروع ہو گئے ہیں۔ یہاں کمپیوٹر کا CABA کورس اور بچوں کو ہنرمندی کے لیے DREAM کورس کامیابی کے ساتھ جاری ہیں۔

خانقاہ برکاتیت کے تعلیمی مشن کو عام کرنے کی ترغیب کے زیر اثر مریدین اور متوسلین میں بھی تحریک پیدا ہوئی۔ ممبئی میں البرکات ملک محمد اسلام کالج قائم ہوا۔ یہ اسکول ممبئی جیسے شہر میں تعلیم کا پھیلاؤ خالص دینی پیرائے میں کر رہا ہے۔ سورت، گجرات میں البرکات پبلک اسکول قائم ہوا۔ کانپور میں ایک کمپیوٹر سینٹر برکاتی متوسلین نے کھولا۔ یہاں

کے برکاتی احباب بھی ایک تعلیمی ادارہ قائم کرنے کے لئے منصوبے بنا رہے ہیں۔ جے پور میں اسکول، کانپور میں تعمیر کے لئے زمین کی فراہمی ہو چکی ہے۔ کالپی میں البرکات کھولنے کے لئے زمین کی فراہمی کا عمل جاری ہے۔ اس کے علاوہ ذمہ داران خانقاہ برکاتیہ ۲۰۰ سے زائد مدارس اور عصری علوم کے اداروں کی سرپرستی فرما رہے ہیں۔

ہونہار طلبہ کو سوسائٹی کی جانب سے اسکالرشپ دی جا رہی ہے بلکہ جہاں جہاں اچھے طالب علم اپنی تعلیمی صلاحیتوں کو بڑھانے کے لئے خانقاہ سے رجوع کرتے ہیں ان کی پوری کفالت ذمہ داران خانقاہ بلا کسی تشہیر کے کر رہے ہیں۔ خانقاہ برکاتیہ سے تعلیمی کاموں کے علاوہ رفاہی اور امدادی کاموں میں بھی سرگرم ہے۔ Medical Camps لگا کر مریضوں کی مدد، غربا کے لئے امدادی راحت کیمپ، قدرتی طور پر متاثر علاقوں میں امداد، سماجی برائیوں سے بچانے کے لئے تربیتی کیمپ، سالانہ اجتماعی شادیاں وغیرہ جیسے کار خیر رضائے الہی کے حصول کے لئے استقلال و استحکام کے ساتھ جاری ہیں۔ ماشاء اللہ تعالیٰ تصنیف و تالیف کے کام میں روز بروز اضافہ ہی ہو رہا ہے۔ اپنے مشائخ کی کتابوں کو از سر نو شائع کرنے کا سلسلہ جاری ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اصلاحی مواد کی فراہمی اور دعوت و تبلیغ کے کاموں میں خانقاہ برکاتیہ بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہی ہے۔

علی گڑھ میں دعوت کا ایک سینٹر کھولا جا رہا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس سینٹر کے ذریعے علی گڑھ کے اطراف و جوانب میں دعوت و تبلیغ کا کام فعال طریقے سے کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے سرپرستوں کی عمر و صحت میں برکت عطا فرمائے اور ہم سب کو ان کا ہاتھ بٹانے کی توفیق دے تاکہ قوم و ملت کی فلاح و بہبود کی راہیں اچھی طرح ہموار ہو سکیں۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

قدیم عرس قاسمی برکاتی شریف کی مختصر روداد

تاج العلماء حضرت سید شاہ اولاد رسول محمد میاں صاحب قدس سرہ

قارئین کرام!

گذشتہ سال سے قدیم عرس قاسمی برکاتی کی روداد اشاعت کرنے کا عزم کیا جو وابستگان سلسلہ کے لیے نوادرات کا درجہ رکھتا ہے۔ یہ تمام اہل سنت کی آواز کے قدیم شماروں سے مأخوذ ہیں جن کو حضرت تاج العلماء قدس سرہ نے بڑی تفصیل سے رقم فرمایا ہے۔ ان روداد کو پڑھنے سے قارئین کرام کو اس بات کا بھی اندازہ ہوگا کہ مشائخ مارہرہ کس طرح سے ان روایات اور رسومات کو دستاویز کی شکل دے کر آنے والی نسلوں کے لیے محفوظ کر رہے تھے۔ انشاء اللہ آنے والے شماروں میں بھی یہ سلسلہ جاری و ساری رہے گا۔ (ادارہ)

بجاء اللہ تعالیٰ و بعونہ عزاسمہ حضرت اقدس قدوة المصلین زبدة العارفین سند الواصلین واقف اسرار طریقت۔ عارف عوارم۔ معرفت، کاشف، استار حقیقت حامی شرع و دین راد مرتدین و مبتدعین حضرت مولانا مولوی حافظ قاری حاجی سید شاہ ابو القاسم محمد اسماعیل حسن میاں صاحب ملقب برشاہ جی قادری برکاتی آل احمدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ و ارضاء بالرضا السرمدی کا سالانہ اکیسواں عرس شریف قاسمی برکاتی قادری حسب معمولی قدیم خانقاہ عالیہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ میں ۲۰-۲۱-۲۲-۲۳ رصفر ۱۴۱۸ھ کو بخیر و برکت تمام منعقد ہوا۔ اور فقیر سراپا تو قیر خادم سجادہ آستانہ عالیہ قادریہ برکاتیہ قاسمیہ نے اس کی خدمت سے بفضلہ تعالیٰ و انشاء اللہ العزیز الکریم سعادت حاصل کی۔

اس بار عرس شریف سے کئی ماہ پہلے سے فقیر مسلسل شدید بیماریوں اور دوسری غیر

معمولی افکار اور پریشانیوں میں مبتلا رہا، اور اعزہ و احباب میں سے وہ کارکن اصحاب بھی جو اپنے کرم سے خدمات عرس شریف کا عملاً بار اٹھاتے تھے بیماریوں اور غیر معمولی پریشانیوں میں گرفتار رہے۔ اور بعض واصل بحق ہوئے۔ اس کے علاوہ جملہ ضروریات کی شدید ترین گرانی پچھلے سال سے بھی زائد دیکھتے ہوئے۔ دعوت نامہ عرس شریف میں توارخ مقررہ سابقہ سے ایک دن کم کر دیا گیا تھا۔ مگر عین وقت پر مدد الہی و فضل حضرت رسالت پناہی جل و علاء علیہ الصلاۃ والسلام و توجہ حضرت صاحب عرس قدس سرہ کی برکت سے وہ کمی پوری ہو گئی۔ البتہ فقیر اپنے ضعف و کمزوری کے سبب سے عرس شریف کے واقعات اور حضرات علمائے کرام کو مبسوط و مشرح و مفصل متبرک مواعظ و بیانات کی یادداشتیں اور خلاصے اس قدر بھی تحریر نہ کر سکا جتنے پہلے تحریر کر لیتا تھا جس کے لئے عذر خواہ ہے۔ بہر حال مختصر روداد تاریخوار حسب ذیل ہے۔

عرس مبارک کا آغاز:

سہ شنبہ ۲۰ صفر ۱۴۳۷ھ کو عرس مبارک کا آغاز حسب معمول قدیم درگاہ معلیٰ برکاتیہ میں حضرت صاحب البرکات قدس سرہ کے روضہ مبارکہ میں بعد نماز فجر حلقہ قادریہ سے ہوا۔ جس کے بعد مجلس ختم قرآن مجید روضہ حضرت صاحب عرس قدس سرہ میں منعقد ہوئی اور بفضلہ تعالیٰ متعدد ختم ہوئے۔ دس بجے دن کے قریب پائیں مزار حضور سلطان العاشقین صاحب البرکات قدس سرہ فقیر کی حقیقی چھوٹی بہن حضرت صاحب عرس قدس سرہ کی سب سے چھوٹی محبوب صاحبزادی مرحومہ مغفورہ کے قل شریف کی مجلس ہوئی۔ اول نعت خواں حضرات نے نعت شریف پڑھی۔

مولانا محمد خلیل خاں صاحب کا بیان:

پھر جناب مکرم مولانا مولوی محمد خلیل خاں صاحب قادری برکاتی دام کرم نے زیر آیت کریمہ ”لا یستوی اصحاب النار و اصحاب الجنة (الایۃ)“ فضائل کریمہ بہ حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علی آلہ و اصحابہ وسلم اور دین اسلام کے فضائل بہت مشرح و مدلل بیان فرمائے۔ فرمایا کہ ہمارے آقائے کریم علیہ الصلاۃ و التسلیم صفات و

لوازم الوہیت کے علاوہ جملہ فضائل و کمالات کے جامع اور ان کا معدن اور مخزن ہیں۔ جس پر خود سیرت کریمہ مشاہد عادل ہے۔ بے ایمان ہیں وہ جو کبھی تو ایک نام کے مسلمان حقیقت میں مرتد بے ایمان کو اپنا نبی سیاست بلکہ خدائے قانون بلکہ خدا گر بنائے پھرتے۔ اور کبھی ایک کھلے کافر غیر مسلم کو حق و صدق کی رہبری و رہنمائی اور حق کے لئے قربانی و ایثار میں آقائے دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہم سر ہی نہیں بلکہ حضور اقدس علیہ الصلاۃ والسلام سے بہتر و برتر تمام عالم انسانیت میں یکتا اور بے مثال بتاتے پھرتے ہیں۔

مولانا سید آل مصطفیٰ میاں صاحب کا بیان:

مولانا محمد خلیل خاں صاحب کے بیان کے بعد برخوردار نور البصار مولانا مولوی حافظ سید آل مصطفیٰ میاں سلمہم اللہ تعالیٰ نے زیر آیت کریمہ ”أفمن شرح الله صدره للإسلام فهو على نور من ربه“۔ الایۃ بہت مشرح و مفصل و مدلل و دلکش و دلنشین بیان کیا۔ بتایا کہ اسلام سچے مسلمان کو اس کے دین و دنیا دونوں کے لئے نور دیتا اور سچا کامیاب راستہ دکھاتا ہے۔ اس پر سیدھی طرح چلنے والا کبھی خطا نہیں پاتا اور جو بھی نفس و شیطان کے وسوسوں میں پڑ کر اس راستہ سے ڈگتا ہے وہ ہلاکت کے اندھے کنویں میں ہی جا گرتا ہے۔ اسی ضمن میں آج کل کے مسلمان کہلانے والوں کی کج روی پر رد کرتے ہوئے بتایا کہ انہوں نے آج سے نہیں عرصہ دراز سے اپنی زندگی شریعت و اسلام کے فرامین و احکام سے بیگانہ کر رکھی ہے اور نفس و شیطان کے پیچھے لگ لئے اسی کا نتیجہ ہے یہ ان کی آج کی ذلت و نکبت اور بیچارگی اور نحوست اور گمراہی اور ہلاکت اور اس کی شامت ہے ان پر اغیار و کفار کا جبر و ظلم و استیلا و استبداد، ان میں وہ ہیں جنہوں نے مساجد اللہ کے اعداء اللہ مرتدین و مبتدعین کفار و مشرکین کے دین و شریعت کے خلاف لیکچروں اور اسپچوں کا اکھاڑا اور مکاری اور بے ایمانی کی سیاسیات حاضرہ کا اسٹیج بتایا۔ روافض و ہابیہ، قادیانی اور ایسے ہی اور دوسرے بد مذہب اور لامذہب نام کے مدعیان اسلام جب ان میں سے نیچے اور ان کے سرچڑھے تو آج یہ اس پر کیوں روتے ہیں کہ اسمبلیوں اور کونسلوں میں غیر شرعی قوانین مسلمانوں کے لئے

بنائے جاتے اور اسلامی شرعی قوانین معطل اور منسوخ ٹھہرائے جا رہے ہیں۔ یہ جب خود نہ معلوم کتنے غیر شرعی و غیر اسلامی قوانین شارداہل سول میرج ایکٹ اور خلع بل وغیرہ کی صورتوں میں اپنی تحریکوں، تجویزوں، تائیدوں سے پاس کرا کر اور اپنی عملی زندگی صورت و سیرۃ علانیہ اور ہنایت بے باکی سے اسلامی شرعی زندگی کے مخالف گزار کر کھیلے ہوئے غیر مسلموں کو بہ وضاحت تمام یہ دکھا اور بتا چکے ہیں کہ اسلام و شریعت سے اس طرح کھلم کھلا مخالفت بلکہ عناد اور بغاوت کر کے بھی ایک شخص نہ صرف معمولی مسلمان ہی رہ سکتا بلکہ مسلمانوں کا رہنما اور رہبر قائد اعظم اور پیشوائے اعظم بلکہ نبی اور پیغمبر بلکہ خدا اور خدا گرتک بھی بن سکتا اور رہ سکتا ہے تو اب اگر حکومت غیر مسلمہ انہیں سے سیکھ کر انہیں کے اعمال و عقائد کو سند میں پیش کر کے قوانین شرعیہ کو معاذ اللہ منسوخ اور باطل ٹھہرا کر ان کے مخالف اپنے خود ساختہ قوانین مسلمانوں پر لادنا چاہتی ہے تو انہیں ایک ایسی حکومت کا جواب اپنے آپ کو اسلامی حکومت نہیں کہتی بلکہ خود اقراری غیر مذہبی حکومت بتاتی ہے جھوٹا شکوہ اور شکایت کرنے کی جگہ خود اپنے اوپر صد ہزار بار لعنت و نفرین کرنا چاہئے کہ انہیں کے ہاتھوں اسلام و مسلمین پر جو کچھ بیٹا سو بیٹا اور بیت رہا ہے سو بیت رہا ہے۔

غرض حالات حاضرہ میں مسلمانوں کو جن مصائب و آفات سے سامنا ہے ان کا حوالہ دینے کے بعد بتایا کہ اسلام ایسا کامل و اکمل دین ہے کہ وہ مسلمانوں کو ان کی ہر حالت راحت و کلفت حاکمیت اور محکومیت میں زندگی گزارنے کے بہترین طریقے اور کامیاب ترین راستے دکھاتا اور ان کی ہر مصیبت کا حل اور ہر درد کا درمان بتاتا ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ مسلمان اسلام کے سچے تابع فرمان بن کر اسلام سے اپنا درمان چاہیں۔ خودی اور خود سری کی جو مہلک عادت دین و مذہب سے آزاد اور بے قید نام نہاد لیڈران قوم کے پیچھے لگ کر آج کل کے عوام کو پڑ گئی ہے اسے یکسر چھوڑ دیں تو مصائب حاضرہ خواہ کتنے ہی شدید ہوں اور مستقل میں وہ کیسی ہی مزید شدت اختیار کریں۔ شب کا درمان اسلام کے پاس موجود ہے۔

تو خواہ کوئی دنیوی طاقت اور مجازی حکومت غربائے مخلصین اہل سنت اہل اسلام کی نصرت و حمایت و حفاظت نہ بھی کرے خود خدائے قدس احکم الحاکمین تمام جہان کے حاکم

و مالک حقیقی جل جلالہ و عم نوالہ کی رحمت ان کی حفاظت و حمایت و نصرت کے لئے اولئک علیہم صلوٰۃ من ربہم و رحمۃ و اولئک ہم المہتدون (یہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی درودین ہیں اور رحمت اور یہی لوگ راہ پر ہیں)۔ کاثرہ سنائی اور ان حزب اللہ ہم الغلبون۔ (بیشک اللہ ہی کا گروہ غالب ہے) کے جلوے دکھاتی پڑھے گی۔

بیان ختم ہونے پر ہمیشہ عزیزہ مرحومہ و مغفورہ کے مزار پر پنج آیت شریف و شجرہ مبارکہ پڑھے جانے کے بعد نیاز ہوئی اور اندر مکان زنانہ میں بھی طعام تبرک پر بعد پنج آیت شریف فاتحہ ہو کر تبرک تقسیم ہوا اور فقیر نے سورہ یونس شریف و دیگر سور کریمہ و آیات مبارکہ و درود شریف و کلمہ طیبہ و ادعیہ مبارکہ کے ثواب کی نذر پیش کی۔

کانپوری احباب اہل سنت سلمہم اللہ تعالیٰ رنگین کاغذوں کی بیرقین اور جھالریں اور قدیلیں وغیرہ لائے تھے انہوں نے ان سے مسجد مقدس و درگاہ شریف و روضہ مبارکہ حضرت صاحب عرس قدس سرہ و خانقاہ عالیہ وغیرہ کو آراستہ کر دیا۔ اللہ عز و جل سب کو جزائے خیر دے۔

چادر شریف کا جلوس:

چادر شریف کا جلوس حسب معمول درگاہ معلیٰ حضرت جد اعلیٰ سید شاہ عبدالجلیل صاحب قدس سرہ سے عصر کے قریب روانہ ہوا اور نعت شریف و منقبت خوانی کے ساتھ عرس شریف کی تبلیغی شان یعنی حمایت دین و سنت اور رد اہل کفر و بدعت و بطالت کا بیان بھی نمایاں کرتے تھے آبادی کا گشت کر کے عشاء کے وقت خانقاہ عالیہ میں آیا۔ جا بجا اہل جلوس کی خاطر تواضع چادر وغیرہ سے مخلصین اہل سنت برآوران دین و طریقت نے کی یہاں پہنچ کر حضرت صاحب عرس قدس سرہ کی حویلی سجادگی اور دولت سرائے زمانہ کے سامنے نعت شریف و منقبت مبارکہ پڑھی گئی اور پھر روضہ مقدس میں چادریں مزار مقدس پر چڑھائی گئیں اور بعد پنج آیت شریف نیاز ہوئی۔

مجلس مبارک:

اس کے بعد درگاہ معلیٰ میں روبروئے روضہ حضرت صاحب عرس قدس سرہ مجلس مبارک منعقد ہوئی۔ جس کا سلسلہ ۱۲ بجے شب کے قریب تک جاری رہا۔ اول نعت شریف پڑھی گئی۔

حضرت شیر بیشہ سنت کا مبارک بیان:

حضرت شیر بیشہ سنت مولانا محمد حشمت علی خاں صاحب قادری رضوی دامت برکاتہم العالیہ نے زیر آیت کریمہ و ذکر ہم باہم اللہ بہت مدلل و مشرح و مفصل دلنشین و جاذب قلوب اہل ایمان نکات و معارف شریعت و طریقت و عرفان پر مشتمل بیان کئی گھنٹے فرمایا۔ آقائے دو عالم نور مجسم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و اصحابہ وسلم کے فضائل مبارک کے دریا بہائے اسی ذیل میں آیت کریمہ مذکورہ عنوان سے مجلس میلاد مبارک کا اثبات فرماتے ہوئے واضح فرمایا کہ حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت مبارک کا مبارک دن یقیناً وہ دن ہے جس میں تمام ربانی نعمتوں میں سب سے بڑی نعت اور سب نعمتوں کی اصل الاصول نعمت یعنی ذات پاک محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و اصحابہ وسلم کی جلوہ گری اس عالم ظاہر میں ہوئی تو وہ دن یقیناً ایام اللہ میں سب سے عظیم الشان دن ہے اور یہ ایام اللہ کی تذکیر اور ان میں اللہ کی نعمتوں کی تشہیر کا حکم وہ فرمان قرآنی صاف صاف دے رہا ہے۔ تو مجلس مبارک کا انعقاد عین تعمیل حکم الہی ہے۔

چهار شنبہ ۲۱/ صفر ۱۴۳۸ھ:

حسب معمول درگاہ معلیٰ برکاتیہ میں روضہ برکاتیہ مقدمہ کے اندر حلقہ ذکر قادری اور پھر باہر مجلس قرآن شریف خوانی کے بعد پائیں روضہ حضور صاحب البرکات قدس سرہ دس بجے دن کے قریب سے ایک بجے دوپہر کے قریب تک مجلس وعظ و بیانات علمائے کرام منعقد ہوئی اوّل مقامی و بیرونی نعت خواں حضرات نے نعت شریف پڑھی۔

مولانا شاہ وجیہ الدین صاحب کا بیان:

پھر حضرت مولانا شاہ محمد وجیہ الدین صاحب رضوی مینائی دام کریم نے زیر آیت کریمہ ”و اما بنعمت ربک فحدث“ شرح و مفصل بیان فرمایا۔ اور بتایا کہ الہی

نعمتیں بے حد و بے شمار ہیں اور ان کا شکر اور ان کی تذکیر و تحریث (یاد دلانے اور چرچا کرنے) کا حق ہم کہاں پورا کر سکتے ہیں لیکن ہمارے لئے تمام ربانی نعمتوں دنیا اور آخرت کی راحتوں کے حصول کے لئے اصل الاصول تشریف آوری ہے آقائے دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و اصحابہ وسلم کی۔ ہم اسی نعمت عظمیٰ کی تحریث و تذکیر میں جو بھی بن پڑے کوشش کریں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سچے غلام بن جائیں، ان کی محبت ساری دوسری محبتوں پر غالب اپنے دلوں میں جمائیں۔ قول و فعل اعتقاد و عمل حرکت و سکون سب میں حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حتی الوسع کامل سے کامل فرماں برداری ظاہری و باطنی اپنا شعار بنائیں اور اس طرح اس نعمت عظمیٰ کی خود مجسم تذکیر و تحریث بن جائیں تو سب ربانی نعمتوں کی تحریث و تذکیر ہو جائے گی۔

مولانا سید عبدالقادر رضا صاحب کا بیان:

مولانا وجیہ الدین صاحب کے بیان کے بعد حسام اہل سنت حضرت مولانا سید عبدالقادر صاحب قادری برکاتی زادت فضاہم نے زیر آیات کریمہ ”یا ایہا النبی انا ارسلک شاعدا“ الی قولہ تعالیٰ ”ولا تطع الکافرین والمنفقین ودع اذابہم و توکل علی اللہ و کفی باللہ وکیلا“۔ بہت دل کش اور پراثر مدلل بیان فرمایا۔ آقائے کریم سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و اصحابہ وسلم کے فضائل کریمہ بیان فرما کر فرمایا کہ دنیا کے کتے روٹی اور کرسی کے بھوکے لگی اور کافر نسی وغیرہم چلایا کریں کہ ہائے حکومت بدل گئی مسلمانوں کا کوئی سرپرست و حامی و یاور نہیں رہا۔ اب ہم کیا کریں، اب یہ ظلم ہے اور آئندہ وہ ستم ٹوٹے گا مگر غربائے اہل سنت اہل اسلام کے لئے تو ایک ہی ابدی دائمی رحیم و کریم حکومت ہے مصطفیٰ پیارے علیہ الصلوٰۃ والسلام کی، جو نہ کبھی بدلے گی نہ زائل ہوگی۔

گاگر شریف:

شب ۲۲ صفر شب پنجشنبہ میں بعد نماز مغرب گاگر شریف کا جلوس حسب معمول درگاہ معلیٰ کلاں سے بہت شان و شوکت و خیر و برکت کے ساتھ اٹھا اور درود و سلام و نعت

شریف ومنقبت خوانی اور ان کے ضمن میں رد اعداء ومخالفان دین وسنت کرتے ہوئے آبادی کا گشت کر کے خانقاہ عالیہ میں عشاء کے بعد آیا اور حضرت صاحب عرس قدس سرہ کی محل سرائے زنانہ اور حویلی سجادگی کے سامنے بھی کچھ دیر ٹھہر کر نعت شریف ومنقبت خوانی ہوئی۔ پھر حاضر درگاہ مقدس ہو کر گریں مزار مقدس پر پیش کی گئیں اور بعد پنج آیت شریف فاتحہ خوانی ہوئی۔

مجلس مبارک:

پھر صحن درگاہ معلیٰ برکاتیہ رو بروئے روضہ مبارکہ حضرت مرشد برحق قدس سرہ میں مجلس میلاد مبارک و وعظ کا آغاز ہو کر بارہ بجے رات کے بعد اختتام ہوا۔ اول نعت شریف پڑھی گئی۔

مولانا محمد خلیل احمد خاں صاحب قادری کا بیان:

پھر حضرت مولانا مولوی محمد خلیل احمد خاں صاحب قادری برکاتی ابو القاسمی بجنوری دامت مکارمہم نے سورہ فاتحہ شریف کی تفسیر و تشریح میں نہایت دل نشین عمدہ و نفیس بیان فرمایا۔ مولانا نے فرمایا کہ اس سورہ مبارکہ میں ”صراط مستقیم“ سچی سیدھی راہ کی طلب کی ہدایت ہے جو راہ ہے ان کی جن پر اللہ نے انعام فرمایا۔ اور جن پر اللہ نے انعام فرمایا وہ خود قرآن عظیم کے فرمان سے ہیں حضرات انبیاء و مرسلین، صدیقین و شہداء و صالحین علیہم السلام۔

مولانا محمد طیب صاحب کا بیان:

مولانا محمد خلیل احمد خاں صاحب قادری کے بیان کے بعد مولانا مولوی ابو الطاہر محمد طیب صاحب دانا پوری قادری رضوی نے زیر آیت کریمہ ماکان اللہ لیذر المومنین علیما انتم علیہ حتی یمیز النخبث من الطیب کہا پاکوں تھروں دینداروں سنیوں سے بد دینوں بے دینوں جملہ کفار و مشرکین اور وہابیہ و روافض اور قادیانیوں نیچریوں وغیرہم مرتدین و مبتدعین کی چٹنی تو عین مقصود و مطلوب و محبوب خدا اور رسول ہے۔ جل و علا و علیہ الصلاۃ والسلام مگر لیگ تو خود تمام مرتدین و مبتدعین کے مجموعے اور معجون

مرکب ہی کا نام ہے اور اس کا پاکستان ان سب کا گہوارا۔ یہیں سے جان لیجئے کہ پاکستان کس حد تک صحیح معنی میں پاکستان کہلانے کا مستحق ہے۔ مولانا نے کہا بد مذہبوں بے دینوں بد دینوں کے گھول میل سے مصیبت و گمراہی و فتنہ ملتا اور ان سے علیحدگی اور دوری ہی میں بحکم قرآن مجید و حدیث حمید نور و نجات ہے۔ فضائل کریمہ بیان کئے اور مصائب حاضرہ کی اصل علت لوگوں کی خدا و رسول جل و علا علیہ الصلاۃ والسلام کے احکام کی نافرمانی اور انکا علاج صبر و توکل و استقامت بردین اسلام و مذہب اہل سنت اور شریعت مطہرہ اسلامیہ کا اتباع بتایا۔

شب ۲۳/صفر شب جمعہ ۱۳۶۸ھ:

بعد مغرب حویلی سجدہ نشینی قدیم خاندانی میں اور درگاہ معلیٰ برکاتیہ دروضہ مقدسہ حضرت صاحب عرس شریف قدس سرہ اور مسجد قدیم مقدس برکاتی میں چراغوں اور گیس کے ہنڈوں اور فانوس وغیرہ شیشہ آلات کی روشنی حسب معمول قدیم خاندانی کی گئی۔

مجلس مولود مبارک:

اور حویلی سجادگی مذکور میں مجلس مولود مبارک ساڑھے سات بجے رات کے منعقد ہوئی اول بیرونی اور مقامی نعمت خواں حضرات نے نعت شریف ومنقبت مبارک پڑھی۔

خرقہ پوشی:

پھر حسب معمول خاندانی حویلی سجادگی کی چٹنی نشین جانب راست میں فقیر سراپا تقصیر نے اکابر کرام سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ قاسمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے مقدس خرقے اور کلاہ و سیلی و عمامہ جو اس وقت کے لئے مخصوص ہیں پہنے۔ حسب معمول خاندانی اس وقت چٹنی مذکورہ کے دور پر آگے پردہ ڈال دیا جاتا اور اندر صرف مخصوص اعزہ و اقارب جو یہ لباس پہناتے ہیں موجود رہتے ہیں۔ اس متبرک لباس کی برکات ان شاء اللہ تعالیٰ و بکرمہ عم نوالہ و بفضل رسولہ و جمیع اولیاء علیہم السلام و علی آلہ و اصحابہ الکرام لئے ہوئے فقیر پردہ سے باہر آیا۔ متوسلین و احباب اہل عقیدت نے دست بوسی کی اور تقبیل لباس اکابر کرام

قدست اسرار ہم سے بکرمہ تعالیٰ برکات حاصل کیں اور پھر بڑے مجمع کے ساتھ جس میں نعت شریف و منقبت پڑھی جا رہی تھی۔ مزار اقدس حضرت مرشد برحق قدس سرہ پر حاضری دی اور اندرون روضہ مبارکہ دروازہ بند کر کے حسب معمولی خاندانی پنج آیت شریف پڑھ کر فاتحہ مبارکہ فقیر نے عرض کیا۔ اور دیر تک مراقب رہ کر اپنے لئے اور تمام حاضر و غائب دین و طریقت کے سنی بہن بھائیوں کے لیے ایمان و امان و استقامت و صبر و ہمت و قناعت و خیر و برکت و عزت و دولت و صحت و دیگر جملہ مرادات جائزہ دینیہ و دنیاویہ کے حصول کی بارگاہ رب عزت تبارک و تعالیٰ میں حضور اقدس سید الکجوبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علی آلہ و اصحابہ و بارک و سلم علیہم اجمعین و حضرت سیدی و مرشدی صاحب عرس شریف قدس سرہ و جملہ حضرات مرشدان کرام سلاسل عالیہ برکاتیہ قاسمہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے وسیلہ سے دعائیں عرض کیں۔

مجلس وعظ مبارک:

اور بیرون روضہ مقدسہ صحن پیش دروازہ روضہ مبارکہ میں مجلس وعظ مبارک منعقد ہوئی۔ فقیر بھی کچھ دیر کے بعد باہر آ کر اس مجلس مبارک میں حاضر ہو گیا اول نعت خوانان مقامی و بیرونی نے نعت شریف پڑھی۔

مولانا حافظ محبوب علی خان صاحب کا بیان:

پھر مولانا حافظ محبوب علی خان صاحب رضوی مجددی زاد کرمہم نے زیر آیت کریمہ یا ایہا الذین آمنوا استعینوا بالصبر و الصلوٰۃ ان اللہ مع الصابرین فضائل مبارکہ اور صبر و نماز کی برکات اور اولیائے کرام و محبوبان خدا علی سید ہم ثم علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مبارک حالات و فضائل پر مشتمل بیان کیا اور نئے پرانے بے دینوں بد دینوں اور جملہ اہل باطل پر ردِ بلیغ کیا۔

یہ مجلس مبارکہ، ایک بجے رات کے قریب تمام ہوئی۔

قل شریف:

جمعہ ۲۳ صفر ۱۳۶۸ھ دس بجے دن کے قریب مجلس مبارک قل شریف درگاہ معلیٰ

برکات میں پائین روضہ حضرت صاحب البرکات قدس سرہ منعقد ہوئی اول نعت خوانان بیرونی مقامی نے نعت شریف و منقبت مبارک پڑھی۔

مولانا سید آل مصطفیٰ صاحب کا بیان:

پھر برخوردار نور الابصار مولانا آل مصطفیٰ میاں قادری سلمہم اللہ تعالیٰ نے زیر آیت کریمہ ”افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام فہوہ علی نور من ربہ“ فضائل مبارکہ حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علی آلہ و اصحابہ وسلم و فضائل و برکات دین اسلام و سیرت کریمہ پر مشتمل نورانی بیان کیا نئے اور پرانے بیدینوں اور جملہ مخالفان دین و شریعت پر دلائل شرعی اور واقعات و مشاہدات کی روشنی میں ردِ بلیغ کیا و بیداروں پر واضح کیا کہ وہ اگر دونوں جہان میں نور و نجات چاہتے ہیں تو یہ نہ کفار و مشرکین نصاریٰ و یہود مجوس و ہنود و غیر ہم کے کچھ لگائے بننے سے مل سکتے ہیں۔ نہ مرتدین و مبتدعین و ہابیہ و روافضیہ نیا چہرہ اور قادیانیوں و غیر ہم کے دم چھلنے بننے سے مل سکتے ہیں۔ دونوں جہان میں نور و نجات دائمی ابدی حقیقی واقعی ملنے کا تو صرف ایک ہی ذریعہ و وسیلہ ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ہم سچے کھلے دل سے اللہ کا پیار دین اسلام قبول کر لیں۔ اور اسلام نام ہے اللہ و رسول جل و علا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے احکام کے سامنے اطاعت اور فرمانبرداری کی گردن جھکا دینے جان و دل سے انہیں مان لینے اپنا قول و عمل ظاہر و باطن انہیں کے مطابق کر لینے کا جس کا مختصر لفظوں میں بیان یہ ہے کہ آپ سچے طور پر پابند شریعت سنی ہو جائیے۔

غسل مزار مبارک:

بعد ختم مجلس زیر اہتمام برخوردار نور الابصار مولوی حافظ قاری سید حسن میاں قادری سلمہم اللہ تعالیٰ اس خادم اور حضرات علمائے کرام و بعض خاص صالحین حاضرین عرس شریف نے مزار شریف کی عرق گلاب سے غسل کی رسم خاندانی ادا کی۔ یہ گلاب بعد کو بطور تبرک تقسیم ہو جاتا ہے۔

زیارت آثار متبرکہ:

دوپہر کے ساڑھے تین بجے دن کے بعد حسب معمول قدیم خاندانی زیارت آثار متبرکہ ہوئی۔ آثار مبارکہ حسب معمول ایک چوکی چوٹی پر رکھ کر بخوردار نورالابصار سید حسن میاں سلمہ ایک جلوس کے ساتھ جس کے آگے نعت شریف و صلاۃ و سلام و ذکر اسم جلالت ہو رہا تھا درگاہ معلیٰ برکاتیہ میں لے گئے۔ اور وہاں مردوں نے زیارت کی۔ پھر وہاں سے محل سرائے زنانہ حضرت سیدی و مرشدی قدس سرہ میں لائے اور مستورات میں خاندانی مستورات نے زیارت کرائی۔ اور پھر آثار متبرکہ مسجد مقدس برکاتی میں لا کر اپنی الماری میں محفوظ کر دیئے گئے۔ اور گاہروں کی شکر اور نیاز کے بتاؤں پر اور شکر اضافہ کر کے عمدہ ٹھنڈا شربت تیار کر کے حضرت صاحب عرس قدس سرہ کی نیاز مبارک کے بعد حاضرین کو تقسیم کر دیا گیا۔

عرس شریف میں ہر روز صبح کی مجلس سے پہلے بعد نماز فجر اول حلقہ قادریہ مبارکہ اور اس کے بعد قرآن کریم کے ختم ہوتے رہے اور روز و شب کی ہر مجلس کا ختم بیان ولادت مبارکہ و قیام و سلام شریف و دعائے خیر اور پہر پنج آیت شریف اور شجرہ مبارکہ کے بعد تقسیم شیرینی پر حسب معمول قدیم ہوتا رہا۔ ہر مجلس میں اور عرس مبارک کی جملہ تقریبات میں کثیر مسلمانان اہل سنت مقامی و بیرونی شریک ہوتے اور مخلصین اہل سنت اپنے علمائے کرام کے مواعظ و بیانات پوری دلچسپی و توجہ سے سنتے اور ان سے اور حضرات علمائے کرام کی زیارت سے مستفیض ہوتے رہے۔

ملک کے عام ناموافق حالات اور نقل و حمل کی مشکلات روز افزوں اور فقیر بے ہنر کی نالافتی اور کس مہر سی کے باوجود اپنی دینی محبت اور لطف و عنایت اور حضرت صاحب عرس قدس سرہ کی کشش روحانی کے اثر و برکت سے امسال بھی کثیر غائبانے مخلصین اہل سنت لکھنؤ و کانپور و بریلی و پبلی بھیت و سیتاپور و گونڈل و چمپور ضلع گونڈہ و گولی ضلع جالون و اٹاوا و بہاء پور و بدایوں و علی گڑھ و بلرام و غیرہا۔ مقامات دور و نزدیک سے آ کر شریک ہوئے۔ اور فیوض

و برکات سے اپنا حصہ بکرمہ تعالیٰ پایا۔ اور فقیر کو اپنی کرم فرمائی کا منت پزیر بنایا۔

اجازت و بیعت:

ایام عرس مبارک میں بہت سے سنی بہن بھائی فقیر حقیر سرپا تقصیر کے ہاتھ پر داخل سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ ہوئے۔ اور فقیر نے ان کو اپنے اکابر کرام قدس سرہ کی تعلیم کے مطابق شریعت مطہرہ کے اتباع اور دین اسلام و مذہب اہل سنت پر پوری کامل چٹنگی اور مضبوطی سے قائم رہنے اور جملہ مخالفان دین و سنت سے ان کے مراتب کے موافق مطابق احکام شریعت دور اور نفور رہنے اور اسی کی بقدر وسعت تبلیغ و اشاعت و تائید و حمایت اور اپنے سلسلہ عالیہ برکاتیہ کے اکابر کرام اور اپنے جملہ مرشدان عالی مقام قدس سرہ کی عزت و حرمت کی بقدر وسعت حفاظت کے فرائض و لوازم شریعت و طریقت کی تقیم و نصیحت کی۔ دان بھائیوں میں خصوصیت سے قابل تذکرہ فقیر کے محترم و مکرم ذوالمجدد الکریم حضرت مولانا مولوی محمد خلیل احمد خاں صاحب قادری برکاتی ابو القاسمی بجنوری دامت معالہم و زادت مکارمہم ہیں جنہوں نے فقیر کے ہاتھ پر سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ ابو القاسمہ میں بیعت فرما کر حضور آقائے نعمت سیدنا غوث اعظم سرکار بغداد رضی اللہ عنہ کی غلامی سے شرف و امتیاز پایا۔ ان کی حسب المتمد عافقیر نے ان کو دلائل الخیرات شریف و حزب الحکم شریف کی اجازت خاص خاندانی دی نیز حامی سنت ماجی بدعت حسام اہل سنت حضرت محترم مولانا المعظم مولوی سید شاہ عبدالقادر صاحب قادری برکاتی ابو القاسمی دامت فضائکم وزارت معالہم کو بھی جملہ اعمال و اشغال و اذکار موجودہ خانوادہ عالیہ قدسیہ برکاتیہ کی اجازت دی۔

کر بلا کا مسافر

سید العلماء حضرت سید شاہ آلِ مصطفیٰ سید میاں قدس سرہ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه
ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له
ومن يضلل الله فلا هادي له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له
ونشهد ان سيدنا محمداً عبده ورسوله بالهدى ودين الحق ارسله صلى الله
تعالى عليه وسلم وبارك عليه وعلى اله واصحابه اجمعين.
اما بعد!

فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم. بسم الله الرحمن الرحيم
اِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ
تَطْهِيرًا. (سورة الاحزاب، آیت: ۳۳)

صدق الله العلي العظيم وبلغنا النبي المولى الكريم ونحن على
ذلك لمن الشاهدين.

يا ايها الذين امنوا صلوا عليه وسلموا تسليماً.

اللهم صل على سيدنا محمد وآل سيدنا محمد وبارك وسلم

شہادت کا موضوع بیان کرنے سے پیشتر مناسب یہ ہے کہ حضرت شہید اعظم
سیدنا امام عرش مقام حسین علی جدہ الکریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مختصر سوانح پاک تمہارے
کانوں تک پہنچادیں، سید الشہداء امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، آپ تیسرے امام ہیں،

ابوالائمہ، سبط اصغر حضور سید البشر، لقب مبارک سید و شہید اور کنیت شریف ابو عبد اللہ ہے،
حضور کے القاب اور بھی ہیں اور سب میں اعلیٰ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عطا فرمائے۔
بیعت و طریقت و خلافت حضرت والا کو اپنے والد ماجد امیر المؤمنین مولیٰ علی کرم
اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے تھی۔

ولادت مبارک:

اپنے برادر اکبر حضرت سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت شریف
کے پچاس راتوں بعد عمل میں آئی اور شعبان ۴ ہجری کی پانچویں تاریخ منگل کے دن مدینہ
منورہ میں ولادت باسعادت ہوئی، حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے کان میں
اذان دی اور ان کے منہ میں لعاب دہن مبارک ڈالا اور اس کے بعد دعائیں دیں، ساتویں
دن حسین نام رکھ کر عقیقہ میں ایک مینڈھا زخ کیا اور حضرت سیدنا بتول زہرا رضی اللہ تعالیٰ
عنہا سے فرمایا: ان کے سر کے بال منڈوا کر اس کے برابر چاندی صدقہ دے دو۔
مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں:

جب حضرت امام حسن پیدا ہوئے، سید عالم تشریف لائے اور فرمایا: مجھے میرے
بیٹے کو دکھاؤ، تم نے اس کا کیا نام رکھا؟ میں نے عرض کیا: حرب، فرمایا: بلکہ وہ حسن
ہے، پھر جب امام حسین پیدا ہوئے تو سرکار دو عالم ﷺ پھر تشریف لائے، فرمایا: میرے بیٹے
کو دکھاؤ، تم نے اس کا کیا نام رکھا؟ میں نے عرض کیا: حرب، فرمایا: نہیں بلکہ اس کا نام حسین
ہے، اسی طرح جب تیسرے صاحب زادے ہوئے حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف
فرما ہوئے اور فرمایا: میرے بیٹے کو دکھاؤ اور تم نے اس کا کیا نام رکھا، میں نے عرض کیا
”حرب“ فرمایا نہیں۔ بلکہ وہ محسن ہے، ایک روایت میں اس قدر اور بھی ہے کہ پھر فرمایا:

میں نے ان کے نام حضرت سیدنا ہارون علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے صاحب
زادوں شبیر و شبر و مشبر کے نام پر رکھے ہیں۔ (صواعق محرقہ، ص: ۱۱۸)

ہمارے جد امجد حضور سیدنا شاہ حمزہ مارہروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب
مستطاب فص الکلمات میں فرماتے ہیں:

جب امام حسین پیدا ہوئے، حضرت جبرئیل امین نے سیدنا ہارون نبی اللہ کے دوسرے صاحب زادے کے نام پر ان کا نام شبیر رکھا، زبان عرب میں شبیر کا معنی ہیں حسین، لہذا سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہی نام مقرر فرمادیا۔

اور عمران بن سلیمان سے یہ روایت ہے فرماتے ہیں کہ حسن و حسین دونوں اہل جنت کے ناموں میں سے ہیں اور اہل عرب نے زمانہ جاہلیت میں کسی کا یہ نام نہیں رکھا۔ (صواعق مخرقہ، ص: ۱۱۸) اور مفضل کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں ناموں یعنی حسن و حسین کو چھپا کر رکھا تھا، یہاں تک کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے ان دونوں صاحب زادوں کے یہ نام رکھے۔ (الشرف الموبد، ص: ۷۰) حضرت امام کی ذات اقدس مجمع البرکات، مخزن شرایف و کمالات، محاسن صوری و معنوی فضائل ظاہری و باطنی کے جامع تھی، مولیٰ علی فرماتے ہیں امام حسن حضور ﷺ کے سینے سے لے کر سر تک سب سے زیادہ مشابہ تھے اور امام حسین سینے سے پاؤں تک سب سے زیادہ شبہ تھے۔ (مشکوٰۃ شریف، ص: ۵۷۱)

اس واقعے کو اعلیٰ حضرت امام اہل سنت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ان دو شعروں میں ارشاد فرماتے ہیں:

پہلے درود شریف پڑھیے پھر سنا تا ہوں: اللھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و آل سیدنا و مولانا محمد و بارک و سلم۔

ایک سینے تک مشابہ اک وہاں سے پاؤں تک
حسن سبطین ان کے جاموں میں ہے نیا نور کا
صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا
صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا
صاف شکل پاک ہے دونوں کے ملنے سے عیاں
خط توأم میں لکھا ہے یہ دو ورقہ نور کا
اے رضایہ احمد نوری کا فیض نور ہے
گوئی میری غزل بڑھ کر قصیدہ نور کا

چہرہ مبارک ایسا چمکتا تھا کہ لوگ اس کی روشنی میں راہ چلا کرتے تھے، بہت سے صحابہ کرام مثلاً امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم، امیر المؤمنین مولیٰ علی، حضرت سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم راوی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: حسن اور حسین جو انان اہل جنت کے سردار ہیں۔ (مشکوٰۃ شریف، ص: ۵۷۰)

سرکارِ دو عالم ﷺ فرماتے ہیں: حسین مجھ سے ہیں اور میں حسین سے ہوں۔ (ترمذی شریف، ص: ۲۱۸، ج: ۲) مزید فرماتے ہیں: جس نے حسین سے محبت کی اس نے اللہ سے محبت کی۔ (مشکوٰۃ، ص: ۵۷۱) یہ بھی فرمایا: حسن و حسین سبط ہیں اسباط میں سے۔ (مشکوٰۃ شریف، ص: ۵۷۱) فرماتے ہیں سرکارِ دو عالم ﷺ: میرے اہل بیت میں سے محبوب تر مجھے حسن اور حسین ہیں، یہ بھی ارشاد فرمایا: جس نے حسن و حسین کو دوست رکھا اس نے مجھے دوست رکھا اور جس نے ان سے دشمنی رکھی اس نے مجھ سے دشمنی رکھی۔ (الشرف الموبد، ص: ۷۱)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں نے سرور عالم ﷺ کو امام حسین کا لعاب چوستے دیکھا جیسے آدمی کھجور کو چوستا ہے۔ (نور الابصار، ص: ۱۱۴) دونوں صاحب زادے حضرات حسنین اپنے جد کریم علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے سامنے کشتی کھیل رہے تھے، حضور اقدس نے امام حسن سے فرمایا: حسین کو پکڑو، سیدنا زہرا نے بتول نے عرض کیا: یا رسول اللہ! حضور بڑے سے فرماتے ہیں کہ چھوٹے کو پکڑو، سید عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: فاطمہ! یہ ہیں جبرئیل، جو حسین سے کہہ رہے ہیں کہ حسن کو پکڑو۔ (نور الابصار، ص: ۱۱۴)

ایک بار سید عالم ﷺ حضرت بی بی عائشہ کے کاشانہ مبارک سے جاتے ہوئے بتول زہرا کے دولت خانہ مبارک پر سے گزرے کہ امام حسین کے رونے کی آواز سنی تو حضرت فاطمہ سے فرمایا: کیا تم نہیں جانتی کہ ان کا رونا مجھے اذیت دیتا ہے۔

سرکارِ امام عالی مقام کی سیرت مبارکہ:

حضرت امام عالی مقام اپنے جد کریم ﷺ کی سیرت کریم کے مظہر اور پر تو تھے، علم و عمل زہد و تقویٰ، جو و دستا، شجاعت و بہادری، اخلاق و مروت، صبر و شکر، حلم و حیا وغیرہ صفات مرضیہ و کمالات پسندیدہ میں بوجہ کمال، انصاف و مہمان نوازی، غربا پروری، اعانت مظلوم،

ایصال رحم، انعام فقر و مساکین میں شہرہ آفاق تھے، بہت بڑے فاضل دین دار، کثرت سے نماز، روزہ اور حج ادا کرنے والے پچیس حج پیادہ پا ادا فرمائے، حالاں کہ حضور کی عمدہ عمدہ سواریاں آگے آگے خالی لے جانی جا رہی تھیں یعنی آپ کو کوئی پیدل چلنے کی مجبوری نہ تھی۔

ایک شخص امام حسن کی خدمت میں اپنی کسی حاجت کی مدد چاہنے کے لیے حاضر ہوا، امام حسن خلوت میں اعتکاف میں تھے، لہذا عذر کر دیا کہ نہ مل سکوں گا، پھر وہ امام حسین کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرت نے اس کی حاجت پوری فرمائی اور فرمایا: اللہ کے لیے کسی کی حاجت پوری کر دینا مجھے مہینہ بھر کے اعتکاف سے زائد پسند ہے۔

ایک بار ایک سفر میں ایک بڑی بی نے حضرت کو اپنی بکری کا کچھ دودھ پلایا تھا، پھر اس کا کچھ گوشت بھی کھلایا، کچھ عرصے کے بعد جب وہ بڑھیا قحط سالی سے پریشان حال مدینہ منورہ میں حاضر خدمت ہوئی تو سرکار امام حسین نے اسے ایک ہزار بکریاں اور ایک ہزار دینار عطا فرمائے، معرکہ کربلا یعنی واقعہ شہادت میں حضرت امام نے جس صبر و ضبط، جس استقامت و رضا بالقضا جس اعتماد علی اللہ، جس اتباع شریعت غرا، جس استقامت امر بالمعروف و نہی عن المنکر، جس مادی طاقتوں اور دنیاوی قوتوں سے بے خوفی اور قوی مقتدر جل جلالہ کی عون و قوت پر توکل اور ظالموں کے ہر طرح کے سخت ترین مظالم برداشت کرنے کے باوجود بھی نہایت استقلال سے کامل اعلان کے ساتھ اظہار حق اور فاسق و فاجر کی اتباع و تعظیم و اعانت سے کامل بیزاری و اجتناب وغیرہ فضائل حمیدہ و صفات پسندیدہ کا روشن ثبوت اور اپنے جد کریم علیہ السلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت کو زریں سبق اور ان کی دین و دنیا دونوں کو سنوارنے اور آراستہ کرنے والی درخشاں تعلیم دی، وہ اپنی آپ ہی نظیر ہے، جس کی شرح و بسط کے لیے بڑی بڑی کتابیں بھی ناکافی ہیں، احادیث کی روایت کے بارے میں سیدنا امام عالی مقام خور و سال تقریباً سات برس کے تھے جب حضور سید الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وصال فرمایا۔ پھر بھی آپ کو چند ارشادات حضور اقدس سے سنے ہوئے یاد تھے اور آپ نے روایت بھی فرمائی، اصحاب سنن وغیرہ محدثین نے اپنی کتابوں میں آپ کی کچھ حدیثیں تخریج کی ہیں۔

آپ اپنے والدین کریمین مولیٰ علی، حضرت سیدتنا فاطمہ زہرا، اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ، امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے واسطے سے بھی سرکار دو عالم سے حدیث روایت کرتے ہیں، اور آپ سے احادیث کے راوی آپ کے بڑے بھائی حضرت سیدنا امام حسن، حضرت ابو ہریرہ، آپ کے صاحب زادے امام زین العابدین اور آپ کی صاحب زادیاں حضرت فاطمہ و سکینہ اور آپ کے پوتے محمد باقر اور شععی و عمر مہ و شبان الاولی و کنز انعمی وغیرہم ہیں۔

امام ابن حجر مکی قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز ”صواعق محرقة“ میں آپ کے پوتے حضرت سیدنا امام علی موسیٰ رضا کے واسطے سے آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، جس کی سند یہ ہے: قال الامام علی الرضا حدثنی ابو موسیٰ الکاظم عن ابیہ جعفر الصادق عن ابی محمد الباقر عن ابیہ زین العابدین عن ابیہ الحسین عن ابیہ علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم قال: حدثنی حبیبی وقرۃ عینی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال: حدثنی جبرئیل قال: سمعت رب العزۃ تبارک و تعالیٰ یقول: فرماتے ہیں کہ امام احمد نے فرمایا کہ اگر میں اس سند کو پاگل پر پڑھ کر دم کر دوں تو اس کا جنون جاتا رہے، وہ حدیث یہ ہے کہ رب العزت تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے:

”لا الہ الا اللہ حصنی فمن قالها دخل حصنی ومن دخل حصنی امن من عذابی“ لا الہ الا اللہ میرا قلعہ ہے، جس نے یہ کہہ لیا، وہ میرے قلعے میں داخل ہو گیا اور جو میرے قلعے میں داخل ہو گیا وہ میرے عذاب سے امن میں ہو گیا۔ بعضوں نے کہا کہ وہ حدیث یہ تھی:

”الایمان معرفة بالقلب و اقرار باللسان و عمل بالارکان“ یعنی تمام و کمال پورا پورا ایمان دل سے تصدیق و معرفت، زبان سے اس کا اقرار اور ارکان دین پر عمل کرنا ہے۔

امام ابن حجر فرماتے ہیں: شاید یہ دو واقعے ہوں یعنی امام علی رضائے یہ دونوں

حدیثیں روایت فرمائی ہوں، حضرت سیدنا امام حسین نے اپنے خلف ارشد آل عبا حضرت سیدنا امام زین العابدین سجاد رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے کہنے سے ایک کتاب مرآۃ العارفین نامی تالیف فرمائی، جس سے عالم صغیر یعنی حضرت انسان اور عالم کبیر کی باہمی مطابقت دکھائی ہے۔ ہمارے جدا جدا حضرت اسد العارفین سیدنا شاہ حمزہ عینی قدس اللہ تعالیٰ سرہ نے فص الکلمات میں اس کا ذکر فرمایا اور بطور نمونہ اس کی یہ عبارت بھی نقل فرمائی ہے جو ہم تبرک کے لیے اصل عربی زبان میں تمہیں سنار ہے ہیں، حضرت امام فرماتے ہیں: کل مافی القلم مجمل فہو فی روحہ مجمل وکل مافی اللوح مفصل فہو فی قلبہ مفصل وکل مافی العرش مفصل فہو جسمہ مفصل وکل مافی الكرسي مفصل فہو نفسہ مفصل فمن عرف نفسه فقد عرف ربه وعرف جميع الاشياء ويفكر كيا ولد فيك يكفيك فليس شيء خار جاعنك ، اما تسمع كيف يقول الحق سبحانه وتعالى 'اقرأ كتابك كفى بنفسك اليوم حسيبا فمن قرأ هذا الكتاب فقد علم ما هو كان وما هو يكون فان لم يقرأ تمامه فاقروا واما تيسر منه، الا ترى فكيف يقول تعالى: 'سنريهم آياتنا في الافاق وفي انفسهم حتى يتبين لهم انه الحق وكيف قال وفي انفسكم افلا تبصرون .

دروذ شریف: اللہم صل علی سیدنا محمد وآلہ وبارک وسلم.

امام عالی مقام کی ایک بار حضرت امام حسن سے کسی بارے میں گفتگو آئی اور درمیان میں کچھ رکاوٹ پیدا ہو گئی لوگوں نے امام حسین سے عرض کیا کہ امام حسن آپ کے بڑے بھائی ہیں، آپ تشریف لے جا کر انہیں منالہجیے، فرمایا: میں نے اپنے جد کریم سرور عالم ﷺ سے سنا ہے کہ جن دو شخصوں میں کچھ شکر رنجی ہو جائے، پھر ان میں کا ایک دوسرے کو منالے تو جو اس میں پہل کرے گا وہی جنت میں پہلے جائے گا اور میں اسے ناپسند کرتا ہوں کہ اپنے بڑے بھائی پر جنت کے داخلے میں پہل کروں حضرت کا یہ فرمانا امام حسن کو پہنچا، وہ خود تشریف لے آئے اور انھوں نے اپنے چھوٹے بھائی کو گلے لگا کر راضی کر لیا۔

ایک بار امام حسین نے خطبہ فرمایا اس میں ارشاد فرمایا: اے لوگو! رغبت کرو اچھی

صفتوں کی طرف اور دوڑ و غیبتوں میں، اس نیکی میں اجر کی امید نہ رکھو جس میں تم نے جلدی نہ کی یعنی نیکی کرنے میں جلدی کرو، دیر نہ لگاؤ، لیکن دین سے تعریف و مدح مت مکاؤ، ناجائز و باطل باتوں سے نام آوری مت چاہو، جان لو، نیکی حمد کماتی ہے، اور آخرت میں اجر لاتی ہے، پھر اگر تم نیکی کو کسی آدمی کی صورت میں دیکھ سکتے تو بے شک تم اسے اس طرح دیکھو گے کہ وہ بہت حسین ہے جسے دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور اگر برائی کو آدمی کی صورت میں دیکھو تو بے شک اسے مکروہ صورت و ہیبت میں دیکھو گے کہ دل اس سے نفرت کریں اور آنکھیں اس سے بند ہو جائیں۔ اے لوگو! جس نے داد و دہش کی وہ سردار ہوا اور جس نے بخل اور کنجوسی کی وہ ذلیل و خوار ہوا، بے شک بڑا سخی وہ ہے جو اسے دیتا ہے جس سے کچھ امید نہیں رکھتا اور بڑا درگزر کرنے والا وہ ہے جو باوجود بدلہ لینے اور سزا دینے پہ قدرت رکھنے کے معاف کر دیتا ہے، بڑا صلہ رحم کرنے والا وہ ہے جو اس سے جوڑتا ہے جس نے اسے توڑ دیا اور اپنے بھائی سے کوئی نیک سلوک صرف اللہ کو خوش کرنے کے لیے کرتا ہے، اللہ اسے اس کی حاجت کے وقت کفایت کرتا ہے اور اس سے زائد بلائیں دور فرماتا ہے، اب جو اپنے بھائی سے دنیا کی کوئی مصیبت دور کرنا ہے اللہ اس سے آخرت کی مصیبت دور فرماتا ہے اور جو اپنے بھائی سے نیک سلوک کرتا ہے اللہ اسے نیک بدلہ دیتا ہے اور بے شک اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

فرماتے تھے امام حسین: تمہاری طرف لوگوں کی حاجتیں بھی اللہ کی نعمت ہے، پھر اگر نعمتوں سے تم غمگین ہو جاؤ اور ان سے گراں بار نہ ہو کہ وہ تم پر عتاب ہو جائیں، یہ بھی فرماتے تھے کہ تحمل، زینت، وفاداری، مروت اور صبر نعمت اور بہت مال ہونا بے رکتی ہے اور جلدی کرنا بے وقوفی ہے اور بے وقوفی ضعف و کمزوری ہے۔ حد سے گزر جانا ہلاکی ہے، کمینوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا شر ہے، فاستقوں، بدکاروں کی مجالست تہمت میں ڈالتی ہے، جو اپنے بھائی کو کسی نیکی کے پہنچانے میں جلدی کرے گا کل جب وہ اپنے خدا کے سامنے آئے گا تو اس نیکی کو وہاں پالے گا۔

حضرت کے ایک صاحب زادے کا انتقال ہو گیا، حضرت اس سے کچھ ایسا رنجیدہ

ہوئے کہ جس پر لوگوں نے اعتراض کیا: فرمایا: ہم اہل بیت اللہ سے مانگتے ہیں، جب وہ ہمیں عطا فرماتا ہے، پھر جب اللہ نے ہماری محبوب چیزوں میں اس کا ارادہ فرماتا ہے جو ہم پر گراں ہو تو ہم اللہ کی قضا پر راضی رہتے ہیں۔

ایک دن آپ نے رکن کعبہ سے چٹ کر یہ دعا کی: یا اللہ! تو نے نعمت دی تو تو نے مجھے شکر گزار نہ پایا، اور تو نے مجھ پر بلائیں ڈالیں تو تو نے مجھے صبر کرنے والا نہ پایا، پھر بھی ناشکری کے باوجود تو نے مجھ سے اپنی نعمت نہ چھینی اور بے صبری کے باوجود تو نے مجھ پر بلاؤں کی شدت ہمیشہ نہ رکھی، یا اللہ! تو کریم ہے اور کریم کرم ہی کرتا ہے۔

حضور مدینہ یا سیکندہ میں تشریف فرما رہے پھر اپنے والد امیر المؤمنین مولیٰ علی کے ساتھ کوفہ گئے اور ان کے ساتھ مشاہد میں شریک رہے، کوفہ میں ہی ان کی شہادت تک رہے پھر اپنے بھائی امام حسن کے ساتھ رہے، یہاں تک کہ امام حسن نے خلافت سے جدائی اختیار فرمائی، اس کے بعد حضرت مدینہ شریف واپس آگئے اور امیر معاویہ کی وفات تک وہیں قیام فرما رہے یہاں تک کہ یزید مردود نے تخت نشین ہو کر آپ سے اپنی بیعت چاہی اور آپ نے اس کی بیعت نہ کی، اور حرم الہی کے دارالامن میں تشریف لے گئے، ظالموں نے وہاں بھی نہ رہنے دیا اور آخر معرکہ کربلا پیش آیا۔

حضور والا کی اولاد:

مروی ہے کہ حضور کی چھ اولادیں تھیں، حضرت سیدنا علی بن حسین الشکر، امام زین العابدین، حضرت علی اکبر جن کی والدہ لیلیٰ بنت مرۃ بن عروہ بن مسعود ثقفی تھیں، جو معرکہ کربلا میں شہید ہو گئے اور حضرت جعفر جن کی والدہ بنی قضا سے تھیں، یہ اپنے والد ماجد کی زندگی ہی میں انتقال کر گئے، اور ان کی نسل موجود نہیں اور حضرت عبداللہ جو عوام میں علی اصغر مشہور ہیں، یہ صغیر الحسن معرکہ کربلا میں شہید ہو گئے اور حضرت سیکندہ ان کی سگی بہن تھیں جو رباب بنت امرء القیس بن حدی کلبیہ تھیں اور حضرت فاطمہ صغریٰ جن کی والدہ ماجدہ ام اسحاق بنت حضرت سیدنا طلحہ احد العشرۃ المبررہ تھیں۔

اسی کی تائید حافظ عبدالعزیز جنابزی و شیخ مفید عالمان انساب کی تصریحات سے

ہوتی ہے، بعض نسب والے حضرت کی اولاد ذکر چھ بتاتے ہیں اور لڑکیاں تین بتاتے ہیں، تیسری صاحب زادی کا نام وہ ”ذینب“ کہتے ہیں اور صاحب زادوں میں ایک ”محمد“ جو بقول بعض معرکہ کربلا میں اور بقول بعض اپنے والد ماجد کے سامنے انتقال فرما گئے، دوسرے صاحب زادے علی اصغر یا علی اوسط نام مگر امام زین العابدین اور عبداللہ کے علاوہ اور زائد کرتے ہیں اور یہ کہ یہی وہ صاحب زادے ہیں جو عالم طفلی میں کسی ظالم کا تیر لگ کر معرکہ کربلا میں شہید ہوئے اور حضرت عبداللہ امام کے ساتھ ظالموں سے جہاد فرما کر شہید ہوئے اور بعض کے نزدیک ایک صاحب زادے عمر نامی اور تھے، حضرت فاطمہ صغریٰ کا عقد اول حضرت حسن ثنی ابن امام حسن سے اور ان کے بعد حضرت عثمان کے پوتے عبداللہ بن عمرو سے ہوا اور دونوں سے صاحب اولاد ہوئیں، حضرت سیکندہ کا نکاح حضرت مصعب بن سیدنا زبیر اور یکے بعد دیگرے کئی شخصوں سے ہوا، تاریخ میں اس کا ذکر آتا ہے۔

امام عالی مقام کی شہادت:

سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک دن ام المؤمنین سیدتنا ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے یہاں تشریف فرماتے تھے، ایک فرشتہ کہ پہلے کبھی حاضر نہ ہوا تھا اللہ تبارک و تعالیٰ سے حاضری کی اجازت لے کر آستان بوس ہوا، حضور اقدس ﷺ نے ام المؤمنین سے ارشاد فرمایا: دروازے کی نگہ بانی رکھو، کوئی آنے نہ پائے، اتنے میں سیدنا امام حسین دروازہ کھول کر حاضر خدمت ہوئے اور کوہِ حضور ﷺ کی گود میں جا بیٹھے، حضور والا انہیں پیار فرمانے لگے، فرشتے نے عرض کی حضور انہیں چاہتے ہیں، فرمایا: ہاں، فرشتہ کہنے لگا: یا رسول اللہ! وہ وقت قریب آتا ہے کہ حضور کی امت انہیں شہید کر ڈالے گی اور اگر سرکار چاہیں تو میں وہ مکان حضور کو دکھا دوں جہاں یہ شہید کئے جائیں گے پھر سرخ مٹی، ایک روایت میں ہے سرخ ریتا، ایک روایت میں ہے کچھ کنکریاں لا کر حاضر کیں، سرور عالم نے سونگھا اور فرمایا: ریح کرب و بلاء، بے چینی اور بلا کی بو آتی ہے، پھر ام المؤمنین کو وہ مٹی عطا کی اور ارشاد فرمایا: ام سلمہ! جب یہ مٹی خون ہو جائے تو جاننا کہ حسین شہید ہو گئے، انہوں نے وہ مٹی ایک شیشی میں رکھ چھوڑی تھی، ام سلمہ فرماتی ہیں، حضرت امام حسین شہید ہو گئے،

حضرت امام حسین کی شہادت کے دن یہ مٹی خون ہو گئی، (صواعق محرقہ، ص: ۱۱۸) ایک میں ہے کہ ان کنکریوں سے خون جاری ہو گیا۔

امیر المؤمنین مولا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم صفین کو زمین کر بلا پر سے گزرے، نام پوچھا، لوگوں نے کہا کہ اس زمین کو کر بلا کہتے ہیں یہاں تک روئے کہ داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی، پھر فرمایا: میں خدمت اقدس حضور ﷺ میں حاضر ہوا، حضور کو روتا ہوا پایا، سبب پوچھا، فرمایا علی! ابھی جبرئیل کہہ گئے ہیں کہ میرا بیٹا حسین فرات کے کنارے کر بلا میں قتل کیا جائے گا، پھر جبرئیل نے وہاں کی مٹی مجھے سونگھائی، مجھ سے ضبط نہ ہو سکا اور آنکھیں بہہ نکلیں۔ (صواعق محرقہ، ص: ۱۱۸)

ایک روایت میں ہے، مولیٰ علی اس مقام سے گزرے، جہاں اب سیدنا امام کی قبر مبارک ہے، فرمایا: یہاں ان کی سواریاں بٹھائی جائیں گی، یہاں ان کے کجاوے رکھے جائیں گے، اور یہاں ان کے خون گریں گے، آل محمد کے کچھ نوجوان اس میدان میں قتل ہوں گے جن پر زمین و آسمان روئیں گے۔ (خصائل کبریٰ، ص: ۱۲۶، ج: ۲)

آخر وہ عظیم سختی و مصیبت کا دن زمین و آسمان کو لادینے والا دن یزید پلید کے عہد سلطنت، سراپا ظلم و بدعت، خباثت و شرارت میں آ ہی گیا، اور یزید، یزید کے صوبے دار ابن زیاد بدنہاد کے سپہ سالارناہنجار ابن سعد کے ٹڈی دل لشکر ابتر نے کر بلا کے میدان میں نہایت ظلم و شقاوت، سنگ دلی و بے حیائی کے ساتھ تین دن کے بھوکے پیاسے، فاطمہ کے لال، علی کے آنکھوں کے تارے، محمد ﷺ کے چہیتے پیارے پر چاروں طرف سے نرغہ کر کے ان ہزاروں روباہ منش بلکہ اس سے بدتر بزدلوں نامرد ظالموں، شقیوں نے شیر خدا کے اکیلے شیر برہر تیروں کی بارش اور نیزہ و تلوار کی اندھا دھن یورش کر کے اس عالی مقام کو شہید کر ڈالا، اللہ اکبر!!

ظالموں کے چاروں طرف کے حملے دفع کرتے کرتے تھک گئے ہیں، زخموں سے چور ہیں، کہ تمیں زخم نیزے کے، چونتیس گھاؤ تلواروں کے لگے ہیں، تیروں کا شمار نہیں، اٹھنا چاہتے ہیں اور گر پڑتے ہیں، اسی حالت میں سنان ابن انس نخعی شقی ناری جہنمی نے نیزہ

مارا کہ وہ عرش کا تاراز زمین پر ٹوٹ کر گرا، سنان مردود نے خولی بن یزید سے کہا کہ سر کاٹ لے، اس کا ہاتھ کاٹنے لگا، سنان ولد الشیطان! میرا ہاتھ بیکار ہو گیا لہذا سنان نے خود گھوڑے سے اتر کر محمد رسول اللہ کے جگر پارے تین دن کے پیاسے کو ذبح کیا اور سر مبارک جدا کر دیا۔ ان اللہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت عاشورہ محرم الحرام یوم الجمعہ سنہ ۶۱ ہجری بوقت نصف النہار ہوئی، عمر شریف وقت شہادت میں تین قول ہیں مگر ۵۶ برس اور چند مہینے کی عمر شریف سنہ چار ہجری کی ولادت سب سے زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔

ام المؤمنین ام سلمہ فرماتی ہیں: میں نے نبی ﷺ کو خواب میں روتے ہوئے دیکھا، اس حال میں کہ آپ کا سر مبارک اور ریش مقدس خاک سے بھری ہوئی تھی، میں نے پوچھا کہ حضور! یہ کیا حال ہے؟ فرمایا: ام سلمہ! ابھی حسین قتل کیے گئے۔ (مشکوٰۃ شریف: ۵۷۰، باب المناقب)۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں: میں نے دن دوپہر کے وقت سرور عالم کو خواب میں دیکھا، بال بکھرے ہوئے گرد آلود، ہاتھ میں ایک شیشی ہے جس میں خون بھرا ہوا ہے، میں نے عرض کیا: سر کار! یہ کیا ہے؟ فرمایا: حسین اور ان کے ساتھیوں کا خون ہے جسے میں آج صبح سے اٹھا رہا ہوں، لوگوں نے دن کے متعلق خیال کیا تو معلوم ہوا کہ حضرت امام اسی دن شہید ہوئے تھے۔ (نور الابصار، ص: ۱۲۰)

ترمذی و بخاری وغیرہما حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے راوی، ان سے کسی شخص نے دریافت کیا کہ چھپر کا خون پاک ہے یا نہیں؟ اور دوسری روایت میں ہے کہ یہ دریافت کیا کہ جس شخص نے حج کا احرام باندھا ہے، وہ اگر مکہ کی کو مار ڈالے تو اس پر کیا بدلہ لازم آئے گا، حضرت ابن عمر نے سائل سے دریافت فرمایا: تو کہاں کے لوگوں میں سے ہے، اس نے کہا: عراق والوں میں سے، حضرت نے فرمایا: دیکھو تو یہ مجھ سے چھپر کے خون کی نسبت اور دوسری روایت میں ہے کہ فرمایا کہ مکھی جیسی حقیر چیز کے قتل کے بارے میں فتویٰ پوچھنے آیا ہے، حالانکہ یہ لوگ حد سے گزر گئے اور اپنے نبی ﷺ کے بیٹے کو ان کی جلالت شان کے باوجود شہید

کر ڈالا۔ (بخاری شریف، ص: ۵۳۰، ج: ۱، مناقب) حالاں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ حسن اور حسین دنیا کے میرے دو گلاب کے پھول ہیں۔ (مشکوٰۃ شریف، ص: ۵۷۰)۔

حضرت امام اور ان کے ساتھیوں نے ایک فاسق فاجر یزید پلیدی کی بیعت و اطاعت نہ اختیار فرما کر انتہائی سختیاں، تکالیف اور نظر ظاہر میں مال، اولاد، جان، ناموس سب کی وہ ہولناک ترین تباہیاں اور بربادیاں برداشت کر کے ہمارے سامنے جس صبر و استقلال، جو اس مردی اور حق کے مقابلے میں مادی دنیاوی طاقتوں سے بے خوفی، اور تعمیل احکام خداوندی کا عمل بے نظیر نمونہ پیش فرمایا آج ہم اس کو اپنی دلیل راہ بنائیں اور حضرت امام کی بنائی ہوئی اسی شاہ راہ پر چلیں تو دونوں جہاں کی فلاح اور صلاح تک ہماری رسائی بعونہ تعالیٰ یقینی ہے، بعد شہادت امام بعض خبیثائے لعان نے تن مبارک پر گھوڑے دوڑا کر لغش مبارک کو روند کر سینہ و پشت نازنین کی تمام ہڈیاں ریزہ ریزہ کر دیں، لباس مبارک اتار لیا، خیمہ مبارک اور اہل بیت کرام کا تمام سامان و اسباب لوٹ لیا، پھر سر مبارک امام مرحوم شہدائے مظلوم ابن زیاد کے پاس اور وہاں سے یزید پلیدی مایہ فساد کے پاس بھیج دیا اور لغش بے سرنوردیدہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام و دیگر شہدائے کرام وہیں میدان کر بلا میں پڑی رہنے دی، دوسرے دن قریہ آمریہ کے لوگوں نے اسی میدان میں حضرت امام اور سارے شہدائے عالی مقام کو دفن کیا، سر مبارک کے دفن میں بعض کہتے ہیں کہ بقیع شریف قبر اہل بیت میں ہے جسے نجدی خبیث نے حال میں کھود ڈالا دفن ہے، بہت سے اصحاب کشف و شہود اولیائے کرام و علمائے عظام سے نقل کیا ہے کہ قاہرہ مصر کے مشہد حسینی میں امام عالی مقام کا سرفن ہے، حضور کے شاعر تکی بن حکم اور دروازہ مبارک کے نگہ بان اسعد حجری تھے اور نقش نگینہ انگشتی لکل اجر کتاب تھا، رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاه عننا۔

ملفوظات حضرت احسن العلماء قدس سرہ

بہ عنوان

ذکر سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ

احسن العلماء حضرت سید شاہ مصطفیٰ حیدر حسن میاں قدس سرہ

علیٰ جدہ الکریم و علیہ الصلوٰۃ و السلام

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم و الہ و أصحابہ ذوی الفضل

العظیم فأعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

اَلَمْ تَرَ کَیْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا کَلِمَةً طَیْبَةً کَشَجَرَةٍ طَیْبَةٍ اَصْلُهَا

ثَابِتٌ وَفَرَعُهَا فِی السَّمَاءِ۔ (ابریہیم: ۲۴)

صدق اللہ مولینا العظیم و بلغنا رسولہ مولانا النبی الکریم و نحن علیٰ

ذلک لمن الشاہدین و الشاکرین و الآمنین و المطمئنین و الموقنین و بہ نستعین

و صلی اللہ علیٰ خیر الانبیاء سیدنا و مولانا محمد و الہ و أصحابہ أجمعین۔

ہم سب پڑھنے والے فارسی کی ابتدائی کتابوں میں پڑھتے ہیں۔

زباں تابود در دہاں جائے گیر ثنائے محمد بود دل پذیر

حبیب خدا، اشرف انبیا کہ عرش مجیش بود متکا

سوار جہانگیر کیراں براق کہ گزشت از قصر نیلی رواق

خلاف پیہر کسی رہ گزید کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید
مپندار سعدی کہ راہ صفا توں رفت جز بر پی مصطفیٰ

درود ملک بر روان تو باد بر اصحاب و بر پیروان تو باد
نخستین ابو بکر پیر مرید عمر پنچہ بر پیچ دیو مرید
خرد مند عثمان شب زندہ دار چہارم علی شاہ دلدل سوار
خدایا بحق بنی فاطمہ کہ بر قول ایمان کنم خاتمہ
اگر دعوتم رد کنی ور قبول من و دست و دامن آل رسول

اپنے کئے ہوئے وعدے کے مطابق ہم اپنے مقررہ اور معینہ وقت سے کچھ منٹ پہلے ہی (مسجد برکاتی، خانقاہ برکاتیہ میں) حاضر ہو گئے۔ اور چند باتیں بتا کر ہم رخصت ہو جائیں گے۔ آج محرم الحرام کی ۱۰ تاریخ ہے، ۱۴۱۴ھ جس میں آپ اور ہم سب اس مسجد (مسجد برکاتی) میں حاضر ہیں، اور بھی حاضر ہونے والے ہیں۔ یہی محرم تھا اور یہی جمعہ کا دن تھا۔ سنہ کا صرف فرق ہے۔ ۱۱ھ تھا، یہ ہے ۱۴۱۴ھ۔ یعنی اس وقت تک سرکار کو مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ گئے ہوئے اکسٹھواں سال تھا اور اب کتنے ہو گئے؟ چودہ سو چودھواں سال چل رہا ہے۔ تو کتنے سال پہلے کی بات ہے یہ؟ چودہ سو میں سے ۹۳ گھٹاؤ پھر جو نکلے حاصل تفریق بس وہی پھر ۱۳۲۱ سال لیکن بات کچھ ایسی ہے، حالاں کہ ہمارا تو عالم یہ ہے کہ اپنے بچوں کی شادیاں کریں، لڑکے کی، لڑکی کی اور اس میں اپنی حیثیت کے مطابق خرچہ کریں، کپڑا بھی ہو، چڑھاوا بھی ہو، زیور بھی ہو، بھلکنی چمٹا تک ہو، دان جہیز بھی ہو، دعوتیں بھی ہوں، سیکڑوں آدمیوں کے ہاتھ دھلا دیں اللہ کے حکم سے۔ چند دن بیتے ہیں اور سب بھول جاتے ہیں۔ ہمارے آپ کے حافظے، اب بہت کم ایسے باقی رہ گئے ہیں جنہیں بڑی عمروں میں بچپن کی باتیں یاد ہوں۔ عام طور سے بھول جاتے ہیں۔ لیکن ۱۰ محرم الحرام ۱۱ھ میں جو کچھ ہوا ۱۴۱۴ھ کے ہلالِ شبِ اوّل نے جب اپنا روئے انور دکھایا، چاند نکلا تو یاد

آگیا ہمیں اور ہر مسلمان کو، دیہات کا ہو رہنے والا، یا شہر کا ہو رہنے والا کہ یہی محرم تھا مہینہ اور یہی سنہ تھا سنہ ہجری ۱۱ھ کا وہ محرم اور ۱۴۱۴ھ کا یہ محرم۔ لیکن محرم کا چاند نکلنے کے ساتھ ہی ہم میں کا کوئی ترکی میں رہنے والا ہو یا حبشہ میں رہنے والا یا ایران کا بسنے والا ہو، یا ہندستان کا رہنے والا ہو، پاکستان میں اپنی زندگی بسر کرنے والا ہو، سائبیریا کی ٹھنڈک میں ہو، کشمیر کی ٹھنڈک میں ہو یا راجستھان کی گرمی میں ہو، بہر حال ادھر محرم کا چاند نکلا اور اُدھر اُس کے دل میں کسی کی یاد نے گدگدی کی۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ (حافظ شریف احمد برکاتی کی آواز صاف آئی ہاں) اور بھی آوازیں آئی 'جی' ہوتی ہے نا یہ بات؟ (سامعین میں سے 'ہوتی ہے') دیہات کا رہنے والا ہو، میں سچ عرض کرتا ہوں آپ سے کہ اس مہینے میں جو عرس ہے اسے فاتحہ کہئے، نذر نیاز کہئے، شربت کچھڑا کہئے، نمازوں کا پڑھنا کہئے، اور صاحب! نوافل کا پڑھنا کہئے۔ اتنا بڑا عرس ہی کسی کا نہیں ہوتا دنیا میں میرے نزدیک۔ جو تجزیہ میں نے کیا ہے، جو کچھ پڑھا میں نے ہے، جتنا بڑا عرس اس محرم کے مہینے میں، پہلی رات سے جو لگا لگتا ہے، پہلی رات، چاند دیکھ کے آئے اور نمازِ عشاء کے بعد سلسلہ شروع ہوا۔ اور چل رہا ہے، مسلسل چلتا ہے، شہروں میں آپ دیکھیں جا کر بمبئی وغیرہ میں تو عشاء کے بعد سے لے کر ساڑھے گیارہ یا بارہ بجے تک جب تک پر مٹ ہوتا ہے اُس وقت تک مختلف جگہوں سے گئے ہوئے مقررین اور واعظین اپنے اپنے رنگ میں سناتے ہوتے ہیں۔ لیکن بات ایک ہی کی ہوتی ہے۔ (سامعین 'جی ہاں') ایک سال ایسا تھا میں وہیں (بمبئی) حاضر تھا، میرے بھائی صاحب علیہ الرحمۃ (حضور سید العلماء سید شاہ آل مصطفیٰ قدس سرہ) حیات تھے، حیات ظاہری میں موجود تھے۔ ایک سو تین مجلسیں تھیں۔ ہم دونوں بھائی بیٹھے تھے۔ (حضور سید العلماء) کہنے لگے لالہ! ذرا یہ تو بتاؤ تمہارے نزدیک، تمہارے بھی سامنے اخبار ہے، میرے بھی سامنے اخبار ہے، کون کہاں کہاں بول رہا ہے، میاں سب جگہ حسین ہی کا تو ذکر ہو رہا ہے۔ (سامعین: 'سچ ہے') سید الشہداء کا ذکر ہی کرنے تو آئے ہیں۔ اب کوئی بھکوا ہمارے سامنے آئے اور وہ یہ ثابت کرے کہ کسی ایک چھوٹی سی گلی کی موری پر بھی ذکر ہو رہا ہو یزید کا، وہ تو موری کے قابل ہے، ذکر ہو تو موری ہی میں ہو، گندے نالے

میں۔ اور یہاں مسندِ پاک پر بیٹھے ہوئے یہ مولانا بہرائچ سے آئے ہیں بمبئی میں، یہ لکھنؤ سے آئے ہیں، یہ صاحب شاہ جہاں پور سے آئے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔ لیکن سب کا محور اور مرکز اور موضوع صرف ایک حسین کی ذات ہے۔ (سامعین: 'بے شک') ہے کہ نہیں ہے؟ (سامعین: 'ہے') رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ عاشورہ آیا، عاشورہ کی شب میں جس کو خدا نے جتنی توفیق دی اس نے شہادت کے واقعات بیان کیے۔ اب بھائی صحیح صحیح بیان کریں یا غلط سلط، اس کی ذمہ داری تو بیان کرنے والے کے اوپر ہے۔ لیکن میں نے بہر حال چند اپنے بڑے علماء سے جن میں میرے بھائی صاحب بھی آخر اپنے دور میں وہی اکیلے تھے جو بہت اچھی طرح شہادت بیان کرتے تھے چار راتوں کی کروٹ چار راتوں میں۔ اور ایسے بھی تھے کہ آئے، بیٹھے اور کہا دیکھو بھائی اب ہر سال ہم وہی باتیں کریں جو اس سال کی ہیں تو پھر آپ کہیں گے کہ ہر سال آتے ہیں اور وہی پرانی باتیں۔ اور پھر تم سب پڑھے ہوئے ہو، سنتے ہی رہتے ہو، سال کے دوران اور بھی جگہ سنتے ہو، اور بھی مجلسوں میں سنتے ہو ان کا ذکر۔ لہذا بھائی مختصر میں ہم تمہیں یہ بتاتے ہیں کہ سمجھ لو کہ امام تھے ہی نہیں۔ پہلی رات اتنا ہی مبلغ علم تھا، اتنا ہی معلوم تھا، اس سے آگے گاڑی چلتی ہی نہیں تھی تو کیا کہیں۔ صبح کیٹی والوں نے کہا مولانا یہ ہے آپ کا نذرانہ، لیجئے اور اب آپ تشریف لے جائیے۔ ہم اپنا کوئی اور انتظام کر لیں گے انشاء اللہ جو ہمیں بارہویں رات تک سب سنائے گا۔ یعنی امام کے سویم تک۔ تو میرے بھائی صاحب علیہ الرحمہ والرضوان چھٹی شب سے۔ چھٹی شب، ساتویں شب، آٹھویں شب، نویں شب اور دسویں شب۔ دسویں شب میں ساری بمبئی عظمیٰ کی مجلسیں ختم ہو جاتیں تھیں تو تمام وہاں کے حاضرین بھی ان کی مجلس میں آ جاتے۔ شہادت بیان ہوتی تھی۔ وہ جس تسلسل سے شہادت سناتے تھے۔ شہادت عظمیٰ تو دسویں رات میں بیان ہوتی تھی نا! (سامعین: 'بے شک')، سرکار کی خود کی شہادت، شہادت عظمیٰ، رضی اللہ تعالیٰ عنہ واں رضاء عتاً۔ میں زیادہ آپ کو پیچھے کی طرف نہیں لے جانا چاہتا مختصر باتیں کرنا ہیں۔ تو امام عرش مقام امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاء عتاً، ان تک ہم کیسے پہنچیں، سوال تو یہ ہے؟ اس لئے یہ تو ہمیں اچھی طرح سے معلوم ہے کہ ہم میں جنہوں نے کسی کے ہاتھ میں ہاتھ دیا

ہے مثلاً میں نے اپنے مرشد، میرے نانا حضور (بقیۃ السلف حضرت سیدنا شاہ حاجی محمد اسلمیل حسن قدس سرہ) بھی تھے۔ ان کے ہاتھ میں ہاتھ دیا۔ کسی نے ان کے والد ماجد (حضرت سید شاہ محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ) کے ہاتھ میں ہاتھ دیا، کسی نے ان کے صاحبزادے میرے خال محترم (تاج العلماء حضرت سید شاہ اولاد رسول محمد میاں) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہاتھ میں ہاتھ دیا، ان سے مرید ہوا۔ کوئی میرے بھائی صاحب سے مرید ہوا۔ کوئی میرے بھتیجے برخوردار سید آل رسول سے یا میرے بچوں میں سے کسی سے مرید ہوتا ہے۔ اور کوئی بھائی ایسا بھی ہوتا ہے اپنی محبت سے آ کے مجھ سے کہتا ہے میں اس کو توبہ کر دیتا ہوں۔ آیا آپ کی سمجھ میں؟ تو یہ جتنے بھی ہیں یہ سب ایک لڑی میں پروئے ہوئے ہیں۔ (سامعین: 'اس میں کیا شک ہے') اور ان سب کا شجرہ ہے حسینی (سامعین: 'بے شک') بولو بھائی ہے کہ نہیں ہے (سامعین: 'ہے')۔ اچھا صاحب، شجرہ حسینی کی بھی سن لیجئے چھوٹی سی بات کہ سرکار مخدوم شاہ برکت اللہ قدس سرہ، ہر چیز کے لئے ایک ذریعہ ہوتا ہے نا! (سامعین: 'ہوتا ہے') اگر بیچ میں سے ذرائع اور وسائل کو نکال دیں تو میاں روٹی بھی نہیں کھا پاؤ گے۔ (سامعین: 'بے شک') کن کن چیزوں کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ اور خبیث کہتے ہیں کہ اما ڈائرکٹ (سیدھے) اللہ تک چلیں گے۔ ڈائرکٹ والے ہیں نا! یہ ڈائرکٹ والے جو ہیں..... میں پوچھتا ہوں چھوٹی سی بات آپ کو اپنے مکان کی چھت پر چڑھنا ہے، اور آپ ہیں زمین پر۔ ایک منزل، دو منزل جو بھی ہو۔ پہلی منزل مان لیجئے۔ پہلی منزل پر آپ کو چڑھنا ہے۔ گرمی ہے، وہاں کچھ ہوا آتی ہے تو رات کو وہیں سوئیں گے۔ (سامعین: 'تو ٹھیک ہے') ہے نا؟ چلئے صاحب، اب آپ نے دیکھا کہ یہ تو اوپر ہے، آپ نیچے ہیں، اب آپ کے دونوں پیر تو نیچے رکھے ہوئے تھے، آپ نے ایک پیر نیچے چھوڑا اور ایک پیر جو اٹھایا تو..... آپ نے چاہا کہ بس پاؤں اٹھے دوسرا اور پھر مع آپ کے اوپر پہنچ جائے۔ کیا ممکن ہے یہ؟ (سامعین: 'نہیں') نہیں نا؟ (سامعین: 'نہیں') اب زیادہ کوشش کی تو دونوں ٹانگیں چر جائیں گی، اوپر نہ پہنچ پاؤ گے۔ (سامعین: 'سچ ہے') ٹانگیں اور ہاتھ سے جائیں گی، چلنے کو ترس جاؤ گے۔ اگر اوپر پہنچنا چاہتے ہو، کوٹھے پر جانا چاہتے ہو تو سیڑھی سیڑھی

طے کرنا پڑے گا۔ ہے نا؟ پہلا قدم پہلی سیڑھی پر اور دوسرا ساتویں پر؟؟ (سامعین: نہیں دوسری پر) ہاں! دوسرا، دوسری پر۔ تو یہ اپنے جو شجرے ہیں جو ہمیں ہمارے پیروں سے ملتے ہیں اس میں بھی کچھ ایسی سیڑھیاں ہیں۔ فرماتا ہے: الم تر كيف ضرب الله مثلاً كلمة طيبة كشجرة طيبة اصلها ثابت و فرعها في السماء (ابراہیم: ۲۴) اور اُس کے بعد فرماتا ہے: تو تى اكلها كُل حين باذن ربها۔ (ابرهیم: ۲۵)

فرماتے ہیں کلمہ طیبہ الم تر كيف ضرب الله مثلاً كلمة طيبة کی مثال اللہ کے نزدیک ایسی ہے جیسے شجرہ طیبہ۔ یہ شجرات طیبات ہیں نا ہمارے ہاتھ میں جیسے شجرہ طیبہ اصلها ثابت اُس کی جڑ اندر گڑی ہوئی ہے۔ و فرعها فی السماء اور اس کی بالیں آسمان پر پھیلی ہوئی ہیں۔ تو تى اكلها کل حين باذن ربها اپنے پھل کھانے والوں کو وہ ہر وقت اپنے رب کے حکم سے پھل دے دیا کرتا ہے، یہ تو ہے شجرہ طیبہ اور شجرہ طیبہ کے مقابلے میں ایک شجرہ خبیثہ بھی ہوتا ہے۔ (سامعین: ہوتا ہے) سمجھ گئے آپ؟ (سامعین: جی) فرماتے ہیں: و مثل كلمة خبيثة كشجرة خبيثة اجتثت من فوق الأرض ما لها من قرار (ابرهیم: ۲۹) اب میں اپنے ان بھائیوں سے جو اس مجلس میں بیٹھے ہیں اور جو تھوڑی بہت زمین رکھتے ہیں اور کاشت کا کام ہوتا ہے یا باغات کا کام ہوتا ہے باغ والے بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں ایک سوال کرنا چاہتا ہوں کہ آپ جائیں اور جانے کے بعد موتی جیسے دانے آپ گندم اور مکا کی فصل میں زمین میں ایسے ہی بکھیر کر آجائیں۔ اب دیکھ رہے ہیں انتظار، تین چار دن کے بعد دیکھا کچھ ہے۔ کچھ ملے گا وہاں؟ (سامعین: نہیں) وہ دانے بھی چڑیاں چک جائیں گی۔ (سامعین: چک جائیں گی)۔ زمین کے اوپر پڑے ہیں نا؟ زمین کے اوپر پڑے ہیں، تو معلوم یہ ہوا کہ کسی چیز سے فائدہ جب ملے گا جب وہ زمین کے اندر چلی جائے۔ یہی بات ہے نا؟ (سامعین: بے شک) لہذا آپ نے ہل چلایا۔ ہل چلانے کے بعد اس کے اندر پوڑ بنا، اس میں آپ نے دانے بکھیرے اور اوپر سے اب زمین کو برابر کر دیا۔ یہاں تک تو آپ نے کر دیا۔ یہ تو تھی تدبیر۔ یہاں تک تو آپ کے ہاتھ میں تھا۔ اب اس کے بعد؟ (سامعین: اللہ کے ہاتھ میں ہے) ہاں! فرماتا ہے:

افرع یتم ماتحرثون (الواقعة: ۶۳) اب بناؤ تو سہی یہ تم جو کھیتیاں بوتے ہو اُنتم تزر عونه ام نحن الزارعون (الواقعة: ۶۴) بوتے تو تم ہو لیکن اس میں بھی ہماری طرف کی توفیق الہی رفیق ہوتی ہے جب بوتے ہو (سامعین: بے شک) ورنہ بوتے بوتے بھول جاؤ۔ (سامعین: سچ ہے) ہل چلاتے چلاتے، پشتہا پشت سے ہل چلا رہے ہو لیکن ہل چلانا بھول جاؤ۔ تو بوتے تم ہو اور اگاتے ہم ہیں۔ سوال کر رہا ہے اُنتم تزر عونه کیا اسے تم اُگاتے ہو؟ ام نحن الزارعون یا ہم اُگاتے ہیں اور پھر فرماتا ہے لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ حُطَامًا فَظَلَلْتُمْ تَفْكَهُونَ (الواقعة: ۶۵) اگر ہم چاہیں تو اسے بالکل خس و خاشاک کی طرح کر دیں، کچھ بھی نہ دکھائی دے۔ تو بڑا قیمتی، بہت صاف ستھرا، نہایت عمدہ، نہایت ہی قیمتی بیج ڈال کے آؤ..... لیکن اگر ہم نہ چاہیں تو کچھ بھی نہ نکلے بلکہ دانہ بھی ختم ہو جائے اوپر ہی اوپر۔ اور پوچھتا ہے افرع یتم الماء الذی تشربون (الواقعة: ۶۸) بولو ایک طرف سے سوال ہو رہا ہے اور پھر خالی مومنین سے نہیں ہو رہا ہے، اپنی ساری مخلوق سے ہو رہا ہے، سارے آدمیوں سے ہو رہا ہے افرع یتم الماء الذی تشربون (الواقعة: ۶۸) یہ جو پانی تم پیتے ہو۔ بولو بھائی آج کل کتنا پانی پیا جا رہا ہے گرمی کی وجہ سے؟ (سامعین: کافی) ء اُنتم انزلتموه من المزن ام نحن المنزلون (الواقعة: ۶۹) یا اس پانی کو بادلوں سے تم نے اتارا ہے یا ہم نے اتارا ہے؟ (سامعین: اللہ نے) فرماتا ہے: لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ أُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُونَ (الواقعة: ۷۰) اگر ہم چاہیں تو اس کو کھولا کر خشک کر دیں تو کیوں ہمارا شکر یہ نہیں ادا کرتے۔ اللہ فرماتا ہے۔ اور پھر فرماتا ہے: افرع یتم النار التی توروں (الواقعة: ۷۱) یہ جو آگ جسے تم روشن کرتے ہو اُنتم انشاء تم شجرتھا ام نحن المنشئون (الواقعة: ۷۲) کیا اس کا درخت تم نے اُگایا ہے یا ہم نے اُگایا ہے؟ (سامعین: اللہ نے) بڑا بہترین انداز بیان ہے قرآن پاک کا، سبحان اللہ۔ ء اُنتم انشاء تم شجرتھا ام نحن المنشئون (الواقعة: ۷۲)۔ اللہ اکبر۔ آخر میں فرماتا ہے: نَحْنُ جَعَلْنَاهَا تَذْكِرَةً وَتُتَاعًا لِّلْمُقْوِينَ۔ فسبح باسم ربك العظيم۔ (الواقعة: ۷۳-۷۴) بات دور پہنچ جائے گی۔ درود پاک پڑھ لیجئے۔ اللہم صل علی سیدنا محمد و علی آل سیدنا محمد و باریک وسلم۔

تو میں عرض یہ کر رہا تھا کہ ہمارا شجرہ ہے حسینی۔ بہت بتانا تھا اس سلسلے کے بارے میں لیکن ذرا سا نظر انداز کر دیا ورنہ پھر پانچ بج جائیں گے اور وہ ختم نہیں ہوگا معاملہ پورا نہیں ہونے پائے گا۔ لہذا اب ہم پھر آگئے اپنے موضوع پر کہ ہمارا شجرہ ہے شجرہ حسینیہ۔ کیسے شجرہ حسینیہ، اللہ اکبر سلسلہ عالیہ علیہ قادریہ برکاتیہ جو سرکار بلگرام شریف سے لے کر آئے۔ کون سرکار؟ مثل مکہ شدہ..... مجھے اپنے مرشد کے اشعار یاد آگئے منقبت میں (ترجم سے) مثل مکہ شدہ مارہرہ مقام برکات..... بڑی منقبت ہے پھر بھی اشعار مجھے یاد ہیں۔

مثل مکہ شدہ مارہرہ مقام برکات

شہرتے یافت چوں طیبہ ز قیام برکات

اور عرض کرتے ہیں:

در گہش گشت مطاف عرفاء و کملاء

اجی ہم کہاں دیکھ پاتے، ہم تو صرف ان ہی کو دیکھتے ہیں جو آتے ہیں درگاہ معلیٰ پر، ہمارے جیسے فاتح پڑھنے والے لیکن صاحب البرکات، مخدوم سلسلہ برکاتیہ، امام سلسلہ برکاتیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاه عنہا کے اس درگاہ معلیٰ کے گرد اگر دو کون کون گھومتا ہے، وہاں تک ہماری آنکھیں کہاں پہنچتی ہیں۔ تو وہی فرما رہے ہیں:

در گہش گشت مطاف عرفاء و کملاء

مطاف کہتے ہیں طواف کرنے کی جگہ، گھومنے کی جگہ، اللہ اکبر۔ ہمارے حاجی جاتے ہیں وہاں گھومتے ہیں، اللہ اکبر، وہاں کا طواف کرتے ہیں، اللہ اکبر اور اس کے بعد پھر اپنے اپنے گھروں کو جب واپس آتے ہیں تو پھر اس کے حالات اور واقعات بیان کرتے ہیں، تو فرماتے ہیں یہ درگہش گشت مطاف عرفاء و کملاء۔ اللہ اکبر۔ یہاں کا یہ جو مطاف ہے کعبہ آب و گل کا، یہ کعبہ آب و گل کا مطاف تو ہر جانے والا کرتا ہے۔ لیکن یہ جو کعبہ ہائے جان و دل اپنی اپنی مزارات میں تشریف فرما ہیں ان کی مزاروں اور ان کی درگاہوں کا طواف کرنے کے لئے صرف عوام نہیں جاتے بلکہ عوام تو بہت کر بھی نہیں پاتے ہیں، اللہ اکبر، جو انہیں کرنا ہے، ہاں اللہ کے عرفاء اور اللہ کی طرف سے جو کملاء ہیں وہ آتے ہیں جو

ہماری نظر سے پوشیدہ ہوتے ہیں اور پھر وہ گھوما کرتے ہیں۔ مطاف عرفاء و کملاء..... درگہش گشت مطاف عرفاء و کملاء۔ اور عرض کرتے ہیں ع قدسیاں خم پئے تعظیم و سلام برکات..... اصل میں ہوا یہ کہ حضور سیدنا شاہ آل احمد اچھے میاں علیہ الرحمۃ والرضوان کے ایک مرید تھے، مرید سعید، ہاں صاحب، مولانا عبدالقادر تاج الفحول بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا کسی نے ”مولانا، آپ کے مرید کتنے ہیں؟“ فرمایا: ”بھیا، دیکھو، مریدوں سے پوچھو“۔ بڑے سادے سادے آدمی تھے، سبحان اللہ ان کا علم جو تھا، اللہ اکبر، سمجھ لیجئے آپ، اور ان کی سنیت، اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں۔

ندوی جھنجھلاتے ہیں کہ دو ہی تو ہیں

اسد، احمد رضا، محبت رسول

شیر دو ہی ہیں فرماتے ہیں ندوی جھنجھلا کر یہ کہتے ہیں شیر دو ہی ہیں ایک احمد رضا ہے اور ایک محبت رسول ہے۔ دونوں میں بڑا ارتباط تھا، قلبی اور ایمانی، بہت بڑا دوستانہ، ایک دوسرے کو دیکھے بغیر چین نہیں پڑتا تھا۔ حضرت مولانا تاج الفحول عبدالقادر بدایونی علیہ الرحمۃ کا یہ مقولہ مجھ سے میرے خال محترم علیہ الرحمۃ نے، میرے والد ماجد (سید شاہ آل عبا قادری) علیہ الرحمۃ نے، میرے بھائی صاحب علیہ الرحمۃ۔ یہ تینوں جو میرے بزرگ تھے جن سے میں نے سنا ہے، اور اتنا سنا، اتنا سنا ہے کہ اب وہ سننا بہ منزل دیکھنے کے ہو گیا ہے۔ (سامعین: ’بے شک‘) حالانکہ شنیدہ کہ بود مانند دیدہ۔ فارسی والا کہتا ہے کہ سنی ہوئی باتیں دیکھی ہوئی باتوں کے برابر نہیں ہوتی ہیں، لیکن جب اتنا سنا جائے، اتنا سنا جائے، اتنا سنا جائے، اللہ اکبر، تو پھر وہ تقریباً دیکھے کے ہی کے برابر ہو جاتا ہے، اتنا سنا ہے۔ (سامعین: ’بے شک‘) تو ان تینوں نے فرمایا کہ مولانا نے فرمایا بھیا پوچھ لو ان مریدوں سے کہ کس کس کو عقیدت باقی ہے، جس کو عقیدت باقی ہے وہی مرید ہے۔ (سامعین: ’سبحان اللہ‘) جس کو عقیدت باقی ہے وہی مرید ہے۔ جس کی عقیدت پھٹ گئی، جی! یا ٹوٹ گئی، ختم ہو گیا۔ اور اس کے بعد فرماتے ہیں، وہ تو بڑے زندہ دل آدمی تھے، میرے خال محترم فرماتے تھے، فرماتے میاں ایسا ہے کہ پرانے زمانے میں چار بجھا روشہ ہو تھے، کام والے، خدمت گزار،

خدمت کرنے والے، دھوبی، بھشتی اور نائی، قصائی، چار، اب پانچواں بھجارو ہے پیر۔ کیا سمجھ رہے ہیں آپ؟ مولانا تاج الفحول عبدالقادر بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، ان کا فرمودہ میں اپنے خال محترم، والد محترم برادر محترم کے حوالے سے آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ فرمایا کہ مرید تو پیر کو پانچواں بھجارو سمجھتے ہیں۔ پیر صاحب، ایسا ہے کہ لڑکا ہوتا ہی نہیں، اچھا بھائی ٹھیک ہے اللہ چاہے گا تو ہو جائے گا ہم دعا کرتے ہیں۔ لڑکا ہو گیا۔ کہا، پیر صاحب اس کی طبیعت خراب ہوگئی۔ اچھا بھائی لوکی لے آنا، لکھ دیں گے۔ لوکی بھی لکھ گئی۔ بڑا ہو گیا۔ پیر صاحب، اس کی بسم اللہ پڑھانا ہے۔ بھائی، پڑھا دیں گے۔ اور صاحب ہوتے ہوتے یہاں تک کہ وہ اتنا بڑا ہوا کہ اب اس کے یہاں بال بچوں کا زمانہ آیا پیدا ہونے کا شادی بیاہ ہو کر۔ اب وہ بھی اسی رنگ ڈھنگ سے باپ سے سیکھ کر آ رہا ہے۔ تو فرمایا کہ پیر کو تو بھجارو سمجھتے ہیں اور پیر لوگ اپنے مریدوں کو ایک جانا دسمجھتے ہیں، پراپرٹی سمجھتے ہیں۔ کیا سمجھے آپ؟ جاڑے کا موسم آیا تو انہیں ایک حلوہ یاد آیا اور گرمی کا موسم آیا تو گرمی کے کھانے کی چیزیں یاد آئیں تو وہ اس کو پراپرٹی سمجھتے ہیں۔ فرمایا تاج الفحول نے، سنو، ۱۳۱ھ میں تو ان کا وصال ہو گیا۔ کے برس ہو گئے وصال کو، بولو؟ تین سال کم رہ گئے ہیں، ۱۳۲ھ ہے۔ ۱۳۱ھ میں وصال ہوا تو تین سال ہی تو کم رہ گئے۔ ایک صدی ہونے کو آتی ہے اور یہ کوئی اپنے وصال کے وقت کی باتیں تھوڑی ہیں۔ یہ تو معلوم نہیں کتنے سال پہلے فرمایا ہوگا۔ اور ایک بات اور فرمائی کہ میاں آج ہر شخص مریدوں کو پوچھے ہے کہ مرید کتنے ہیں۔ بقول شخصے کے ہمارے مریدین یعنی دو ہی مرید۔ اور بہت سے پیر ایسے ہیں جنہیں یہی پتہ نہ ہے کہ مریدین اور مریدین دونوں کی املا ایک ہی طرح سے لکھی جاتی ہے، لیکن ان کے معنی میں بڑا فرق ہے۔ مریدین کے معنی دو مرید۔ تنبیہ کا صیغہ ہے، جیسے رجبین، دومرد، سمجھ گئے آپ۔ اسی طرح سے ایک مرید اور دو ہوئے، ایک سے بڑھا تو مریدین ہوئے۔ اور مریدین وہ جمع ہے بہت سے مرید۔ تو فرمایا کہ آج ہر شخص مرید کو پوچھتا ہوا آتا ہے کہ آپ کے کتنے مرید ہیں اور مراد کو کوئی نہیں پوچھتا۔ کیا سمجھے آپ؟ سوچنے سمجھنے کی بات ہے۔ تاج الفحول علیہ الرحمۃ عبدالقادر صاحب، سبحان اللہ، محبت رسول،

پورا قصیدہ موجود ہے ”حدائق بخشش“ میں ”چمنستان قدس“ کے نام سے، اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی جنہیں آپ، آپ نہیں بلکہ آپ سے بہت پہلے سے عرب و عجم اپنا امام مان رہا ہے، سبحان اللہ، وہ امام وقت ہیں علیہ الرحمۃ والرضوان لیکن وہ فرماتے ہیں۔

ندوی جھنجھلاتے ہیں کہ دو ہی تو ہیں
اسد، احمد رضا محبت رسول

اور عرض کر رہے ہیں ع

میں بھی دیکھوں جو تو نے دیکھا ہے

کون کہہ رہا ہے؟ (سامعین: اعلیٰ حضرت) میرا جیسا کوئی عامی آدمی نہیں کہہ رہا ہے۔ وہ فرماتے ہیں جو محمد دماستہ ماضیہ تھے، جو اپنے وقت کے امام تھے، امام علم وفن تھے، اللہ اکبر، اب میں کیا کہوں کہ کیا کیا تھے۔ فرماتے ہیں۔

میں بھی دیکھوں جو تو نے دیکھا ہے
روز سعتی صفا محبت رسول

جس دن آپ سعی کے میدان میں سعی فرما رہے تھے اس وقت جو آپ نے دیکھا تھا اے محبت رسول، میرے لئے بھی دعاء کر دو کہ میں بھی وہی دیکھوں۔ اب کیا دیکھا تھا محبت رسول نے؟ تاج الفحول نے کیا دیکھا تھا، وہ تو چند ہی کے سینوں میں ہے کہ وہ کیا دیکھا تھا۔ باقی سینے تو اس سے خالی ہیں، اس سے مجھے بحث نہیں کرنا۔

ہمارا شجرہ حسینی ہے۔ پھر میں آگیا اپنی جگہ پر، ہمارا شجرہ حسینی ہے۔ یہ شجرہ حسینی ہوا کہاں سے؟ حضرت مخدوم شاہ برکت اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قادری چشتی بلگرامی واسطی مارہروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب وہاں سے تشریف لائے تو سلسلہ قادریہ لے کر آئے۔ لیکن وہ سلسلہ قادریہ وہ تھا جو ہمارا سلسلہ قادریہ آبائی قدیم کہلاتا ہے۔ سرکار مرتضیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم جو سارے سلاسل کا منتہی ہیں، وہاں پر جا کر سلاسل ختم ہوتے ہیں۔ سلاسل کے منتہی مرتضیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے بڑے محبوب خلیفہ اور مرید اور شاگرد امام حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ وار رضا عنہا اُن سے وہ سلسلہ جاری تھا جو سلسلہ قادریہ قدیم کہلاتا

ہے۔ لیکن مارہرہ میں آنے کے بعد، اللہ اکبر، معلوم نہیں کس قدر اللہ کے مقبول بندہ بارگاہ، صاحب البرکات کے اوپر قادریت کی اتنی چھاپ تھی کہ گھر سے کئی کئی طرح سے قادریت لے کر آئے تھے لیکن سیری نہیں ہوئی تھی، اللہ اکبر، اور اسی تڑپ میں اور اسی جاں فشانی میں اور اسی سوچ میں سرکار نے کچھ اشعار فرمائے ہیں، اس میں سے صرف ایک آپ کے سامنے پڑھے دیتا ہوں۔ فرماتے ہیں ع آخر الامر کزیں سورش و بے تائی دل..... ظاہر ہے کہ سرکار کے زمانے میں زبان فارسی تھی:

آخر الامر کزیں سورش و بے تائی دل سر خود را چوں نثار شہ جیلاں کردم
حالت رفت کہ پنہاں ہمہ پیدا گشتہ شور منصور زہر پردہ ہو یدہ گشتہ
اب ترجمہ کرنے کا میرے پاس ٹائم نہیں ہے۔ پھر بھی کبھی انشاء اللہ ترجمہ سناؤں گا۔ لیکن اتنی بات بتا دوں کہ وہ جو قدیم تھا اُس میں بھی سرکارِ غوثِ اعظم موجود تھے رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ جہی تو قادرِ یہ قدیمہ کہلایا۔ سرکارِ غوثِ اعظم اُس میں بھی موجود ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاه عنہ۔ لیکن اوپر جا کر شاخیں بدل جاتی ہیں۔ تب یہ شجرہ لے کر آئے۔ پانچ سلاسل کی اجازت لے کر آئے۔ صرف سلاسلِ خمسہ کی اجازت لے کر تشریف لے کر آئے۔ مارہرہ کی قطبیت انہیں سپرد فرمائی گئی۔ اور اس کے بعد سرکارِ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظریں۔ جب وہ داخل سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ ہوئے تب اس شجرہ پر پڑیں تو سرکار نے اس کا نام رکھا۔ سلسلہ الذہب سلسلہ کہتے ہیں عربی میں زنجیر کو اور ذہب کے معنی ہیں سونا، سونے کی زنجیر۔ اب جو ہم شجرہ پڑھتے ہیں۔ اب جو ہم شجرے دیتے ہیں، اب جو ہم شجرے لیتے ہیں وہ سب سلسلہ قادریہ جدیدہ کے ہیں۔ جدیدہ کالپویہ کے ہیں۔ صاحبزادگان کو البتہ سارے سلاسل میں اجازت ہوتی ہے، چشتیہ میں بھی ہوتی ہے، چشتیہ جدیدہ میں اور نقشبندیہ میں بھی ہوتی ہے، نقشبندیہ جدیدہ میں اور نقشبندیہ قدیمہ میں بھی ہوتی ہے، اور سہروردیہ جدیدہ میں بھی ہوتی ہے اور سہروردیہ قدیمہ میں بھی ہوتی ہے اور منوریہ معمریہ میں بھی ہوتی ہے، قادریہ رزاقیہ میں بھی ہوتی ہے۔ غرض جتنے بھی سلاسل داخل خانوادہ برکاتیہ ہیں ان سب میں صاحبزادگان کو اجازت و خلافت ہوتی ہے۔

لیکن شجرہ جو اہم ہوتا ہے جو پیر شجرہ دیتا ہے، ہر شجرہ کے ساتھ خلافت نامہ تھوڑے ہی بننا کرتا ہے۔ خلافت تو بہت مشکل چیز ہے۔ اللہ اکبر۔ اب اس پر مجھے کوئی گفتگو نہیں کرنا ہے اس وقت تو یہ شجرہ حسینی شجرہ ہے، اللہ اکبر۔ یہ امام حسن بصری کے ذریعہ سے نہیں ملتا ہے مرتضیٰ علی سے۔ یہ امام حسین کے ذریعہ سے ملتا ہے مرتضیٰ علی سے۔

اس وقت میرے ہاتھ میں یہ کتاب ہے ”نذر حسین“ اس میں سے تھوڑا پڑھ کر سناؤں گا آپ کو سرکار کی سیرت کریمہ اور واقعہ شہادت۔ یہ بڑی ہی، نہایت معتبر ترین کتاب ہے، میرے خال محترم کی تصنیف فرمائی ہوئی۔ اور اسے میرے بھائی صاحب علیہ الرحمۃ نے بحیثیت صدر آل انڈیاسنی جمعیۃ العلماء اپنی زندگی ہی میں شائع کرایا۔ اس میں جتنے سچے سچے بالکل نکھرے ہوئے واقعات شہادت ہیں اور سرکار کی سیرت ہے اتنے آپ کو کہیں اور نہیں ملیں گے۔ اس لئے شہادت حسین کا موضوع وہ موضوع ہے جس پر دونوں فریق یعنی شیعوں نے بھی لکھا ہے، سنیوں نے بھی لکھا ہے، لیکن رطب و یابس سے نہ شیعوں کا خالی ہے، وہ تو بس رطب ہی رطب ہے، رطب بھی ہے تو رطب ہے؟ یا بس ہے تو یا بس ہے۔ سنیوں کے یہاں بھی کچھ رطب و یابس آگیا ہے۔ سنیوں کے یہاں بھی کچھ ملونی آگئی ہے ادھر ادھر کی جس کا کوئی وجود نہیں تھا۔ اس کی مجھے تفصیلات نہیں بیان کرنا، لیکن یہ جو کتاب ہے ”نذر حسین“ جس میں سے میں آپ کو ابھی سناؤں گا۔ میں نے سال گزشتہ بھی درگاہ معلیٰ میں سنائی تھی اور آج پھر آپ کو اس میں سے دوبارہ سناؤں گا۔ یہ نہایت ہی معتبر ترین کتاب ہے، سرکار کی سیرت پر اور واقعات شہادت پر۔ آپ درود شریف پڑھ لیں:

الھم صلّی علیٰ سیدنا محمد و علیٰ آل سیدنا محمد باریک وسلم۔

ہمارا یہ شجرہ قادریہ قدیمہ، میں نے آپ سے کہا نہیں کہ ہمارے شجروں پر مہر حسینی ہے، اللہ اکبر، ہمارے خلافت ناموں پر مہر حسینی ہے، اللہ اکبر، اس لئے کہ ہمارے خلافت ناموں میں بھی وہ تشریف فرما ہیں۔ حضور صاحب البرکات رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاه عنہ۔ ذرا پڑھیے تو وہ شعر۔

دین و دنیا کے ہمیں برکات دے برکات سے

عشق حق دے عشقی عشق انتما کے واسطے

ایک جگہ برکات ہے، ایک جگہ برکات ہے اس کو یاد دیکھیے گا۔ صحیح پڑھیے گا:

دین و دنیا کے ہمیں برکات دے
برکت کی جمعہ ہے حضور کا نام تھا برکات، برکت اللہ

دین و دنیا کے ہمیں برکات دے برکات سے
عشق حق دے عشقی عشق انتہا کے واسطے

جانے کتنی مرتبہ آپ نے اپنا شجرہ پڑھا ہوگا اور جانے کتنی مرتبہ میں اپنا روزانہ شجرہ پڑھتا ہوں، جو شجرہ آپ کے پاس ہے وہی، شجرہ میرے پاس ہے۔ چند واسطوں میں کچھ ہیر پھیر ہے، بس، باقی مخدوم شاہ برکت اللہ دونوں ہی میں موجود ہیں۔ تو روز ہم پڑھتے ہیں ع
عشق حق دے عشقی عشق انتہا کے واسطے
'عشق انتہا' کے کیا معنی ہیں معنی سرکار کا تخلص تھا عشقی۔ انتہا کے لفظی معنی ہیں 'انتساب' یعنی اس کا عشق دے کہ جس کا عشق کی طرف انتساب ہے، یعنی جس کا تخلص عشقی ہے۔

صاحب البرکات رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاه عنا ع

عشق حق دے عشقی عشق انتہا کے واسطے

جن کا تخلص عشقی ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاه عنا۔ ان کے وسیلے سے ہمیں کیا

دے۔ اللہ سے محبت کا جذبہ ہمیں عطا فرما دے ع

عشق حق دے عشقی عشق انتہا کے واسطے

تو ہمارے شجرہ پر مہر حسینی لگی ہوتی ہے، اللہ اکبر۔ امام عرش مقام امام حسین رضی

اللہ تعالیٰ عنہ وارضاه عنا، سبحان اللہ، کیوں فرمایا فاضل بریلوی نے ہمارے شجرے کو سلسلۃ الذہب؟ یہ بات تو ہم سوچ بھی نہیں سکتے کہ وہ معاذ اللہ اٹائیں ٹٹائیں جیسے ہم بکا کرتے ہیں اٹائیں ٹٹائیں بکتے تھے۔ نہیں، ہر بات ثبوت و سند کے ساتھ، اللہ اکبر، انہوں نے سلسلۃ الذہب یوں ہی نہیں کہہ دیا۔ اب آئیے ہم آپ پڑھیں۔

یا الہی رحم فرما مصطفیٰ کے واسطے یا رسول اللہ کرم کیجئے خدا کے واسطے

مشکلیں حل کر شہ مشکل کشا کے واسطے کر بلائیں رد شہد کر بلا کے واسطے

کون ہے شہید کر بلا، بولو، امام حسین (سامعین بھی کہتے ہیں امام حسین)، امام عرش مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو برکاتی شجرہ جب ہمارے ہاتھوں میں آیا تو شاہ برکت اللہ اور ان کی اولاد امجاد، کون؟ شاہ آل محمد، شاہ حمزہ، شاہ حقانی، اللہ اکبر، ان کی اولاد امجاد کون؟ شاہ آل احمد اچھے میاں، شاہ آل برکات سترے میاں، شاہ آل حسین سچے میاں، اور ان کی اولاد امجاد کون؟ حضور خاتم الاکابر شاہ آل رسول، حضور خاتم الاخلاف حضرت شاہ اولاد رسول، حضور فخر الاخلاف شاہ غلام محی الدین امیر عالم قدس سرہ اللہ تعالیٰ سرہ العزیز اور ان کی پھر اولاد کون؟ حضرت شاہ سیدنا ابوالحسن احمد نوری، حضرت سیدنا شاہ ابوالقاسم محمد اسماعیل حسن الملقب بہ شاہ جی اور ان کی پھر اولاد کون؟ اور ان کی اولاد امجاد کون؟ حضرت شاہ ارتضیٰ حسین پیر میاں قادری برکاتی مرحوم مغفور، میرے خال محترم تاج العلماء شاہ اولاد رسول محمد میاں اور ان کے جانشین و سجادہ نشین ہم اولاد حیدر آل مصطفیٰ سید میاں اور یہ آپ کا خادم مصطفیٰ حیدر حسن، بہر حال جس سے بھی شجرہ برکاتی ملا، آپ کو جس برکاتی پیر سے شجرہ برکاتی ملا تو اس میں سب میں ہے۔ کر بلائیں رد شہید کر بلا کے واسطے، ایک..... سید سجاد کے صدقے میں ساجد رکھ ہمیں۔ کون ہیں سید سجاد؟ (حافظ شریف احمد برکاتی کی آواز: حضرت امام زین العابدین) ہاں، امام زین العابدین دو۔ سید سجاد کے صدقے میں ساجد رکھ ہمیں۔ علم حق دے باقر علم ہدئی کے واسطے..... باقر کے معنی جانتے ہو؟ روز پڑھتے ہو شجرے میں، باقر کے معنی جانتے ہو؟ نہیں۔ بہت کم جانتے ہیں لوگ، باقر کے معنی ہیں زمین کی چٹائی جڑ میں سے کھود کر جو وہاں سے پاتال کے نیچے سے کوئی چیز لے آوے اُسے کہتے ہیں باقر۔ سمجھ گئے آپ! تو فرمایا کہ یہ علوم انبیاء و مرسلین کے لئے باقر ہیں۔ کون؟ امام محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بڑے صاحبزادے، جو جانشین ہیں امام زین العابدین کے رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاه عنا دو بھائی تھے۔ حضرت سیدنا محمد باقر حضرت امام زین العابدین کے بڑے صاحبزادے تھے۔ دوسرے بھائی تھے حضرت سیدنا زید شہید۔ ہم تمام سادات واسطی بلگرام کے جد اعلیٰ حضرت سیدنا زید شہید رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاه عنا۔ ایک مرتبہ خادم کو بھیجا جاؤ، بحیثیت سجادہ نشین کے والد کا کتب خانہ بڑے بھائی کے پاس تھا، کہا فلاں کتاب

میں ہمیں ایک مسئلہ دیکھنا ہے۔ وہ کتاب ان سے مانگ لاؤ، ہم مسئلہ دیکھ کے کتاب واپس کر دیں گے۔ وہ گیا حضرت کسی مصروفیت میں تھے تو وہ کام پورا نہیں ہو پایا واپس آیا۔ حضرت کے ذہن سے اتر گیا۔ کئی روز کے بعد یاد آیا کہ زید نے کتاب باپ کی منگوائی تھی، ہم دینا بھول گئے۔ خادم کو کتاب دی اور کہا جاؤ زید کے پاس یہ کتاب دو، انہوں نے یہ کتاب منگوائی تھی، انہیں مسئلہ دیکھنا ہے باپ کی کتاب میں۔ کہا، واپس لے جاؤ، بھائی صاحب کو میرا سلام کہنا اور ان سے یہ کہہ دینا میری طرف سے کہ اب اس کتاب کی مجھے ضرورت نہیں ہے۔ خود تشریف لے آئے۔ امام محمد باقر نے امام زین العابدین کے بڑے صاحبزادے، جانشین، مسند نشین، ان کی گدی پر براجمان، خود تشریف لے آئے چھوٹے بھائی کے یہاں۔ کہا زید! باپ کی کتاب کی تمہیں اب ضرورت نہیں ہے، کہا، جی ہاں، اب باپ کی کتاب کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ مسئلہ جو مجھے باپ کی کتاب میں دیکھنا تھا وہ میں نے اللہ کی کتاب میں دیکھ لیا ہے۔ لہذا مجھے کسی اور کتاب کی ضرورت نہیں ہے۔ (سامعین: ”سبحان اللہ، سبحان اللہ“)

سمجھ گئے آپ! اگر کوئی ہمارا ایسا جیسا ہوتا تو ہم اس کو اینٹھو خان کے نام سے پکارتے، مگر امام زید شہید کے بارے میں تھوڑے ہی ایسے استغفر اللہ سوچتے کہ یہ سچ ہے۔ لیکن غیرت ہوتی ہے ایک چیز اپنی جگہ پر۔ نہیں آئی، آپ نے نہیں بھیجی، ٹھیک ہے، اب آپ رکھے رہئے اس کو، میں نے اللہ کی کتاب میں وہ مسئلہ دیکھ لیا۔ جو باپ کی کتاب میں دیکھنا تھا۔ کیوں؟ اس لئے کہ باپ نے بھی اپنی کتاب میں وہ مسئلہ اللہ ہی کی کتاب سے لکھا تھا۔ (سامعین: ’بے شک، بے شک، یہ سچ ہے‘) باپ نے بھی اپنی طرف سے نہیں لکھا ہے۔ اپنے باپ کی کتاب کا مسئلہ نہیں لکھا ہے۔ اور اگر اپنے والد ماجد کی بھی کتاب کا مسئلہ انہوں نے لکھا ہے تو انہوں نے بھی وہ مسئلہ اللہ ہی کی کتاب سے لکھا ہے بولو بھائی، یہی بات ہے نا؟ (سامعین: ’بے شک، سچ ہے‘)۔ یہ سلسلہ تو اللہ کے رسول تک پہنچتا ہے۔

سبحان اللہ ایک بار درود شریف: اللھم صل علی سیدنا محمد و علی آل سیدنا محمد و باریک وسلم۔

ہمارا یہ شجرہ شجرہ برکاتیہ حضرت سیدنا شاہ برکت اللہ امام سلسلہ برکاتیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاه عنا سے ہمیں حاصل ہوا۔ اور اللہ تبارک تعالیٰ ہمارا یہ شجرہ ہمارے ہاتھوں میں مضبوط تھا دے۔ اللہ اکبر (سامعین: ’آمین‘)۔ یہ یہاں بھی ہمارے کام آئے گا اور وہاں بھی ہمارے کام آئے گا۔ میاں، شجرہ دیکھ لیں گے تو منکر و نکیر شجرہ ہی دیکھ کر کہیں گے، چلو، بھئی، اب کچھ نہیں پوچھنا پوچھنا۔ یہ جو ٹنگا ہوا ہے یہ اس کا شناختی کارڈ، سمجھ گئے آپ! اب کسی اور پہچان پتر کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ سب سے بڑا پہچان پتر ہے۔ پینتالیس سلام لکھے ہوئے ہیں۔ پینتالیس کو یہ پہچانتا ہے اور پینتالیس اس کو پہنچاتے ہیں، اللہ اکبر، کیوں کہ ان کا شجرہ اس کے پاس ہے۔ اب جو بھئی بے شجرے کے ہوں، یا بے پیرے ہوں ان کا تو خیر کوئی سوال ہی نہیں ہے، چھوڑ دیجئے ان کو، آپ ایک مرتبہ درود شریف پڑھ لیجئے۔

اللھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و آلہ و صحبہ و باریک وسلم۔

اب میں مختصر طور پر دوسری چیزیں چھوڑ کر آپ کے سامنے یہ عرض کروں۔ پہلا اس میں عنوان ہے، ولادت مبارک امام حسین، امام عرش مقام جن کا ہم عاشورہ مناتے ہیں۔ جن کے ناکا حلوہ پکاتے ہیں، اور جن کے نام کا کھچڑا پکاتے ہیں۔ بولو بھائی، سب ان ہی کے نام کا پکاتا ہے نا! (سامعین: ’جی ہاں‘) ان ہی کی نیاز ہوتی ہے نا! (سامعین: ’جی ہاں‘) تب تو وہ تبرک بنتا ہے۔ اللہ اکبر، سال کے اور دنوں میں پکاؤ، کھا جاؤ، کیا تبرک تقسیم کرتے ہو اس کو نہیں۔ (سامعین: ’نہیں‘) یہاں تک کہ ذرا سا تچے پر بھی لگا لو تو وہ بھی تبرک کیونکہ امام کا نام لگا ہے، حسین کا نام لگا ہے، رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاه عنا۔ فرماتے ہیں اپنے برادر بزرگ حضرت سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت شریف کی پچاس راتوں کے بعد حمل میں آئے۔ سن رہے ہیں آپ پچاس راتیں بیتی تھیں اس کے بعد آپ اپنی والدہ محترمہ کے..... ہاں!.....

کیا بات رضا اُس چمنستان کرم کی

زہرا ہے کلی جس میں حسین اور حسن پھول

عاشق خانوادہ رسول امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمہ والرضوان،

ارے میاں جھبی تو ہم کہا کرتے ہیں ”اعلیٰ حضرت کا دامن“ (سامعین: ”نہیں چھوڑیں گے“) یوہی تھوڑے ہی کہہ دیا کرتے ہیں کسی اُٹو بٹو کے متعلق نہیں کہتے ہیں، کسی خیر و چچو کے متعلق نہیں کہتے ہیں، کسی بازار گشت کے متعلق نہیں کہتے ہیں، کسی فٹ پاتھی کے متعلق نہیں کہتے ہیں۔ بلکہ اعلیٰ حضرت کے متعلق کہتے ہیں۔ صبح تم سن چکے میرے بھتیجے نے کہا ہے ”خان زادہ سیدوں کا اعلیٰ حضرت بن گیا“۔ سیدوں کا، ارے ہم تو سید ہیں، الحمد للہ، اللہ تبارک و تعالیٰ ہمارے اجدادِ کرام کا سایہ ہمارے اوپر ڈال دے تو ہم پاک ہو جائیں۔ (سامعین: ”آمین“) اللہ اکبر کہتا ہے لڑکا: ”خان زادہ سیدوں کا اعلیٰ حضرت بن گیا“۔ ہمارے بچوں کی زبانیں کھلتی ہیں تو اللہ اور اللہ کے رسول کے نام کے ساتھ ساتھ، سبحان اللہ، اعلیٰ حضرت کا نام زبان پر بچپن ہی سے آجاتا ہے، رحمہ اللہ تعالیٰ۔

کیا بات رضا..... کیا بات رضا..... یوں تو بہت چمنستان ہیں، مگر ابھی کھل رہا ہے، موتیا بھی کھل رہا ہے اور سوسن و سمن اور بنفشہ اور گل و نستران سب ہی موجود ہیں، اللہ اکبر۔ لیکن کہیں ایسا بھی چھوٹا سا گلستاں مل جاتا ہے، بظاہر چھوٹا سا ہے لیکن اس میں اور کوئی پھول ہے یا نہیں ہے لیکن گل ہزارہ لگا ہوا ہے۔ میاں جب گلاب کھلتا ہے تو سب کی خوشبوئیں ماند ہو جاتی ہیں اور گلاب ہی میں خاصیت ہے کہ زندہ رہتا ہے تو خوشبو دیتا ہے اور مرجھاتا ہے تو بھی خوشبو دیا کرتا ہے۔ بولو بھائی، سچ ہے! (سامعین: ”سچ ہے“)۔ آئی بات سمجھ میں میری! ارے زندہ رہتا ہے، اس کی پتیاں ہری رہتی ہیں، تازہ رہتی ہیں، تب بھی خوشبو دیتا ہے، اللہ اکبر اور جب بالکل مرجھاتا ہے چڑھ مڑھ ہو جاتا ہے عطاروں کے یہاں سے جو گلاب آتا ہے یونانی دواؤں میں شامل ہوتا ہے وہ خشک ہونے کے بعد بھی خوشبو دیتا ہے۔ سبحان اللہ۔ یہ گل ہزارہ ہی میں خصوصیت ہے۔ مگر ابھی مرجھانے کے بعد بے کار ہو جاتا ہے، کوئی خوشبو اس میں نہیں ہوتی۔ اور بہت سے تو ایسے بھی ہیں پھول جن میں کوئی خوشبو ہوتی ہی نہیں ہے، اللہ اکبر، ایسی بات ہے نا! (سامعین: ”جی ہاں“) ایک انار ہوتا ہے، ایک گل انار ہوتا ہے۔ بولو، گل انار میں خوشبو ہوتی ہے! اس میں کوئی خوشبو نہیں ہوتی۔ لیکن گل ہزارہ گل گلاب وہ پورے چمن کی زینت ہوا کرتا ہے۔ تو فرماتے ہیں یہ جو چمنستان ہے، یہ چمنستان رسول۔

کیا بات رضا اُس چمنستانِ کرم کی
زہرا ہے کلی جس میں حسین اور حسن پھول

(رضی اللہ تعالیٰ عنہما)

تو فرماتے ہیں کہ پچاس راتوں کے بعد حمل میں آئے اور شعبان ۴ھ کی پانچویں تاریخ منگل کے دن مدینہ منورہ میں ولادت باسعادت ہوئی۔ تاریخ بھی بتادی، سنہ بھی بتا دیا، دن بھی بتا دیا اور مقام بھی بتا دیا۔ اور آپ کو کیا چاہئے۔ حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے کان میں اذان دی اور ان کے منہ میں لعاب دہن اقدس ڈالا اور ساتویں دن ایک مہینڈھا زخ کر کے عقیقہ کیا اور حسین نام رکھا۔ سیدنا بتول زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا ان کے سر کے بال منڈوا کر ان کے برابر چاندی صدقہ کر دو۔ اب حوالے بھی ہیں کتابوں کے (نور الابصار وغیرہ) حضرت سیدنا مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں جب حضرت امام حسین پیدا ہوئے تو حضور سید عالم ﷺ تشریف لائے، فرمایا مجھے میرے بیٹے کو دیکھاؤ، تم نے اس کا کیا نام رکھا ہے؟ باپ سے پوچھ رہے ہیں، فرما رہے ہیں تم مجھے میرا بیٹا دکھاؤ۔ یہ ان ہی تینوں کی خصوصیت ہے مجھے میرے بیٹے کو دکھاؤ۔ مرتضیٰ علی کے بیٹے ہیں کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم، اللہ اکبر، لیکن رسول کی نسل کس سے چلی ہے؟ ان ہی کی بیٹی کے بیٹوں سے چلی ہے نا، اللہ اکبر ﷺ۔ رسول کی نسل صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و صحابہ اجمعین و بارک وسلم، شروع سے اس وقت تک کوئی مورخ مسلمان ہو، کرسچین ہو، نان مسلم ہو، ہندو ہو، ایران کا رہنے والا ہو، توران کا رہنے والا ہو ثابت نہیں کر سکتا کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کے جو صاحبزادگان تھے ان کے شادی بیاہ ہوئے، ان سے اولادیں پیدا ہوئیں۔ ہے کوئی؟ سنا ہے آپ نے؟ (سامعین: ”نہیں“) کبھی آیا ہے نظر میں؟ صرف ایک صاحبزادی ہیں، اللہ اکبر جنہیں اتنا چاہتے تھے میرے سرکار کہ جب تشریف لے جاتے ان کے گھر تو کھڑی ہو جاتیں۔ سرکار کو والد ماجد کو دیکھ کر کھڑی ہو جاتیں اور سرکار کے ہاتھ چومتیں۔ یہیں سے ماں باپ کے ہاتھ چومنا سنت علماء نے مسئلہ فرمایا ہے۔ سنت رسول ہے، سنت فاطمہ ہے، رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ اور جب وہ حضور کے یہاں آتیں یعنی اپنے والد کے یہاں آتیں، اپنے

شوہر کے گھر سے اپنے مائیکے آتیں، حاضر آتیں، سرکار تشریف فرما ہوتے، سرکار کھڑے ہو جاتے بیٹی کے لئے، اللہ اکبر (سامعین: ”سبحان اللہ، سبحان اللہ“) کیا سمجھ رہے ہو؟ اب اگر ہم کھڑے ہوں سرکار کا ذکر کرتے وقت تو پھر ہم پر شرک کا فتویٰ لگ جائے۔ میں ان شرک کے فتوے لگانے والوں سے پوچھنا چاہتا ہوں اگر میری آواز ان تک پہنچے کہ اب سرکار سے متعلق ان کا کیا فتویٰ ہے، معاذ اللہ۔ اب سرکار پر کوئی فتویٰ لگائے گا؟ (سامعین: ”نہیں“) ہے ہمت! اور اگر معاذ اللہ ہمت کہیں پیدا کر لی تو ایمان کا طوطا تو پہلی ہی ہاتھوں سے اڑ جائے گا۔ ایمان پہلے اس پر فتویٰ لگا دے گا تو کافر ہے، ایمان سے نکل جا، دور ہو جا یہاں سے۔ لعنة الله على الكافرين درود شریف: الھم صلی علی سیدنا محمد و علی سید آلنا محمد و باریک وسلم۔

فرماتے ہیں کہ سرور عالم ﷺ نے حضرت مولیٰ علی سے پوچھا کہ تم نے اس کا کیا نام رکھا۔ عرض کیا میں نے اس کا نام رکھا ”حرب“ فرمایا ”نہیں، یہ حسن ہے“۔ یہ حسن سرکار کا نام رکھا ہوا ہے بڑے صاحبزادے کا، سید الاصفیاء امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاه عنہ جن کی شہادت صفر کے آخری ہفتے میں ہے۔ جب صفر کا مہینہ آئے گا، زندہ رہوں گا۔ انشاء اللہ تو آپ کے سامنے ان کی بھی تھوڑی بہت سیرت بیان کروں گا، پھر یہ (امام حسین) پیدا ہوئے۔ جب یہ پیدا ہوئے پھر سرکار ﷺ تشریف لائے، پھر وہی سوال کیا کہ کیا نام رکھا ہے علی۔ کہا ”حرب“ فرمایا: ”لا، وهو الحسین“۔ حرب نہیں، حرب کے معنی تو لڑائی کے ہیں، حرب کے معنی تو جنگ کے ہیں، بلکہ وہ حسین۔ پھر تیسرے صاحبزادے پیدا ہوئے پھر سرکار تشریف لائے اور وہی فرمایا کہ اس کا نام تم نے کیا رکھا۔ کہا، ”حرب“ فرمایا: ”لا وهو المحسن“۔ حسن و حسین و محسن، تین صاحبزادے فاطمہ زہرہ کے لطن سے مرتضیٰ علی کے کے یہاں پیدا ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما وارضاهما عنہما۔ اور تیسرے اور آخری بہت پہلے ہی اپنے رب کے حضور میں حاضر ہوئے تھے۔ تب یہ دوبارہ رہے تھے، پھر امام حسن مجتبیٰ کا وہ شہادت کا واقعہ ہوا، شہادت خفی تھی ان کی، ان کو زہر دیا گیا اور زہر دینے کے بعد..... لیکن اس سلسلے میں جو دونوں طرف والوں نے لکھا ہے اس کے اوپر ہمارا بھروسہ نہیں

ہے، وہ پھر بعد کی بات ہے، پھر کبھی بتاؤں گا۔ درود پاڑھتے جائیے: الھم صلی علی سیدنا محمد و علی آل سیدنا محمد و باریک وسلم۔

میں بہت چھوڑ چھوڑ کر بیان کر رہا ہوں۔ فضائل مبارکہ حضرت امام کی ذات اقدس مجمع البرکات اور مخزن شرافت کمالات تھی، محاسن صوری معنوی ظاہری باطنی کی جامع مرتضیٰ علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاه عنہ) فرماتے ہیں حسن، حضور اقدس ﷺ سے سینہ تک مشابہ تھے اور حسین سینہ سے پاؤں تک سب سے زیادہ شبہ تھے۔ اپنے نانا جان صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و اصحابہ اجمعین و باریک وسلم سے ایک جو بڑے تھے وہ سر سے لے کر سینہ تک اور دوسرے سینہ سے لے کر پاؤں تک مشابہ تھے، اللہ اکبر، وہی میرے اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں۔

ایک سینہ تک مشابہ اک وہاں سے پاؤں تک

حسن سبطین ان کے جاموں میں ہے نیما نور کا

نیما کہتے ہیں صدری کو، ایک پلا ادھر ہوتا ہے، ایک پلا ادھر ہوتا ہے ع

حسن سبطین ان کے جاموں میں ہے نیما نور کا.....

سیدھی طرف کے پلے میں یوتا م ہوتے ہیں اٹنی طرف کے پلے میں کیا ہوتا ہے، کاج ہوتے ہیں، اور جب کاج پر یوتا م لگ گیا تو ایک ہو جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی ہے۔ اور کھولنے تو دو الگ الگ ہو گئے۔ تو فرماتے ہیں ع

حسن سبطین ان کے جاموں میں ہے نیما نور کا

ان کے دونوں کے کپڑوں میں آدھا آدھا بٹا ہوا ہے۔ اللہ اکبر، اللہ کے رسول کا حسن۔ تو پھر فرماتے ہیں؟ تقطیع فرماتے ہیں، اس شعر کو بیان کر کے، اس کے مضمون کی تشریح فرماتے ہیں:

صاف شکل پاک ہے دونوں کے ملنے سے عیاں

خط تو ام میں لکھا ہے یہ دو ورقہ نور کا

ایک خط ہوتا ہے، لکھنے کا ایک اسلوب نگارش ہے جسے خط تو ام کہتے ہیں۔ جڑواں خط کہلاتا ہے۔ جڑواں بھائی پیدا ہوتے ہیں۔ جڑواں نہیں پیدا ہوتے ہیں؟ بولو

ہوتے ہیں کہ نہیں ہوتے ہیں۔ (سامعین: ”ہوتے ہیں“) جڑواں بھائی پیدا ہوتے ہیں، ہم یہی سنتے چلے آئے بڑے بوڑھوں سے جو جڑواں بھائی پیدا ہوتے ہیں، ایک کو جب زکام ہوا تو دوسرے کو بھی زکام ہوگا، ایک کو بخار آیا تو دوسرے کو بھی بخار آئے گا۔ اللہ تبارک تعالیٰ ہمیں آپ کو سب کو امراض جسمانی و روحانی سے ہمارے بچوں کو بھی اور ہمیں بھی محفوظ رکھے۔ (سامعین: ”آمین“) ایک اگر موٹا تازہ ہے تو دوسرا بھی فربہ ہے، ایک اگر بیمار ہوتا ہے تو دوسرا بھی بیمار ہو جاتا ہے۔ دونوں میں بہت زیادہ مشابہت ہوتی ہے۔ تو فرماتے ہیں رع

خط تو ام میں لکھا ہے یہ دو ورقہ نور کا

اگر ان دونوں خطوں کو حکمت سے کسی ہتھیار سے الگ الگ کر دیا جائے تو نہ یہ سمجھ میں آئے گا نہ پھر وہ سمجھ میں آئے گا۔ سمجھ میں جب آئے گا جب دونوں کو جوڑ دیا جائے گا رع

خط تو ام میں لکھا ہے یہ دو ورقہ نور کا

دو ورق حسن و حسین، تو جب تک حسن و حسین دونوں کو ملا نہیں لیں گے، اللہ کے رسول کی جلوہ آرائیاں آپ کے سامنے نہیں آئیں گی۔ کیوں کہ رع

خط تو ام میں لکھا ہے یہ دو ورقہ نور کا

درود شریف! اللهم صلی علی سیدنا محمد و علی آل سیدنا محمد و

بارک و سلم۔

اب سوچنا ہوں کیا پڑھوں اور کیا چھوڑ دوں۔ حدیث کی روایت حضرت امام محمدؒ سال تقریباً ۷۰ برس کے تھے کہ حضور سیدنا سید الانام علیہ والہ واصحابہ الصلوٰۃ والسلام نے وصال فرمایا۔ پھر بھی آپ کو چند ارشادات کریمہ بلا واسطہ حضور کے فرمائے ہوئے یاد تھے اور آپ نے اس کو روایت بھی فرمایا ہے۔ اصحاب سنن و حدیث نے ان کے نام کتابوں میں لکھے ہیں اور ارشادات کا ذکر کیا ہے۔ اب سن لیجئے خاص چیزیں بس وہ میں سناؤں اور اس کے بعد ہم سلام پڑھیں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ امام ابن حجر مکی... ائمہ اسلام میں سے دو امام ہیں وہ ابن حجر کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں لیکن ان میں ایک کا تعلق مکہ سے ہے مکہ کے رہنے والے ہیں اور دوسرے کا تعلق ایک دیہات سے، گاؤں چھوٹا، عسقلان، یہ عجم ہے، عرب میں نہیں

ہے، وہ وہاں کے رہنے والے تھے۔ امام ابن حجر عسقلانی اور امام حجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان میں مرتبہ علم و فضل کے اعتبار سے دوسرے جو ہیں عسقلان کے رہنے والے ان کا مرتبہ زیادہ ہے بہر حال، مجھے ان کی رفعت بیان نہیں کرنا ہے، فرماتے ہیں کہ امام ابن ابی شیبہ مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان سے ”صواعق محرقة“ میں آپ کے پوتے امام علی موسیٰ رضا کے واسطے سے ایک حدیث روایت فرماتے ہیں۔ کون روایت فرماتے ہیں؟ ”صواعق محرقة“ کس کی ہے؟ رواہ الشیخان، امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی معروف کتاب ہے۔ ”صواعق محرقة“ میں سرکار کے پوتے حضرت امام علی موسیٰ رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حدیث روایت فرماتے ہیں۔ ایک حدیث کی سند کے متعلق، چوتھے مصلے کے امام احمد ابن حنبل نے فرمایا کہ اگر میں اس کو پڑھ کر کسی مجنوں اور پاگل پر دم کر دوں تو اس کو اللہ تبارک تعالیٰ شفا عطا فرمائے۔ صرف خالی سند، حدیث نہیں پوری بلکہ سند، کیسے، کیسے، کیسے یہ ہمارے پاس حدیث آئی۔ وہ سند خالی..... اب سنئے وہ سند کیا ہے۔ فرماتے ہیں: قال الامام علی رضا حدثنی حدیث فرماتے ہیں امام علی رضا نے فرمایا کہ مجھ سے یہ حدیث بیان کی میرے والد ماجد موسیٰ کاظم نے عن ابیہ اور انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے حدیث بیان کی میرے والد ماجد جعفر صادق نے اور انہوں نے فرمایا: ”عن ابیہ“ مجھ سے حدیث بیان کی امام محمد باقر میرے والد ماجد نے انہوں نے فرمایا مجھ سے یہ حدیث بیان کی میرے والد ماجد زین العابدین نے اور انہوں نے فرمایا مجھ سے یہ حدیث بیان کی میرے والد ماجد حسین ابن علی نے اور انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے یہ حدیث بیان کی میرے والد ماجد علی ابن ابی طالب نے اور انہوں نے فرمایا مجھ سے یہ حدیث بیان کی، مجھ سے یہ فرمایا، حدیث بیان کی، میرے محبوب اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک رسول اللہ ﷺ نے۔ آپ سوچتے ہوں گے معاملہ ختم ہو گیا یہاں پر۔ نہیں، ابھی کیسے، ابھی تو باقی ہے، سرکار فرماتے ہیں: قال حدثنی جبریل سرکار کے سامنے ذکر کیا اس حدیث کا کس نے، حضرت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے۔ آپ پھر سوچیں گے کہ اب ختم ہو گیا جبریل پر۔ نہیں، وہ کہتے ہیں: سمعت رب العزۃ تبارک و تعالیٰ جبریل کہتے ہیں میں نے سنارب العزۃ کو وہ یہ فرما رہا تھا، اب آ رہا

ہے اصل مضمون حدیث کا، کیا؟ فرماتے ہیں رب العزت نے فرمایا وہ حدیث یہ ہے:

”لا اله الا الله حصنی“ لا اله الا الله میرا قلعہ ہے۔ یعنی اللہ نے کہا تو جبریل نے سنا جبریل نے کہا تو اللہ کے رسول ﷺ نے سنا اور اسے مولیٰ علی نے سنا، اور اسے حسین ابن علی نے سنا، اسے زین العابدین نے سنا، زین العابدین سے محمد باقر نے سنا۔ اور محمد باقر سے جعفر صادق نے سنا اور جعفر صادق سے موسیٰ کاظم نے سنا، اور موسیٰ کاظم سے علی ابن موسیٰ رضا نے سنا اور علی ابن موسیٰ رضا سے حضرت امام احمد ابن حنبل نے سنا اور اس پوری روایت کو نقل کیا ”صواعق محرقہ“ میں امام ابن حجر المکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے وہ کیا ہے حدیث پوری؟ ”لا اله الا الله حصنی“ فرماتا ہے رب تبارک وتعالیٰ اتنے واسطوں سے ہم تک پہنچی یہ بات کہ ”لا اله الا الله میرا قلعہ ہے“ اور جہاں جہاں بھی لا اله الا الله کا صرف ذکر آتا ہے لیکن اس سے مراد پورا کلمہ طیبہ ہوتا ہے، تب تو ایمان پورا ہوگا۔ (سامعین: ”بے شک“) ایمان کا تو وہ اتنا بڑا اہم رکن ہے کہ جب تک کہ وہ نہ پڑھ لیا جائے لا اله الا الله کا تو وہ بھی قائل تھا، کون؟ وہ پرانہ عدو، وہ مکار، وہ دزدِ رجیم، اس نے کب خدا کے خدا ہونے سے انکار کیا تھا۔ بس اس نے تو یہی چاہا تھا کہ اے اللہ میں نے یہ دیکھا تھا کہ ایک نہیں کرے گا سجدہ تو اگر میں بھی سجدہ کر لیتا تو تیرا جھوٹ ہو جاتا۔ اپنے نزدیک اس نے اپنے رب کو جھوٹ سے بچانے کے لئے سب کچھ کہا تھا۔ فرمایا مرد وہ، ارے یہ بھی تو لکھا ہوگا وہاں پر کہ جو نہیں کرے گا سجدہ وہ ملعون ابدی ہوگا۔ وہ ایک جو نہیں کرے گا سجدہ، جو ان میں ملا جلا بیٹھا تھا۔ اس لئے کہ جو لوگ عام طور سے سمجھتے ہیں کہ وہ بھی فرشتہ تھا۔ نہیں، قرآن فرماتا ہے: ”کان من الجن ففسق عن امرہ“ (الکہف: ۵۰)۔ عبارت نص سے فرما رہا ہے قرآن کہ وہ جنوں میں سے تھا اور اس نے اپنے رب کی نافرمانی کی۔ یاد رکھو کبھی بھولے سے بھی زبان سے نہ نکلے کہ وہ فرشتہ تھا۔ فرشتوں کے متعلق آیت سنو وہ فرماتا ہے: لا یعصون الله ما أمرهم و يفعلون ما یثمرون (التحریم: ۶) وہ تو اللہ کے حکم کی نافرمانی کرتے ہی نہیں ہیں، وہ تو وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم ہوتا ہے۔ ابلیس فرشتوں میں نہیں تھا، بلکہ قرآن کی تشریح کے مطابق کان من الجن، صاف صاف

فرمایا: ففسق عن امرہ، جن تھا اس لئے اس نے اپنے رب کے حکم کا انکار کیا۔ اور اس نے حضرت آدم کو سجدہ نہیں کیا علیہ الصلاۃ والسلام۔ تو فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے متعلق امام احمد ابن حنبل نے فرمایا: چوتھے مصلے کے امام نے، اللہ اکبر ہمارے سر کا رغوٹ اعظم، بولوخنی تھے؟ (سامعین: ”نہیں“) شافعی تھے؟ (سامعین: ”نہیں“) مالکی تھے؟ (سامعین: ”نہیں“) نماز روزے کے معاملات میں کس امام کے مقلد تھے؟ میاں، وہ حنبلی تھے حضور والا۔ امام احمد ابن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقلید فرمائی تھی، انہوں نے اور اس کا واقعہ بہت طویل ہے، وہ سنا ناقصود نہیں ہے۔ بہر حال امام احمد ابن حنبل نے فرمایا کہ یہ جو سند میں نے ابھی آپ کے سامنے پڑھی جس میں نام بہت سے لئے کہ انہوں نے ان سے کہا، انہوں نے ان سے سنا یہاں تک کہ اس کا انت (نہایت) اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ یعنی اس سند کا انت، اللہ کا تو کوئی انت ہی نہیں ہے اس کا تو کوئی انت ہے ہی نہیں وہ تو لانیہایہ لہ ولا بدایہ لہ اس کی نہ کوئی بدایت ہے نہ اس کی کوئی نہایت ہے اس لئے کہ بدایت بھی ایک تعین ہے اور نہایت بھی ایک تعین ہے..... اب میں تعین پر گفتگو کروں تو پھر موضع سے باہر جاؤں گا۔ اور میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے۔ آپ ایک بار دو دشریف پڑھ لیجئے اللہم صل علی سیدنا محمد وعلی آل سیدنا محمد وبارک وسلم اب اور مضامین بھی ہیں اولادِ امجاد کا بھی ذکر ہے۔ میں صرف شہادت کا ذکر پڑھ دوں، اللہ اکبر، وہ بھی میں ذرا سا اور بھی short کر کے پڑھتا ہوں، اللہ اکبر، آپ ایک بار دو دشریف پڑھ لیجئے اللہم صل علی سیدنا محمد وعلی آل سیدنا محمد وبارک وسلم۔

یزید پلید کے صوبہ دار ابن زیاد بن ہناد کے سپہ سالار ابن سعد کے ٹڈی دل لشکرِ ابتر نے کربلا کے میدان میں نہایت ظلم و شقاوت سنگ دلی و بے حیائی کے ساتھ تین دن کے بھوکے پیاسے فاطمہ کے لعل، علی کی آنکھوں کے تارے، محمد ﷺ کے چہیتے پیارے پر چاروں طرف سے نرغہ کر کے ان رو باہ منش بلکہ اس سے بدتر بزدلوں، نامردوں، ظالموں شقیوں نے شیر خدا کے اکیلے شیر دلیر پر تیروں کی بارش اور نیزہ و تلوار کی بارش اور نیزہ و تلوار

کی اندھا دھند یورش کر کے اس امام عالی مقام کو شہید کر ڈالا، اللہ اکبر! ظالموں کے چاروں طرف کے حملے دفع کرتے تھک گئے ہیں، زخموں سے چور، ۳۳ زخم نیزے کے۔ ۳۴ گھٹاؤ تلواروں کے لگے ہیں، تیر کا شمار نہیں، اٹھنا چاہتے ہیں، اور گر پڑتے ہیں، اسی حالت میں سنان بن انس نخعی شقی ناری جہنمی نے نیزہ مارا کہ وہ عرش کا تاراز مین پر ٹوٹ کر گرا۔ سنان مردود نے خون لی بن یزید سے کہا سر کاٹ لائے، اس کا ہاتھ کاٹنا، سنان ولد الشیطان بولا، تیرا ہاتھ ٹوٹے اور خود گھوڑے سے اتر کر محمد رسول اللہ ﷺ کے جگر پارے تین دن کے پیاسے کا سرتن سے جدا کر دیا، حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت عاشورا، محرم الحرام جمعہ ۱۰ بعد نصف النہار ہوئی۔ عمر شریف وقت وفات و شہادت چھپن برس ۵ مہینہ ۵ دن کی تھی۔ شہادت بعد نصف النہار ہوئی یعنی نماز کا وقت آ ہی جاتا ہے۔ جب نصف النہار ہو جاتا ہے، ضحوة کبریٰ ختم ہو جاتا ہے اور نصف النہار ہو جاتا ہے، ظہر کا وقت ہو جاتا ہے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آخری سجدہ شہادت دو گانہ ادا کیا۔ ظاہر ہے کہ پانی تو تھا نہیں کہ وضو فرماتے لہذا سرکار نے زمین پر تیمم فرمایا اور اسی حالت میں جب گرے ہیں، نیچے آئے ہیں گھوڑے سے تو اسی شکل میں جب ہم آپ سجدے میں جاتے ہیں تو ہماری پیٹھ کس طرف ہوتی ہے، آسمان کی طرف۔ اس طرح امام عالی مقام نے سجدہ شہادت دو گانہ ادا کیا۔

حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، یہ ہماری وہ مقدس ماں ہیں جو سرور عالم ﷺ کے بعد وصال بہت لمبے دنوں تک حیات رہیں سب سے زیادہ عمر انہوں ہی نے پائی، اور وہ اس واقعے کے وقت بھی موجود تھیں۔ آپ فرماتی ہیں کہ حضور سرور عالم ﷺ آپ کے یہاں تشریف فرما تھے، ایک فرشتہ کہ پہلے کبھی حاضر نہ ہوا تھا اللہ تعالیٰ سے حاضری کی اجازت لے کر آستان بوس ہوا حضور اقدس ﷺ نے ام المومنین سے ارشاد فرمایا دروازے کی نگہبانی رکھو کوئی آنے نہ پائے اتنے میں سیدنا امام حسین دروازہ کھول کر حاضر خدمت ہوئے اور اپنے جد کریم ﷺ کی گود میں جا بیٹھے حضور پیار فرمانے لگے، فرشتے نے عرض کیا: حضور انہیں چاہتے ہیں حالاں کہ وہ وقت قریب آتا ہے کہ حضور کی امت انہیں

شہید کر دے گی اور حضور چاہیں تو میں وہ جگہ دکھاؤں جہاں یہ شہید کئے جائیں گے، پھر سرخ مٹی اور ایک روایت میں ہے ریت، ایک میں ہے کنکریاں حاضرین حضور نے سونگھ کر فرمایا: ریح کرب و بلا بے چینی اور بلا کی بو آتی ہے، پھر ام المومنین کو وہ مٹی عطا ہوئی اور ارشاد فرمایا جب یہ خون ہو جائے تو جاننا کہ حسین شہید ہو گئے، انہوں نے اسے ایک شیشی میں محفوظ کر لیا۔ ام المومنین فرمایا کرتیں، جس دن یہ مٹی خون ہو جائے گی کیسی سختی کا دن ہوگا، چناں چہ ایک روایت میں ان سے مروی ہے کہ حضرت امام کی شہادت کے دن وہ مٹی خون ہو گئی۔ دوسری میں ہے کہ ان کنکریوں سے خون جاری ہو گیا۔ امیر المومنین سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم صفین کو جاتے ہوئے کر بلا سے گزرے نام پوچھا، لوگوں نے کہا کہ کر بلا، اتنا روئے کہ زمین آنسوؤں سے تر ہو گئی، پھر فرمایا میں خدمت اقدس میں حاضر تھا، حضور کو روتے ہوئے پایا میں نے سب پوچھا، فرمایا ابھی جبریل کہہ گئے ہیں کہ میرا بیٹا حسین فرات کے کنارے کر بلا میں قتل کیا جائے گا، پھر جبریل نے مجھے وہاں کی مٹی سونگھائی، مجھ سے ضبط نہ ہو سکا آنکھیں بہ نکلیں، ایک روایت میں ہے کہ مولیٰ علی اس مقام سے گزرے جہاں امام مظلوم کی قبر مبارک ہے فرمایا یہاں ان کی سواریاں بیٹھائی جائیں گی یہاں ان کے کجاوے رکھے جائیں گے اور یہاں ان کے خون گریں گے آل محمد رسول اللہ ﷺ کے کچھ نوجوان اس میدان میں قتل ہوں گے جن پر زمین و آسمان رونیں گے۔ آخر وہ عظیم سختی اور مصیبت والا دن، زمین و آسمان کو خوں رولا دینے والا دن یزید پلید کے عہد سلطنت سراپا ظلم و بدعت، خباثت و شرارت میں آپہنچا اور یزید پلید کے صوبہ دار ابن زیادہ بدنہاد کے سپہ سالار ابن سعد کے مڈی دل لشکر اترنے کر بلا کے میدان میں نہایت ظلم و شقاوت سنگدلی و بے حیائی کے ساتھ تین دن کے بھوکے پیاسے فاطمہ کے لعل، علی کی آنکھوں کے تارے، محمد ﷺ کے چہیتے پیارے پر چاروں طرف سے نرغہ کر کے ان ہزاروں روبہ منش بلکہ اس سے بدتر بزدلوں نامرد ظالموں، شقیوں نے شیر خدا کے اکیلے شیر دلیر پر تیروں کی بارش اور نیزہ و تلوار کی اندھا دھند یورش کر کے اس امام عالی مقام کو شہید کر ڈالا، اللہ اکبر!

حضرت ام المومنین ام سلمہ فرماتی ہیں: میں نے حضور اقدس ﷺ کو خواب میں

دیکھا روتے ہیں اور گیسوئے مبارک وریش اقدس خاک آلودہ ہے۔ فرمایا: ابھی حسین قتل کئے گئے۔ حضرت سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: میں نے ایک دن دوپہر کے وقت حضور اقدس ﷺ کو خواب میں دیکھا۔ موئے مبارک بکھرے ہوئے گرد آلودہ، دست مبارک میں ایک شیشہ جس میں خون بھرا ہوا ہے میں نے عرض کیا یہ کیا ہے۔ فرمایا: حسین اور ان کے اصحاب کا خون ہے جسے آج میں صبح سے اٹھا رہا ہوں، لوگوں نے اس دن کا خیال رکھا پھر معلوم ہوا کہ حضرت امام اسی روز شہید ہوئے تھے۔ (صواعق و اصباح) ترمذی و بخاری وغیرہما حضرت ابن عمر سے راوی ان سے کسی شخص نے دریافت کیا کہ مجھ پر کا خون پاک ہے یا نہیں۔ دوسرے روایت میں ہے سائل نے کہا جس نے حج کا احرام باندھا وہ اگر مکہ کی مار ڈالے تو اس پر کیا بدلہ آئے گا۔ حضرت ابن عمر نے دریافت فرمایا، تو کہاں کا رہنے والا ہے۔ بولوا عراق کا، فرمانے لگے، دیکھو تو یہ مجھ سے مجھ پر اور مکہ جیسی حقیر چیز کے خون کے بارے میں سوال کرتے ہیں حالانکہ یہ لوگ حد سے گزر گئے اور اپنے نبی ﷺ کے بیٹے کو ان کی اس جلالت شان کے باوجود شہید کر ڈالا (یعنی اتنے بڑے جرم کے ارتکاب کے وقت فتویٰ نہیں لیا) حالانکہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے سنا کہ حسین میرے دو پھول ہیں دنیا میں۔ (اسعاف) حضرت امام اور ان کے ساتھیوں نے ایک فاسق و فاجر یزید پلیدی کی بیعت و اطاعت نہ فرما کر انتہائی سختیاں اور تکالیف اور نظر ظاہر میں مال و اولاد، جان و ناموس، سب کی وہ ہولناک ترین تباہیاں و بربادیاں برداشت کر کے ہمارے سامنے جس صبر و استقلال جو ان مردی اور حق کے مطابق مادی دنیاوی طاقتوں سے بے خوفی اور تعمیل حکم الہی پر جس ثبات و استقلال و استقامت کا عملی جامہ بے نظیر نمونہ پیش فرمایا آج ہم اس کو دلیل راہ بنائیں اور حضرت امام کی بنائی ہوئی اسی شاہ راہ پر چلیں تو دارین کی فلاح و صلاح تک ہماری رسائی بعونہ تعالیٰ یقینی ہے۔

و اخرد عونا ان الحمد لله رب العلمین

میرے عم محترم۔ میاں

(حضرت شفیق ملت سید شاہ مرتضیٰ حیدر حسین میاں کو خراج عقیدت)

سید محمد اشرف قادری

خانقاہ برکاتیہ، مارہرہ شریف

عم مکرم شفیق ملت حضرت سید شاہ مرتضیٰ حیدر حسین میاں صاحب بھی اس سال ہم سب کو داغ مفارقت دے کر اس دنیا سے اُس دنیا میں کوچ کر گئے جہاں دائمی زندگی ہے۔
۲۶ رجب المرجب ۱۴۳۷ھ یعنی ۲۴ مئی ۲۰۱۶ء شب معراج کی ساعت:
۲:۴۵ پر عم مکرم نے آخری سانس لی۔ عم مکرم میرے والد ماجد علیہ الرحمہ سے چھوٹے تھے اور گھر میں سب کی چاہتوں کا مرکز تھے۔ میرے والد ماجد ان کو مثل اولاد چاہتے تھے۔
میاں کی والدہ کا انتقال جب ہوا تو وہ گیارہ برس کے تھے اس لئے پرورش ناز و نعم میں ہوئی۔ والد گرامی ان سے سات برس بڑے تھے۔ اس زمانے میں بجلی نہیں ہوتی تھی، گرمیوں میں والد صاحب اپنے چھوٹے بھائی کو آنگن میں اپنے پاس سلاتے تھے، اور دستی پتکھے کو پانی سے شرابور کر کے جھلتے جاتے اور میاں آرام سے سو جاتے۔ تا عمر انہیں کے پاس ان کی شفقتوں میں پروان چڑھے۔ عم مکرم ایک حسین و جمیل شخصیت کے مالک تھے۔
میرے بڑے ابا حضور سید العلماء سے شکل و صورت میں بہت مشابہت رکھتے تھے۔ عم مکرم کا رنگ بڑے ابا سے زیادہ کھلتا ہوا تھا۔ ان کے دانت بہت خوبصورت تھے اور مسکراہٹ اس سے بھی زیادہ حسین۔ گفتگو بہت دلچسپ اور حکایات سے بھری ہوتی تھی اور اکثر مسکرا کر بڑی بڑی سنجیدہ باتوں کو دوسروں تک پہنچانے میں ملکہ حاصل تھا۔

عم مکرّم نے تاعمر مجرد رہنے کا فیصلہ کیا اور اپنی زندگی کو اپنے گھر اور خانقاہ کے لئے وقف فرمایا ہوا تھا۔ عرس کے انتظامات، کاشت کاری، خانقاہ و درگاہ سے متعلق انتظامی اور قانونی معاملات سب ان کے سپرد تھے۔ والد ماجد نے ان کو ہمیشہ کھلے ہاتھ رکھا۔ وہ اپنے حساب سے ان تمام معاملات کو بحسن و خوبی انجام دیا کرتے تھے۔

ہم سب بھائی، بہن اور عم زادان کو ”میاں“ کہہ کر پکارتے تھے اور وہ اس لئے کہ ہمارے پھوپھی زادان کو میاں کہتے تھے۔ لہذا ہم بھائی بہن اسی طرز پر ان کو ”میاں“ کہنے لگے اور پھر ہمارے بچے بھی ان کو ہر وقت ساتھ رہنے اور بے تکلف ہونے کی وجہ سے ”میاں“ ہی کہہ کر پکارتے تھے۔

میاں کو سیر جہاں کا بڑا شوق تھا لیکن یہ جہاں مارہرہ قصبہ کے دس میل کے دائرے میں تھا۔ اس زمانے میں تفریح، سیر اور شکار ایک ہی عمل کے مترادفات تھے۔ میاں بہت دلیر، بے خوف اور جیالے تھے۔ ایک بار گرمی کے موسم میں سب ساتھیوں کے ساتھ شکار میں گئے۔ بھائی صاحب نظمی میاں اور ہم بھی ان کے شکاری ساتھیوں میں شامل تھے۔ قصبہ سے پانچ میل کے فاصلے پر ایک نیل کو نشانہ بنایا۔ وہ زخمی ہو کر ایک ایسے گاؤں کی طرف بھاگا جہاں کے لوگ بہت سرکش، جاہل اور فتنہ پرور تھے۔ قدیم زمانے سے ہم لوگ اس گاؤں کی طرف شکار نہیں کرتے تھے۔ خیر ہم لوگ اس کا پیچھا کرتے کرتے گاؤں کے نزدیک پہنچ گئے، صبح کا وقت تھا گاؤں کے لوگ حاجت کے لئے پانی لے کر کھیتوں کی طرف جارہے تھے۔ ان سب نے ہمارے پارٹی کو دیکھا تو آپس میں مجمع بنالیا اور ادھر ہم لوگ بھی ان سے کچھ فاصلے پر رک گئے۔ وہ لوگ فساد برپا کرنا چاہتے تھے۔ میاں آگے بڑھے اور ان سے مخاطب ہو کر کہا کہ آپ کو کیا شکایت ہے؟ یہ نیل گایوں کے جھنڈ تو آپ کی فصل کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ آپ کو تو خوش ہونا چاہیے۔ اس پر ان میں کچھ سرہنگ بولے کہ آپ نے ہماری ماما کو مارا ہے۔ ہم آپ کی بندوقیں چھین لیں گے۔ میاں نے کہا کہ ہم بھی تقریباً بیس لوگ ہیں اور ہمارے پاس لگ بھگ پندرہ سولہ ہتھیار ہیں اور ہم نے یہ لائسنس بندوق چھوانے کے لیے نہیں لیے ہیں۔ بڑی عمر کے کچھ گاؤں والوں نے جب یہ معاملہ دیکھا تو

اپنی طرف کے نوجوانوں کو خاموش کرایا اور ہم سے کہا کہ گاؤں میں نیتاجی آئے ہوئے ہیں۔ انہیں بلا کر فیصلہ کر لیتے ہیں کہ آگے کیا ہونا ہے۔ ان کی یہ بات سن کر میاں نے ہم لوگوں کو سرگوشیوں میں بتایا کہ نیتاجی سے ان کی مراد بدنام زمانہ ڈاکو چھبی رام ہے۔ یہ سن کر ہمارے کچھ ساتھیوں کے ہوش اڑ گئے۔ چھبی رام ڈاکو کو بلانے کے لیے لوگ گاؤں کی طرف گئے۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ ڈاکو گاؤں کے مجمع اور ہماری پارٹی کے درمیان کھڑا تھا۔

پہلے اس نے گاؤں والوں سے بات چیت کی۔ سب کا یہی اصرار تھا کہ گومتا مارنے پر ان لوگوں کی بندوقیں چھین لینا چاہیے۔ چھبی رام اب ہم لوگوں سے مخاطب ہوا۔ میاں اتنی دیر میں اپنا دفاع تیار کر چکے تھے۔ میاں نے ڈاکو چھبی رام سے ایک گز کے فاصلے پر کھڑے ہو کر بہت سمجھانے والے انداز میں کچھ مکالمے ادا کیے جو تقریباً انہیں الفاظ کے ساتھ آج بھی یاد ہیں۔

”سنئے! اول تو یہ کھیتوں کو نقصان پہنچانے والا جانور ہے۔ ان کا کم ہونا کسانوں کے لیے فائدے کی بات ہے۔ دوم یہ کہ ہم نے جس جانور پر فایر کیا ہے وہ نہرہ مادہ نہیں۔ یعنی وہ گومتا نہیں ہے۔ تیسری بات اور زیادہ اہم یہ ہے کہ نیل گائے کا تعلق گائے کی نسل سے نہیں بلکہ کنگارو کی نسل سے ہے۔ آپ اس کے گھروں کو دیکھ کر ہی اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس کے گھر گائے کے گھر سے مختلف ہوتے ہیں۔ یہ بات سن کر چھبی رام دنگ رہ گیا۔ اس نے گاؤں والوں سے کہا کہ ان کی باتوں کا آپ کے پاس کیا جواب ہے۔ گاؤں والے یوں تولا جواب ہو چکے تھے، لیکن آخری داؤ کے طور پر متفقہ طور پر بولے کہ سب کچھ ٹھیک ہے لیکن ان شکاریوں نے ہمارے گاؤں میں آکر فایر کیوں کیا؟ اس لئے ہم ان کی بندوقیں، رائفلیں چھین لیں گے۔ میاں نے جواب دیا کہ اول تو ایسا سوچنا بھی قانونی طور سے آپ کو شوبھا نہیں دے گا۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہمارے پاس تقریباً دوسو کارتوسیں ہیں۔ جب ہم دوسو کارتوس چلا دیں گے تب کوئی ہماری بندوقوں کو ہاتھ لگا پائے گا اور ایک بات تو کسی کو نہیں بھولنا چاہئے کہ آج ہم آپ کے گاؤں میں ہیں تو آپ بلا قصور اتنی باتیں کر رہے ہیں۔ کل پرسوں یا کسی بھی دن جب آپ کے گاؤں کا کوئی شخص مارہرہ جا کر اپنی فصل کی

پیداوار بیچے گا تو وہاں پورا قبضہ بدلہ لینے کے لئے تیار ہوگا۔ کیا آپ کو یقین ہے کہ آج کے بعد آپ لوگوں میں سے کوئی بھی کبھی بھی مارہرہ نہیں جائے گا یہ سن کر گاؤں والوں کو سانپ سونگھ گیا۔ ڈاکو چھپی رام نے میاں سے پوچھا کہ آپ مارہرہ میں درگاہ والے میاں صاحب کو جانتے ہیں؟ میاں نے کہا وہ میرے بڑے بھائی ہیں، یہ بچہ ان کا بیٹا ہے اور یہ لڑکا ان کا سگا بھتیجا ہے، بس اتنا سن کر چھپی رام ڈاکو نے اپنی دیہاتی منطق اور ڈاکہ زنی کے تجربات سے کشید کیے ہوئے الفاظ میں خالص ہندی یا برج بھاشا میں گاؤں والوں کو نرم نرم سی سرزنش کی اور ہم لوگوں کی طرف مڑ کر نرم چہرے لیکن سخت زبان سے کہا۔ اب آپ لوگ بھی یہاں سے ٹرنت چلے جاؤ، وہ درمیان میں کھڑا رہا اور ہم سب مڑ کر جون کی اُس گرم دوپہر میں واپسی کے سفر پر روانہ ہوئے۔ ایک میل دور جا کر میں نے مڑ کر دیکھا، گاؤں کا مجمع چھٹ گیا تھا لیکن ڈاکو چھپی رام وہیں کھڑا تھا۔ جب تک ہم اس کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہو گئے وہ وہیں کھڑا رہا۔ اس کے کچھ ہی عرصے بعد ایک سکھ کپتان پولیس نے ڈاکو چھپی رام کو انکاؤنٹر میں ختم کیا۔ غالباً اس افسر کا نام کرم وی سنگھ تھا جو بعد میں یو۔ پی کے ڈائریکٹر جنرل پولیس بنے۔ یہ میاں کی منطقی گفتگو، بے خوفی اور حاضر جوابی تھی جس نے اتنا بڑا فساد ڈالا۔

میاں کو عدالتی کاموں کی بھی بہت مہارت تھی۔ مارہرہ مطہرہ کی خانقاہ کا تعلق ایک زمین دار خانوادے سے ہے۔ اس لئے حق و حقوق کے لئے اکثر مقدمات ہوتے رہتے تھے۔ میاں عدالت میں فریق مخالف کے ساتھ ساتھ رہتے تھے تاکہ وہ عدالتی کارکنان یا ارباب حل و عقد سے مل کر کوئی نا انصافی نہ کرا سکے۔ اس بات سے فریق مخالف بہت پریشان رہتا تھا۔

میاں علیہ الرحمہ دنیا کے ہنگاموں سے بہت دوری رکھتے تھے وہ ایک سہل پسند زندگی گزارنے کے عادی تھے۔ طبیعت میں درویشی غالب تھی۔ بہت اجلے لباس پہنتے تھے لیکن دکھاوے سے دور۔ کسی کی بدی برائی، جھگڑے اور فساد سے خود کو ہمیشہ دور رکھا اور دوسروں سے بھی یہی چاہتے تھے کہ دیگر لوگ بھی پیار، محبت اور امن کے ساتھ زندگی گذاریں۔ مزاج میں سخاوت بہت تھی حالانکہ روپے پیسے سے کوئی لگاؤ نہیں۔ ان معاملات

میں مزاج بہت فقیرانہ تھا۔ لوگوں سے اتنی حلاوت کے ساتھ گفتگو کرتے کہ عزیز، رشتے دار، زائرین اور معتقدین سب ان سے بہت مانوس تھے۔ میاں نماز کے بہت پابند تھے، نہ صرف پابند تھے بلکہ اہتمام کے ساتھ سچ سنور کر مسجد برکاتی میں پانچوں وقت حاضر رہتے۔ زندگی کے آخری ایام میں مسجد کی حاضری اتنی مداومت کے ساتھ ادا کرتے تھے کہ نوجوانوں کو حیرت ہوتی تھی۔ وہ ہر نماز سے پہلے خود کو ایسے تیار کرتے تھے کہ جو صالح مصلیان کا احسن طریقہ ہوتا ہے کہ ہم اپنے رب کے حضور حاضر ہونے جا رہے ہیں۔

۱۹۳۵ء میں مارہرہ شریف میں پیدا ہوئے۔ وہ اپنے والد ماجد حضرت سید شاہ آل عبا قدس سرہ کے بہت لاڈلے بیٹے تھے۔ دادا علیہ الرحمہ عم مکرم کو بہت چاہتے تھے اور ان کو اپنے پاس پا کر بہت خوش ہوا کرتے تھے۔

عم مکرم بھی اپنے والد ماجد کے لئے حد درجہ سعادت مند بیٹے تھے۔ ہمہ وقت والد ماجد کی مزاج پرستی اور خدمت میں خود کو لگائے رہتے تھے۔ میاں اپنی دونوں بڑی بہنوں یعنی میری دونوں پھوپھیوں کے بہت چہیتے بھائی تھے۔ وہ گھر کے اسی حصے میں رہتے تھے جہاں پھوپھیاں سکونت پذیر تھیں۔ دادا علیہ الرحمہ نے اپنا ذاتی گھر عم مکرم ہی کو عطا فرمایا جس میں انہوں نے کبھی سکونت اختیار نہیں کی۔ تعلیم اس وقت اسی مکان سے ہو رہی ہے۔ عم مکرم کو بیعت اپنے خال محترم تاج العلماء سراج العرفا سید شاہ اولاد رسول محمد میاں صاحب سے تھی۔ والد ماجد سید شاہ آل عبا صاحب نے آپ کو سلسلہ قادریہ برکاتیہ میں مجاز و ماذون بھی فرمایا تھا۔ وہ نہ کے برابر مرید فرماتے تھے۔ بہت ہی مجبوری میں اگر کوئی طالب بیعت آگیا اور پیچھے ہی پڑ گیا تو مرید فرما لیتے تھے۔ لیکن تعویذ دینے اور نمک، شکر اور پانی پڑھ کر دینے میں ان کو بہت خوشی ہوتی۔ میاں کا تعویذ بہت با اثر اور درجہ کمال تک پہنچا ہوا تھا۔ وہ تعویذ بہت شوق سے لکھتے تھے اور بہت لکھتے تھے۔ خلق خدا کا ہجوم تعویذ کے لئے ان پر ٹوٹا رہتا تھا۔ خاندانی واقعات کے حافظ و ناشر تھے میرے میاں۔ وہ چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے خاندان برکات کے بزرگوں کے قصے، ان کی باتیں، ان کی نصیحتیں بیان کرتے رہتے تھے۔

وہ اپنے نانا مجدد برکاتیت خال محترم حضرت تاج العلماء برادران مکرم حضرت

سید العلماء واحسن العلماء قدس سرہم کے ذکر سے ان کی باتوں کو یاد کرتے پورا دن گزار دیا کرتے تھے۔ میاں قدیم اعراس کا بہت دل چسپ بیان فرماتے تھے۔ میاں کو سرکار نور کے واقعات اور کرامتیں از بر تھیں۔ عم مکرم سب سے زیادہ دل چسپ بیان حضرت مہدی میاں صاحب کے واقعات کا کیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ اپنے خاندانی خلفاء کا ذکر اور اس دور کے واقعات اکثر و بیشتر ہم سب سے چلتے پھرتے بیان کرتے تھے۔ بدایوں شریف اور بریلی شریف کے علما و مشائخ سے انہیں بے حد محبت تھی۔ ان خانقاہوں کے سجادگان بھی ہمارے میاں سے بہت محبت فرماتے تھے۔

عم مکرم حضرت سالم میاں صاحب قبلہ (بدایوں شریف) اور حضرت سبحانی میاں صاحب سے بے حد بے تکلف تھے اور یہ دونوں حضرات بھی میاں سے بزرگانہ بے تکلفی سے باتیں کرتے تھے۔

میری والدہ ماجدہ سے وہ مثل ماں محبت کرتے تھے اور والدہ ماجدہ اپنے آخری دم تک مثل اولاد ان کا خیال رکھتی رہیں۔ وہ ان کے کھانے پینے دوا علاج سب کے لئے ایسے ہی فکر مند رہتی تھیں جیسے اپنے بچے کے لئے۔ میاں سے میری بڑی اماں اہلیہ حضور سید العلماء بھی بہت محبت فرماتی تھیں وہ اس لئے بھی کہ جب بڑی اماں بیاہ کر آئی تھیں تو میاں بہت کم سن تھے اور گھر میں واحد بچہ تھے۔

میاں میں جہاں دیگر اور بہت سے وصف تھے وہاں ان کا ایک کمال ایسا تھا جو دوسروں میں عنقا ہے اور وہ یہ کہ وہ مردوں کو غسل دینے اور بری سے بری حالت میں گرفتار مریضوں کی تیمارداری سے کبھی گریز نہیں کرتے تھے۔ ٹرین سے کٹی ہوئی لاشوں، کئی کئی دن پرانی گلی سڑی میتوں کو غسل دینے اور دفنانے میں تو انہیں ملکہ حاصل تھا اور وہ یہ سب کام رضائے الہی پر خدمت کے جذبے کے ساتھ بہت خوشی اور اطمینان کے ساتھ کرتے تھے۔ بلکہ وہ انتظار میں رہتے کہ کوئی موقع اس کا رخیر کا ملے۔ وہ اس کام کے لئے نہ کبھی چہرے پر کپڑا باندھتے تھے اور نہ کبھی کافور کی ڈبیا ساتھ رکھتے تھے۔

دوبائیں مزید ایسی تھیں جن میں ان کا کوئی ثانی نہیں دیکھا۔ پیدل چلنے میں ان

سے زیادہ تیز رفتار کوئی نہیں تھا۔ دوسری بات یہ کہ وہ کھٹی سے کھٹی چیز جیسے املی، دیسی آم کی کیری اتنے آرام سے چبا کر کھا لیتے تھے جیسے برنی کھا رہے ہوں۔

میں نے زندگی کے تقریباً ۵۹ برس ان کے ساتھ گزارے۔ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ وہ اپنے پلنگ، الماری اور میز کے علاوہ کبھی کسی کی چیز چھوتے ہوں۔

میاں ہمارے گھر میں بزرگوں کی آخری نشانی تھے۔ اب ان کے بعد کوئی بزرگ بڑا نہیں دکھائی دیتا۔ میاں مذہب اور مسلک کے معاملے میں بہت تصلب رکھتے تھے۔ انتقال سے چار روز قبل فرمایا کہ سنو میرا مسلک وہی ہے جو میرے نانا و ماموں اور بڑے بھائیوں کا تھا۔ وہی مسلک جو اعلیٰ حضرت کا مسلک ہے۔ ہم بھائیوں سے ان کو بے حد لگاؤ، تھا خصوصی طور پر نجیب سلمہ سے وہ بے حد قریب تھے اور نجیب میاں کے بچے تو میاں کے دیوانے تھے۔ ان کا جو کچھ بھی ان کے پاس تھا وہ نجیب میاں کے چھوٹے بیٹے محسن کے لئے تھا۔ یہاں تک کہ انہوں نے محسن سلمہ کو خلافت بھی دی اور جس کو وہ بار بار اہل خاندان سے بڑے فخر سے کہا کرتے تھے کہ ”بھئی یہ میرا بیٹا بھی ہے اور خلیفہ بھی“۔

حضرت امین ملت کی رسم سجادگی کے دن ان کو علما و عوام نے ”شفیق ملت“ کے لقب سے تعبیر کیا۔ وہ حقیقت میں شفیق و مہربان تھے۔

ایک لمبے عرصے تک ضعف کے مرض میں مبتلا رہے لیکن اپنے سب معمولات میں چاق و چوبند، کبھی کسی سے اپنی بیماری یا کمزوری کا تذکرہ ضمنی طور سے بھی نہیں کیا۔ اخیر عمر تک نماز کی پابندی، گھر کی دہلیز پر کھڑے ہو کر لوگوں میں میل ملاقات کا سلسلہ جاری رہا۔ ان کو اپنی زندگی میں جیسے کوئی پریشانی نہیں رہی ویسے ہی اس دنیا سے جانے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔

میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ میاں قدس سرہ مجھ سے بہت محبت کرتے تھے۔ میرا تذکرہ میرے پیچھے اکثر فرماتے تھے اور اپنی بہت سی باتوں میں مجھ کو ہمراہ رکھتے تھے۔ میں بھی ان سے کتنی محبت کرتا تھا اور ہوں یہ صرف میں ہی جانتا ہوں۔ کبھی کبھی غموں اور خوشیوں کے بدن پر لفظوں کا پیرہن چست ہو جاتا ہے۔

آخری دن ڈاکٹر کو دکھانے کا سگنج گئے اس دن غالباً ظہر میں مسجد حاضر نہیں ہو سکے۔ دارالعلوم کے طلبہ نے مسجد کی سیڑھیوں پر ان کے جوتے نہیں دیکھے تو گھر میں کہلایا کہ آج دادا صاحب کیوں نہیں آئے۔ میاں نے جواب میں کہلایا جو مجھ سے آکر ملنا چاہتا ہو مل لے۔ اس دن بہت سے طالب علم ان سے ملنے گھر کے اندر گئے۔ اس دن مغرب کے بعد شب معراج شروع ہوئی اور ابھی وہ عظیم اور پاک رات ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ میاں نے اپنے رب کے وعدے کے مطابق اپنی زندگی کا چراغ بجھایا اور اگلی رات درگاہ کے ایک حجرے میں ایک نیا چراغ روشن کر دیا۔

رب تبارک و تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ان کے درجات بلند فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

میرے شفیق-شفیق ملت

محمد اکبر قادری

اکاؤنٹ آفیسر، جامعہ البرکات، علی گڑھ

کچھ چہرے ایسے ہوتے ہیں جو اپنی کشش اور خدا داد حسن کی بدولت ذہن سے کبھی اوجھل نہیں ہوتے۔ انہیں میں سے ایک چہرہ میرے پیر و مرشد یعنی مرشد اعظم ہند حضور احسن العلماء حضرت علامہ سید شاہ مصطفیٰ حیدر حسن میاں علیہ الرحمۃ اور ان کے برادر عزیز سید حسین زیدی قدس سرہ کا ہے۔ جنہیں برسوں پہلے عرس قاسمی برکاتی کی آخری قل شریف کی محفل میں ”شفیق ملت“ کے لقب سے متفقہ طور سے نوازا گیا۔ آپ کے والد ماجد کا نام نامی اسم گرامی سید آل عبا بشیر حیدر زیدی تھا۔ آپ ۱۹۳۲ء میں مارہرہ شریف میں پیدا ہوئے۔ آپ کے برادران بزرگ اپنے وقت کے جید علماء و مشائخ میں شمار ہوتے ہیں جنہیں عالم اسلام سید العلماء حضرت سید شاہ آل مصطفیٰ سید میاں علیہ الرحمۃ اور احسن العلماء حضرت سید شاہ مصطفیٰ حیدر حسن میاں کے نام سے جانتا ہے۔ آپ کی دونوں ہم شیران بزرگ جید حافظ قرآن تھیں جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں: حضرت سیدہ حافظہ عائشہ اور حضرت سیدہ حافظہ زاہدہ۔

اتباع شریعت اور شغف نماز تو وراثت میں ملا تھا جس کا نتیجہ تھا کہ آخری ایام تک نماز باجماعت ادا کی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خدا حسن و جمال عطا کیا تھا۔ نورانی شکل دیکھنے سے ہی لگتا تھا کہ آپ برگزیدہ خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کا اخلاق بہت اعلیٰ درجہ کا تھا۔ چھوٹوں پر شفقت فرماتے تھے۔ مجھ راقم الحروف سے بہت محبت کرتے تھے، میں جب

بھی مارہرہ شریف حاضر ہوتا اور آپ سے ملاقات ہوتی تو میں آپ کو سلام کرتا اور دست بوسی کرتا۔ آپ اکبر بھائی کہہ کر خیریت پوچھتے اور میرے والد ماجد جناب ماسٹر لعل خاں قادری برکاتی مرحوم و مغفور کو ضرور یاد کرتے اور ان کا کوئی نہ کوئی واقعہ دوران قیام مارہرہ (حضور تاج العلماء کے زمانہ کا) ضرور سناتے اور مسکراتے تھے اور کہتے تھے کہ واقعی ماسٹر صاحب اپنے پیرومرشد کے سچے عاشق اور مرید تھے۔

آپ کے اندر خدمت خلق کا بے حد جذبہ تھا۔ قصبہ میں کسی کے انتقال پر فوراً پر سے کوجانا، غسل میت اور کفن دفن کے انتظام میں حصہ لینا آپ کی عادت تھی۔

روزانہ وقت مقررہ پر اپنے سارے کام انجام دیتے تھے۔ حضرت شفیق ملت کو مطالعہ کا بہت شوق تھا، اردو، ہندی، انگریزی کے اخبارات پابندی سے پڑھا کرتے تھے۔ حضرت شرف ملت نے اردو اخبار انقلاب کے ساتھ جو ہفتہ واری میگزین نکلتی ہے اس کو بھی لگوا یا تھا جو باقاعدہ انقلاب اخبار کے ساتھ علی گڑھ سے پابندی سے جایا کرتی تھی۔ اگر اخبار میں کوئی خاص بات ہوتی تو اس حصہ کو کاٹ کر ایک رجسٹر میں چسپاں کر دیتے تھے۔ ہفتہ میں ایک دوروز خلق خدا کی حاجت روائی یعنی دعا تعویذ، نمک، شکر، تیل وغیرہ پڑھ کر دینے کا وقف مقرر تھا۔ قصبہ کے اور آس پاس کے کافی لوگ آتے اور استفادہ کرتے تھے۔ خانقاہ میں آپ کے دم سے چہل پہل اور رونق رہتی تھی۔

ہر کام کا ایک وقت مقرر ہے۔ دنیا اور دنیا کی زندگی فانی ہے جو اس دنیا میں آیا اسے ایک نہ ایک دن اخروی زندگی کی طرف لوٹنا ہے۔ اسی قدرت کے قانون کے تحت حضرت شفیق ملت سید حسین زیدی قادری برکاتی قدس سرہ کا بھی وقت رحلت آیا مگر ایسی مبارک رات میں اور مبارک ساعتوں میں جس کو شب معراج کہتے ہیں۔ وہ رات جس میں اللہ رب العزت نے اپنے محبوب ﷺ کو شرف ملاقات بخشا اور جنت و دوزخ اور آسمانوں کی سیر کرائی اور تحفہ میں نماز عطا کی۔ بقول اعلیٰ حضرت ۔

وہی لا مکاں کے مکیں ہوئے سر عرش تخت نشیں ہوئے
وہ نبی ہے جس کے ہیں یہ مکاں وہ خدا ہے جس کا مکاں نہیں

۲۷/رجب المرجب ۱۴۳۷ھ یعنی شب معراج بوقت قریب تین بجے مطابق ۱۵/مئی ۲۰۱۶ء بروز جمعرات کو خاندان نبی کا فرزند جمیل اس دار فانی سے رخصت ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ برکاتی حلقہ میں خبر پھیل گئی۔ مجھ راقم الحروف کو بھی رفیق ملت مدظلہ نے بعد نماز فجر فون پر خبر دی۔ بعد نماز عصر تدفین کا اعلان ہوا۔ سیکڑوں کی تعداد میں لوگ جنازہ میں شرکت کے لئے حاضر تھے۔ ان کے چاروں چہیتے بھتیجے یعنی حضور احسن العلماء کے فرزند ان حضرت امین ملت، حضرت شرف ملت، حضرت افضل میاں صاحب اور حضرت رفیق ملت مدظلہم موجود تھے۔ حضور سید العلماء کے پوتے، نواسے ڈاکٹر احمد مجتبیٰ صدیقی اور ان کے بھانجے پروفیسر سید جمال الدین احمد اسلم میاں صاحب اور بھتیجہ داماد جناب سید آفتاب نقوی صاحب اور دیگر عزیز واقارب بھی موجود تھے۔ بمبئی تک سے احباب عبد العزیز سنی وغیرہ بھی آ گئے تھے۔

بعد نماز عصر گلشن برکات میں منبر شریف کے قریب حضرت امین ملت مدظلہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ کثیر مجمع کی وجہ سے جنازہ بشکل جلوس بڑی درگاہ اور وہاں سے دوسرے راستے سے ہوتا ہوا درگاہ برکات تہ لایا گیا۔ افراد خاندان کے علاوہ چند حضرات درگاہ برکات تہ میں داخل ہوئے۔ حضور قاسم البرکات کے روضہ کے جانب شمال آخری کمرے میں جس میں ان کی ہمیشہ حافظہ سیدہ زاہدہ صاحبہ مدفون ہیں ان کے پہلو میں سپرد خاک کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمت و نور کی بارش فرمائے اور ہماری ان کے صدقہ میں بخشش و مغفرت فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

۳- گوشہ روداد و کوائف

گوشہ مضامین میں پہلا مضمون ”استشر اق- تعریف، تاریخ اور تنقید“ کے نام سے ڈاکٹر سید علیم اشرف جانی کا ہے جو اپنے عنوان کے مطابق تین حصوں پر مشتمل اور قیمتی معلومات سے آراستہ ہے۔ البتہ تعریف اور تاریخ کے بیان میں گاڑھی بخشیں آگئی ہیں اور دقیق اصطلاحات کے استعمال نے انہیں مزید بوجھل بنا دیا ہے، جس کی وجہ سے مضمون کے وہ دونوں حصے عام قارئین کی چیزیں نہ رہیں۔ البتہ نقد استشر اق کا گوشہ خاصا دلچسپ ہے جس میں انہوں نے استشر اق کے مثبت اور منفی نتائج کو بیان کیا ہے۔ یہ دلچسپ معلومات مزید تفصیل چاہتی تھی۔

پھر دہشت گردی کے حوالے سے مولانا ساجد علی مصباحی کا مضمون ہے جس میں انہوں نے دہشت گردی کی مختلف صورتوں کی وضاحت کر کے ان کے خلاف اسلامی تعلیمات کو اجاگر کیا ہے جس سے یہ بات خوب عیاں ہو جاتی ہے کہ اسلام کسی شکل میں دہشت گردی کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا، بلکہ اس کی سخت مذمت کرتا ہے اور ایسی حرکت کرنے والوں کے خلاف سخت سزائیں بھی سناتا ہے۔

اہل سنت کی شیرازہ بندی کے حوالے سے علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ کی بیش قیمت تحریر بھی شامل ہے جو ان کے وسیع تجربے پر مبنی ہے۔ امکانات کی جو راہیں حضرت نے پیش کی ہیں وہ بہت اہم ہیں مگر افسوس یہ ہے کہ روز بروز اختلافات گہرے ہوتے جا رہے ہیں جنہیں پائنا مشکل دکھائی دے رہا ہے۔ اس حوالے سے جن کی مثبت کوششیں ہو رہی ہیں ان کی قدر کی جانی چاہئے۔

عالم اسلام کی سیاسی صورت حال سے متعلق ڈاکٹر افضل مصباحی کا مضمون ”عالم اسلام کا موجودہ سیاسی اور سماجی منظر نامہ“ بہت معلوماتی ہے۔ ۹/۱۱ کے بعد عالم اسلام میں جو سیاسی اتھل پتھل شروع ہوا وہ تھمنے کا نام نہیں لے رہا ہے بلکہ اس میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے۔ مختلف اسلامی ملکوں میں پائی جانے والی سیاسی بد امنی پر مضمون میں بڑا اچھا تجزیہ کیا گیا ہے، پورے مضمون کو پڑھ کر نتیجہ کے طور پر دو باتیں ابھر کر سامنے آتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ

اہل سنت کی آواز (جلد: ۲۲-۲۰۱۵ء)

مطالعہ کی میز پر

مفتی قطب الدین رضا مصباحی

دارالعلوم حمید یہ، قلعہ گھاٹ، دربھنگہ

”اہل سنت کی آواز“ نے اپنی اشاعت کے ۲۲ سال پورے کر لیے۔ سال بہ سال اپنی منفرد پیش کش کی بدولت آج اسے جماعتی رسائل و مجلات کے درمیان ایک منفرد مقام حاصل ہے۔ گزشتہ کچھ شمارے متعین موضوعات کے حوالے سے بہت مقبول ہوئے اور اپنی پیش کش کی نہج کو لے کر بہت پسند کئے گئے۔ پیش نظر شمارہ (جلد: ۲۲/ سال ۲۰۱۵ء) متفرق مضامین پر مشتمل ہے، جس کے عنوانات اہم اور مضامین قابل مطالعہ ہیں۔ عناوین ایسے منتخب کیے گئے ہیں جن پر لکھا جاتا ہے اور جن کی معلومات ضروری ہے۔

سب سے پہلے رفیق ملت حضرت سید نجیب حیدر نوری دام ظلہ کا ایک طویل ادارہ ہے جس میں انہوں نے شمارے کے مضمولات پر روشنی ڈالی ہے اور بہت عمدہ پیرایہ میں مضمون و صاحب مضمون کا تعارف پیش کیا ہے، ادارہ کے آخر میں حسب روایت تعمیرات، وفیات اور اظہار تشکر کے کالم بھی ہیں۔

ادارہ کے علاوہ یہ مجلہ تین گوشوں پر محیط ہے:

۱- گوشہ مضمون

۲- گوشہ نعت و منقبت

مسلم ممالک پورے طور پر مغرب کے شکنجے میں ہیں، انہیں نہ چاہتے ہوئے بھی مغرب کے اشارے پر مسلم ملکوں کے خلاف لڑنا پڑتا ہے اور دوسری بات یہ کہ جس حکمران کا مفاد جہاں سے وابستہ ہے وہ اسے اپنی حمایت دے رہا ہے، وہاں کے شہریوں کے مسائل اور ان کے حل سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں۔

ڈاکٹر سجاد عالم رضوی کا مضمون ”ہندوستانی مسلمانوں کے چند اہم عصری ادارے- تعارف و تجزیہ“ پڑھ کر ہندوستانی مسلمانوں کی تعلیمی خدمات سے روشناس ہوئی، ساتھ ہی مضمون کا لب و لہجہ پڑھنے والے کو اقدام اور تحریک کا جذبہ بھی پیدا کرتا ہے۔ البتہ مضمون میں تعارف کم اور تجزیہ زیادہ ہے۔

ان کے علاوہ علامہ یلین اختر مصباحی کا مضمون ”تصور شیخ اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی“ اور البرکات اسلامک ریسرچ اینڈ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ میں زیر تعلیم دو علما کے مضامین (اسلام اور عقیدہ آخرت از مولانا جاوید خاں مصباحی، اسلام اور حقوق انسانی از مولانا عبدالباری مصباحی) بھی شامل ہیں۔

پیش نظر شمارے میں اہل سنت کی آواز کے قدیم شمارے سے عرس قاسمی ۱۳۶۷ھ کی روداد شامل کی گئی ہے۔ یہ روداد تاج العلماء علامہ سید اولاد رسول محمد میاں قدس سرہ کے قلم سے تحریر کی گئی ہے اور اس شمارے کے ۳۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ عرس کی تقریبات کے تمام حصوں کو بہت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ مختلف مجالس و محافل میں جن مخصوص حضرات کی تقریریں ہوئی ان کے عنوان کے ذکر کے ساتھ تقریروں کا بھی خاص گوشہ ذکر کیا گیا ہے۔

یہ روداد آج سے انہتر سال پہلے کی ہے، جب ملک تقسیم کے دہانے پر تھا اور خود علمائے اہل سنت پاکستانی ہجرت کے سلسلے میں کئی خیموں میں بٹے ہوئے تھے۔ اس موڑ پر تاج العلماء قدس سرہ نے بڑی اہم قیادت نبھائی، روداد سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عرس کے خطابات میں زائرین کو مسلم لیگ کے فتنوں سے آگاہ کیا گیا اور اپنے وطن میں ڈٹے رہ کر صبر و ہمت کے ساتھ دشواریوں کا مقابلہ کرنے کی تلقین کی گئی۔

مجلہ کا آخری گوشہ ”روداد کوائف“ پر مشتمل ہے جو ایک طرح سے خانقاہ کی

تاریخ نویسی ہے، اس وجہ سے یہ بہت اہمیت کا حامل ہے۔ اس گوشہ میں سب سے پہلے جامعہ البرکات علی گڑھ کے کوائف ڈاکٹر احمد مجتبیٰ صدیقی صاحب کے قلم سے مذکور ہیں۔ البرکات سے اپنی وابستگی کے سبب وہاں کے کوائف سال بہ سال بہت شوق سے پڑھا کرتا ہوں۔ نئے شعبہ جات کے اضافے کی خبریں پڑھ کر مسرت حاصل ہوئی۔ اللہ کرے یہ چین سد ابھار رہے۔ پھر مولانا اقبال احمد نوری کی طرف سے جامعہ احسن البرکات مارہرہ شریف کی کارکردگی کا ذکر ہے۔ آخر میں جناب محمد اکبر قادری کے قلم سے خانقاہ برکاتیہ مارہرہ شریف میں منعقد ہونے والے سالانہ اعراس و فاتحہ (عرس قاسمی، عرس نوری، فاتحہ حضور صاحب البرکات، فاتحہ حضور احسن العلماء قدس سرہ) کی روداد اور حضرت امین ملت دامت برکاتہ کے تبلیغی اسفار کی تفصیلات ہیں۔

آخر میں مجلس ادارت سے ایک گزارش یہ ہے کہ شمارے میں حضرت امین ملت دامت برکاتہ کا پیغام یاد عانیہ کلمات کا اضافہ کر دیا جاتا تو بہتر رہتا کیوں کہ خانقاہ کا ترجمان ہونے کی حیثیت سے اس مجلہ کے توسط سے وابستگان تک حضرت کا کوئی پیغام ضرور پہنچنا چاہیے۔

خانقاہ مارہرہ کی علمی و ادبی خدمات (اہل سنت کی آواز کے حوالے سے)

ڈاکٹر رضوان الرضارضوان

ہندوستان کی خانقاہوں میں خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مقدسہ کا مقام و مرتبہ اس اعتبار سے کچھ زیادہ اہمیت کا حامل ہے کہ یہاں نہ صرف تصوف و معرفت کے چراغ روشن ہوئے بلکہ علم و عرفان اور زبان و ادب کو فروغ دینے کے ساتھ تحقیق و تصنیف کے میدان میں بھی نمایاں کارنامے انجام دیے گئے ہیں جو اسلامی ادب کے خزانے میں گراں قدر اضافہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ حضرت سید میر عبد الواحد بلگرامی چشتی واسطی کی شہرہ آفاق تصنیف سبع سنابل شریف اس سلسلہ میں سند کا درجہ رکھتی ہے اور اپنے مکمل معیار و وقار کے ساتھ آج بھی حلقہ ذکر و فکر میں یکساں مقبول ہے۔ چوں کہ بنیادیں اتنی مضبوط اور جڑیں اس قدر پائدار ہیں تو اس کی شاخیں بھی کیوں نہ مستحکم ہوں۔ لہذا آپ کے خاندان کے دیگر اکابر جن میں حضرت سید میر عبد الجلیل چشتی علیہ الرحمہ سے لے کر دور حاضر میں پیر طریقت امین ملت حضرت پروفیسر سید محمد امین میاں قادری اور محترم مقام شرف ملت حضرت سید محمد اشرف قادری برکاتی مدظلہم کی زبان و ادب اور علم و عرفان کی خدمات اہل علم میں روز روشن کی طرح نمایاں ہیں۔ آپ ہی کے خاندان کے بزرگ حضرت سید شاہ حقانی علیہ الرحمہ کا اردو ترجمہ و تفسیر قرآن کا اور حضرت سید ابوالحسن احمد نوری علیہ الرحمہ کا رسالہ سراج العوارف نہایت بلند پایہ تصانیف ہیں۔ سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ کے بانی حضور سید شاہ برکت اللہ عتقی پتہ علیہ الرحمہ کی نثری کتاب ”چهار انواع“ بھی معرکتہ الّا را تصنیف ہے جو اسی سلسلہ کی اہم

کڑی مانی جاتی ہے، آپ بلند پایہ صوفی شاعر بھی تھے۔ چنانچہ آپ کے عارفانہ اور ناصحانہ کلام کا مجموعہ ”پیم پرکاش“ اس وقت کے ادب اور ہندوستانی تہذیب و تمدن کا آئینہ دار ہے۔ اسی طرح سلسلہ برکاتیہ کے ایک اور بزرگ حضور آل احمد اچھے میاں قدس سرہ کی تصنیف آداب السالکین بھی انتہائی اہمیت کی حامل ہے۔

خانقاہ برکاتیہ کا قدیم علمی فکری اور ادبی ترجمان رسالہ ”اہل سنت کی آواز“ کئی دہائیوں سے تشنگان علوم و فنون کو نہ صرف سیراب کر رہا ہے بلکہ عقائد اور ایمان کے تعلق سے ایسے ایسے ہیرے و جواہر لٹا رہا ہے جو امت مسلمہ کی خوش عقیدگی اور ایمانی حرارت کو برقرار رکھنے میں اور دولت ایمان کو مستحکم بنانے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھتے۔

اہل سنت کی آواز کے جہاں عام شمارے شائع ہوئے ہیں وہیں کچھ اہم مخصوص شمارے بھی منظر عام پر آئے جو ایک دستاویزی حیثیت بھی رکھتے ہیں۔ چند مخصوص شماروں پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہوئے اس کا جائزہ لینے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ شمارہ (۱) و (۲) نایاب ہیں اور شمارہ (۲۲) سے جدید اشاعت کی شروعات ہوتی ہے۔ لہذا (۲۱) تک کا تجزیہ پیش ہے۔

جلد (۳): اکتوبر ۱۹۹۶ء جمادی الثانی ۱۴۱۷ھ جری کا شمارہ سید جمال الدین اسلم کی ارادت میں شائع ہوا ہے جس کے حصہ اول میں منظوم خراج عقیدت بحضور مرشد اعظم پیش کئے گئے ہیں۔ اور حصہ دوم میں مفاد و ضات طیبہ، مکتوبات حضور سید شاہ ابوالقاسم محمد اسماعیل حسن قادری آل احمدی شامل ہیں۔ جس کی جمع و ترتیب اور تصحیح و تشریح تاج العلماء سراج العرف مفتی سید شاہ اولاد رسول محمد میاں قادری نے فرمائی ہے۔ کل ۱۶۶ مکتوب پر مشتمل یہ حصہ لائق استفادہ ہے۔

جلد (۵): جمادی الثانی ۱۴۱۹ھ، اکتوبر ۱۹۹۸ء میں عقائد اہل سنت، تمہید ایمان، اہل سنت و جماعت کون، سواد اعظم اہل سنت و جماعت، اہل سنت و جماعت کی شیرازہ بندی، اور جماعت اہل سنت و خانقاہ مارہرہ عنوانات کے تحت معلوماتی مضامین اور مقالے شامل ہیں جس کا ادارہ پروفیسر سید جمال الدین اسلم نے تحریر فرمایا ہے۔

جلد (۶): رجب المرجب ۱۴۲۰ھ مطابق اکتوبر ۱۹۹۹ء حضرت سید محمد اشرف صاحب کی ادارت میں شائع ہوئی ہے جس میں مہمان ادارہ کے طور پر سید جمال الدین اسلم کی بھی تحریر شامل ہے۔ یہ شمارہ اس اعتبار سے بہت اہم ہے کہ اس میں خانوادہ برکات کی علمی و ادبی خدمات پر گراں قدر مقالہ مفتی ارشاد احمد مصباحی نے تحریر فرمایا ہے۔ جو کافی ضخیم بھی ہے اور مفصل بھی۔

جلد (۷): رجب المرجب ۱۴۲۱ھ، اکتوبر ۲۰۰۰ء کا شمارہ بھی حضرت سید محمد اشرف صاحب کی ادارت میں آپ کی ادارتی تحریر کے ساتھ شائع ہوا۔ اس شمارے میں بھی جمال الدین اسلم صاحب کی تحریر بطور مہمان ادارہ شامل ہے۔ خصوصی موضوعات میں گوشہ تبرکات، میلاد نامہ و تفصیل تبرکات خاندان برکاتی، گوشہ فقیہ اعظم ہند مفتی محمد شریف الحق کے ساتھ ساتھ گوشہ ملفوظات احسن العلماء بھی شامل ہے۔ اس شمارے میں گوشہ نعت و منقبت مع طرحی نعت و منقبت بھی شامل کی گئی ہیں۔ جن میں ہندوستان کے اہم شعرا کا کلام شائع ہوا ہے۔

جلد (۸): شعبان المعظم ۱۴۲۲ھ، اکتوبر ۲۰۰۱ء میں شائع ہوا۔ جو کافی ضخیم شمارہ ہے جس میں چند گوشے کے ساتھ ساتھ تصوف پر اہم اسلامی اسکالروں و دانشوروں کے تحقیقی مقالے شامل ہیں، یہ شمارہ تصوف و صوفیاء کرام کے تعلق سے سیر حاصل گفتگو پر مشتمل ہے۔ دیگر گوشوں میں گوشہ احسن العلماء اور حصہ نعت و منقبت شامل ہیں اس شمارہ میں بھی حضرت سید محمد اشرف اور سید جمال الدین اسلم صاحبان کے ادارے شامل ہوئے ہیں۔

جلد (۹): شعبان المعظم ۱۴۲۳ھ، اکتوبر ۲۰۰۲ء جو ایک خصوصی نمبر کی شکل میں شائع ہوئی ہے جو اسلام میں نظام اخلاق کے عنوان سے مختلف نظام ہائے زندگی پر قرآن و احادیث کی روشنی میں لکھے گئے مضامین پر مشتمل ہے۔ اس شمارے کے مدیر رفیق ملت سید نجیب حیدر قادری اور سید جمال الدین اسلم صاحبان تھے۔ اس شمارے میں بھی گوشہ احسن العلماء، ملفوظات، گوشہ نعت و منقبت، مناقب مشائخ کرام، گوشہ مریدین، گوشہ کوائف اور گوشہ مبصرین تصوف نمبر شامل ہے۔

جلد (۱۰): ۱۴۲۴ھ، اکتوبر ۲۰۰۳ء میں سید نجیب حیدر اور سید جمال الدین اسلم صاحبان نے ادارے رقم کئے ہیں۔ یہ شمارہ مخصوص ہے حضور سید شاہ ابوالحسن احمد نوری کی حیات و خدمات پر جس کا نام ہے ”قصیدہ نور“ اس میں سراج العوارف پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس شمارے کے حصہ نظم میں قصیدہ نور کی شکل میں حضرت نوری میاں کی شان میں کہی گئی مقبتوں کا، حسین انتخاب شائع کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ گوشہ حضور تاج العلماء، گوشہ سید العلماء، مکاتیب، گوشہ حضور احسن العلماء میں ملفوظات و مناقب اور گوشہ طرحی نعت و منقبت بھی شامل ہیں۔

جلد (۱۱): شعبان المعظم ۱۴۲۵ھ، اکتوبر ۲۰۰۴ء رفیق ملت سید نجیب حیدر برکاتی اور سید جمال الدین اسلم صاحبان کی ادارت میں شائع ہونے والے اس مخصوص تو حید نمبر بعنوان ”اسلام میں نظریہ توحید“ کو اس اعتبار سے بھی زیادہ قابل توجہ ماننا چاہئے کہ دیگر مسالک اور فرقہ باطلہ کے نزدیک اہل سنت والجماعت کا تعلق توحید سے کم ہوتا ہے۔ اسی باطل عقیدے اور الزام کی تردید میں یہ تو حید نمبر اگر کسی موحد خالص کو پیش کیا جائے تو اسے بھی حقیقی معنوں میں تو حید کا معنی و مفہوم سمجھ میں آجائے گا۔ اس شمارے میں گوشہ سیدین، گوشہ نقد و نظر، گوشہ نعت و منقبت اور کوائف خانقاہ برکاتیہ جسے جناب محمد اکبر قادری بڑی عرق ریزی سے تحریر فرماتے ہیں، شامل ہیں۔

جلد (۱۲): شوال المکرم ۱۴۲۶ھ، نومبر ۲۰۰۵ء، تو حید نمبر کے بعد شائع ہوئے والے شمارے کو قرآن پاک اور اس کی عظمت کے لئے مخصوص کیا گیا ہے۔ جس میں قرآن مقدس کے حوالے سے تقریباً وہ ساری معلومات پیش کی گئی ہیں جو کلام حق کو سمجھنے، پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کے ساتھ ساتھ دیگر علوم و فنون کی بھی رہنمائی کرتی ہیں۔ گوشہ منظوم کو نذر قرآن اور نعت و منقبت کے گلدستے سے سجایا گیا ہے۔

جلد (۱۳): شوال ۱۴۲۷ھ، نومبر ۲۰۰۶ء تو حید اور قرآن کے ساتھ اخلاق و آداب اور تصوف کو سمجھنے کے بعد ہی حقیقی معنوں میں ہم سرکار دو عالم ﷺ کی شان و عظمت اور آپ کی سیرت کو سمجھ سکتے ہیں لہذا یہ شمارہ حضور کی حیات طیبہ اور سیرت پاک کے حوالے

سے ”مصطفیٰ جانِ رحمت“ کے عنوان سے نہایت ضخیم، گراں قدر اور تحقیقی شمارہ ہے جو جانِ ایمان اور تسکینِ قلب و روح ہے۔ نثری حصہ کے علاوہ شعری حصہ بھی بہت ہی اہم ہے جس میں تقریباً وہ تمام عربی، فارسی اور اردو کی نعتیں شامل ہو گئی ہیں جو یقینی طور پر مقبول بارگاہِ پیکس پناہ ہیں۔ اس خصوصی شمارے کے مدیر حضرت سید نجیب حیدر برکاتی اور معان مدیر ساحل شہسرامی ہیں۔ اس نمبر میں ۳۸ مضامین سیرت پر، عربی نعتیں ۲۲، فارسی نعتیں ۱۵ اور ۵۸ شعرا کی اردو نعتیں شامل ہیں جس میں علامہ اقبال، حالی، غالب و دیگر کلاسیکی اور دور جدید کے شعرا شامل ہیں۔

جلد (۱۲): ذی قعدہ ۱۴۲۸ھ، نومبر ۲۰۰۷ء، اپنے مخصوص گوشوں کے ساتھ نمبر کی مشکل میں سیدنا سرکار غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی حیات مبارکہ اور آپ کے دیگر معمولات زندگی و افکار عالیہ پر مشتمل یہ شمارہ سید نجیب حیدر برکاتی اور ساحل شہسرامی صاحبان کے ادارے کے ساتھ منظر عام پر رونق افروز ہوا ہے۔ جو ایمان کو تازگی بخش رہا ہے۔ ۲۸ مضامین کے علاوہ مناقب غوث اعظم کی تعداد ۴۰ ہیں۔ دیگر نعت و منقبت بھی ہیں۔

جلد (۱۵): ذی قعدہ ۱۴۲۹ھ نومبر ۲۰۰۸ء کا یہ شمارہ غریب نواز نمبر کی شکل میں ہے۔ اور سیدنا سرکار غریب نواز خواجہ معین الدین چشتی اجمیری علیہ الرحمہ کی شان و شوکت اور آپ کی عظمت و رفعت کے متعلق ہے۔ اس میں مختلف مضامین کی تعداد ۳۶ اور مناقب خواجہ کی تعداد ۳۰ ہے۔ اس نمبر کے مدیر اعلیٰ حضرت نجیب حیدر میاں برکاتی ہیں جب کہ نائب مدیران و معاون میں ڈاکٹر سید لیاقت حسین معینی اور ساحل شہسرامی صاحبان شامل ہیں۔

جلد (۱۶): ذی قعدہ ۱۴۳۰ھ، نومبر ۲۰۰۹ء کا یہ مخصوص شمارہ ”اکابر مارہرہ“ کا حصہ اول ہے۔ چند اہم مضامین میں ”کاروانِ خاندانِ برکات مدینہ طیبہ سے دہلی تک“ بلگرام شریف گہوارہ اکابر مارہرہ مطہرہ، مارہرہ مطہرہ جلوہ گاہ سادات زیدی، سلطان العاشقین صاحب البرکات سید شاہ برکت اللہ قادری، اسد العارفین سید شاہ محمد حمزہ عیسیٰ، مظہر غوث اعظم ابوالفضل شمس الدین سید شاہ آل احمد اچھے میاں قادری برکاتی مارہروی دعوت مطالعہ دیتے ہیں۔ گوشہ نعت و منقبت میں ۲۶ کلام شامل ہیں۔

جلد (۱۷): ذی قعدہ ۱۴۳۱ھ اکتوبر ۲۰۱۰ء کا یہ شمارہ اکابر مارہرہ کا حصہ دوم ہے جس میں سرکار نور ابو الحسنین احمد نوری پر اہم مضامین کے ساتھ حمد، نعت و منقبت بھی شامل ہیں۔ اس کے علاوہ صاحب عرس قاسمی الحاج سید شاہ اسماعیل حسن شاہ جی میاں، تاج العلماء سراج العرفا سید شاہ اولاد رسول محمد میاں قادری، حضرت سید شاہ آل عبا قادری برکاتی، سید العلماء سند الحکما سید شاہ آل مصطفیٰ قادری، احسن العلماء، افضل الاصفیا سید شاہ مصطفیٰ حیدر حسن قادری علیہم الرحمہ کی شان و شوکت اور عظمت و فضیلت پر مضامین شامل ہیں جن کی مجموعی تعداد ۴۰ ہے اور منظوم خراج عقیدت کے طور پر ۲۵ نعت و مناقب شامل ہیں۔ اس میں خصوصی مضمون ”مشائخ مارہرہ اور امام احمد رضا“ علامہ یلین اختر مصباحی صاحب کا ہے۔ جو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی سے متعلق بزرگان مارہرہ کی عنایتوں و نوازشوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

جلد (۱۸): ذی قعدہ ۱۴۳۲ھ، اکتوبر ۲۰۱۱ء کا یہ شمارہ بھی اکابر مارہرہ کا حصہ سوم ہے جس کے مدیر سید نجیب حیدر برکاتی ہیں خصوصی مضامین میں تذکرہ اکابر مارہرہ، برکات مشائخ مارہرہ گوشہ مضامین میں علمی دینی و ادبی خدمات پر مقالے شامل ہیں جن کی تعداد ۱۶ ہے اور نعت و مناقب کی تعداد بھی ۱۶ ہے۔

جلد (۱۹): ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ نومبر ۲۰۱۲ء میں شائع شدہ حضرات صحابہ کرام میں عشرہ مبشرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی حیات مبارکہ اور دینی و اسلامی خدمات پر مشتمل یہ نہایت ہی اہم شمارہ ہے جو اپنی نوعیت کا منفرد نمبر ہے۔ اس میں ملفوظات مشائخ مارہرہ در شان حضرات صحابہ بھی شامل ہیں۔ ۱۶ مضامین میں سیدنا ابوبکر صدیق، سیدنا عمر فاروق، سیدنا عثمان غنی، سیدنا علی مرتضیٰ، سیدنا طلحہ بن عبد اللہ، سیدنا زبیر بن عوام، سیدنا عبد الرحمن بن عوف، سیدنا سعد بن ابی وقاص، سیدنا سعد بن زید، ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم پر مضامین شامل ہیں۔ نعت و منقبت کی تعداد ۱۴ ہیں اور کوائف احسن البرکات مولانا نعمان ازہری اور روداد اعراش محمد اکبر قادری نے قلمبند کئے ہیں۔

جلد (۲۰): یہ شمارہ بھی اپنی نوعیت کا منفرد شمارہ ہے جو منسوب ہے ”حضرات اہل

بیت اطہار، رضی اللہ عنہم! جمعین سے بالخصوص سیرت طیبہ فاطمہ الزہراء، حیات حسین کریمین شہدائے کرام کی جاں نثاری اور معرکہ کربلا کے ساتھ دیگر خاندان رسول و آل رسول کی حیات و دینی خدمات کا بھرپور جائزہ لیا گیا ہے۔ ساتھ ہی ملفوظات مشائخ مارہرہ درشان حضرات اہل بیت بھی شامل ہیں۔ یہ شمارہ ۱۴۳۴ھ مطابق ۲۰۱۳ء میں شائع ہوا۔ مضامین کے عنوانات اس طرح ہیں۔ سید الشہداء امام حسین، فضائل اہل بیت قرآن و حدیث کی روشنی میں، اہل بیت اطہار کا مقام سلف صالحین کی نظر میں، امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن، واقعات کربلا پس منظر و پیش منظر و مابعد، امیر المؤمنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ، سیدۃ النساء العالمین فاطمہ الزہراء، حضرت امام حسن مجتبیٰ کی حیات و خدمات، زینب بنت علی رضی اللہ عنہم، زین العابدین، امام علی بن حسین کی حیات و خدمات اور حضرت سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ۔

اس کے ساتھ گوشہ نعت و منقبت، سلام بحضور اہل بیت کرام نذر حسین و دیگر منقبت و نذرانہ عقیدت شامل ہیں اس حصے میں غالب عصر حضرت عرفان صدیقی مرحوم کی کئی منقبتیں سلام اور دعائے نجات وغیرہ شامل ہیں۔ اور زیادہ تر کلام بزرگوں ہی کے شائع کئے گئے ہیں۔ کوائف جامعہ البرکات، احمد مجتبیٰ صدیقی، مجلس شرعی، مبارک پور کا بیسواں فقہی سمینار از مولانا مبارک حسین مصباحی بھی لائق مطالعہ ہیں۔

جلد (۲۱): محرم ۱۴۳۶، نومبر ۲۰۱۴ء کا شمارہ عرس قاسمی کے موقع پر ایک ضخیم نمبر بعنوان خلفائے خاندان برکات کا اجراء عمل میں آیا جس میں ۸۳ مضامین شامل کئے گئے ہیں جو اس اعتبار سے بھی دستاویزی ہے کہ وہ تمام اکابر علماء و فقہاء اور خلفاء کے حالات زندگی اور دینی خدمات پر مشتمل ہیں۔ جن کا تعلق خانوادہ مارہرہ اور خانوادہ بریلی و دیگر خانوادہ اشرفیہ و حشمتیہ اور مختلف سلاسل بزرگان دین اور خانقاہوں سے رہا ہے، نیز ان کی نسبت مارہرہ مقدسہ سے رہی ہے۔ مقالہ نگاروں اور شعرا کی فہرست آئندہ شماروں میں ملاحظہ کریں۔



گوشہ روداد و کوائف



ماہانہ فیس پر شروع کیا گیا ہے۔ آگے آنے والے سالوں میں انشاء اللہ مندرجہ ذیل کورسز بھی شروع ہونگے۔

Certificate in Food Craft (۱)

Certificate in Secretarial Practice (۲)

Certificate in Plumbing & Electrician (۳)

البرکات سید حسن ہاسٹل برائے پروفیشنل کورسز:

جامعہ البرکات میں Professional Courses کے طلبہ کی رہائش اور دیگر سہولتوں کے مد نظر ایک نیا وسیع و عریض ہاسٹل تعمیر کیا گیا ہے۔ اس ہاسٹل کو محترم سید شاہ مرتضیٰ حیدر حسن میاں صاحب مرحوم کے نام نامی سے منسوب کیا گیا ہے۔ جو البرکات ایجوکیشنل سوسائٹی کے رکن مجلس شوریٰ بھی تھے۔ اس ہاسٹل میں تقریباً ۱۳۵ طلبہ رہ کر قیام کر سکیں گے۔ اس ہاسٹل میں ۲۵۰ بچوں کے حساب سے ایک ڈائننگ ہال، ریڈنگ روم اور کامن روم بھی تعمیر کیے گئے ہیں۔ انشاء اللہ اگلے مہینے سے البرکات کے طالب علم اس سے فیضیاب ہو سکیں گے۔

البرکات پبلک اسکول:

البرکات پبلک اسکول کے ہائی اسکول اور انٹرمیڈیٹ کے نتیجے ۱۰۰ فیصد رہے۔ ہائی اسکول کا رزلٹ علی گڑھ ضلع میں تیسرے نمبر پر رہا۔ ہمارے کل ۶۷ طلبہ امتحان میں بیٹھے جس میں پورے بچوں کی فرسٹ ڈویژن آئی۔ ۲۷ بچوں نے سو فیصدی نمبرات حاصل کیے۔ ۹۸ بچوں نے ۹۰ فیصدی سے اوپر نمبر حاصل کئے۔ باقی تمام بچوں نے ۸۰ فیصد نمبرات حاصل کیے۔ ایسے ہی (۱۰+۲) میں تمام بچوں میں ۸۱ بچے فرسٹ ڈویژن لائے۔ ہم نے اس سال اپنے طلبہ و طالبات کی بولنے اور لکھنے والی انگریزی مضبوط کرانے پر بہت سنجیدہ اقدامات کیے ہیں۔ ایک English Language Consultant کا تقرر کیا ہے جو اساتذہ اور طلبہ English Conversation

کوائف جامعہ البرکات، علی گڑھ

ڈاکٹر احمد مجتبیٰ صدیقی

جوائنٹ سکریٹری، البرکات ایجوکیشنل سوسائٹی، علی گڑھ

قارئین کرام!

جامعہ البرکات کے کوائف لے کر حاضر ہوں۔ اہل سنت کی آواز کے مستقل کالم کے طور پر جامعہ البرکات کے کوائف کو ہمارے قارئین بہت شوق سے پڑھتے ہیں اور دعاؤں و نیک خواہشات سے نوازتے ہیں۔ البرکات کے قیام کو ۱۵ سال ہونے کو آ رہے ہیں۔ ان پندرہ سالوں میں ۱۵ عمارتیں البرکات کیمپس میں قائم ہوئیں۔ ۷ ادارے قائم ہیں۔ ماشاء اللہ ہر سال تعمیرات اور تعلیمات میں خوش گوار اضافے ہو رہے ہیں۔

البرکات سید حامد کیونٹی کالج:

البرکات ایجوکیشنل سوسائٹی نے راحت پروجیکٹ کے تحت اس سال سے یہ نیا ادارہ شروع کیا۔ اس ادارے میں آٹھویں اور دسویں پاس شدہ طلبہ ایک سال اور چھ مہینے کے ہنرمندی کورس کر سکیں گے۔ یہ کورسز روزگار کے حوالے سے بہت مفید ہیں۔ انشاء اللہ امید ہے کہ ہماری قوم کے بچے محنت اور لگن کے ساتھ ان کورسز کو مکمل کر کے اپنا مستقبل روشن کر سکیں گے۔ اس سال ہم نے نئے دو کورسز شروع کئے ہیں۔ Diploma in Mobile Repairing اور Diploma in A/C & Refrigeration۔ یہ کورسز دسویں پاس طلبہ کے لئے ہیں۔ ہم ان طلبہ کو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے تجربہ کار Instructor سے ان کورسز کی تعلیم دلوا رہے ہیں۔ ایک وسیع عمارت میں ان کورسز کو صرف ۲۵۰ روپے

Skill کی تربیت دے رہی ہے۔ اسلامک کلاسز کے ذریعے بچوں کی دینیات کو مضبوط کرنے کے لئے علمائے کرام کا تقرر بحیثیت اساتذہ کیا گیا ہے۔ اسی طرح ہاسٹل میں مقیم طلبہ و طالبات کے لئے بعد مغرب اور عشاء اسلامی تربیت کلاسز جاری ہیں۔ ہمارے ہاسٹل میں کل ملا کر ۵۰۰ طلبہ و طالبات مقیم ہیں۔

البرکات کے طلبہ پڑھائی کے ساتھ Games اور ادبی و ثقافتی سرگرمیوں میں بھی اپنا اور اسکول کا خوب نام روشن کئے ہوئے ہیں۔

اس سال علی گڑھ کے ایم. یو. کالج میں منعقد انٹر اسکول سائنس مقابلے اور پوسٹر میکنگ مقابلے میں ہمارے طلبہ کے حصے میں ۸ انعامات آئے۔

علی گڑھ میں منعقد Inter School Hockey Tournament میں البرکات کو چیمپین شپ ٹرافی حاصل ہوئی۔

البرکات کے طلبہ نے سیفٹی (اٹاوہ) میں State Level Hockey Tournament میں حصہ لیا۔

البرکات کے ۶ طالب علم Sports Authority of India Academy میں منتخب ہوئے۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں منعقد والی بال ٹورنامنٹ میں البرکات کی طالبات کی ٹیم نے چیمپین شپ ٹرافی حاصل کی۔ البرکات پبلک اسکول کے طالب علم محمد فرحان کا انتخاب Bajaj Alhana Junior Football Camp میں ہوا۔

نعمان اشرف کا انتخاب Haryana National Camp of Cricket میں ہوا۔

البرکات کے ۶ طلبہ کا انتخاب State Level Hockey Tournament Raibareilly میں ہوا۔

گذشتہ سال البرکات سیرت کمیٹی نے عظیم الشان سیرت النبی مقابلے منعقد کئے جس میں علی گڑھ کے ۳۵ اسکولوں نے سیرت مبارکہ پر منعقد قرأت، مقالہ نگاری، نعت

گوئی، نعت خوانی و تقریری مقابلوں میں حصہ لیا۔ ان مقابلوں میں سب سے زیادہ انعامات البرکات کے طلبہ نے حاصل کئے۔ مقابلے کے آخری دن جلسہ عید میلاد النبی ﷺ منعقد ہوا جس میں حضرت امین ملت مدظلہ العالی کے دست مبارک سے طلبہ و طالبات میں انعامات تقسیم کئے گئے۔ کامیاب طلبہ کو خطیر رقم کے انعامات سے نوازا گیا۔

National Muslim Talent Search Examination میں البرکات کے دو بچوں نے انعامات حاصل کیے۔

Smart Kid General Knowledge Olympiad میں محمد عادل سعید نے پہلا مقام پا کر گولڈ میڈل حاصل کیا۔

Aristole Biological Society Aligarh میں منعقد مقابلے میں البرکات پبلک اسکول کو پہلا مقام حاصل ہوا۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے A.B.K. School میں منعقد مقابلوں میں البرکات کے ۱۵ بچوں نے انعامات حاصل کئے۔

Brilliant International Olympiad of Mathematics میں البرکات کے عاصم انصاری، محسن جمال صدیقی اور سعد بن ناظم نے Gold Medal حاصل کئے۔

البرکات انسٹی ٹیوٹ آف مینجمنٹ اسٹڈیز:

الحمد للہ ہمارا ایم. بی. اے کورس ماشاء اللہ بہت معیاری تعلیم اور تربیت کے ساتھ جاری ہے۔ علی گڑھ میں مسلم یونیورسٹی کے ایم. بی. اے کورس کے بعد طلبہ البرکات کے ایم. بی. اے کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس سال بھی البرکات میں ہمارے ایم. بی. اے میں ۸۰ داغے ہوئے جو دیگر اداروں کی بہ نسبت بہت زیادہ ہے۔

البرکات انسٹی ٹیوٹ آف مینجمنٹ اسٹڈیز میں World Enviroment Day منعقد کیا گیا جس میں District Magistrate نے البرکات کے ذریعے

ماحولیات کے تحفظ کے لئے کیے گئے اقدامات کی بہت تعریف اور حوصلہ افزائی کی۔
ABIMS میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اور دیگر یونیورسٹیز کے اساتذہ، دانشوران کے علاوہ Corporate Sector کے ماہرین نے طلبہ کو اس کورس کے عملی نچ پر توسیعی خطبات دیے۔

ABIMS میں اس سال ادبی وثقافتی پروگرام ITTEHAD, FALAK MILAN-16, UFTAAD-16 وغیرہ ناموں سے منعقد کئے گئے۔
اس کے علاوہ طلبہ کو Industrial Visit کے لئے باہر مقامات پر بھیجا گیا۔
ساتھ ہی طلبہ کو Academic Tour پر منامی بھیجا گیا۔
البرکات کالج فار گریجویٹ اسٹڈیز:

اس ادارے میں B.B.A, B.C.A کی تعلیم کامیابی کے ساتھ جاری ہے۔
الحمد للہ ان کورسز میں اس سال تمام سیٹیں بھری ہوئی ہیں۔ اللہ کا شکر و احسان ہے ان کورسز میں پڑھائی کا ایسا معیار ہے جس کی شہرت سن کر علی گڑھ سے باہر کے بچوں نے آ کر یہاں داخلہ لیا۔

B.B.A کلاس کے ایک طالب علم نے English Grammer پر کتاب بھی تصنیف کی ہے۔ یہ ادارہ ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر یونیورسٹی، آگرہ سے الحاق شدہ ہے۔
الحمد للہ اس ادارے کے Discipin اور باصلاحیت اساتذہ کی محنتوں کی وجہ سے علی گڑھ میں ہمارے اس انسٹی ٹیوٹ کا بہت نام ہے۔ انشاء اللہ آنے والے سالوں میں یہ انسٹی ٹیوٹ نئے Graduate Course شروع کرے گا۔

البرکات سینٹر فار کمپیوٹر سائنس اینڈ لینگویج (Affiliated to NCPUL, New Delhi):
یہ قومی کاؤنسل برائے فروغ اردو زبان سے الحاق شدہ فاصلاتی تعلیم کا مرکز ہے۔ لیکن یہاں ہم نے اساتذہ کی باقاعدہ تقرر کی اور Regular Classes کرا کر
ماشاء اللہ اس کو بھی دوسرے اداروں کی طرح باقاعدہ چلا رہے ہیں۔

اس سینٹر کی کارکردگی کو دیکھتے ہوئے البرکات کو شمالی ہندوستان کا Answer Book Evaluation Centre بنایا گیا ہے۔ اس سینٹر میں اردو ڈپلوما، خطاطی کا پلوما، عربی زبان و ادب کا پلوما، کمپیوٹر ڈپلوما، Electrical Appliances کے ڈپلوما میں ساری سیٹیں بھر گئی ہیں۔

راقم کون NCPUL, New Delhi کے ذمہ داران نے بتایا کہ ملک میں البرکات ہی ایسا سینٹر ہے جہاں ان تمام کورسز میں ہمیشہ داخلے پورے رہتے ہیں۔ الحمد للہ۔ تو اس سال ہمیں داخلے کے Diploma in Electrical Appliances میں ۲۰ سیٹوں کی منظوری مزید دی گئی اور وہ سیٹیں بھی الحمد للہ پوری ہو گئیں۔ یہاں کے اساتذہ بہت محنت سے کام کر رہے ہیں جس کے نتیجے میں ان کورسز سے پاس شدہ بچوں کا انتخاب علی گڑھ سے باہر اچھی ماہانہ تنخواہوں پر ہو رہا ہے۔ امید ہے کہ اگلے سال NCPUL کے سبھی اچھے کورسز یہاں پر شروع ہوں گے۔

البرکات انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشن (B.Ed):

حکومت کی جانب سے NAAC Accreditation حاصل ہوا۔ اس سال کے پاس شدہ طلبہ علی گڑھ کے سرکاری وغیر سرکاری اداروں میں برسر روزگار ہیں۔
انشاء اللہ اس سال سے B.T.C کورس بھی اس ادارے میں شروع ہو جائے گا۔ اس کے متعلق تمام کاروائیاں مکمل ہو چکی ہیں۔
البرکات کے B.Ed کو ضلع علی گڑھ میں ایک امتیازی مقام حاصل ہے۔ سب سے زیادہ طلبہ Counselling میں البرکات کا انتخاب کرتے ہیں۔

البرکات اسلامک ریسرچ اینڈ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ:

البرکات اسلامک ریسرچ اینڈ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ بحمدہ تعالیٰ تعلیم و تربیت اور فارغ التحصیل طلبہ کے ہندوستان اور بیرون ہند معاش کے بہترین انتظام ہونے کے حوالے سے بہت اطمینان بخش طریقے سے کام کر رہا ہے۔ برادر عزیز سید محمد امان قادری کی

قیادت میں مولانا نعمان احمد ازہری اور مولانا توحید احمد مصباحی صاحبان کے تعاون سے ABIRTI نہایت ہی مخلص خدمات انجام دے رہا ہے۔

امان میاں سلمہ اس ادارے کی ترقی اور طلبہ کو زیادہ سے زیادہ امارٹ بنانے کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ فی الحال سال اول میں ۱۵ طالب علم علمائے کرام اور سال دوم میں ۱۳ طالب علم ہیں۔ جن کو تمام سہولتوں کے علاوہ ماہانہ وظیفہ بھی دیا جاتا ہے۔ الحمد للہ اس انسٹی ٹیوٹ سے ہمارا پہلا Batch فارغ ہوا، جو ۱۷ طلبہ پر مشتمل تھا۔ ان علمائے کرام نے ہندوستان کی اہم دینی درسگاہوں سے فضیلت کی سند حاصل کرنے کے بعد ہمارے یہاں دو سال رہ کر اپنی شخصیت میں خوب خوب نکھار پیدا کیا۔ ان میں مولانا محمد حسن مصباحی نے پہلی، مولانا محمد حسن مرکزی نے دوسری اور مولانا رضاء الحق امجدی نے تیسری پوزیشن حاصل کی۔ یہ بھی تحدیث نعمت کے طور پر کہتا ہوں کہ ہمارے یہاں سے کورس پورا کرنے کے بعد فوراً ملک کے مختلف صوبوں کے بڑے بڑے شہروں میں اونچے مشاہروں پر ان کی تقرریاں عمل میں آئیں۔ تین علمائے کرام بیرون ہندوستان بھی اعلیٰ مناصب پر فائز ہوئے جب کہ مزید کمی وہاں محسوس کی جا رہی ہے۔ انشاء اللہ آنے والے سالوں میں وہ جگہیں ہمارے یہاں کے تربیت یافتہ علماء کرام پُر کریں گے۔

ہمارے یہاں سے فارغ التحصیل پہلے Batch کے علمائے کرام ملک و بیرون ملک میں درج ذیل مقامات پر فائز ہیں۔

مولانا عبد الباری (مبارکپور)، مولانا غلام دینگیر جیلانی (ساؤتھ افریقہ)، مولانا محمد ابرار (مارہہ شریف)، مولانا محمد دلشاد احمد (مدھیہ پردیش)، مولانا فیضان سرور (الہ آباد)، مولانا محمد حسن (بھوپال)، مولانا جاوید خان (چھتیس گڑھ)، مولانا محمد مدثر (بھوپال)، مولانا محمد حسن (ساؤتھ افریقہ)، مولانا قمر رضا (راجستھان)، مولانا محمد سلمان رضا (گجرات)، مولانا محمد شاہد رضا (جزیرہ انڈمان نکوبار)، مولانا طاہر رضا (دہلی)، مولانا ریاض الدین (ساؤتھ افریقہ) اور مولانا ساجد عالم (کلیر شریف)۔

دیگر دو طلبہ مولانا احسان الحق اور مولانا رضا الحق نے مزید اعلیٰ تعلیم کے لیے علی

گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ اور جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی میں داخلہ لیا۔ اس ادارے میں علمائے کرام کی جدید نسل کو تربیت و مشق کے ذریعہ عربی، انگریزی اور کمپیوٹر کی تعلیم کے ساتھ ساتھ لکھنے اور بولنے میں ایسا ماہر بنانے کی سعی کی جا رہی ہے کہ انشاء اللہ مستقبل میں وہ کسی میدان میں کم مائیگی کا احساس نہیں کریں گے۔ آپ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس ادارے کے ذریعہ ہندو بیرون ہند کے اہل سنت و جماعت کی نئی نسل کو خوب خوب مستفید فرمائے۔ (آمین)

اللہ تعالیٰ صدر سوسائٹی حضور امین ملت کی قیادت اور صدارت میں البرکات کا یہ تعلیمی کارواں کامیابی اور کامرانی کی منزلوں سے ہم کنار ہو اور قوم و ملت اس سے صبح قیامت تک فیض یاب ہو۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

آپ کا
احمد مجتبیٰ صدیقی

ترسیل کا پتہ

ڈاکٹر احمد مجتبیٰ صدیقی

جوائنٹ سکریٹری

البرکات ایجوکیشنل سوسائٹی

انوپ شہر روڈ، جمال پور، علی گڑھ-۲۲۲۱۲۰

ahmad.mujtaba73@gmail.com

09359146873

کوائف جامعہ احسن البرکات، مارہرہ شریف

مولانا فضیل احمد مصباحی

استاذ جامعہ احسن البرکات، مارہرہ شریف، ایٹھ

مغربی اتر پردیش کے ضلع ایٹھ کا مشہور زمانہ قصبہ مارہرہ مقدسہ جو سادات زید یہ بزرگان دین کے علمی وقار اور روحانی مراتب کے حوالے سے عالمی شہرت کا حامل ہے اس خاندان کے اکابرین جہاں عبادت و ریاضت، مجاہدہ و سلوک اور خدمت خلق میں نمونہ عمل ہیں وہیں علمی سرگرمیوں اور تصنیف و تالیف کے میدان میں ممتاز و منفرد نظر آتے ہیں۔ اس خانوادے کے موجودہ شہزادگان نے ملک و بیرون ملک میں عصری و دینی علوم کی ایسی بے شمار قدیلیں روشن کیں جن سے ایک عالم نور علم حاصل کر رہا ہے۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی خانقاہ برکاتیہ کے زیر انتظام چلنے والا ایک عظیم الشان دینی و تربیتی ادارہ جامعہ احسن البرکات ہے، جس کی بنیاد تقریباً چار سال پہلے حضور امین ملت سید شاہ محمد امین میاں قادری برکاتی سجادہ نشین خانقاہ برکاتیہ و پروفیسر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، شرف ملت سید محمد اشرف میاں قادری، رفیق ملت سید شاہ نجیب حیدر نوری میاں قادری و دیگر شہزادگان کے علاوہ خیرالازکیا علامہ محمد احمد مصباحی سابق صدر المدرسین، جامعہ اشرفیہ مبارکپور، محقق مسائل جدیدہ، حضرت مفتی محمد نظام الدین صاحب مصباحی برکاتی، صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ اور دیگر مشاہیر علماء دانشوران ملت کے ہاتھوں رکھی گئی۔ شعبہ عالمیت و حفظ و قرأت پر مشتمل یہ ادارہ اپنے مختصر سے علمی سفر میں تعلیمی و تربیتی میدان میں وہ شہرت حاصل کی ہے جس کی مثال ہم عصر اداروں میں نادر ہے۔

چونکہ خانوادے کے موجودہ شہزادگان اپنی تعلیمی و تربیتی سرگرمیوں کی وجہ سے ہندوستان کے علمی حلقے میں امتیازی حیثیت رکھتے ہیں اور احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ اس لیے اپنے ادارے کی ترقی اور اس میں تعلیم حاصل کر رہے طلبہ کی اسلامی سچ پر تربیت اور ان کے روشن مستقبل کے لیے ہمیشہ فکر مند رہتے ہیں۔ ان شہزادگان کا مقصد عام اور سہمی ادارے چلانا نہیں جو عام طور پر تعلیم برائے تجارت کے اصول پر کام کرتے ہیں بلکہ ایسے افراد کی جماعت تیار کرنا ہے جو اصلاح و تربیت، رشد و ہدایت اور خلق خدا کی خدمت کے ساتھ قوم و ملت کی تعلیمی پسماندگی کو دور کرے، اس کے لیے ادارے میں شعبہ جات کی توسیع اور باصلاحیت افراد کا انتخاب بہت اہم مرحلہ ہوتا ہے۔ جس کے لیے مختلف علوم و فنون کے ماہرین اپنی تمام تر توانائیوں کے ساتھ مصروف عمل ہیں۔ امسال توسیعی منصوبے کے تحت شعبہ تجوید میں ایک لائق و فائق اور تجربہ کار استاذ قاری محمد یونس صاحب رضوی، شعبہ عالمیت میں جامعہ ازہر مصر کے شعبہ حدیث سے فارغ التحصیل حضرت مولانا اسلم نبیل ازہری اور البرکات اسلامک ریسرچ اینڈ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ سے فارغ التحصیل حضرت مولانا محمد ابرار برکاتی مصباحی کا تقرر عمل میں آیا۔

جامعہ احسن البرکات کے مختلف شعبہ جات:

درجات پرائمری:

اس میں قصبہ کے بچوں اور بچیوں کے لیے ابتدائی تعلیم کا باقاعدہ انتظام ہے۔ جس میں اردو، ہندی اور انگریزی کے ساتھ ساتھ ابتدائی اسلامی تعلیمات ناظرہ قرآن نیز روزہ و نماز وغیرہ کی عملی مشق بھی کرائی جاتی ہے اور اسلامی عقائد اور عمدہ تربیت پر خاص توجہ دی جاتی ہے۔ گزشتہ سال کی بہ نسبت امسال طلبہ کا تعلیمی ماحول کافی اچھا رہا اور سالانہ امتحان کے نتائج اطمینان بخش رہے جس کی وجہ سے کافی طلبہ جامعہ کی طرف مائل ہوئے۔ امسال نو داخل طلبہ سمیت کل تعداد ۱۵۰ سے تجاوز کر گئی ہے۔ طلبہ کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر آئندہ اس شعبہ میں بڑے پیمانے پر توسیع کا ارادہ ہے انشاء اللہ۔

حفظ:

اش شعبہ میں مقامی اور بیرونی طلبہ مکمل دلچسپی اور لگن کے ساتھ حفظ قرآن میں مشغول ہیں جنہیں ایک منظم تعلیمی نصاب کے تحت تین برسوں میں خوبصورت لب و لہجہ کے ساتھ حفظ بالحد رکرایا جاتا ہے۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ حفظ قرآن کے ساتھ طلبہ کو مشہور آیات کے ترجمے اور تفسیر سے بھی روشناس کرایا جاتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اردو املا و نقل پر بھی خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔ ہفتہ واری بزم میں نعت و منقبت اور تقریر کی مشق جز و لا ینفک ہے۔ اس سال اس شعبہ سے کل ۸ بچے فارغ ہوئے جنہوں نے مختلف مقامات پر تراویح میں عمدہ طریقے سے قرآن پاک سنا کر کے داد و تحسین حاصل کیں۔

اس شعبہ کی کامیابی کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ تعلیمی سال کے آغاز میں ۷۰ سے زائد خواہش مند طلبہ نے داخلہ امتحان میں شرکت کی ان میں سے صرف ۲۳ باذوق بچوں کا انتخاب ہوا۔ طلبہ کے میلان کو دیکھتے ہوئے آئندہ اس شعبہ میں بھی مزید توسیع کا ارادہ ہے ان شاء اللہ۔

تجوید و قرأت:

یہ ادارے کا اہم اور کارآمد شعبہ ہے جو فن تجوید و قرأت کے اس انحطاط پذیر دور میں نمایاں اور قابل قدر خدمات پیش کر رہا ہے اور اس فن کی ترویج و اشاعت میں اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ اس میں دو سالہ قرأت کورس خصوصی بروایت حفص کا اہتمام ہے اور درجہ عالمیت کے طلبہ کو اولی تا ثالثہ تین سالہ عمومی کورس کے ذریعہ سند تجوید عطا کی جاتی ہے۔ عام طور سے دیکھا جاتا ہے کہ اس فن کے جاننے والے قرآن مجید صحیح مخارج اور اصول و قواعد کی رعایت کے ساتھ پڑھ لیتے ہیں مگر عربی لہجات سے ناواقف ہوتے ہیں لیکن ہمارے یہاں مایا، حجازی، قمی اور حسینی لہجات مرتب نظام کے ساتھ سکھائے جاتے ہیں۔ اس کے لیے ماہر فن، تجربہ کار اور محنتی اساتذہ کی خدمات لی جا رہی ہیں۔ اس سال اس شعبہ میں داخلہ کے خواہش مند طلبہ کی کثیر تعداد میں درخواستیں موصول ہوئیں داخلہ جاتی امتحان کے ذریعہ ۶

طلبہ کو منظوری دی گئی اور خوشی کی بات یہ ہے کہ اس شعبہ سے فارغ ہونے والے طلبہ مدرسوں اور مسجدوں میں اطمینان بخش خدمات انجام دے رہے ہیں۔

عالمیت:

یہ اس ادارہ کا سب سے اہم اور فعال شعبہ ہے جو اپنے مختصر سے تعلیمی سفر میں اپنی عمدہ کارکردگی اور اعلیٰ معیاری تعلیم و تربیت کی وجہ سے ہندوستان میں مشہور ہو چکا ہے۔ اس میں جامعہ اشرفیہ کے جدید نصاب کے مطابق اعدادیہ تاراجہ درس و تدریس کا نظم ہے۔ اس کی بڑی خوبی یہ ہے کہ طلبہ کے روشن اور تابناک مستقبل کے لیے الگ الگ ماہرین اور متخصص اساتذہ پورے حوصلے اور لگن کے ساتھ مصروف عمل ہیں۔ میرے خیال میں کسی بھی ادارہ کی کامیابی اور اس کے تعلیمی معیار کا اندازہ اس کے فارغین کی کارکردگی اور ڈیماٹ سے لگایا جاتا ہے۔ اگرچہ اس شعبہ سے ابھی تک کوئی جماعت فارغ نہیں ہوئی ہے تاہم تعلیمی سال کے آخر میں منعقد تحریری و تقریری امتحان کے نتائج اور محنتیں کے تاثرات سے اور وقتاً فوقتاً ماہرین تعلیمات کے جائزے سے اس بات کا یقین کیا جاسکتا ہے کہ یہ شعبہ مکمل کامیابی کے ساتھ اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے۔

طلبہ کی شخصیت اور خوابیدہ صلاحیتوں کو بیدار کرنے اور جدید صلاحیتوں کے مطابق تعلیمی جذبہ (Sprit) پیدا کرنے کے لیے ملک و ملت کے مشاہیر علماء اور ماہرین علوم و فنون کے توسیعی خطبات اور نصیحتیں کرائی جاتی ہیں جن سے طلبہ خوب مستفید ہو رہے ہیں اور اپنے اندر کارآمد تبدیلیاں پیدا کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں جہاں علماء و مشائخ اور یونیورسٹیز کے پروفیسران اور ماہرین فن کی خدمات قابل قدر اور لائق تحسین ہیں۔ وہیں ملک کی انتہائی معتبر و مستند علمی شخصیت خیرالاکیا حضرت علامہ محمد احمد مصباحی صاحب قبلہ ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ مبارک پور اپنی نمایاں خدمات کے سبب خصوصی شکریہ کے مستحق ہیں۔ آپ کی ذات ایک شخصیت ساز اور ماہر علم کے طور پر اہل دانش کے درمیان مسلم ہے۔ آپ اپنی گونا گوں بے پناہ مصروفیات کے باوجود ہر ماہ جامعہ میں تشریف لاتے ہیں اور

ادارہ کے تمام شعبوں کے معیار تعلیم کا گہرائی سے جائزہ لینے کے ساتھ مفید مشوروں سے نوازتے ہیں۔ اساتذہ کی تعلیمی صلاحیتوں کو فروغ دینے کے لیے جدید طریقہ تدریس کی عملی مشق آپ کی نگرانی میں کی جاتی ہے۔ جس سے طلبہ اور اساتذہ خوب استفادہ کر رہے ہیں اس کے لیے ہم خصوصی طور پر حضرت مصباحی صاحب کے شکر گزار ہیں۔

اس ادارہ کے تمام شعبوں میں داخلہ ۱۳ شوال المکرم کو مقابلہ جاتی تحریری امتحان اور انٹرویو کے ذریعہ ہوتا ہے جس میں ہر سال ملک کے اکثر صوبوں سے سیکنڈوں طلبہ شریک ہوتے ہیں۔ اس سال مجموعی طور پر ۲۵۰ درخواستیں موصول ہوئیں، جن میں سے درجات پرائمری میں ۳۰، شعبہ حفظ میں ۲۳، شعبہ تجوید میں ۷ اور شعبہ عالمیت میں ۴۰ طلبہ کا انتخاب عمل میں آیا۔ اس طرح مقامی و بیرونی طلبہ کی مجموعی تعداد ۳۰۰ سے زائد ہے۔ تعلیمی سال کے آخر میں سالانہ تقریری امتحان کے لیے ہر سال باہر سے ماہرین درسیات کو مدعو کیا جاتا ہے۔ امسال حضرت علامہ مفتی حبیب اللہ صاحب دارالعلوم فضل رحمانیہ کچھڑوا بلرام پور، حضرت مولانا کمال احمد علی دارالعلوم جہد اشاہی، حضرت قاری غلام محی الدین صاحب دارالعلوم تنویر الاسلام امرڈوبھا سنت کبیر نگر اور حضرت قاری کلام الدین صاحب منظری بریلی شریف کی تشریف آوری ہوئی۔ الحمد للہ ممتحنین کے تاثرات تسلی بخش اور امید افزا رہے، نتیجہ سو فیصد رہا، نصف سے زائد طلبہ نے ۸۰ فیصد سے زیادہ نبرات حاصل کیے اور باقی نے اعلیٰ اور اوسط درجہ سے کامیابی حاصل کی۔

انتہائی خوشی کی بات ہے کہ اپنی کلاس میں اول پوزیشن حاصل کرنے والے طلبہ کو ہر ماہ نائب سرپرست اعلیٰ حضور فیتق ملت کے ہاتھوں خاطر خواہ وظیفہ بھی دیا جاتا ہے جس سے طلبہ کے درمیان مقابلہ جاتی سوچ اور پوزیشن حاصل کرنے کے لیے جذبہ میں اضافہ ہو رہا ہے۔ بلاشبہ جامعہ احسن البرکات مختصر سی مدت میں اپنی گونا گوں خوبیوں کے سبب مدارس کی دنیا میں امتیازی حیثیت حاصل کئے ہوئے ہے۔ اگر طلبہ کے قیام و طعام کی سہولتوں سے متعلق گفتگو کی جائے تو خانقاہ شریف میں تشریف لانے والا ہر شخص اس چیز کا مشاہدہ کر سکتا ہے کہ رہائشی سہولتوں کے ساتھ خورد و نوش کا جو اعلیٰ و معیاری انتظام جامعہ میں ہے عام

مدارس بلکہ عصری علوم کے اداروں میں متصور نہیں۔ طلبہ کو مینو (Menu) کے مطابق مقوی ناشتہ اور دوپہر و شام کے کھانے کے علاوہ بعد نماز عصر پھلوں کا عصرانہ ہر روز کا معمول ہے۔ جس کے سبب طلبہ پوری توانائی اور بے فکری کے ساتھ تعلیمی سرگرمیوں میں مصروف عمل ہیں۔ ان ساری سہولتوں کے عوض طلبہ سے کوئی معاوضہ نہیں لیا جاتا۔

جدید تعمیر:

اگر تعمیری ترقی کا ذکر کریں تو جامعہ کی جدید چار منزلہ درسگاہی بلڈنگ جو تعمیری مرحلے میں تھی امسال مکمل ہو چکی ہے۔ شاندار محل وقوع، خوبصورت ڈیزائن، وسیع و عریض خوبصورت ہوادار کمروں اور جدید تعلیمی وسائل سے آراستہ ہے۔ ادارہ کی تعلیمی سرگرمیاں بہت جلد نئی بلڈنگ میں منتقل ہوں گی انشاء اللہ۔

طلبہ کی بڑھتی ہوئی تعداد کے مد نظر ایک عظیم رہائشی عمارت کا خاکہ تیار ہو چکا ہے اور جلد ہی اس کی بنیاد کا ارادہ ہے انشاء اللہ۔

ادارہ کی کارگزاریاں اور کوائف پیش کرنے کا مقصد عوام اہل سنت خاص طور سے برکاتی بھائیوں کو ادارہ کی سرگرمیوں کی اطلاع دینا اور ان سے دعائیں حاصل کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے سرکاروں کے مقاصد میں کامیابی عطا فرمائے اور ان کا سایہ عاطفت ہمارے سروں پر تادریصحت و تندرستی قائم رکھے اور علم و معرفت کا یہ کارواں یوں ہی کامیابی کے ساتھ رواں دواں رہے۔

برکاتی پیغام۔ ”آدھی روٹی کھائیے۔ بچوں کو پڑھائیے۔“

عرس صاحب البرکات کی آنکھوں دیکھی

مولانا محمد اکبر علی برکاتی

استاذ جامعہ احسن البرکات، مارہرہ مطہرہ

تین سو سالوں سے تشنگان علوم و معرفت کو سیراب کرنے والا بحر ناپیدا کنار آج پھر جوش میں ہے۔ یعنی خانقاہ عالیہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ ضلع ایٹہ یوپی۔ اپنے بانی حضور صاحب البرکات سیدنا شاہ برکت اللہ عشتیٰ عینی علیہ الرحمۃ والرضوان کا دوسو چھیانوے (۲۹۶) سالانہ عرس مقدس منانے کے لئے بھی ہوئی ہے۔ چونکہ جامعہ احسن البرکات کے اکثر طلبہ و اساتذہ نویں محرم کو روزے سے تھے اور حضور رفیق ملت نے طلبہ و اساتذہ کے علاوہ جتنے بھی زائرین عرس صاحب البرکات تشریف لائے تھے سبھی کے لئے دونوں ہی دن سحری و افطار کے ساتھ کھانے کا بھی بہت ہی معقول اہتمام فرمایا تھا۔ لہذا نویں محرم الحرام ۱۴۳۸ھ روز سہ شنبہ گزر کر شب عاشورہ میں بعد نماز مغرب ہی خانقاہ مقدسہ کے نوری صحن میں جامعہ احسن البرکات کے علماء طلبہ کے علاوہ مقامی و بیرونی عقیدت مندوں کا اتنا کثیر مجمع ہو گیا کہ بیٹھنے کی جو بھی جگہ خانقاہ کے اندر ہے تقریباً سبھی پر ہو گئی۔ اس ماحول میں محمد شہود برکاتی متعلم جامعہ احسن البرکات درجہ اولیٰ نے نظامت کی ذمہ داری سنبھالتے ہوئے تلاوت قرآن مقدس سے جلسے کا آغاز کرنے کے لئے جامعہ احسن البرکات کے درجہ تخصص فی القراءت کے لائق و فائق استاذ حضرت قاری محمد یونس رضا صاحب کو دعوت دی انہوں نے بہت ہی بہتر انداز میں قرآن مقدس کی تلاوت فرمائی جسے سن کر مجھے اپنا ہی شعر یاد آ گیا کہ:

پڑھو جب بھی ابھی نازل ہوا محسوس ہوتا ہے
قرآن پاک کا انداز ایسا معجزانہ ہے
پھر حمد پاک سے سامعین کے قلوب کو جلا بخشنے کے لئے جامعہ احسن البرکات کے
ہی طالب علم مولوی محمد قاسم درجہ رابعہ کو دعوت دی گئی جنہوں نے حضور اعلیٰ حضرت فاضل
بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کا لکھا ہوا مشہور زمانہ کلام۔

وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا
ہمیں بھیک مانگنے کو تیرا آستان بتایا تجھے حمد ہے خدایا
پڑھا اس کے بعد جامعہ احسن البرکات کے ہی طالب علم محمد امن برکاتی بریلوی نے۔
پھر کے گلی گلی تباہ ٹھوکریں سب کی کھائے کیوں
دل کو جو عقل دے خدا تیری گلی سے جائے کیوں
پھر حضور رفیق ملت سید نجیب حیدر برکاتی نوری تشریف فرما ہوئے تمام حاضرین
نے کھڑے ہو کر نعرہ تکبیر و رسالت کے بلند بانگ نعروں سے استقبال کیا، تشریف فرما
ہوتے ہی انہوں نے مانگ سنبھالا اور پڑھا۔

ایسا ناتی کسی نانا کو ملا ہو تو بتاؤ
جو چراغوں کو بجھا دے تو اجالا ہو جائے

اور پڑھا۔

سبیلیں جب تک زندہ رہیں گی
علی اکبر سے شرمندہ رہیں گی
پھر آپ نے ہی اپنے جامعہ کے معلم حافظ برکت علی کو بلایا۔ انہوں نے اعلیٰ
حضرت کا کلام۔

سرور کہوں کہ مالک و مولیٰ کہوں تجھے
باغ خلیل کا گل زیبا کہوں تجھے

پھر حضور رفیق ملت نے پڑھا۔

وہ حسین کیا جو فتنے اٹھا کر چلے

ہاں حسین تم ہو فتنے مٹا کر چلے

پھر جامعہ کے ہی طالب علم محمد کاظم برکاتی نے حضور تاج الشریعہ کی مشہور زمانہ نعت پڑھی: منور میری آنکھوں کو میرے شمس الضحیٰ کر دیں۔ غموں کی دھوپ میں وہ سایہ زلف دوتا کر دیں۔ پھر حافظ محمد ارمان درجہ اعدادیہ نے نعت پیش کی پھر عبدالحمید متعلم جامعہ نے پڑھا۔

لیجئے سلام آخری کر بلا کو جانا ہے

عہد جو کیا تھا آپسے اب مجھے نبھانا ہے

پھر حضور رفیق ملت نے پڑھا۔

اپنا سودا بیچ کر بازار سونا کر گئے

کوئی بستی بسائی تاجر ان اہل بیت

اسی سلسلہ کو آگے بڑھاتے ہوئے محمد سلمان درجہ رابعہ نے آیت کریمہ ”قل لا اسئلكم عليه اجرا الا المودة فی القربی“ کی تشریح و تفسیر خطیبانہ انداز میں بیان کی۔ حضور رفیق ملت نے فرمایا کہ مشہور ہونا اور بات ہے مقبول ہونا اور بات ہے۔ یزید مشہور تھا لیکن حسین مشہور ہونے کے ساتھ مقبول بھی تھے، ہیں اور رہیں گے، پھر حضرت فاروق مدنا پوری صاحب نے اپنا کلام پڑھا۔ یہ برکاتی صدا گھر گھر پہنچ جائے تو اچھا ہے کہ آدھی روٹی کھا کر بھی پڑھا جائے تو اچھا ہے۔ پھر حضور رفیق ملت کے فرمان پر جامعہ احسن البرکات کے مایہ ناز استاذ حضرت مولانا اسلم نبیل صاحب نے پڑھا۔

یہ عنایتوں کی جزا ملی یہ ہدایتوں کا صلہ ملا

جو چراغ نور نبی کا تھا اسے کر بلا میں بجھا دیا

پھر درگاہ معلیٰ میں ان حضرات کا ورود مسعود ہوا شرافت و نجات جن کی چوکھٹ کی کنیر ہے، دولت و شہرت جن کے قدم چومتی ہے، جن کی عظمت و عزت پر بڑے بڑے

صاحبان اقتدار و حاملان جبہ و دستار رشک کریں علم و عمل جن کا خاندانی ورثہ جن کی اطاعت و فرمانبرداری کے لئے صرف جسم ہی نہیں دل بھی جھکے ہوئے ہیں۔ سخاوت و قناعت جن کا طرہ امتیاز ہے۔ یعنی مرشد برحق ناشر مسلک اعلیٰ حضرت علوم معرفت و شریعت امین ملت حضور سید امین میاں صاحب قبلہ قادری برکاتی صاحب سجادہ آستانہ عالیہ برکاتیہ دام ظلہ العالی اور ان کے ساتھ ان کے بھائی نازش علم و فن استاذ الشعراء حضور شرف ملت سید اشرف حیدر برکاتی صاحب قبلہ دام ظلہ العالی اور وارث علوم حضور سیدی مرشدی سرکار احسن العلماء رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور جامعہ کے طلبہ پر والدین سے زیادہ مہربان حضور سید نجیب حیدر عرف رفیق ملت صاحب قبلہ دامت کاہم القدسیہ اور انہیں حضرات کے پیچھے حضور سد امان میاں صاحب و حضور سید عثمان میاں و حضور سید حیدر میاں صاحب و حضور سید محسن میاں صاحب بھی تشریف فرما ہوئے ان حضرات پر نظر پڑتے ہی لوگوں کی زبانوں پر برجستہ یہ شعر آ گیا:

تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا

تو ہے عین نور تیرا سب گھرا نا نور کا

پھر حضور رفیق ملت نے محبت اہل بیت اطہار اور محبت رسول ﷺ پر مختصر خطاب فرمایا، پھر ان کے بعد نعرہ تکبیر و رسالت کی گونج میں حضور شرف ملت سید اشرف میاں صاحب قبلہ قادری برکاتی نے فضائل اہل بیت اطہار پر بہت ہی مدلل و مفصل خطاب فرمایا۔ پھر اس بزم کی زینت گل گلزار قادریہ مرشد برحق رہبر شریعت امین و ناشر مسلک اعلیٰ حضرت سیدنا حضور امین میاں قادری برکاتی صاحب قبلہ صاحب سجادہ خانقاہ عالیہ برکاتیہ نے شہید اعظم سیدنا امام حسین اور ان کے رفقاء رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے فضائل اور صاحب عرس حضور سیدنا شاہ برکت اللہ عشقی رحمہ اللہ علیہ الرحمۃ الرضوان کے حالات زندگی پر مختصر روشنی ڈالی اور فرمایا کہ حضور صاحب البرکات کا یہ دوسو چھانوے سالانہ مقدس ہے اور انشاء اللہ چار سال بعد یعنی ۱۴۴۲ھ میں تین سوواں عرس خصوصی اہتمام سے منایا جائے گا۔ پھر صلاۃ و سلام اور انہیں کی دعاؤں پر عرس کی پہلی مجلس اپنی منزل کو پہنچی۔

دوسری محفل منعقد یوم عاشورہ ۱۲۳۸ھ ۱۲ اکتوبر ۲۰۱۶ء بروز چہار شنبہ:

شہداء کربلا اور ان کے اہل و عیال و رفقاء رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ذکر اور حضور صاحب البرکات کے عرس کی دوسری اور آخری محفل کا آغاز تقریباً صبح ۸ بجے جامعہ احسن البرکات کے طلبہ و اساتذہ اور مقامی و بیرونی شرکاء عرس کی قرآن خوانی سے ہوا۔ تقریباً ایک گھنٹہ قرآن خوانی کے بعد ۹ بجے محمد شہود برکاتی متعلم جامعہ احسن البرکات نے محفل کا آغاز تلاوت قرآن مقدس سے کرنے کے لئے جامعہ احسن البرکات شعبہ قرأت استاذ حضرت حافظ وقاری محمد یونس رضا صاحب کو دعوت دی جنہوں نے حسن قرأت کا بہترین نمونہ پیش کیا۔ پھر ناظم اجلاس نے حمد باری تعالیٰ پیش فرمانے کے لئے محمد وسیم برکاتی درجہ اعدادیہ کو دعوت دی جنہوں نے حمد خدائے پاک سے سامعین کے قلوب کو ایمان جلا بخشی اور پڑھا۔ پھر ناظم اجلاس نے یکے بعد دیگرے محمد افرید، محمد کاشف، محمد صاحب عالم، محمد توصیف، محمد خالد، کو دعوت سخن دی اور بہترین لب و لہجہ میں نعت رسول مقبول ﷺ اور مناقب اہل بیت اطہار سنا کر سامعین کو محفوظ کیا۔ اسی درمیان رفیق ملت نجیب میاں صاحب قبلہ تشریف فرما ہوئے، پھر تھوڑی ہی دیر بعد حضور سید امین میاں صاحب دامت برکاتہم القدسیہ اور انہیں کے ساتھ حضور سید امان میاں و حضور سید عثمان میاں و حضور سید حیدر میاں و حضور محسن میاں صاحب تشریف فرما ہوئے، مگر حضور شرف ملت اس بزم میں تشریف فرمانہ ہوئے۔ تب تک اتنا کثیر مجمع ہو چکا تھا کہ خانقاہ مقدسہ کے اندرونی دونوں صحن مزارات کے درمیان خالی جگہ باہر کا عام راستہ بھی زائرین سے پر ہو چکا تھا۔ پھر جامعہ کے طالب علم محمد عارف درجہ ثانیہ کو حضور رفیق ملت نے تقریر کے لئے مدعو فرمایا: انہوں نے اتنی اچھی تقریر کی کہ محسوس ہی نہیں ہوتا تھا کہ یہ کوئی طالب علم بول رہا ہے۔ پھر تعزہ تکبیر و رسالت کے گونچ میں شیر برکاتیت خلیفہ حضور رفیق ملت مفتی محمد صاحب برکاتی نے واقعات کربلا اتنے موثر انداز میں بیان فرمائے کہ اکثر لوگوں کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔

پھر حضور رفیق ملت صاحب قبلہ نے خطاب فرمایا۔ آپ نے علم دین کے حصول

کی اہمیت شریعت مطہرہ پر عمل کرنے کی تاکید اور اپنے پیرومرشد کی ہر وہ بات ماننے کا حکم فرمایا، جو منشاء شریعت کے خلاف نہ ہو کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کی نافرمانی کرنے میں کسی کی اطاعت نہیں“، یعنی کوئی بھی اللہ تبارک تعالیٰ کی نافرمانی کو کہے تو قطعاً اس کا حکم نہیں مانا جائے گا۔ پھر تقریباً گیارہ بجکر ۳۰ منٹ پر سیدنا سرکار امین ملت دام ظلہ العالی کی دعا پر مجلس اپنے اختتام کو پہنچی پھر سارے زائرین کی بریانی سے ضیافت کی گئی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سبھی کو اپنے محبوبین سے سچی محبت اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الامین علیہ و علی الہ و صحبہ الصلاۃ و السلام برحمتک یا ارحم الراحمین۔

عرس قاسمی برکاتی ۲۰۱۵ء

محمد اکبر قادری

اکاؤنٹ آفیسر، البرکات ایجوکیشنل سوسائٹی، علی گڑھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم

الحمد للہ اس سال خانقاہ و درگاہ برکاتیہ، مارہرہ مطہرہ میں ۸۹ واں عرس قاسمی برکاتی ۱۳، ۱۵ اور ۱۶ نومبر ۲۰۱۵ء بروز جمعہ، ہفتہ اور اتوار اپنی دینی شان و شوکت اور قدیم روایات کے مطابق شریعت مطہرہ کی پاسداری کے ساتھ منعقد ہوا۔ صاحب سجادہ حضرت امین ملت مدظلہ العالی اور ناظم عرس حضرت رفیق ملت مدظلہ کا عرس کے انتظامات میں ہاتھ بٹانے اور عرس شریف کے کاموں میں مدد کے لیے تین چار روز پہلے ہی سے حضرت شرف ملت مدظلہ اور صاحبزادہ سید محمد امان میاں صاحب مارہرہ شریف پہنچ گئے تھے اور یہ راقم الحروف بھی دو روز قبل ہی مارہرہ شریف پہنچ گیا تھا۔ عرس شریف کی مختصر روداد حسب ذیل ہے:

قبل از وقت زائرین کی آمد کے پیش نظر کئی برسوں سے عرس سے ایک دن پہلے یعنی بروز جمعرات بعد نماز عشاء درگاہ برکاتیہ میں محفل منعقد ہوتی ہے، سو اس سال بھی ۱۳ نومبر ۲۰۱۵ء کو درگاہ شریف میں محفل منعقد ہوئی۔ کئی برسوں سے متواتر برادر طریقت محمد فرقان برکاتی، گونڈل گجرات سے اپنی پوری ٹیم کے ساتھ مارہرہ شریف حاضر ہوتے ہیں اور اپنے ساتھ مسجد، خانقاہ و درگاہ کو سجانے کے لیے آرائش کا پورا سامان لے کر آتے ہیں۔

لہذا اس سال بھی انہوں نے اپنی پوری جانفشانی کے ساتھ اس کام کو انجام دیا۔ جامع مسجد برکاتی، خانقاہ شریف، حویلی شریف، درگاہ شریف اور درگاہ شریف کے سامنے والی سڑک پوری چور ہے تک جگمگ آرائش سے ظاہری طور پر بھی مزین ہو گئی، باطنی طور پر اس کی روشنی اور زینت کا کیا کہنا۔ سبحان اللہ۔ برادر طریقت محمد اسلم برکاتی نے جن جن جگہوں پر زائرین قیام کرتے ہیں ان جگہوں پر گدے اور دریاں بچھانے کا کام شروع کر دیا تھا۔

جمعرات کو بعد نماز عشاء محفل کا آغاز تلاوت کلام ربانی سے حافظ محمد عامر برکاتی سلمہ متعلم جامعہ احسن البرکات، مارہرہ شریف نے کیا۔ محمد یونس رضا برکاتی متعلم جامعہ احسن البرکات نے حمد پڑھی۔ محمد ریحان کلاں، محمد فرید برکاتی، محمد کمال برکاتی وغیرہم مدرسہ قاسم البرکات کے طلبہ نے نعتیں پڑھیں۔ محمد حسین برکاتی، محمد حمزہ برکاتی، کراچی، پاکستان اور محمد شہزاد برکاتی، کراچی، پاکستان نے نعتیں پڑھیں۔ محمد خالد، محمد فرمان، محمد سبطین رضا وغیرہم نے مل کر ”ہم برکاتی بچے ہیں“ نظم پڑھی۔ محمد فیضان رضا متعلم جامعہ احسن البرکات مارہرہ نے زیر عنوان ”حضور صاحب البرکات علیہ الرحمۃ“ انگریزی میں تقریر کی۔ محمد قاسم برکاتی متعلم جامعہ احسن البرکات، مارہرہ نے زیر عنوان ”پانی کی اہمیت“ اور محمد رضوان برکاتی متعلم جامعہ احسن البرکات، مارہرہ نے زیر عنوان ”حضور احسن العلماء علیہ الرحمۃ“ تقریریں کیں۔ رفیق ملت حضرت سید شاہ نجیب حیدر میاں صاحب سجادہ نشین خانقاہ برکاتیہ نے خطاب فرمایا۔ ان کے بعد شرف ملت حضرت سید شاہ محمد اشرف میاں صاحب نے بیان فرمایا اور نعت پاک سنائی۔ آخر میں صاحب سجادہ امین ملت حضرت سید شاہ محمد امین میاں صاحب سجادہ نشین خانقاہ برکاتیہ مارہرہ نے چند کلمات طیبات ارشاد فرمانے کے بعد دعا فرمائی۔ صلاۃ و سلام ”یا شفیع الوریٰ سلام علیک“ پڑھا گیا اور دعا کے بعد یہ عرس سے ایک دن پہلے کی محفل اپنے اختتام کو پہنچی۔ تمام زائرین محفل ختم ہونے کے بعد کھانے سے فارغ ہوئے اور اپنی اپنی قیام گاہ پر آرام کرنے چلے گئے۔

عرس شریف کا پہلا دن یعنی ۱۳ نومبر ۲۰۱۵ء بروز جمعہ مبارکہ:

زائرین نے نماز فجر باجماعت جامع مسجد برکاتی میں ادا کی اور اس کے بعد درگاہ برکاتیہ پہنچے۔ روضہ حضور صاحب البرکات میں حلقہ ذکر قادریہ حافظ شہاب الدین برکاتی سابق امام جامع مسجد برکاتی نے کرایا اور زائرین اس میں شریک ہوئے۔ حلقہ ذکر قادریہ کے بعد قرآن خوانی ہوئی ایصال ثواب کے بعد شیرینی تقسیم ہوئی قرآن خوانی کے بعد زائرین عرس کو ناشتہ کرایا گیا۔ ناشتہ میں پوری، انڈے اور آلو کی سبزی کے ساتھ چائے کا اہتمام تھا۔

۹ بجے عرس شریف کی پہلی محفل کا آغاز درگاہ برکاتیہ میں ہوا۔ چونکہ آج روز جمعہ ہے اس لئے زائرین غسل وغیرہ کر کے درگاہ برکاتیہ پہنچے۔ حافظ محمد تابش رضا برکاتی، متعلم جامعہ احسن البرکات، مارہرہ نے تلاوت کی۔ محمد قاسم برکاتی متعلم جامعہ ہذا نے حمد باری تعالیٰ پڑھی۔ محمد امن، متعلم جامعہ احسن البرکات، احمد نبیل برکاتی مدرسہ قاسم البرکات، نواز علی درجہ قرأت، محمد عمر قادری برکاتی ابن محمد اظہر قادری برکاتی، ارن، ممبئی، محمد برکت، مدرسہ قاسم البرکات، محمد موسیٰ برکاتی، پور بندر، گجرات، سید محمد قاسم برکاتی متعلم جامعہ احسن البرکات، مارہرہ، محمد حسان رضا برکاتی، محمد توصیف رضا برکاتی، محمد علی، محمد فرید برکاتی وغیرہ طلبہ جامعہ احسن البرکات مارہرہ۔ عبدالنبی برکاتی ابن عبدالعزیز سنی، ممبئی اور محمد ریحان برکاتی متعلم مدرسہ قاسم البرکات، مارہرہ نے نعت و مناقب پیش کیں۔ مولانا قاری محمد اکبر علی برکاتی، مدرس مدرسہ قاسم البرکات، مارہرہ نے نعت پاک پڑھی۔ عبدالواحد برکاتی متعلم جامعہ ہذا نے تقریر کی۔ حضرت مولانا عبدالحمید سالم القادری عرف سالم میاں صاحب سجادہ نشین خانقاہ قادریہ بدایوں شریف نے نہایت نیاز مند انداز میں خطاب فرمایا۔ شاعر اسلام محمد فاروق نوری، مدنا پوری نے کلام پیش کیا۔ رفیق ملت مدظلہ کے بیان کے بعد صاحب سجادہ حضرت امین ملت مدظلہ العالی نے زائرین کو خطاب کیا۔ عرس شریف میں آنے والے تمام زائرین کا استقبال کیا، عرس شریف میں ہونے والی تمام تقاریب کا اعلان

اور پروگرام توکل کی محفل میں حضرت شرف ملت نے بتا ہی دیا تھا۔ حضرت صاحب نے ان سب محافل میں شریک ہونے اور عرس شریف کی ساری تقاریب میں حصہ لینے کی زائرین عرس کو تاکید فرمائی اور دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ تمام آنے والوں کو بزرگان مارہرہ کے فیضان سے مالا مال کرے۔

جامع مسجد برکاتی، مسجد چھوٹی سرکار اور مسجد محمدی میں نماز جمع ادا کی گئی۔ کثیر مجمع کے پیش نظر گلشن برکات میں نماز جمعہ کا انتظام کیا گیا تھا۔ اس سال راقم الحروف نیز سید محمد امان میاں نے بھی نماز جمعہ گلشن برکات میں پڑھی۔ نماز جمعہ کے بعد زائرین عرس نے درگاہ برکاتیہ میں حاضری دی اور اس کے بعد کھانا تناول کیا۔ عصر کی نماز کے بعد گلشن برکات میں تربیت کیمپ منعقد ہوا اور منبر سے اصلاحی بیانات ہوئے جس سے زائرین عرس نے استفادہ کیا۔ درگاہ برکاتیہ و بڑی درگاہ شاہ عبدالجلیل صاحب پر روحانی کیمپ کا انعقاد ہوا۔ جس میں پنج سورہ، قرآن پاک اور تسبیحات پڑھنے کا اہتمام کیا گیا اور کافی تعداد میں شرکائے عرس نے اس میں شرکت کی۔

بعد نماز عشاء گلشن برکات میں دوسری محفل کا انعقاد ہوا۔ مولوی محمد خالد برکاتی متعلم جامعہ احسن البرکات، مارہرہ مطہرہ نے تلاوت قرآن پاک سے آغاز کیا۔ سید فرقان علی قادری برکاتی، علی گڑھ نے حمد باری تعالیٰ پڑھی۔ قاری محمد جاوید برکاتی، علی گڑھ نے حمد باری تعالیٰ پڑھی۔ قاری محمد جاوید برکاتی مدرسہ جامعہ احسن البرکات، مارہرہ، محمد زکریا گجرات، محمد نفیس الحسن برکاتی، مارہرہ شریف نے نعتیں پڑھیں۔ اس کے بعد مقابلہ قرأت شروع ہوا۔ جس میں مندرجہ ذیل قراء نے حصہ لیا۔

- ۱- ارشد اقبال، مرکزی دارالقرأت، جھارکھنڈ۔
- ۲- محمد فیصل، دارالعلوم علیہ، جہد اشاہی، اتر پردیش
- ۳- محمد توصیف، مدرسہ قاسم البرکات، مارہرہ مطہرہ۔
- ۴- محمد سلیم، جامعہ امجدیہ رضویہ، گھوسی۔
- ۵- محمد اتمش، جامعۃ القراء، لکھنؤ۔

- ۶- محمد تابش، جامعہ احسن البرکات، مارہرہ مطہرہ۔
- ۷- سہیل احمد، دارالعلوم نورالحق، محمد پور، چرہ، فیض آباد
- ۸- محمد خالد، جامعہ برکات تیس سیدالعلوم، کاسلج
- ۹- منور علی، مدرسہ حنفیہ ضیاء القرآن، لکھنؤ
- ۱۰- عبدالسلام، الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ
- ۱۱- شہزاد عالم، دارالعلوم انوار المصطفیٰ، تیلی باغ، لکھنؤ۔
- ۱۲- محمد دانش، دارالعلوم شاہ ولایت، قبول پور، بدایوں۔
- ۱۳- محمد عطاء اللہ، الجامعۃ الاسلامیہ، روناہی

مندرجہ بالا سبھی بچوں نے فن قرأت کا بہترین مظاہرہ کیا۔ اپنے اپنے تعلیمی مرکز کا نام روشن کیا۔ چونکہ یہ مقابلہ تھا اس لئے کسی نہ کسی کو تو سبقت لے ہی جانا تھا۔ نتیجہ کے اعلان کے مطابق منور علی، مدرسہ حنفیہ ضیاء القرآن، لکھنؤ اول نمبر پر رہے، عبدالسلام، الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ دوسرے مقام پر رہے اور شہزاد عالم دارالعلوم انوار المصطفیٰ، تیلی باغ، لکھنؤ، تیسرے مقام پر رہے۔

عرس شریف کا دوسرا دن یعنی ۱۴ نومبر ۲۰۱۵ء بروز ہفتہ:

۱۴ نومبر ۲۰۱۵ء بروز ہفتہ معمول کے مطابق درگاہ برکات تہ میں ذکر حلقہ قادریہ ہوا اس کے بعد قرآن خوانی ہوئی۔ ۹ بجے گلشن برکات میں تیسری محفل کا آغاز ہوا۔ حافظ محمد امن قادری متعلم جامعہ احسن البرکات، مارہرہ مطہرہ نے قرآن پاک کی تلاوت کی۔ محمد قاسم برکاتی نے حمد رب سبحانہ تعالیٰ پڑھی۔ جناب جابر علی، نصیر پور غوثو، شاعر اسلام محمد اختر نوری، جہار کھنڈ، محمد طارق نوری، بریلی شریف، مولانا محمد قاسم حبیبی صاحب کانپور، قاری محمد میکائیل ضیائی صاحب کانپور، جناب کلیم دانش، کانپور، جناب یادوارثی، کانپور، سید فرقان علی، علی گڑھ، محمد زکریا، گجرات، محمد عنبر قادری برکاتی، ارن، نوی ممبئی، محمد فرید، ضیاء المصطفیٰ، محمد تصیف رضا، محمد کاشف وغیرہم طلبائے جامعہ احسن البرکات مارہرہ مطہرہ، محمد خالد، عبدالقادر طلبائے قاسم البرکات، محمد شکیل نوری بریلی شریف، قاری ابوذر صاحب الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور، مولانا شکیل

نوری بریلی نے نعت ومنقبت و تقاریر کیں۔ عبدالواحد برکاتی متعلم جامعہ احسن البرکات نے تقریر کی۔ مولانا محمد حسن متعلم البرکات اسلامک ریسرچ اینڈ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ نے حضرت سیدنا میر عبدالواحد بلگرامی علیہ الرحمۃ سے لے کر حضور احسن العلماء تک کے بزرگوں کے حالات پر روشنی ڈالی۔ اس کے بعد محمد نفیس الحسن برکاتی نے نعت پاک پڑھی۔

چونکہ آج کی تقریب میں ”عوام کے سوالات علمائے کرام کے جوابات“ کے تحت بہت سارے سوالات جمع ہو گئے تھے لہذا برکاتی مفتی سراج الفقہ مفتی نظام الدین صاحب نے ان کے تسلی و تشفی بخش جوابات دیے۔ مفتی محمد حنیف صاحب، کانپور، اور مولانا سید محمد امین صاحب، مالگاؤں ان دونوں حضرات نے تقاریر کیں۔ جناب محمد رضوان صاحب مبلغ سنی دعوت اسلامی، ممبئی نے اپنے والہانہ انداز ترنم سے سرکارِ دو عالم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ بے کس پناہ میں نذرانہ عقیدت پیش کیا۔ ان کے بعد مولانا ریاض الدین امجدی، البرکات اسلامک ریسرچ اینڈ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ، علی گڑھ نے تقریر کی۔ صلوٰۃ وسلام کے بعد دعا ہوئی اسی کے ساتھ یہ محفل اختتام کو پہنچی۔ زائرین نماز ظہر اور کھانے کے لیے چل دئے۔

بعد نماز عصر ہی جلوس کی تیاری شروع ہو گئی اور نماز مغرب ہوتے ہی گاگر و چادر کا جلوس درگاہ برکات تہ سے بڑے پیر صاحب یعنی سیدنا عبدالجلیل صاحب کی درگاہ اور وہاں سے شہر میں گشت کے لئے روانہ ہونے لگا۔ جلوس ۹ بجے کے قریب واپس خانقاہ شریف آیا اور صاحب سجادہ کو سلامی دینے کے بعد درگاہ برکات تہ پر چادریں چڑھائی گئیں اور فاتحہ پڑھا گیا۔ ٹھیک ساڑھے نو بجے رسم خرقہ پوشی ہوئی اور حضور صاحب سجادہ حضرت امین ملت لباس بزرگان زیب تن کئے ہوئے درگاہ برکات تہ تشریف لائے اور اپنے مرشدان عظام کے مزارات پر مراقب ہوئے۔ اس کے بعد گلشن برکات میں منبر نور پر جلوہ افروز ہو گئے۔ تمام مریدین و زائرین قطار در قطار حاضر ہوئے اور دست بوسی کی اور نذر پیش کیں۔ اس کے ساتھ ساتھ عرس قاسمی کی چوتھی شب خرقہ پوشی کی محفل کا آغاز قاری ادریس رجب صاحب، ساؤتھ افریقہ نے کلام ربانی سے کیا۔ سید فرقان علی، علی گڑھ، سید نفیس الحسن مارہرہ، محمد موسیٰ

قادری، ساؤتھ افریقہ، محمد سرفراز، محمد توصیف برکاتی، متعلم جامعہ احسن البرکات، مارہرہ، عبد النبی برکاتی، محمد حسین صابری، شبیر بادشاہ، گوئڈل، گجرات، محمد معین برکاتی، بنگلور، کرناٹک، محمد رضوان، مبلغ سنی دعوت اسلامی، ممبئی، سید محمد امین برکاتی، مالیگاؤں، محمد حمزہ برکاتی، کراچی، پاکستان وغیرہم نے نعت ہائے مبارکہ اپنے اپنے والہانہ انداز ترنم سے پڑھیں سامعین جھوم جھوم اٹھے۔ خوب تکبیر و رسالت کے نعرے لگے صاحب سجادہ بھی بہت محفوظ ہوئے۔

مولانا محمد وقار عزیزی صاحب، بھونڈی، مہاراشٹر نے اپنے خصوصی انداز مخاطب سے مشائخ مارہرہ کی شان بیان کی، ان کے علمی اور روحانی کارناموں کو بتایا کہ کس طرح انہوں نے اپنے اپنے زمانہ میں دین اسلام اور خلق کے لئے کارنامے انجام دیئے۔ ان کے بعد مفتی محمد حنیف صاحب، کانپور نے نہایت فصیح و بلیغ تقریر فرمائی۔ انہوں نے بتایا کہ مسلمان اگر سچے معنی میں اپنے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غلام بن جائیں اور ان کی سنتوں پر عمل پیرا ہو جائیں تو دنیا کی کوئی طاقت ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی وہ اپنی جان، مال اور ملک کی حفاظت خود کر سکتے ہیں۔ مفتی حنیف صاحب کے بعد جناب محشر بریلوی اور مولانا محمد فاروق مدناپوری نے اپنا اپنا کلام پیش کیا، محمد عابد رضا متعلم جامعہ احسن البرکات مارہرہ شریف نے عربی زبان میں تقریر کی۔ حضرت امین ملت مدظلہ کے دست مبارک سے مولانا عبدالمبین نعمانی صاحب کو سپاس نامہ پیش کیا گیا ان کی اعلیٰ علمی اور دینی خدمات کی حوصلہ افزائی کے واسطے۔ ان کے بعد حضرت رفیق ملت نے چند دعائیں کلمے ارشاد فرمائے اور اس کے بعد حضرت امین ملت مدظلہ منبر شریف پر جلوہ افروز ہوئے اور اپنے قیمتی ارشادات عالیہ سے سامعین و حاضرین کو مستفیض فرمایا۔ درگاہ اعلیٰ حضرت کے متولی و سجادہ نشین حضرت سبحانی میاں صاحب کے صاحبزادے مولانا شیران رضا خاں صاحب کو خلافت عطا فرمائی۔ حضرت صاحب کی دعا و صلوة و سلام پر محفل اختتام پذیر ہوئی۔ زائرین کھانا کھانے آرام کرنے اور دوسری ضروریات کے لئے چلے گئے۔

عرس شریف کا تیسرا دن یعنی ۱۵ نومبر ۲۰۱۵ء بروز اتوار:

عرس قاسمی شریف کے تیسرے اور آخری دن یعنی قل شریف کے دن حسب معمول بعد نماز فجر حلقہ ذکر قادریہ، قرآن خوانی اور اس کے بعد ٹھیک نو بجے پانچویں اور آخری قل شریف کی محفل کا آغاز قاری محمد جاوید صاحب، مدرس جامعہ احسن البرکات مارہرہ مطہرہ نے تلاوت کلام ربانی سے کیا۔ جناب سیف رضا صاحب، بریلی نے حمد باری تعالیٰ پڑھی۔ حافظ بلال برکاتی، مارہرہ شریف، حافظ محمد تنویر، دہلی، محمد عاصم رضا، بریلی، ہلچل رضا، لکھنپور، محمد مستان برکاتی، اندور نے نعت شریف پڑھی۔ محمد عارف رضا متعلم جامعہ احسن البرکات مارہرہ شریف نے تقریر کی جس کا موضوع تھا سیرت حضرت سیدنا آل رسول احمدی علیہ الرحمہ۔ سید محمد نفیس الحسن برکاتی، مارہرہ، شاعر اسلام محشر بریلوی، مولانا محمد فاروق مدناپوری، ڈاکٹر رضوان الرضا رضوان صاحب، محمد معین برکاتی بنگلور کرناٹک وغیرہم نے نعتیں اور مقبتیں پڑھیں۔ مولانا محمد شمیم الزماں قادری صاحب، کلکتہ اور مفتی محمد رفیق نوری صاحب کھناپوری، بہرائچ، مولانا محمد موسیٰ قادری نوری ساؤتھ افریقہ، قاری ادریس رجب صاحب، ساؤتھ افریقہ نے اپنے اپنے خطاب سے نوازا۔ جامعہ احسن البرکات کے دو طالب علم محمد کاظم رضا اور نظام الدین نے حضور نوری میاں علیہ الرحمہ اور حضور شاہ حمزہ عینی علیہ الرحمۃ کی حیات طیبہ پر تقریریں کیں۔ احمد رضا منظری، محمد حسین برکاتی اور محمد خالد برکاتی متعلم جامعہ احسن البرکات نے تقاریر کیں۔ چونکہ قل شریف کی محفل میں علمائے کرام کی خاصی تعداد ہو جاتی ہے اور قل بھی وقت پر ہونا ہوتا ہے اس کے بعد تبرکات کی زیارت کرانا ہوتی ہے لہذا چند علمائے کرام کو پانچ پانچ دس دس منٹ کا وقت دیا جاتا ہے اپنے اپنے تاثرات پیش کرنے کے لئے۔ علمائے کرام جنہوں نے بیان کیا ان کے اسمائے گرامی بالترتیب یہ ہیں۔ مفتی محمد حنیف برکاتی، کانپور، مولانا سید محمد امین القادری، مالیگاؤں، مولانا عبد الرحمن برکاتی، جامعہ شمس العلوم سنگاؤں، فتحپور، مولانا وقار عزیزی صاحب، بھونڈی، مفتی عبدالمنان کلیمی، مراد آباد، مولانا صغیر احمد جوگھن پوری وغیرہم۔ منبر برکاتی علمائے کرام و مشائخ عظام سے کچھ کچھ بھرا ہوا تھا۔ جامعہ احسن البرکات اور مدرسہ قاسم البرکات کے اساتذہ بھی منبر پر تشریف فرما تھے جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں: مولانا محمد اقبال احمد نوری

مصباحی، پرنسپل جامعہ احسن البرکات، مولانا مفتی محمد عرفان ازہری، مولانا ضیاء الحق مصباحی، مولانا محمد فیصل مصباحی، مولانا قاری محمد اکبر علی برکاتی، قاری محمد ابرار برکاتی، قاری محمد کوثر برکاتی، قاری صدر الدین نوری، قاری رحمت اللہ نوری، حافظ محمد شہاب الدین برکاتی، مولانا محمد تنویر صاحب اور قاری محمد عرفان صاحب قادری برکاتی فحوری توہر محفل میں موجود رہے اور نظامت کے فرائض بھی آپ ہی نے بہت ہی حسن و خوبی کے ساتھ انجام دیئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس خدمت کو قبول فرمائے اور جزائے خیر عطا کرے۔ آمین۔

شب خرقہ پوشی میں مولانا عبدالمبین نعمانی صاحب کو سپاس نامہ پیش کیا گیا تھا، قل کی محفل میں حضور صاحب سجادہ کی اجازت سے برکاتی ٹور اینڈ ٹریولس نے مولانا عبدالمبین نعمانی صاحب کو ان کی خدمات کے لئے عمرہ کرانے کا اعلان کیا۔

آخر میں ساقیان دربار شاہ قاسم بالترتیب حضرت رفیق ملت مدظلہ، حضرت شرف ملت مدظلہ اور حضور صاحب سجادہ پیر طریقت گل گلزار قادریت و برکاتیت جانشین قاسم نعمت حضرت سیدی سرکار امین ملت دامت برکاتہم القدسیہ نے اپنے قیمتی ارشادات عالیہ سے نوازا جس کا انتظار سال بھر تک زائرین کرتے ہیں۔ حسب معمول صاحب سجادہ نے چند نصیحتوں کے بعد تمام زائرین اور دیگر معاونین عرس، منتظمین، پولیس، صفائی والے اور جس نے جس طرح سے بھی مدد کی سب کا تہہ دل سے شکریہ ادا کیا ہے۔ اس کے بعد صف بندی کا حکم ہوا۔ زیارت آثار شریفہ کرائی گئی۔ اسی کے ساتھ عرس شریف کی آخری تقریب مکمل ہوئی اور عرس قاسمی برکاتی پایہ تکمیل کو پہنچا۔ تمام زائرین کھانے سے فارغ ہوئے اور نماز ظہر ادا کرنے کے بعد اپنے اپنے مقامات کے لئے روانہ ہونے لگے۔ بہت سارے حضرات داخل سلسلہ ہوئے۔

اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعا ہے کہ اسی طرح یہ عرس قاسمی برکاتی ہر سال اپنی دینی علمی شان و شوکت کے ساتھ منعقد ہوتا رہے اور صاحب سجادہ اور ان کے برادران صحت و تندرستی کے ساتھ قائم و دائم رہیں۔ آمین بجاہ النبی علیہ الصلاۃ والتسلیم۔

سالانہ فاتحہ حضور احسن العلماء علیہ الرحمہ

محمد اکبر قادری

اکاؤنٹ آفیسر، البرکات ایجوکیشنل سوسائٹی، علی گڑھ

ایک سو اسی سالانہ فاتحہ مرشد برحق مرشد اعظم ہند حضور احسن العلماء حضرت علامہ سید شاہ مصطفیٰ حیدر حسن میاں قادری برکاتی علیہ الرحمہ کا ۱۵/۱۴ ربیع الآخر ۱۴۳۳ھ مطابق ۲۶، ۲۵ جنوری ۲۰۱۶ء بروز پیر و منگل خانقاہ و درگاہ برکاتیہ میں منعقد ہوا۔

۱۴ ربیع الآخر بروز پیر کو صبح ہی سے برادران طریقت فاتحہ میں شرکت کے لئے آنا شروع ہو گئے۔ حسب معمول بعد نماز عصر پھولوں کی چادر کا جلوس حویلی شریف سے بڑی درگاہ کے لئے حضرت رفیق ملت کی قیادت میں روانہ ہوا۔ شہزادگان خاندان سید محمد امان میاں، سید محمد عثمان میاں، سید حسن حیدر میاں، سید محسن میاں اور جامعہ احسن البرکات کے اساتذہ اور طلبہ سب ساتھ تھے۔ بڑی درگاہ پہنچ کر مزار پرانوار حضرت سیدنا میر عبد الجلیل علیہ الرحمہ کے ارد گرد باادب بیٹھ گئے۔

تلاوت کلام ربانی کے بعد جامعہ احسن البرکات کے طالب علم نے نعت پاک پڑھی اور اس کے بعد حضور غوث پاک کی شان میں منقبت پڑھی۔ حضرت رفیق ملت نے فاتحہ اور شجرہ عالیہ قادریہ برکاتیہ بڑھ کر دعا فرمائی۔ اس کے بعد جلوس واپس درگاہ برکاتیہ حاضر ہوا اور وہاں پر چادریں اور پھول حضرت احسن العلماء کے مزار شریف پر پیش کر دی گئیں۔ نماز مغرب کا وقت بہت قریب تھا اس لیے مختصر فاتحہ خوانی ہوئی۔ نماز مغرب جامع مسجد برکاتی میں ادا کی گئی۔ چونکہ اب یہ فاتحہ کی تقریب کے سردیوں موسم میں آگئی ہے اس

لئے عشا کی نماز جلدی ہوتی ہے لہذا اول وقت نماز عشاء ادا کی گئی اور اس کے فوراً بعد درگاہ شریف میں صحن قاسم البرکات میں محفل کا آغاز قرآن پاک کی تلاوت سے کیا گیا۔ نعت و مناقب پڑھی گئیں اور ٹھیک آٹھ بج کر پچاس منٹ پر حضرت امین ملت مدظلہ العالی نے فاتحہ قل پڑھا۔ شجرہ عالیہ قادریہ برکاتیہ پڑھ کر ایصال ثواب کیا اور دعا فرمائی۔ اس کے بعد تقاریک سلسلہ شروع ہوا۔ علمائے کرام نے صاحب عرس کے حالات زندگی بیان کئے۔ مفتی محمد حنیف صاحب نے خطاب فرمایا۔ حضرت رفیق ملت نے اصلاحی بیان کیا۔ حضرت شرف ملت مدظلہ نے اپنے کلام سے نوازا۔ آخر میں حضرت امین ملت نے ارشادات عالیہ سے نوازا اور صلوٰۃ سلام کے بعد محفل اختتام کو پہنچی۔

تمام زائرین کھانے سے فارغ ہوئے اور اپنی اپنی قیام گاہ پر آ گئے۔ فجر کی نماز باجماعت جامع مسجد برکاتی میں ادا کی گئی۔ زائرین نماز فجر کے بعد درگاہ شریف حاضر ہوئے۔ آٹھ بجے قرآن خوانی ہوئی۔ فاتحہ اور ایصال ثواب کے بعد شیرینی تقسیم کی گئی۔ ٹھیک نو بجے گلشن برکات کے گیٹ کے سامنے سب خانہ میں دوسری محفل منعقد ہوئی۔ ناظم اجلاس جناب قاری محمد عرفان قادری برکاتی نے تلاوت کلام ربانی سے آغاز کرایا۔ تلاوت کے بعد حمد باری تعالیٰ پڑھی گئی۔ جامعہ احسن البرکات اور مدرسہ قاسم البرکات کے طلبہ نعت خواں بچوں نے نعتیں اور منتخبیں پڑھیں۔ شعرائے اسلام جناب قاسم حبیبی اور مولانا فاروق مدناپوری نے نعت و مناقب پیش کیں۔ اس کے بعد تقاریک سلسلہ شروع ہوا۔ ماشاء اللہ جامعہ احسن البرکات کے بچوں کو فن خطابت بھی سکھایا جا رہا ہے ایک دو بچوں نے تقریریں کیں۔ مفتی محمد حنیف صاحب، کانپور اور مولانا وقار عزیزی صاحب بھیمونڈی نے اپنے مخصوص لب و لہجہ میں خطاب کیا۔ ان کے بعد مولانا تطہیر صاحب نے بیان فرمایا۔

رفیق ملت مدظلہ نے بیچ بیچ میں نظامت کے ساتھ قیمتی نصائح سے نوازا۔ حضرت شرف ملت مدظلہ العالی منبر پر تشریف لائے اور انہوں نے حضور احسن العلماء علیہ الرحمہ کی یادیں تازہ کر دیں۔ وقت رحلت آپ کی وصیت اور سنت نبوی کے طریقہ پر رحلت اور زباں سے اللہ تعالیٰ کے مبارک ناموں کا ورد سب بیان کیا جس کا چشم دید گواہ میں بھی ہوں۔ اللہ

تعالیٰ ہمارے مرشد کے درجات بلند فرمائے اور ان کے صدقہ میں ہم سب کا ایمان پر خاتمہ بالخیر ہو کر مغفرت و بخشش ہو جائے۔ (آمین) اس کے بعد شرف ملت نے اپنا کلام فیض ترجمان پیش کیا۔

آخر میں حضرت صاحب سجادہ و جانشین مرشد اعظم ہند امین ملت دامت برکاتہم القدسیہ نے ارشادات عالیہ سے نوازا۔ علم حاصل کرنے، سنتوں پر عمل پیرا ہونے اور اپنے مرشدان عظام کے دامن کو مضبوطی سے تھامے رہنے کی نصیحت فرمائی۔ صلاۃ و سلام پڑھا گیا۔ حضرت صاحب نے بیچ آیت شریفہ مع شجرہ عالیہ قادریہ برکاتیہ پڑھ کر دعائیں کیں۔ اسی کے ساتھ یہ آخری محفل اپنے اختتام کو پہنچی۔ تمام حاضرین کھانا کھا کر اور نماز ظہر ادا کر کے اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوئے۔ نئے آئے ہوئے حضرات داخل سلسلہ ہوئے۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ اسی طرح یہ محافل منعقد ہوتی رہیں۔ مسلمان خصوصاً برکاتی حضرات یہاں سے اللہ و رسول (جل جلالہ) صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی محبت و عظمت اپنے دلوں میں بساتے رہیں اور اپنی زندگیوں میں اللہ و رسول کے فرامین کو نافذ کر کے دنیا و آخرت کو کامیاب بناتے رہیں۔ آمین بجاہ سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام۔